ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

# تعلیم و ترقی

## نیا سال مبارک

جلد ۱۳ ـــــ نمبر ۱

بانی: شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر:-
پروفیسر محمد مجیب
برکت علی فراق
رفیق محمد شاستری

دفتر
ماہنامہ تعلیم و ترقی ۔ جامعہ نگر
نئی دہلی

## ترتیب



سالانہ چار روپے  فی پرچہ ۳۰ نئے پیسے
ٹیلیفون: ۴۴۴۲۳

طابع برکت علی فراق نے ... پریس ... میں چھپا کر دفتر تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا

# سوشل ایجوکیشن کے پڑتالیوں سے

پلاننگ کمیشن کی پلان پروجیکٹ کمیٹی کی طرف سے گذشتہ سال مئی میں چند تعلیمی منصوبوں کی رفتار ترقی کا جائزہ لینے کی غرض سے ایک کمیٹی مقرر ہوئی ہے جو استادوں کی ٹریننگ، رورل انسٹی ٹیوٹ اور سوشل ایجوکیشن کے کاموں کا جائزہ لے گی اور اپنی سفارشات پیش کرے گی اس کمیٹی نے پھر ہر منصوبے کے لئے الگ الگ ایک ایک کمیٹی بنادی ہے جو ان مضامین کے ماہرین پر مشتمل ہے۔

اس کمیٹی کے سامنے غور طلب امور (ٹرم آف ریفرنس) کی جو فہرست رکھی گئی ہے، وہ اگرچہ بہت محدود ہے اور اس میں یہ گنجائش نہیں ہے کہ کمیٹی ان پروجیکٹوں کے حدود و مواد سے متعلق بھی کوئی تجویز پیش کر سکے لیکن ہمارا خیال ہے کہ اگر کمیٹی اپنی پڑتال کی روشنی میں ایسے کسی نتیجے پر پہنچے تو اسے اس بات کو پوشیدہ نہیں رکھنا چاہئے بلکہ سفارشات کے ضمیمے ہی کے طور پر سہی اُسے منصوبہ بندی کرنے والے کے علم میں لانا ضرور چاہئے۔ اس باب میں ہمارا خطاب بالخصوص سوشل ایجوکیشن کی پڑتال کمیٹی سے ہے جس کے سامنے سوشل ایجوکیشن کی موجودہ کیفیت کا اظہار ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

سوشل ایجوکیشن کو، جن حالات سے وہ اِس وقت گذر رہی ہے، ان کے پیش نظر ایک نو آموز مالی کے باغیچے سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے جس میں انواع و اقسام کے پودے اُگ آئے ہیں۔ اور اسی ہریالی کو وہ باغیچے کی بہار سمجھ بیٹھا ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اڈلٹ ایجوکیشن کے پودے کو جس کے لئے یہ باغیچہ مخصوص تھا، یہ خودرو پودے اُبھرنے نہیں دے رہے ہیں اور اس کے حصے کی غذا خود کھاتے جا رہے ہیں۔

ترقی یافتہ دنیا کے کسی حصے کی سماجی تنظیم کا مطالعہ کر لیجئے، اڈلٹ ایجوکیشن کے اوپر صرف ایک فرض عائد ہوتا ہے یعنی بالغوں کی علمی سطح کو بلند کرنا اور تیزی سے بدلتے ہوئے حالات و اقدار کے پیش نظر ڈھلتی اور اُبھرتی ہوئی نسلوں کے درمیان مصالحت اور ہم آہنگی پیدا کرنا۔ اڈلٹ ایجوکیشن کے ساتھ معاشی ترقی کا تعلق براہ راست نہیں بالواسطہ ہوتا ہے اسی طرح جیسے لبرل ایجوکیشن افراد کے لئے ترقی کا زینہ بنتی ہے۔ براہ راست اڈلٹ ایجوکیشن کی راہ سے معاشی، سماجی، صحتی، سیاسی، اخلاقی اور تہذیبی بلندی کا خواب دیکھنا اور اس ارادے سے اس کی منصوبہ بندی کرنا اور اس کے اوپر یہ تمام ذمہ داریاں عائد کرنا اگر ایسا ہی کارگر حربہ ہوتا تو دنیا کی

ترقی یافتہ قومیں بے وقوف تو نہیں تھیں کہ اڈلٹ ایجوکیشن کے ان جادو اثر امکانات کو دیکھتے ہوئے اس سے صرف ایک مطالبہ کریں کہ وہ بالغوں کی علمی سطح کو بلند کرنے میں ان کی مدد کرے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے یہاں انسانی زندگی کے جتنے شعبے ہو سکتے ہیں، سب کی نشو و ارتقا کے لئے الگ الگ خدمات منظم طور پر قائم ہیں یہاں تک کہ سماجی بہبود سوشل ویلفیر کے بھی الگ سے محکمے اور وزارتیں قائم ہیں ـــ سوشل ویلفیر جسے ہمارے یہاں سوشل ایجوکیشن کی ایک اہم شاخ سمجھ لیا گیا ہے۔

خدا کا شکر ہے اور آزادی کی دیوی کا انعام کہ اب ہم نے بھی اپنے ملک میں سوشل ایجوکیشن کے دائرہ عمل میں آنے والے قریب قریب تمام شعبہ جاتِ زندگی کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے الگ الگ خدمات بڑے اور منظم پیمانے پر قائم کر لی ہیں۔ حصول آزادی کے وقت جو ہم نے معاشی خوشحالی، صحتی پروگرام، سماجی سرگرمیاں، سماجی بہبود اور نہ جانے کیا کیا کچھ سوشل ایجوکیشن کے پروگرام میں شامل کر لیا تھا، اس کی بات اور تھی۔ اُس وقت سیاسی اعتبار سے اس بات کی ضرورت تھی کہ ملک میں کچھ چہل پہل، کچھ گہما گہمی نظر آئے اس لئے کہ فوراً کمیونٹی ڈیولپمنٹ، صنعتی ڈیولپمنٹ، سوشل ویلفیر بورڈ اور اسی طرح کی دوسری خدمات کی بڑے پیمانے پر تنظیم ممکن نہیں تھی۔

سوشل ایجوکیشن کی تحریک کے اوپر اس وقت جمود کی جو کیفیت طاری ہے اُس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ جن پروگراموں کی بدولت یہ تحریک شروع شروع میں چلی تھی ان کی تکمیل کے لئے اب اتنے بڑے پیمانے پر خدمات قائم ہو چکی ہیں کہ ان کے مقابلے میں سوشل ایجوکیشن کے ماتحت ذیلی مشاغل اور ہابیز کی شکل میں چھوٹے پیمانے پر منظم کی جانے والی سرگرمیاں کسی کی نظر میں سماتی ہی نہیں ہیں۔ اور چونکہ خالصۃً تعلیمی پروگرام اس چمک دمک میں نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا یا کر دیا گیا تھا اور کسی کو اس کی مشق نہیں ہے۔ اس لئے خود تحریک کے کارکن اس کی طرف رخ کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آسان اور بھڑکیلے پروگرام بڑی بڑی خدمات کی طرف منتقل ہو گئے اور خالصۃً تعلیمی پروگرام میں مشق کی کمی کی وجہ سے جی نہیں لگتا تو سوشل ایجوکیشن کی تحریک میں اور رہ ہی کیا جاتا ہے۔

ان حالات میں مذکورہ بالا پڑتالی کمیٹی کو سوچنا ہوگا کہ آیا سوشل ایجوکیشن کی تحریک اسی طرح ادھر میں پڑی رہے گی یا اُسے اس کے صحیح مقام "اڈلٹ ایجوکیشن" پر فائز کرنا ہوگا۔ غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اڈلٹ ایجوکیشن کا دائرہ عمل اتنا وسیع ہے اور اس کے تقاضے اتنے شدید ہیں کہ کام کرنے والے کو سر اٹھانے کی فرصت نہیں مل سکتی۔ ہمیں اس بات کی پچ میں وقت نہیں گنوانا چاہئے کہ ہم نے اڈلٹ ایجوکیشن کی دقیانوسی اصطلاح کی جگہ سوشل ایجوکیشن کی فیشنیبل اور ماڈرن اصطلاح وضع کی تھی اب اگر اُسے چھوڑ کر ہم پھر اُسی دقیانوسی اصطلاح کو گلے لگائیں تو کوئی کیا کہے گا!

ہماری رائے میں اب وقت آ گیا ہے کہ سوشل ایجوکیشن کے دائرۂ عمل سے تمام فاضل چیزوں کو الگ کر دیا جائے ـــ اس لئے کہ اب اُن کے لئے الگ الگ خدمات قائم ہو گئی ہیں ـــ اور اسے خالصۃً اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگراموں تک محدود کر لیا جائے۔ اس

وقت ہماری سب سے اہم ضرورت ملک سے ناخواندگی کی لعنت کو ختم کرنا ہے۔ اس پروگرام کو کاموں کی فہرست میں سب سے پہلے رکھا جائے اور دوسرا قدم یہ ہو کہ نوسکھ بالغوں کی صلاحیت خواندگی کو پختہ کرنے اور اُسے کارگر اور پائدار بنانے کی غرض سے تسلسلی کورسوں، ٹیوٹوریل اسکولوں، بالغوں کے بنیادی، جونیر اور سینر ہائی اسکولوں کا جال بچھایا جائے۔ اسی پروگرام کے دوش بدوش لوگوں کو جماعتی زندگی کا خوگر اور جمہوری غور و فکر کا عادی بنانے کی غرض سے اپنے طور پر پڑھ دس منڈل، گرام منڈ گرام بھون اور کمیونٹی ہال وغیرہ قائم کرنے کی ترغیب بھی دی جاسکتی ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ اگر سوشل ایجوکیشن کی تحریک اتنا بھی کرلے تو یہ اُس کی سُرخروئی کے لئے بہت ہوگا لیکن ایسا اور اتنا کچھ ہونے کے لئے ایک شرط بھی ہے اور وہ یہ کہ سوشل ایجوکیشن یہ کام اُسی وقت انجام دے پائے گی جب گھاٹ گھاٹ کا پانی پلانے کے بجائے اُسے اُس کے آبائی وطن "محکمۂ تعلیمات" میں پھر سے بسا دیا جائے جہاں وہ ایک خود مختار بورڈ کی آغوش میں اپنی محفل سجائے اس لئے کہ اڈلٹ ایجوکیشن کی آزاد طبیعت سرکاری دفاتر کی چہار دیواری میں گھٹنے لگتی ہے اور اُس کی چھب نکھر نہیں پاتی۔

---

## بقیہ صـ۱۱ کا

بقیہ صـ۱۱ کا

کمیٹی نے اس بات سے اتفاق کیا کہ یہ بہت مناسب ہے کہ خواندگی کے پروگرام سے پنچایتوں کا گہرا رشتہ ہو مگر اس رشتے کی ٹھیک ٹھیک شکل کیا ہوگی، اس کا تعین مقامی حالات کی بنیاد پر کرنا چاہئے۔

کمیٹی نے ایک سفارش یہ بھی کی ہے کہ تعلیم، کمیونٹی ڈیولپ منٹ، اطلاعات اور براڈکاسٹنگ اور دوسرے متعلقہ امور کے مرکزی اور ریاستی وزیروں کی ایک کانفرنس بلائی جائے اور اس میں یہ طے کیا جائے کہ یہ اصول کہ سوشل ایجوکیشن کی منصوبہ بندی اور اس میں تال میل پیدا کرنے کی ذمے داری تعلیمی محکمے کے اوپر ہونی چاہئے، اس پر عمل کرنے کی راہ میں کیا دشواریاں ہیں؟ اور ان کو کس طرح حل کیا جاسکتا ہے۔

کمیٹی کے جلسے کی صدارت انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے صدر ڈاکٹر موہن سنگھ مہتا نے کی تھی، ان کے علاوہ اس میں شریمتی رینو مکرجی، ڈاکٹر وی۔ ایس جھا، ڈاکٹر ڈی۔ ایم سین، شری آر۔ پی۔ نائک، شری راجا رائے سنگھ، شری ایس۔ ایم عبد الحان، شری اے۔ آر۔ دیش پانڈے، شری این۔ ڈی۔ جے۔ راؤ، شری سوہن سنگھ، شری اے۔ جی۔ پوار، شری ایچ۔ محمد رضا، شری ایس۔ سی۔ دتا اور ڈاکٹر ایس۔ ناگپا شریک تھے۔

# سماج اور تفریح

یہ مضمون ڈاکٹر آرتھر مارگن کی مشہور کتاب "دی اسمال کمیونٹی" سے لیا گیا ہے۔ اصل مضمون بہت طویل ہے اور اس کا ہر پہلو اہم اور مطالعے کے قابل ہے۔ نیچے ہم صرف اس کا ایک پہلو دے رہے ہیں جو تفریح کی اہمیت اور معیار سے متعلق ہے۔ اس کے بعد (بشرط موقع) ہم اس کے دوسرے پہلو بھی شائع کریں گے

——— ایڈیٹر

## انسانی زندگی میں تفریح کا مقام

دل اپنی ہر دھڑکن کے بعد اور دوسری دھڑکن سے پہلے ذرا دیر دم لیتا اور آرام کرتا ہے۔ وہ جو ساٹھ ستر سال تک رواں دواں رہتا ہے اس کا راز کام اور آرام کے عمل کا یہی توازن ہے۔ البتہ جب کبھی اس کے اوپر زور پڑتا ہے تو کچھ مدت کے لئے وہ آرام ترک کر دیتا ہے اور اپنی دھڑکن کو تیز کر دیتا ہے۔ لیکن اگر دھڑکن کا یہ تسلسل زیادہ مدت تک قائم رہے تو یہی موت کا پیغام ثابت ہوتا ہے۔

کام اور فرصت، محنت اور آرام کے درمیان یہی توازن تمام زندگی کی بقا کا راز ہے جسے نظر انداز کرنا تباہی و بربادی کو دعوت دینا ہے۔ اگر کوئی تہذیب اپنی زندگی کی دوڑ کو مستقل تیز رکھتی ہے اور دم لینے کی طرف سے غفلت برتتی ہے تو بظاہر وہ بڑی ترقی کرتی نظر آئے گی لیکن دراصل ہوگا یہ کہ وہ بہت جلد بجھ جائے گی۔ یہ حقیقت اتنی اٹل ہے کہ جنگ کے مختصر زمانے میں بھی اگر زندگی کی رفتار کو تیز کر دیا جائے جس کے نتیجے کے طور پر آرام اور فرصت کا موقع نہ رہے تو زندگی کی یہ تنظیم دانشمندانہ تنظیم نہیں ہوگی۔

زندگی کے لئے تفریح اسی قدر ضروری ہے جس قدر کام۔ سماجی تنظیم میں تفریح کے لئے گنجائش نکالنا اچھی سماجی زندگی کا

کوئی معمولی اور بے حقیقت واقعہ نہیں ہے بلکہ سماجی بہبود کے جتنے بنیادی عناصر ہو سکتے ہیں، ان میں ایک بنیادی عنصر ہے۔ انسانی سماج نے کھیل کو بہ حیثیت مجموعی ہر جگہ اور ہر زمانے میں زندگی کی اولین ضرورت کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ ابتدائی اقوام کی بیشتر تاریخوں میں بڑی تفصیل کے ساتھ دعوتوں، ناچوں اور دوسری سماجی تفریحوں کا ذکر ملتا ہے اور ان سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ان مواقع کو وہی اہمیت اور مرتبہ حاصل تھا جو سماجی زندگی کے کسی اور پہلو کو۔

صحت مند طور پر زندہ رہنے کے لئے تفریح کی اتنی اہمیت ہے کہ اگر کسی قوم سے کہا جائے کہ وہ اپنے لئے آزادی اور تفریح میں سے کسی ایک چیز کو پسند کر لے تو بالعموم یہ ہوگا کہ وہ آزادی کو ترک کر دے گی اور تفریح کو منتخب کر لے گی۔ اس حقیقت سے دنیا کا تجربہ رکھنے والے جابر حکمراں خوب واقف ہیں۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے حقوق سے محروم کر دیں لیکن اگر وہ ان کے کھیلوں اور تفریح کے مواقع سے محروم کر دیں تو خود انکی کا خاتمہ ہو جائے۔ تاریخ شاہد ہے کہ برطانیہ میں شاہی کی بحالی کے دور میں جب مطلق العنان شاہ پسندوں اور جمہوریت پسند اصلاحیوں (پیورٹن) کے درمیان کشمکش تھی، اس وقت شاہ پسندوں نے اصلاحیوں کے دورِ حکومت اور جمہوریت کے اثرات کو کم کرنے کی غرض سے جو طریقے اختیار کئے تھے ان میں ایک تیر بہ ہدف طریقہ یہ تھا کہ پورے ملک میں کھیل کود کا ایک زبردست پروگرام چلا دیا گیا تھا جسے کرامویل کی اصلاحی حکومت نے نہ صرف نظر انداز کر دیا تھا بلکہ اس سے ان کو چڑھ ہو گئی تھی۔ کھیل اور دل بہلاؤ کے معاملے میں جمہوریت کو چاہیے کہ وہ جابرانہ ملوکیت کی دانش مندی اور دریا دلی سے سبق لے اور اس سے پیچھے نہ رہے (کرامویل کے جمہوری دورِ حکومت کو جو زوال ہوا، اُس کا ایک سبب کھیل کود کے معاملے میں اس کی جماعت کا یہ زاہدانہ طرزِ عمل بھی تھا۔)

زندگی کی دوسری کلاؤں کی طرح جن کی ترکیب سے تمدن کی تخلیق ہوتی ہے، کھیل کا آرٹ بھی یکایک نہیں سیکھا جا سکتا۔ عوامی کھیل جو ابتدائی اقوام کے لئے دل ہلکا کرنے کا اطمینان بخش وسیلہ بنے ہوئے ہیں، ان کے ارتقا میں صدیاں بیت گئی ہیں۔ امریکہ کے قدیم باشندوں کے لوک ناچ دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ ان کے ان ناچوں میں حرکات کی باریکی اور مہارت اتنے کمال کو پہنچی ہوئی ہے کہ یہ درجۂ کمال امریکی تھیٹروں کی کسی چیز میں دیکھنے کو نہیں ملے گا۔ مہارت کا نیا درجہ چھوٹے چھوٹے گاؤں میں کچھ نہیں تو ۱۰۰ سال کی مسلسل مشق سے حاصل ہوا ہے۔ عوامی فنون کے ارتقا میں کوئی ایک نسل کچھ زیادہ ترقی نہیں کر پاتی۔ بلکہ ہوتا یہ ہے کہ اُسے ماضی سے ایک مقررہ معیار وراثت میں ملتا ہے جس میں وہ اپنی استعداد کے مطابق اضافہ کرتی ہے۔

کھیلوں کا ارتقا جس سست رفتاری سے ہوتا ہے اس کی وضاحت ایک واقعے سے ہوتی ہے جو میرے مشاہدے میں آیا ہے۔ بہت عرصہ ہوا جب میں نے کپاس کے کھیتوں میں ایک مرتبہ دیکھا کہ جس طرح شمال کے گورے بچے کھیل کھیلتے ہیں اس طرح حبشی بچے نہیں کھیل پاتے۔ میں نے سمجھا کہ یہ بچے بچے فطرتاً کچھ مختلف واقع ہوتے ہیں لیکن کچھ عرصے کے

اس سلسلے پر جنوبی افریقہ کے اقوامی تعلقات کے ڈائرکٹر (ریس ریلیشنز) سے بات چیت ہوئی تب کہیں اس کا راز کھلا۔ اقوامی تعلقات کے ڈائرکٹر نے مجھے بتایا کہ حبشی بچے اپنے افریقی گاؤں میں اپنے عوامی کھیل کھیلتے ہیں اور اُسی طرح کھیلتے ہیں جیسے ہر قوم کے بچے اپنے اپنے وطنوں میں اپنے اپنے کھیل کھیلتے ہیں۔ امریکہ میں جو فرق آپ بتا رہے ہیں، اُس کی وجہ ظاہر ہے جس میں زمانے میں بالغ حبشی غلام امریکہ پہنچائے گئے تھے تو اُس وقت وہ اپنے وطنی ماحول سے بالکل کٹ کر علیحدہ ہو گئے تھے، اور چونکہ انھیں تقریباً دن دن اور رات رات بھر کام کرنا پڑتا تھا اس لئے اتنا وقت ہی انھیں نہیں ملتا تھا کہ وہ اپنے وطنی اطوارِ زندگی کو برت سکیں اس حالت میں جب ان کے بچے ہوئے اور وہ بڑے ہوئے تو انھوں نے اپنے آپ کو اپنے وطنی اطوارِ زندگی سے بالکل کٹا ہوا اور نا آشنا پایا۔ پھر جب ان بچّوں کے بعد اور بچے پیدا ہوئے تو وہ اپنی عمر سے بڑے بچّوں سے یہ اطوار سیکھ نہ سکے کیونکہ بڑی عمر کے بچے خود اپنے ان وطنی اطوار سے ناواقف تھے۔" اس صورت حال کو دو سو برس ہو گئے لیکن اس نئی دنیا میں کھیل کے عوامی طریقوں کو از سرِ نو اختیار کرنے کے لئے یہ طویل مدت بھی کافی نہ ہوئی۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے جس سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ ان بچّوں میں کھیل کے شوق کی کمی نہیں تھی بلکہ وہ کھیل کھیلنے کے علم سے ناواقف تھے۔

بہت عرصہ ہوا حبشی بچّوں کے اسکولوں میں ہیمپٹن انسٹی ٹیوٹ کے کچھ سیاہ فام اُستاد ایک سال تک بچوں کو انگریزی عوامی کھیل سکھانے کے لئے جاتے تھے۔ اس واقعے کے کئی سال بعد جب کہ یہ بچّے بڑے ہو گئے تھے اور اسکول چھوڑ چکے تھے، ایک بار انہی اسکولوں کا پھر معائنہ کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ ان اسکولوں میں اب بھی بچّے وہی کھیل کھیل رہے ہیں۔ اسکولوں کی آبادی اگرچہ بالکل بدل گئی تھی لیکن کھیلوں کی روایت جوں کی توں زندہ تھی اس لئے کہ کم عمر بچّوں نے بڑی عمر کے بچّوں کے ساتھ کھیل کھیل کر ان کھیلوں کے آداب و اطوار سیکھ لئے تھے۔ یہ واقعہ اس بات کی شہادت ہے کہ کمی کھیل کے شوق کی نہیں بلکہ کھیل کے آداب و قواعد کے علم کی تھی۔

## تفریح کا معیار

انسان کے ہر عمل میں ایک طرف اُجڈپن، بے ہودگی اور بازاریت اور دوسری طرف سلیقہ، خوش معیاری اور حُسن ہوتا ہے اور اس اعتبار سے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اگر اول الذکر کیفیت کو موخر الذکر میں تبدیل کرنا ہو تو اس کے لئے قابلیت، تجربہ، مہارت اور رہنمائی کی صفت ضروری ہے۔ بالکل یہی بات تفریح کے معاملے میں بھی صادق آتی ہے۔ اس حقیقت کو ذہن میں رکھئے اور سوچئے کہ کھیل کا فن نہ جانتے ہوئے کھیلنے کی کوشش کرنا معیار پسندی کے لئے کتنا دردناک المیہ ہے۔

بقول شاعر

غم زدہ لوگوں کی چھٹی کا دن
بادشاہوں کے یوم وفات سے بھی غم ناک ہوتا ہے

کچھ عرصہ پہلے تک گاؤں میں منایا جانے والا یوم آزادی (۴ جولائی کا جشن) یا ضلعوں کی سالانہ نمائشیں بس نہ پوچھیے جاہل اور گنوار لوگوں کے بے تکے پن کی جیتی جاگتی تصویریں تھیں۔

میں نے اپنے لڑکپن میں عوامی ناچوں کی کیفیت دیکھی تھی بس اُٹ پٹانگ اور اُجڈ قسم کی اُچھل کود تھی جس میں نہ حرکات کے حسن کا کوئی شعور تھا اور نہ فن کی پختگی؛ اپنے جوڑے کو دھکا دے کر گرا دینا اس کی سب سے بڑی کلا تھی۔ اس تجربے کی بنا پر میں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ لوک ناچ میں بجائے خود بے تکے پن اور بازاریت کا عنصر ہوتا ہے۔ لیکن اس کے بعد جب میں نے انہی ناچوں کو ایک ماہرِ فن اُستاد کی رہنمائی میں دیکھا تو ان کے اندر جو فن، جو دلکشی اور جو حُسن نظر آیا اس سے میری آنکھیں کھل گئیں۔

تفریح ہو یا انسانی سرگرمی کا کوئی اور پہلو ہو، اس میں ایک معیار سے دوسرے معیار تک پہنچنے کا عمل تہذیب کا عمل ہے۔ تفریح میں بھی تخلیقی صلاحیت، علم و واقفیت، فن اور رہنمائی کے اتھاہ مواقع ہیں جن سے کھیل ایک عظیم الشان آرٹ بن جاتا ہے۔ کوئی قوم اس وقت تک مہذب نہیں ہو سکتی جب تک اس کے اندر تخلیقی صلاحیت، فن کی پختگی، اور اس کے کھیلوں میں زندہ دلی اور حرارت نہ آ جائے۔ اس مشینی دور کی خصوصیت یہ ہے کہ فرصت کے مواقع زیادہ سے زیادہ پیدا ہوتے جا رہے ہیں۔ اس خصوصیت کے پیش نظر سماجی معاملات میں تفریح کی اہمیت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور اس اعتبار سے اس فن میں ذہانت اور تنوع کی ضرورت پہلے سے اب بہت زیادہ ہے اور اگر یہ شرط پوری ہو جائے تو اس سے زندگی میں زیادہ بلند معیاری، زیادہ تنوع، اور زیادہ لذت پیدا ہو جانے کے موقعے ہیں۔

بڑی قوم کی بڑائی اس کی زندگی کے ایک ایک معمول سے ظاہر ہوتی ہے۔ اسی طرح کوئی گھٹیا قوم ہو تو وہ جو کام بھی کرے گی، اس سے اس کا گھٹیا پن نظر آئے گا۔ بڑائی اور گھٹیا پن کسی قوم کی پیدائشی خصوصیت نہیں ہوتی بلکہ وہ نتیجہ ہوتا ہے اس قوم کے گھٹیا ماحول میں پلنے بڑھنے کا۔ ہم جس چیز کے بُری طرح عادی ہو جاتے ہیں، وہ ہماری فطرتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔ اگر کسی قوم کے نوجوان ابتدا ہی سے چھچھوری اور بے تکی باتوں کے عادی ہو جائیں تو پھر اس سے مختلف ہر بات انھیں پھیکی اور بے مزہ ہی معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر وہ خوش سلیقگی اور ستھرے پن کے خوگر ہوں تو بدسلیقگی اور چھچھورے پن سے انھیں تکلیف اور انقباض ہونے لگتا ہے۔

یہ اصول تفریح پر بھی اُسی طرح صادق آتا ہے جس طرح کسی اور انسانی عمل پر۔ قوموں کی سیرت کی تعمیر اس کے

کھیلوں کے ذریعے اسی طرح ہوتی ہے جیسے اس کے کام کے ذریعے۔ اگر فن اور خوش معیاری کے معاملے میں اچھی رہنمائی ملے اور طباعتی سے کام لیا جائے تو خوش معیاری قوم کا اوڑھنا بچھونا بن جائے اور وہ اس سے کم تر کسی معیار پر راضی نہ ہوں۔ تفریح میں جمہوریت پسندی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بدسلیقہ اور کندۂ ناتراش اشخاص کے معیار او رپسند کی تفریحیں منظم کی جائیں بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ اس کے ذریعے لوگوں میں خوش سلیقگی اور بلند معیاری کا ذوق پیدا ہو جائے۔

تفریح کے باب میں اچھے رہنما کا پہلا قدم یہ ہے کہ وہ لوگوں میں عمدگی اور خوش معیاری کی سمجھ پیدا کرے اور ان میں حُسن وخوبی کا ذوق اُبھارے۔ جب یہ ہو جائے تب کہیں وہ اس بات کی کوشش کرے گا کہ دھیرے دھیرے خوش معیاری لوگوں کی زندگی کا جزو بن جائے اور کم معیاری ان کے لئے تکلیف دِہ ہو جائے مگر اس کوشش میں وہ لوگوں کے موجودہ معیار و مذاق کی حدود سے بہت زیادہ باہر نہیں جائے گا اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ موجودہ معیار اور مذاق ہی مطلوبہ معیار و مذاق تک پہنچنے کا زینہ ہے اور یہ زینہ اپنی جگہ قائم نہ رہے گا تو اونچائی تک پہنچ کر بھی اُنھیں گھبراہٹ ہونے لگے گی

ایک بستی کے ایک کارخانے نے اس باب میں بڑی کرامات دکھائی۔ اس کارخانے میں لوگوں کو سادے اور خوبصورت ڈیزائن کے فرنیچر بنانے کی تربیت دی جاتی تھی۔ اس سے تھوڑے ہی دنوں میں فرنیچر کے معاملے میں بستی کے مذاق میں اچھی خاصی تبدیلی آگئی یہاں تک کہ کارخانے سے بھدا اور بدنما فرنیچر ایک ایک کر کے غائب ہونے لگا۔ ایک اچھا لیڈر اپنی مہارتِ فن اور صبر و استقلال سے کام لے کر کوشش کرے تو لوک ناچوں کو بے تکے پن اور بازاریت کے غار ذلت سے نکال کر حسن وخوش معیاری کے آسمان پر پہنچا دے۔ ڈراما اور ناٹک کے میدان کا استاد بجائے اس کے کہ عام بازاری مذاق سے میل کھانے والے کسی تازہ بہ تازہ ڈرامے پر محنت صرف کرے دنیا کے شاہکار ناٹکوں کی کھوج لگا کر لوگوں کو اُن سے روشناس کر سکتا ہے جن کی شہرت کا راز ان کی سادگی اور عظمت ہے۔ اسی طرح میدانی کھیلوں میں اگر قدم قدم پر دیانت داری، ہار جیت سے بے نیاز ہو کر اچھا کھیل کھیلنے کے جذبے اور فریق مخالف کے معاملے میں روا داری اور کشادہ دلی کا سبق دیا جائے تو ان کھیلوں سے اوصافِ حمیدہ کی تعمیر میں بڑی حد تک مدد مل سکتی ہے۔ غرض تفریح کی راہ سے کسی قوم کو بڑی قوم بنانے میں خوش معیاری کو بہت زیادہ دخل ہے۔

# سوشل ایجوکیشن کے لئے ایک آل انڈیا کاؤنسل کی ضرورت

## مرکزی تعلیمی مشاورتی بورڈ کی سوشل ایجوکیشن کمیٹی کی

## سفارشات

### ۱۔ آل انڈیا کاؤنسل

حکومتِ ہند کے مرکزی تعلیمی مشاورتی بورڈ کی ایک ماتحت مجلس سوشل ایجوکیشن کمیٹی کے نام سے قائم ہے۔ ۳۱ر دسمبر ۱۹۶۱ء کو جے پور میں اس کمیٹی کا ایک جلسہ منعقد ہوا تھا جس نے سوشل ایجوکیشن کے لئے ایک آل انڈیا کاؤنسل کے مطالبے کی تجدید کی ہے۔ اس سلسلے میں کمیٹی کی سفارش حسب ذیل ہے۔

"سوشل ایجوکیشن کی اسٹینڈنگ کمیٹی کو اس بات کا ملال ہے کہ مرکزی تعلیمی مشاورتی بورڈ کی وہ سفارش جو سوشل ایجوکیشن کے لئے ایک آل انڈیا کاؤنسل قائم کرنے سے متعلق تھی نہیں مانی گئی۔ یہ کمیٹی وزارت تعلیم سے درخواست کرتی ہے کہ وہ بورڈ کی اس سفارش پر از سر نو غور کرے، اس لئے کہ

(الف) سوشل ایجوکیشن کے میدان میں اتنی مختلف النوع سرگرمیاں آتی ہیں کہ ان سب میں تال میل پیدا کرنے والے ایک ادارے کی سخت ضرورت ہے۔

(ب) تعلیم کا کوئی دوسرا شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں پبلک کے اشتراک و تعاون کی اتنی ضرورت ہو،

(ج) سوشل ایجوکیشن کے حق میں رائے عامہ کو ابھارنے اور اس کے مسائل کے اوپر قومی بنیاد پر غور و فکر کرنے کی غرض سے ایک حلقۂ فکر (فورم) قائم کرنے کے لئے اس طرح کی ایک کاؤنسل بنیادی ضرورت کا درجہ رکھتی ہے۔

(د) جتنا اور جو کچھ آل انڈیا کاؤنسل کر سکتی ہے۔ وہ کام مرکزی تعلیمی مشاورتی بورڈ کی یہ اسٹینڈنگ کمیٹی

انجام نہیں دے سکتی۔"

کمیٹی نے اسی کے ساتھ یہ سفارش بھی کی کہ سوشل ایجوکیشن کی یہی آل انڈیا کاؤنسل کتب خانوں کی آل انڈیا کاؤنسل کا کام انجام دے۔

## ۲۔ بالغوں کی خواندگی

کمیٹی کی اس نشست نے اس اہم سفارش کے علاوہ بالغوں کی خواندگی کے بارے میں مخصوص طور پر حسب ذیل سفارشات بھی منظور کیں:

"تیسرے پنج سالہ پلان میں بالغوں کی خواندگی کا جو پروگرام مرتب کیا گیا ہے، اُسے کامیاب کرنے کے لئے ضروری ہے کہ

(الف) خواندگی کی تحریک کا کنٹرول کلیتہً ریاستوں کے تعلیمی محکموں کے ہاتھ میں ہو، اور اس مد پر کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور تعلیمی محکموں کے میزانیوں میں جو رقم منظور کی گئی ہو، وہ سب کی سب یک جا کر لی جائے اور اسے استعمال کرنے کا حق بھی انھی تعلیمی محکموں کو دے دیا جائے۔

(ب) خواندگی کے پروگرام کے لئے ضلعے اور ریاست کی سطح پر معقول تعداد میں انتظامی عملہ کا بندوبست ہو، اور بلاک کی سطح پر اس مقصد کے لئے دو سوشل ایجوکیشن آرگنائزر، ایک مرد اور ایک عورت، مقرر ہوں جو اپنا پورا وقت خواندگی اور اس سے متعلق دوسرے تعلیمی کاموں پر صرف کریں۔ اگر کچھ ریاستوں نے یہ عہدے ختم کر دیئے ہیں یا انھیں دوسری نوعیت کے کاموں پر لگا دیا ہے، تو وہ انھیں پھر سے ان کے سابقہ عہدے پر مامور کریں۔

(ج) خواندگی کی تحریک کو فنی اور انتظامی اعتبار سے مضبوط بنیاد پر کھڑا کرنے کی غرض سے ایسا ہو کہ بلاک، ضلع اور ریاست کی سطح پر اس تحریک کو مضبوطی سے سہارا دینے والی خدمات منظم کی جائیں (مثلاً خواندگی کے بعد کے تسلسلی کورس، سرٹیفکیٹ اور ڈگری کے امتحانات میں شرکت کی سہولتیں، ٹکنکل کورسوں میں داخلے کی آسانیاں وغیرہ)

(د) کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے بجٹ میں سوشل ایجوکیشن کی مد پر جتنی رقم رکھی گئی ہو، اس کا کم سے کم ۵۰ فی صدی خواندگی کے پروگرام کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔"

(باقی ص۳۲ پر)

افکار و مسائل

# سوشل ایجوکیشن جانچ کی کسوٹی پر

حکومت ہند کے پلاننگ کمیشن کی طرف سے چند تعلیمی اسکیموں کی رفتار ترقی کا مطالعہ کرنے کی غرض سے ایک پڑتالی کمیٹی مقرر کی گئی ہے۔ یہ کمیٹی جن اسکیموں کا مطالعہ کرے گی وہ یہ ہیں:

(۱) استادوں کی ٹریننگ

(۲) سوشل ایجوکیشن اور

(۳) رورل انسٹی ٹیوٹ

اصل کمیٹی حسب ذیل پانچ ممبروں پر مشتمل ہے:

۱۔ شری بی۔ این۔ جھا
سابق وائس چانسلر گورکھپور یونیورسٹی — لیڈر

۲۔ شری کے۔ ایل۔ جوشی
افسر خصوصی، محکمۂ تعلیم پلاننگ کمیشن — ممبر

۳۔ شری ٹی۔ کے۔ این۔ مینن۔
ڈائرکٹر، توسیعی پروگرام برائے سکنڈری ایجوکیشن،
وزارت تعلیم (حکومت ہند) — ممبر

۴۔ شری آئی۔ این۔ مینن
سابق ڈائرکٹر محکمۂ تعلیمات، ٹراونکور (کوچین) — ممبر

۵۔ شری جگدیش سنگھ
پلان پروجکٹوں کی کمیٹی کے انتظامی تجزیہ کار پلاننگ کمیشن (حکومت ہند) — ممبر سکریٹری

اس کمیٹی کی ماتحتی میں کام کرنے کی غرض سے ہر اسکیم کے لئے الگ الگ کمیٹیاں مقرر کی گئی ہیں۔ سوشل ایجوکیشن کی رفتار ترقی کا مطالعہ کرنے کی غرض سے جو کمیٹی بنائی گئی ہے اس کے ممبر حسب ذیل ہیں:

۱۔ شری بی۔ این۔ جھا، پڑتالی کمیٹی کے لیڈر — چیرمین

۲۔ شری آئی۔ این۔ مینن، پڑتالی کمیٹی کے ممبر
سری میناکشی نیلاسیما، تری پوری تورا، کیرالا — ممبر

۳۔ شری کے۔ باگ سنگھ
کول مائنز ویلفیر کمشنر دھنباد — ممبر

۴۔ شری اے۔ آر۔ دیش پانڈے
مشیر سوشل ایجوکیشن، وزارت تعلیم (حکومت ہند)
ایم۔ بلاک، نئی دہلی ۔ ۱ — ممبر

۵۔ شری ایم۔ سی۔ ناناوتی
ڈائرکٹر، سوشل ایجوکیشن، وزارت کمیونٹی ڈیولپمنٹ
کرشی بھون، نئی دہلی ۔ ۱ — ممبر

۶۔ کماری جے۔ جنابائی
سنٹرل سوشل ویلفیر بورڈ، پارلیمنٹ اسٹریٹ
نئی دہلی ۔ ۱ — ممبر

۷۔ شری ایس۔ این۔ چترویدی
افسر خصوصی (ہندی)
خورشید باغ لکھنؤ (یو۔ پی) — ممبر

۸۔ شری ایس۔ سی۔ دتا
جنرل سکریٹری، انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن
اندرا پرستھا مارگ
نئی دہلی ۔ ۱ — ممبر

۹۔ ڈاکٹر ٹی۔ اے۔ کوشی
ایگزیکیوٹیو ڈائرکٹر، لٹریسی ہاؤس
ڈاک خانہ سنگار نگر۔ لکھنؤ (یوپی) ممبر

۱۰۔ شری این۔ بھدریا
پریسیڈنٹ میسور اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن کاؤنسل
کرشنا مورتی پورم۔ میسور ممبر

۱۱۔ شری ڈی۔ پی۔ نیر
ڈائرکٹر ایجوکیشن ڈیویژن، پلاننگ کمیشن،
یوجنا بھون، نئی دہلی۔ ۱ ممبر

۱۲۔ شری جگدیش سنگھ
پڑتالی ٹیم کے ممبر سکریٹری
یوجنا بھون، نئی دہلی۔ ۱ ممبر سکریٹری

ہر کمیٹی کے لئے غور طلب امور کی جو فہرست بنائی گئی ہے وہ یہ ہے:
جانچ اور مطالعے کے بعد ایسی تجاویز مرتب کرنا جن سے
۱۔ وسائل کے استعمال میں کفایت اور کارکردگی پیدا ہو اور
۲۔ پروگرام کی تعمیل میں تیزی آئے۔
سوشل ایجوکیشن کی کمیٹی سے فرمائش کی گئی ہے کہ وہ حسب ذیل امور سے متعلق مطالعہ کرے
۱۔ بالغوں کی خواندگی اور اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگرام
۲۔ سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے اہتمام میں جو کام ہوا ہے اس کا مطالعہ خصوصاً کام کا وہ حصہ جو ریاستی حکومتوں کی اسکیموں کے ماتحت ہوا ہے، اور وزارت کمیونٹی ڈیولپمنٹ، وزارت تعلیم، وزارتِ محنت و روزگار اور سنٹرل سوشل ویلفیر بورڈ نے انجام دیا ہے۔
یہ پڑتالی کمیٹی مئی ۱۹۶۱ء میں بنی تھی۔ اُس وقت سے یہ برابر دورے کر رہی ہے اور مختلف مقامات پر جا جا کر کام کا مطالعہ کر رہی ہے۔

# بالغوں کی عملی تعلیم کا ایک ذریعہ: کھیتی

## سیوا گرام کا تجربہ

## زرعی صنعت کی بنیاد پر سماج کی تعمیر

پچھلے ڈیڑھ سال سے سیوا گرام میں ایک منصوبہ چلایا جا رہا ہے جس کا مقصد ایک ایسا سماج بنانا ہے جس کی بنیاد زراعتی صنعت پر ہو۔ سرودے تحریک میں کام کرنے والے کارکنوں اور نئی تعلیم کے مدرسوں کے سامنے پچھلے کئی سال سے یہ مسئلہ رہا ہے کہ کس طرح کھیتی کی بنیاد پر محنت کشوں کا ایک ایسا سماج بنایا جائے جس میں ہر فرد کو زندگی گذارنے کی بنیادی سہولتیں حاصل ہوں۔ یہ تحریک اسی وقت اپنے پیروں آپ کھڑی ہو کر ایک وسیع اور ہمہ گیر تحریک کی شکل اختیار کر سکتی ہے جب گاؤں کے لوگ سینکڑوں کی تعداد میں اپنے پیداواری کاموں کے ساتھ ساتھ سماج کی تعمیر کے کام میں تعاون دیں۔ نئی تعلیم سے یہ امید کی گئی ہے کہ اس میں سے نکلے ہوئے طالب علم اپنی محنت کے بل بوتے پر اپنی روزی کما سکیں گے۔ لیکن کھیتی کا آج جو رائج طریقہ ہے اس میں زیادہ سے زیادہ محنت کرنے پر بھی لوگوں کو نہ تو پیٹ بھر کھانا ہی مل پاتا ہے اور نہ سر اٹھانے کی مہلت مل پاتی ہے۔ ہمارے اداروں میں بھی کچھ ایسی ہی کھیتی کا رواج رہا ہے۔ اسکول کے طلبا، زراعت کے نگراں اور کچھ مزدور سب مل کر کھیتی کا کام دیکھتے ہیں۔ ان درسگاہوں کے سامنے سب سے مشکل مسئلہ یہ ہے کہ طالب علم یا مزدور ان کاموں میں اپنی ذمہ داری کو پوری طرح محسوس نہیں کرتے ہیں اس لئے کہ اس منصوبے میں انہیں اپنائیت محسوس نہیں ہوتی ہے۔ کھیتی کا منصوبہ اس میں کام کرنے والوں کا اپنا منصوبہ کیسے بنے اور کھیتی کے طریقے کو سائنٹفک اور زیادہ پیداواری کس طرح بنایا جائے۔ کھادی کو جو ایک علمی اور اصولی بنیاد ملی ہے اور اس کے بارے میں جو اعداد و شمار فراہم ہوئے ہیں اسی طرح کی سائنٹفک اور علمی بنیاد کھیتی کے منصوبے کو کس طرح ملے؟ یہ سارے سوال ہمارے اداروں کے سامنے ایک بڑا مسئلہ بن کر کھڑے ہوئے ہیں۔

سیوا گرام میں آج کھیتی کے منصوبے کی ساری توجہ انہیں سوالوں کا جواب تلاش کرنے پر ہے۔ یہاں سیروسیوا سنگھ کی کل ۲۲۵ ایکڑ زمین ہے جس میں سے ۱۰۳ ایکڑ قسم اوّل کی زمین ہے؛ ۴۳ ایکڑ اوسط درجے کی اور ۷۶ ایکڑ معمولی قسم کی ہے۔ ۱۱۵ ایکڑ پڑتی زمین ہے جس میں ۲۵ ایکڑ مکانوں کی تعمیر کے لئے ہے۔ یہاں ایک کسان خاندان کی آمدنی کا اوسط ہر فرد پر ۲۴ روپیہ سالانہ کا ہے یعنی ہر خاندان کی آمدنی اندازاً ۵۰۰ سے ۶۰۰ سالانہ ہے۔ کھیتی سے جب تک ۱۵۰۰ سے بڑھ کر ۱۸۰۰ روپیہ سالانہ کی آمدنی نہیں ہوگی اس وقت تک پڑھے لکھے لوگ کھیتی کے پیشے کو اختیار نہیں کریں گے۔ اپنی محنت سے یہ اضافہ کر دکھانا یہاں زراعتی صنعت کے منصوبے کی تنظیم کا خاص مقصد مانا گیا ہے۔ اکتوبر ۱۹۶۰ء میں سرودے سہکاری گرام سوراج سنگھ قائم ہوا۔ اس سنگھ نے ۲۰۹ ایکڑ زمین کو ۱۲ اکائیوں میں تقسیم کر کے ہر اکائی ایک حوصلہ مند جوان اور اس کے ساتھ کام کرنے والے ایک دو ساتھیوں کو آزادانہ حیثیت سے کام کرنے کے لئے سونپ دی گئی۔ ہر اکائی میں آب پاشی کا انتظام ہے۔ ہر کنویں میں بجلی سے چلنے والے موٹر پمپ لگائے گئے ہیں کھیتی کا منصوبہ بنانے کی ذمہ داری شروع سے ہی ہر اکائی کے سپرد ہے۔ یہ بات بھی طے کر دی گئی ہے کہ تمام اکائی ہر موسم کی کھیتی اور اپنے اپنے کام کی تفصیلات بھی لکھا کریں۔ اس میں پڑھے لکھے لوگ کم پڑھے لکھے لوگوں کی مدد کریں گے۔ بات چیت کی بیٹھکوں اور تبادلۂ خیال کی نشستوں سے لوگ ایک دوسرے کے کام سے آگاہ اور باخبر رہنے لگے ہیں اس سے انہیں خود اپنے کاموں کا جائزہ لینے اور دوسرے کے کاموں کا مشاہدہ کرنے کا موقع ملا ہے۔ پڑھے لکھے لوگوں کا کتابی علم اور کم پڑھے لکھے لوگوں کے عملی تجربے کے میل سے یہاں کھیتی اور کام کے ذریعے تعلیم بالغان کا ایک ڈھانچا دھیرے دھیرے بن رہا ہے۔

سیوا گرام میں کھیتی کا کام تعلیم بالغان کا ایک ذریعہ بنے، یہ ہمارا مقصد ہے۔ علاقے اور ضلعے کی کھیتی کے مسائل پر یہاں بات چیت ہو اور یہاں کی کھیتی میں اس طرح کے تجربے ہوں جن کے نتیجوں کی بنیاد پر کھیتی کو بڑھاوا دینے کی صلاحیت یہاں کے زراعتی صنعت والے کنبوں میں پیدا ہو۔ موٹے طور پر پانچ سال تک یہ منصوبہ چلانے کی بات سوچی گئی ہے۔ ہر اکائی میں عام طور پر ایک ہی مددگار مزدور رکھا گیا ہے۔ حساب وکتاب کے بارے میں یہ طے کیا گیا ہے کہ نفع نقصان کی پوری ذمہ داری ہر اکائی خود اٹھائے۔ کھیتی سے جو آمدنی ہوگی اس کا دسواں حصہ سود، مطالبات (سود، لگان) اور مجموعی انتظام کے لئے الگ رکھنے کی بات سوچی گئی ہے۔ کل پیداوار کے ۹۰ فی صدی میں سے خرچ نکال کر جو بچت ہوگی وہ اکائی میں کام کرنے والے پوری طرح ذمہ دار لوگوں میں تقسیم کی جائے گی۔ یہ بات پہلے سے طے کر دی گئی ہے کہ کھیتی میں مستقل طور پر کام کرنے والے کسی خاندان کو ۶۰ روپیہ ماہانہ سے کم نہ ملے یہ رقم زیادہ سے زیادہ ۱۵۰ روپیہ ماہانہ رکھی گئی ہے۔ یہ بات بھی سوچی گئی ہے کہ پیداوار بڑھنے کے ساتھ ساتھ تنخواہ کے فرق کو کم کر دیا جائے۔ پیداوار بڑھانے کے لئے زمین سدھار، آب پاشی کا انتظام وغیرہ مستقل خرچ

سروسیوا سنگھ پورا کرے گا بمعہ اخراجات کے لئے سنگھ ان اکائیوں کو رقم دیتا رہے گا جو فصل کٹنے کے بعد رقم کی واپسی کی ذمہ داری لیں گی۔ اس انتظام سے امید کی جاتی ہے کہ پیداوار کو بڑھانے میں مدد ملے گی۔ اس سے لوگوں میں ذمہ داری اٹھانے کا حوصلہ اور ایک دوسرے کے تعاون سے کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔

اس منصوبے میں ساری کوشش اس بات پر رہی ہے کہ تعلیم یافتہ نوجوان کھیتی میں خود ۶ سے ۸ گھنٹے کام کر کے یہ ثابت کریں کہ بھرپور اور منصوبہ بند کھیتی کے ذریعے زندگی خوشگوار بنائی جا سکتی ہے۔ گاؤں کے ان پڑھ نوجوانوں کو اس قابل بنانے کے لئے کہ وہ ایک دو سال کے اندر اس طرح منصوبہ بند طریقے سے کھیتی کی اکائی کے کاموں کی ذمہ داری اٹھا سکیں، اکائی کے پرکھوں نے مددگار کی حیثیت سے چن لیا اور اس طرح بالغوں کی "نئی تعلیم" شروع ہوئی۔ شروع میں ان مددگاروں کو ۴۰ روپیہ ماہانہ دینے کی بات طے ہوئی۔ اور یہ بھی طے کیا گیا کہ دوران سال میں کھیتی میں جو منافع ہو اس کا ۵ فی صدی حصّہ بونس کی شکل میں کام کرنے والوں کو دیا جائے۔ کھیتی میں کل ۲۰۲ خاندان کام کرتے تھے۔ زندگی کے معیار اور آمدنی کو اونچا اٹھانے کے چکر میں کہیں لوگ نقدی والی فصلوں کے پیچھے نہ دوڑنے لگیں اس خیال سے منصوبہ بندی کے کچھ قاعدے بنائے گئے ۲۵ فی صدی زمین نقدی والی فصلوں کے لئے، ۲۵ فی صدی چارے کے لئے اور بقیہ ۵۰ فی صدی اناج اور دوسری ضرورتوں کے لئے رکھنا طے کیا گیا ہے۔

۲۰۹ ایکڑ زمین پر کاشت کی گئی۔ اس میں سے ۵۶ ایکڑ سینچائی کی اور ۱۵۳ ایکڑ سوکھی زمین تھی۔ سینچائی والی زمین میں سے برسات میں ۵۶ ایکڑ، سردی میں ۳۹ ایکڑ اور گرمی کے دنوں میں ۱۸ ایکڑ میں فصلیں بوئی گئیں۔ سینچائی والی زمین ۲ یا ۳ فصلیں اور سوکھی میں ایک ہی فصل لی گئی۔ اس سال ۸۸۵ من اناج، ۱۴ من کپاس، من چارا، ۴ ہزار پولی سوکھی گھاس پیدا ہوئی۔ ساری کھیتی میں کل ۶۲۰۰ روپے خرچ اور ۳۵ ہزار ۵ سو ۵ روپے کی آمدنی ہوئی۔ اس طرح ۸۱۹۱ روپیوں کا نقصان رہا۔ اگر دس فی صدی انتظامی اخراجات اس میں سے گھٹا دیئے جائیں، جو اس نقصان کی رقم میں شامل ہیں تو براہ راست خسارہ صرف ۴۶۵۱ روپئے کا ہوا۔

## فصلیں

خاص فصلیں دھان، کپاس، جوار، گیہوں، چارا اور پھلوں میں سنترا، کیلا اور انگور کی ہوئی۔ اس سے قبل اس علاقے میں جوار اور کپاس ہی خاص فصلیں ہوتی تھیں۔ تھوڑا بہت دھان اور گیہوں بھی ہوتا تھا۔ مگر فی ایکڑ پیداوار بہت کم تھی۔ پھلوں میں بھی صرف کیلا، پپیتا اور سنترہ ہی ہوتا تھا۔ مگر نقدی والی فصلوں میں محض کپاس پیدا ہوتی تھی اور

اس کی پیداوار بھی بہت کم تھی۔ اس کی پیداوار فی ایکڑ ۶۰۰ سے ۹۰۰ پونڈ تک ہوتی تھی۔ ہم نے کھیتی شروع کرنے کے بعد فصل کے لئے نیا منصوبہ تیار کیا۔ تجربے سے یہ معلوم ہوا کہ جہاں آب پاشی کا انتظام ہے، وہاں کپاس اور جوار کی فصلوں سے اتنا فائدہ نہیں پہنچتا، کیونکہ جوار اور کپاس سے سال میں ایک ہی فصل لی جاسکتی ہے، مگر دھان کے بعد گیہوں، چنا، مٹر، سبزی وغیرہ کی دوسری فصلیں لی جاسکتی ہیں۔ اس طرح دھان کی کھیتی کا رقبہ بڑھا دیا گیا اور ضرورت پڑنے پر سینچائی بھی کی گئی۔ دھان کے بعد اسی کھیت میں دوسری فصل گیہوں کی لی گئی

## پہلے سال کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ پیداوار اور خرچ کا موازنہ

| فصل | زیادہ سے زیادہ فی ایکڑ خرچ اور پیداوار | | | | کم سے کم فی ایکڑ خرچ اور پیداوار | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| | خرچ (روپیوں میں) | پیداوار: من | پیداوار: قیمت (روپیوں میں) | نفع یا نقصان روپیوں میں | خرچ (روپیوں میں) | پیداوار: من | پیداوار: قیمت (روپیوں میں) | نفع یا نقصان (روپیوں میں) |
| دھان | ۳۴۰ | ۴۰ | ۵۴۰ | ۲۰۰ نفع | ۱۴۹ | ۹ | ۱۱۷ | ۳۲ نقصان |
| گیہوں | ۳۹۰ | ۳۸ | ۶۹۴ | ۳۰۴ " | ۱۹۱ | ۱۱ | ۱۹۸ | ۷ نفع |
| کپاس | ۴۹۵ | ۲۷ | ۸۶۷ | ۳۸۱ " | ۲۰۸ | ۱۰ | ۳۸۰ | ۱۷۲ " |
| برسیم | ۷۹۷ | ۶۲۰ | ۹۳۰ | ۱۳۳ " | ۴۳۲ | ۲۰۶ | ۴۵۹ | ۲۷ " |
| سبزی (بھاجی) | ۵۸۶ | ۹۱ | ۷۲۸ | ۱۴۲ " | ۶۰۶ | ۳۴ | ۳۴۴ | ۳۲۲ نقصان |
| کٹھ آلو | ۶۳۲ | ۶۱۲ | ۷۶۵ | ۱۳۲ " | ۳۱۰ | ۱۱۰ | ۱۳۷ | ۱۷۳ " |
| جوار | ۱۸۰ | ۱۲ | ۱۰۸ | ۷۲ " | ۶۰ | ۲ | ۳۰ | ۳۰ " |

آگے چل کر ہم نے ان اعداد و شمار کا موازنہ واردھا ضلع کے اوسط اعداد و شمار سے بھی کیا ہے جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ ایک ہی سال کے اندر مختلف فصلوں کی پیداوار میں سوا سے ڈیڑھ گنے تک کا اضافہ ہوا ہے۔ واردھا کے خشک علاقوں کی کھیتی سے مقابلہ کیجئے تو یہ فرق دو گنے اور تین گنے سے بھی زیادہ دکھائی دے گا

## وار دھا ضلع اور سیواگرام کی فصلوں کی پیداوار کا موازنہ

| فصل | وار دھا ضلع اوسط فی ایکڑ | | | | ۷۱-۱۹۷۰ء میں سیواگرام کا اوسط | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| | خرچ (روپیوں میں) | پیداوار (پونڈ میں) | قیمت (روپیوں میں) | بچت (روپیوں میں) | خرچ (روپیوں میں) | پیداوار (پونڈ میں) | قیمت (روپیوں میں) | بچت (روپیوں میں) |
| کپاس | ۱۰۱ | ۴۰۰ | ۲۰۰ | ۹۹ | ۲۶۳ | ۹۸۰ | ۴۹۰ | ۲۲۷ |
| گیہوں | ۸۲ | ۵۰۰ | ۲۲۰ | ۳۰ | ۲۹۰ | ۱۴۴۰ | ۳۲۴ | ۳۴ |
| دھان | ۸۰ | ۷۰۰ | ۱۰۸ | ۳۸ | ۲۷۷ | ۱۸۴۰ | ۲۸۸ | ۱۱ |

## خرچ اور آمدنی: پہلے سال میں نقصان

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے اس سال منصوبے پر کل خرچ ۶۲۷۰۶ روپئے ہوئے جب کہ آمدنی ۴۵۱۵۵ روپئے کی ہوئی یعنی ۱۹۱۸ روپئے کا نقصان رہا۔ مگر اس میں سے ۱۰ فی صدی سرو سیوا سنگھ کا وہ خرچ نکال دینے پر جو منصوبے کو چلانے کے انتظامی اور مرکزی امور پر خرچ ہوئے ہیں یہ مجموعی نقصان ۴ ہزار روپئے کا ہی رہا۔ اس میں بھی اگر خرچ کی تفصیلات کو دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ اس سال کے اخراجات کا ۶۰ فی صدی حصہ مستقل ملازموں کی تنخواہ، عارضی مزدوروں کی اجرت اور بیل کے اخراجات پر مشتمل ہے جو کھیتی کی تنظیم کے لحاظ سے کچھ زیادہ ضروری معلوم ہوگا۔ اس خرچ کا اوسط فی صد کم کرنا کھیتی کی کامیابی کے لئے ایک ضروری قدم ہے۔

اس سال زمین سدھار کا کافی بڑے پیمانے پر کام کیا گیا ہے۔ ان کاموں پر کل خرچ ۸۵۴۰۱ روپئے کا ہوا ہے۔ ان کا اثر ایک سال کے اندر ایک دم نہیں دکھائی دے گا۔ مگر دھیرے دھیرے ان کی وجہ سے زمین کی زرخیزی بڑھے گی اور اگلے پانچ سال میں اس کی وجہ سے پیداوار میں اچھا خاصا اضافہ ہونے کا امکان ہے۔

مختلف اکائیوں میں سے مٹی کے نمونے جانچ گھروں میں بھیجے گئے ہیں ان کی رپورٹ ملنے پر جس زمین میں جس جز کی کمی پائی گئی اس کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کے لئے کمپوسٹ کھاد، تالاب کی مٹی، ہری کھاد (سن بادری) کھلی کی

کھاد اور مختلف کیمیائی کھاد استعمال میں لائی گئیں۔

سینچائی کے ۵ اکنویں ہیں۔ ان پر پمپ اور پائپ بٹھانے کا کام کیا گیا ہے۔ کچھ کنوؤں کو اور زیادہ گہرا بھی کیا گیا ہے کم پانی سے زیادہ زمین سیراب ہو سکے اس کے لئے چھڑکاؤ کے ذریعے آبپاشی کرنے (اسپرے اِنگ) کے طریقے کا تجربہ بھی ہوا ہے۔ برسات میں بہہ کر جانے والے پانی کو روک کر انھیں زمین کے اندر ہی سمو دینے سے کنویں کی پانی کی سطح بڑھ جاتی ہے اس کے لئے ۱۱ ہزار روپیوں کی لاگت سے ایک تالاب بھی بنایا گیا ہے

ان کے علاوہ بہتر بیج اور دواؤں کے چھڑکاؤ کا انتظام اور اچھے اوزاروں کے استعمال کو بھی رواج دیا گیا۔ یہاں کے مقامی اوزاروں کو بہتر بنانے کے لئے بھی کچھ تجربے کئے گئے ہیں۔

## بیلوں کا انتظام

ہمارے پاس دس بیل جوڑیاں ہیں۔ یہ بیل اکائیوں میں حسب ضرورت بھیجے جاتے ہیں۔ بیل جب خالی رہیں اس وقت کیا کیا جائے۔ یہ مسئلہ برابر ہمارے سامنے رہا ہے۔ خالی دنوں میں نئی زمین کی تیاری، راستے اور عمارت بنانے کے کام بھی ان سے لئے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی گاؤں والوں کو کرائے پر بھی بیل دیئے جاتے ہیں۔ اکائیوں کے ممبروں کا یہ خیال ہے کہ بیل کے اوپر خرچ زیادہ آرہا ہے سب بیلوں کو یکجا کر کے رکھا جائے یا انھیں الگ الگ یونٹوں میں بانٹ دیا جائے اس سلسلے میں ابھی تک کوئی رائے نہیں قائم کی جا سکی ہے۔

## نکاسی

پیداوار کی بکری کا انتظام شروع میں علیحدہ علیحدہ تھا، مگر اُن کا بھاؤ کھیتی کمیٹی ہی مقرر کرتی تھی۔ بعد میں اس انتظام میں بھی بہت سی دشواریاں محسوس ہوئیں اور کوآپریٹیو کی دکانوں کے ذریعے خرید و فروخت کرنا طے ہوا۔

تمام اکائیوں کو اس بات کی خاص ہدایت تھی کہ وہ اپنا حساب بالتفصیل قلمبند کریں۔ کس فصل پر کتنا خرچ ہوا۔ اور ان میں بھی کس مد پر کتنا خرچ آیا وغیرہ، جس سے کہ آمد و خرچ کا آسانی سے موازنہ کیا جا سکے۔

## ساتھیوں کی تربیت: تعلیم بالغان عمل کے میدان میں

جب یہ منصوبہ شروع کیا گیا اسی وقت یہ بات طے کر لی گئی تھی کہ ایک دو سال کے اندر اکائیوں کی تعداد بڑھائی جائے گی

اور موجودہ اکائیوں میں مددگار کی حیثیت سے جو لوگ کام کر رہے ہیں انھیں کو نئی شروع ہونے والی اکائیوں میں پرکھ بنایا جائے گا۔
اس کے لئے ضروری تھا کہ ان مددگاروں کی تربیت کی جائے۔ اس کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ روزانہ شام کے وقت کام کے بعد لوگ ایک ساتھ بیٹھ کر دن بھر کے کام پر چرچا کرتے اور دوسرے دن کے کام کا خاکہ بناتے۔ کام میں جو دشواریاں آتیں ان کا حل سوچتے اس سے تمام ساتھیوں کو کافی فائدہ پہنچا ان باتوں کا اثر یہ ہوا ہے کہ آج وہ سب لوگ اپنا حساب کتاب رکھنے لگے ہیں اور اپنے کاموں کا منصوبہ بنانے اور ہر ہفتے کے خرچ کا میزانیہ تیار کرنے لگے ہیں۔ ان ٹیھکوں میں اب وہ اپنے خیال کو رکھنے میں کسی طرح کی جھجھک محسوس نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ ان سب لوگوں کو پڑھنا لکھنا اور حساب کتاب رکھنا بھی سکھایا جا رہا ہے۔ سب ساتھی کافی دلچسپی سے کام کرتے ہیں اور آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کھیتی سے متعلق ایک چھوٹا سا کتب خانہ بھی رکھا گیا ہے۔ کچھ ساتھیوں نے کپاس، دھان اور گیہوں کی فصلوں کا گہرا مطالعہ بھی شروع کیا ہے۔ یہ لوگ جو باتیں کتابوں میں پڑھتے ہیں دوسروں کے سامنے رکھتے ہیں۔ ایک دو سال کے اندر سبھی ساتھی اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ اپنا حساب کتاب رکھ سکیں اور سال بھر کے کام کا منصوبہ بنا سکیں۔ اکائیوں کے سبھی لوگ ہفتے میں ایک بار سب کھیتوں میں جا کر فصلوں کو دیکھتے ہیں، فصلوں کا آپس میں مقابلہ کرنے اور ان پر تبادلۂ خیال کرنے سے ان کی معلومات میں اضافہ اور ذمہ داری کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

## تجربے کی روشنی میں

مختلف اکائیوں کی پیداوار اور ان پر کئے گئے اخراجات کے رجحانات اور اثرات سے متعلق اعداد و شمار دیکھنے سے بہت سی باتیں سیکھنے کو ملی ہیں۔ ہمیں اب یہ یقین ہو گیا ہے کہ اگر ہم چار پانچ سال تک اسی طرح ان کا موازنہ کرتے رہیں گے تو اس علاقے کے لئے فصل پر ہونے والے اثرات کے کچھ اصول مرتب ہو جائیں گے کہ کس زمین میں کون سی فصل بوئی جائے کون سا بیج اور کتنی مقدار میں بونا مناسب ہوگا۔ پودے کتنے کتنے فاصلے پر لگائے جائیں، کھاد کیسی اور کتنی مقدار میں دی جائے، آب پاشی کب اور کتنی ہو، فصل کی کٹائی کا صحیح وقت کیا ہو۔ ان سب کے بارے میں کچھ صحیح رائے قائم کی جا سکیں گی جو اس علاقے کے لئے آیندہ مددگار ثابت ہوں گی۔

اس سال کھیتی کی آمدنی میں جو گھاٹا ہوا ہے اس کا کئی سبب رہا ہے۔ کھیتی کے کچھ تجربہ کار لوگ یہاں کی آب و ہوا اور زمین کی زرخیزی کی طرف سے بالکل ناواقف تھے انھیں سمجھنے میں کچھ وقت لگا۔ یہی وجہ ہے کہ خرچ اور آمدنی کے تخمینے میں اتنا فرق دکھائی دے رہا ہے۔ فاضل وقت میں کام کے لئے امدادی دست کاریاں شروع کرنے کی بات بھی سوچی جا رہی ہے اس سے بھی آمدنی میں اضافہ ہوگا۔

سیوا گرام میں اس منصوبے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ کھیتی کا کام تعلیم بالغان کا ایک ذریعہ بنے۔ یہاں واردھا ضلع کی کھیتی کے مسائل پر تبادلۂ خیال ہو۔ کھیتی میں نئے نئے تجربے ہوں جن سے لوگوں کو عملی میدان میں سیکھنے کا موقع ملے۔ ان تجربوں کی بنیاد پر یہاں زراعتی دھندے والے خاندان کھیتی کے کاموں کی رہنمائی کر سکیں۔ کچھ تجرباتی کام بھی یہاں ہوتے رہیں گے جس میں کسی قدر نقصان بھی اٹھانا پڑے گا۔ گاؤں والوں کے چھوٹے چھوٹے گروپ یہاں لائے جا سکیں۔ یہاں سے سیکھی ہوئی باتوں کو وہ اپنے کھیتوں میں برت سکیں۔

اس کے لئے یہاں ایک درسگاہ بھی چلے جہاں کھیتی اور دستکاری کے ذریعے تعلیم ہو۔ اور ان سب کا مقصد یہ ہو کہ کھیتی کے کچھ ایسے طریقے دریافت کئے جائیں جن سے کھیتی سے اتنی آمدنی ہونے لگے کہ اس میں کام کرنے والے مزدوروں کو اس میں سے دن میں دو تین روپیہ روزانہ مزدوری نکل سکے۔

("نئی تعلیم" (جنوری ۱۹۶۲ء) کے ایک مضمون کی بنیاد پر)

## دلّی کے دیہی نوجوانوں کی کانفرنس

دلّی کے محکمۂ تعلیم کے اہتمام میں ۱۳ اور ۱۴ جنوری ۱۹۶۲ء کو دہلی کے دیہی نوجوانوں کی دوسری سالانہ کانفرنس اولڈ سکریٹریٹ کے اسمبلی ہال میں منعقد ہوئی۔ کانفرنس کا افتتاح دلّی کے چیف کمشنر شری بھگوان سہائے آئی سی ایس نے کیا اور شری سوہن سنگھ، شری ایم سی ناناوتی، شری ایچ بی سکسینہ اور دوسرے ماہرین نے مقالات پڑھے۔

کانفرنس بہ حیثیت مجموعی بہت کامیاب رہی۔

### بقیہ صـ۳۲ کا

# کام کی باتیں

## گرام بھون کا استعمال

(دسمبر کے پرچے سے ملا کر پڑھئے)

گرام بھون کا چرچا شروع کرتے وقت ہم نے گاؤں کے لئے اس کی ضرورتوں کا ذکر مختصر طور پر کیا تھا۔ اب گرام بھون تیار ہو گیا ہے اور اس کا کام چلانے کے لئے ایک گرام منڈل بھی بن گیا ہے اس لئے آیئے ان ضرورتوں کے اوپر ذرا تفصیل سے سوچیں اور ان کی ایک موٹی سی فہرست بنا لیں۔

### پورے گاؤں کا مہمان خانہ

ا۔ مہمان

گاؤں میں کسی کے یہاں شادی بیاہ ہے۔ ابھی دو دو تین تین مہمان آ رہے ہیں۔ ہفتہ دس دن میں بارات آئے گی۔ شادی بیاہ کا موقع ہے۔ عورتوں اور جوان بہو بیٹیوں کا پردہ ویسے نہ بھی ہو تب بھی اِن موقعوں پر تھوڑی بہت آڑ کرنی ہی پڑتی ہے۔ گھر چھوٹا ہے۔ مہمان بھی گھر ہی پر ٹھہرائے جائیں تو ان عورتوں اور لڑکیوں کی مصیبت آجاتی ہے۔ بچاریوں کو گھر کے اندر قید ہو جانا پڑتا ہے۔ کھل کر بولنا اور بات کرنا بھی اُن کے لئے دوبھر ہو جاتا ہے۔

اب گاؤں میں گرام بھون موجود ہے۔ مہمان آرام سے گرام بھون میں ٹھہرا دئے

جائیں۔ مہمان بھی آرام اور آزادی سے رہیں اور گھر کی عورتیں اور بہو بیٹیاں بھی۔

## بارات

شادی کے مہمانوں کو گرام بھون کا منتری ان کو دعوت دے کہ بارات یہیں ٹھہرے۔ وہ ان سے کہے کہ "ہم آپ کو شامیانے اور اس سلسلے کے دوسرے تمام جھنجھٹوں سے بچا دیں گے۔ شامیانے کی جگہ بنا بنایا اور سجا سجایا مکان ملے گا۔ نہ آندھی میں اُڑ جانے کا خوف نہ بارش میں بھیگنے کا فضیتا۔ فرش پر بچھانے کے لئے جاجم بھی مل جائے گا۔ مزے سے شادی رچایئے اور خوشیاں منایئے۔ ناچ نوٹنکی لانا ہو تو اس کے لئے گرام میں پلیٹ فارم موجود ہے۔ اوپر ناچ ہو اور نیچے سب لوگ آرام سے بیٹھ کر دیکھیں، نہ دھکم دھکا، نہ ہڑبونگ! شامیانے وغیرہ کے کرائے پر آپ جو کچھ خرچ کرتے اس کے حساب سے کچھ کم ہی کر کے گرام بھون کو دان دے دیجئے گا۔ کام کا کام اور دان کا دان!"

میں سمجھتا ہوں کہ کوئی ایسا ہی ناسمجھ لڑکے والا ہو گا جو ان آسانیوں کو چھوڑ کر شامیانے اور اس کے ساتھ کے دوسرے جھنجھٹ مول لے گا۔ ہر سمجھ دار آدمی یہ بات خوشی سے مان لے گا۔

## پورے گاؤں کی بیٹھک

گرام بھون، سچ پوچھئے تو پورے گاؤں کی بیٹھک ہوتی ہے جہاں فرصت کے وقت لوگ اکٹھا ہو کر کام کے وقت کی تھکن اتارنے کی غرض سے آپس میں ہنستے بولتے، گاتے بجاتے اور دل بہلاتے ہیں۔ ہمارے بڑے بوڑھے اپنی جوانی ہی میں نہیں بلکہ بڑھاپے میں بھی اس ضرورت کا بڑا خیال رکھتے تھے، اور شاید یہی وجہ تھی کہ چھوٹے سے چھوٹے گھر میں بھی، چھپر ہی کی سہی، ایک بیٹھک ضرور ہوتی تھی اور شام سے لے کر رات گئے تک اس میں چہل پہل رہا کرتی تھی۔ لیکن اب

جب کہ ہم آزاد ہیں اور ہمیں اپنے کام کرنے کی طاقت کو بحال رکھنے کی زیادہ ضرورت ہے، ہم کام کے بعد دل بہلانے کی ضرورت کو بھولتے جا رہے ہیں۔

گرام بھون کا سب سے پہلا اور ضروری کام یہی ہونا چاہئے کہ اس کے ذریعے گاؤں کے لوگوں کی ضرورت اچھی طرح پوری ہو، یوں سمجھئے کہ گرام بھون سارے گاؤں کی بیٹھک ہوگی اس لئے ضرورت ہوگی کہ گرام بھون کا کام ایک سوچے سمجھے پروگرام کے مطابق چلے۔ یہ پروگرام دو طرح کے ہو سکتے ہیں: ایک روزانہ کا پروگرام اور ایک وقتی پروگرام۔

## ۱۔ روزانہ کا پروگرام

روزانہ کا پروگرام یہ ہوگا کہ گرام بھون ایک مقررہ وقت پر کھلا اور بند ہوا کرے اور اس وقت میں ہر شخص کے لئے آزادی ہو کہ جب جی چاہے آئے اور جب جی چاہے چلا جائے۔

بس ایک پابندی یہ ہو کہ مردوں کے لئے جو دن یا وقت مقرر ہوں، اُن دنوں اور وقتوں میں عورتیں نہ آئیں اور عورتوں اور لڑکیوں کے لئے جو دن یا وقت مقرر ہوں، اُن دنوں اور وقتوں میں مرد نہ آئیں۔

ان آنے جانے والوں میں ہر طرح اور ہر عمر کے لوگ ہوں گے جن کی دلچسپیاں بھی الگ الگ ہوں گی ان کی دلچسپیوں کے مطابق گرام بھون میں انتظام ہونا چاہئے ورنہ خالی خولی بیٹھنے کے لئے تو کوئی نہیں آئے گا! بوڑھے اور ادھیڑ عمر کے لوگ کھیل دیل سے ذرا کم دلچسپی رکھتے ہیں اس لئے ان کے لئے ایک کونا الگ کر دینا چاہئے جہاں دو ایک حقے پڑے ہوں اور تمباکو، چلم اور آگ کا انتظام رہے تاکہ وہ حقہ پئیں اور گپ شپ کریں۔ پچیس سے چالیس سال تک کے جوانوں کے لئے ایک کونہ الگ ہو جو سب سے بڑا ہونا چاہئے۔ یہاں شطرنج، کیرم اور ڈرافٹ کی طرح کا کھیلنے کا سامان رکھا رہے۔ گاؤں میں زمین پر لکیریں کھینچ کر اور چھوٹے بڑے کنکروں کی گوٹیں بنا کر کئی طرح کے کھیل کھیلے جاتے ہیں۔ گرام بھون کا مستری لکڑی کے تختوں پر یہ لکیریں بنوا کر اور لکڑی ہی کے گوٹوں کو رنگوا کر یہ کھیل آسانی سے مہیا

کرسکتا ہے۔ان جوانوں میں جن جن لوگوں کو جس جس کھیل سے دلچسپی ہوگی، وہ اپنے پسند کے کھیل لے کر آپ ہی آپ اپنے اپنے کونے بنا لیں گے

کچھ لوگوں کو کتابیں، اخبار اور رسالے پڑھنے سے دلچسپی ہوگی، ان کے لئے کتب خانے والے کمرے میں بیٹھنے کا انتظام ہونا چاہئے اور جو بھی تھوڑی بہت کتابیں، اخبار اور رسالے میسّر ہوں وہ موجود رہیں۔

گاؤں میں اٹھارہ سے پچیس سال تک کے نوجوانوں کی ایک دلچسپی اکھاڑہ ہوتی ہے گرام بھون کے پچھواڑے کے صحن میں ورزشی اکھاڑے کے لئے ایک کونہ الگ کردینا چاہئے جہاں ورزش اور کشتی سے دلچسپی رکھنے والے اپنی ورزش اور کشتی کی مشق کریں۔

## ۲۔ وقتی پروگرام

کچھ لوگ راگ رنگ کے رسیا ہوتے ہیں۔ ان کا بھی ایک کونہ الگ کیا جاسکتا ہے۔لیکن خاموش دلچسپیوں کے ساتھ گرام بھون کے اندر گانے بجانے کا پروگرام بھی ہوتا رہے تو خلل پڑے گا اس لئے راگ رنگ کی ٹولی کا وقت دن چھپنے کے گھنٹہ آدھ گھنٹہ بعد رکھنا چاہئے تاکہ ٹولی کے لوگوں کا بھی دل بہلاؤ ہو جائے اور دوسرے لوگ بھی اس سے خوش ہو سکیں۔

ان روزانہ پروگراموں کے علاوہ بہت سے پروگرام ہیں جو گرام بھون میں کبھی کبھی ہوسکتے ہیں۔ہم یہاں چند پروگرام بتائے دیتے ہیں مگر انھیں مثال کے طور پر سمجھنا چاہئے۔اصل فیصلہ گرام منڈل اور اس کی انتظامی کمیٹی ہی کرے گی۔

### ا۔ لیکچر اور تقریریں

دنیا میں جتنی باتیں ہیں، سب کتابوں میں بھری پڑی ہیں۔لیکن اب وہ زمانہ ہے جب کہ بے محنت کئے مفت میں نہ پیٹ کے لئے روٹی مل سکتی ہے نہ تن کے لئے کپڑا۔اس حالت میں اَن پڑھوں کا تو

کوئی سوال ہی نہیں ہے، اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی کتاب نہیں پڑھنا چاہتے اور ان کی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی بتانے والا شخص ان کی ضرورت کی باتیں انھیں بتا دے۔ اس لئے لیکچر اور تقریر کی اس زمانے میں بڑی قدر ہے۔

گرام بھون کے منتری کو چاہئے کہ وہ دیکھتا رہے کہ کس وقت گاؤں کے لوگوں کو کس قسم کی معلومات کی ضرورت ہے۔ اسی اعتبار سے وہ بلاک کے دفتر اور اپنے یا آس پاس کے کسی تعلیم یافتہ شخص سے مل کر لیکچر طے کرلے اور گرام بھون میں اس کے لئے انتظام کرے۔

اسی طرح دیس بدیس کے حالات کی جان کاری کرانے کے لئے اگر ہو سکے تو ہر ہفتے، نہیں تو ہر پندرہویں دن ایک لیکچر کرا لیا جائے خود اپنے گاؤں میں یا آس پاس ایک آدھ آدمی ایسے ضرور مل جائیں گے جو یہ کام کر سکیں۔

کچھ مضمون ایسے ہوتے ہیں جن کا کوئی مقررہ وقت نہیں ہوتا بلکہ وہ انسان کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں اور جب بھی موقع ہاتھ آجائے ان کے اوپر ایک دو لیکچر کرائے جا سکتے ہیں جیسے بچوں کی پرورش کا طریقہ، بیماری سے بچنے اور تندرستی کو بحال رکھنے کے طریقے، کھیتی کے نئے نئے طریقے وغیرہ۔ گرمی کی چھٹیوں میں اپنے اور آس پاس کے گاؤوں کے بہت سے تعلیم یافتہ لوگ اپنے اپنے گھر چھٹی منانے کے لئے آتے ہیں ان میں ایسے بہت سے لوگ مل سکتے ہیں جو ان مضمونوں میں سے ایک نہ ایک مضمون پر لیکچر دے سکیں۔ گاؤں میں وقتاً فوقتاً مہمان آتے رہتے ہیں ان مہمانوں میں سے کوئی معقول اور پڑھا لکھا مہمان ہو تو اس کی باتیں سننے کے لئے بھی انتظام کرنا چاہئے۔

## ۲۔ راگ رنگ ناٹک نوٹنکی

تعلیمی لیکچروں اور تقریروں کے علاوہ گرام بھون میں کبھی کبھار گانے بجانے والی اچھی چوکیوں اور ناٹک منڈلیوں کو دعوت دی جا سکتی ہے جنھیں دس پانچ پیسے کے ٹکٹ لگا کر کچھ فیس دے دی جائے۔

گانے بجانے کی محفل یا چھوٹا موٹا کوئی ناٹک گاؤں کے نوجوان تیاری کر کے خود بھی کھیل سکتے ہیں۔

### ۴۔ موسمی، مذہبی اور قومی تہوار اور میلے

پھاگن کے مہینے میں پھاگ اور ہولی، جنم اشٹمی، دیوالی، دسہرہ، عید اور محرم کے موقعے پر لوگ ایک جگہ جمع ہو کر تیوہار مناتے ہیں۔ پھر ۱۵ اگست، ۲۶ جنوری، ۲ اکتوبر وغیرہ کے دن ہیں جب پورے ملک میں خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ گرام بھون ان سب موقعوں پر پورے گاؤں کے لئے مرکز کا کام دے سکتا ہے اور جگہ جگہ انتظام کرنے کے بجائے ایک جگہ انتظام کرنے میں آسانی بھی ہو سکتی ہے۔

### ۵۔ پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے کے پروگرام

گاؤں کے سب نہیں تو کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو علم اور گیان کے بھوکے ہوں۔ گرام بھون ایسی جگہ ہے کہ اگر دس پندرہ آدمی پڑھنا لکھنا یا کوئی دوسرا ہنر سیکھنا چاہیں اور کچھ خرچ کرنے کے لئے بھی تیار ہوں تو انہی کے پیسوں کے بھروسے پر گرام بھون کا منتری لکھائی پڑھائی یا ہنر سکھانے والے کسی اُستاد کا انتظام کر سکتا ہے۔

## پروگراموں کا اعلان

روزانہ کے پروگراموں کا بس ایک بار اعلان ہو جانا کافی ہے جس سے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ گرام بھون فلاں وقت سے فلاں وقت تک کھلا رہے گا۔ فلاں فلاں دن یا وقت مردوں کے لئے اور فلاں فلاں دن یا وقت عورتوں کے لئے ہیں۔ البتہ کبھی کبھی کے پروگرام کا اعلان ہونا چاہیے اور کئی کئی بار ہونا چاہیے تاکہ کوئی انجان نہ رہ جائے۔ اعلان کے لئے وہی ڈگڈگی والا پُرانا طریقہ اچھا رہے گا۔

(گرام بھون کی آمدنی کا ذریعہ کیا ہو۔ یہ ہم اگلے پرچے میں لکھیں گے)

# تعلیم و ترقی کے مضامین

## بارہواں سال سنہ ۱۹۶۱ء

### جنوری سنہ ۱۹۶۱ء

**اشارات**

نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر

**گاہے گاہے باز خواں**

یہ خواندگی پھیلانے کا وقت نہیں ہے

ناخواندگی کو دور کرنے کا زمانہ ہے۔ جبل پور سیمینار

**افکار و مسائل**

والیس اڈلٹ ایجوکیشن کو... برکت علی فراق

**فردوس آباد سے شفیق صاحب کا خط**

شری اے۔ آر۔ دلیش پانڈے کے نام... ہنیشی

**ادارہ تعلیم و ترقی سنہ ۶۰-۱۹۵۹ء میں**

دیہی تعلیمی مراکز.... عبدالستار صدیقی

**رفتار کارواں** (خبریں)

### فروری سنہ ۱۹۶۱ء

**اشارات**

سوشل ایجوکیشن کی ایک آل انڈیا کونسل

ایک اور ساتھی چل بسا

**افکار و مسائل**

اڈلٹ ایجوکیشن کسے کہتے ہیں... برکت علی فراق

کمیونٹی ڈیولپ منٹ پروگرام میں اسکولوں کا تعاون

مسٹر کھنہ، اسسٹنٹ ڈیولپ منٹ کمشنر اتر پردیش

**گاہے گاہے باز خواں**

خاتمۂ ناخواندگی کی مہم۔ نصاب اور طریقہ تعلیم۔ جبل پور نیشنل سیمینار

**ادارہ تعلیم و ترقی سنہ ۱۹۶۰ء**

شعبۂ تصنیف و تالیف ... محمد خلیق

ماہنامہ تعلیم و ترقی

بالک ماتا سنٹر... جیبہ قدوائی

**رفتار کارواں** (خبریں)

### مارچ سنہ ۱۹۶۱ء

**اشارات**

الٹی بات

حکومت ہند کا نیک فیصلہ

**افکار و مسائل**

اڈلٹ ایجوکیشن کا پروگرام - برکت علی فراق

خواندگی کی مشقی سرگرمیاں ... نذیر انصاری

## اصول اور طریقے

تعلیم میں اساتذہ اور والدین کا اشتراک - شیام لال

## جنت سے شفیق صاحب کا خط

شری ایس۔ سی۔ دتا کے نام ... ہتیشی

## تجربے

ٹیلی ویژن۔ عوام کی تعلیم کا ایک ذریعہ۔ آر شاستری

ٹیلی کلب: سماجی تعلیم کا ایک ذریعہ۔ سیموئیل چترجی

## رفتار کارواں (خبریں)

# اپریل سنہ ۱۹۶۱ء

## اشارات

بھارت سیوک سماج

## افکار و مسائل

اڈلٹ ایجوکیشن کا پروگرام۔ برکت علی فراق

عوامی تعلیم کا پانچ سالہ منصوبہ۔ رفیق شاستری

## جنت سے شفیق صاحب کا خط

برکت علی فراق کے نام۔ ہتیشی

## رفتار کارواں (خبریں)

## نئے پڑھنے والوں کے لئے

یوجنا کیا ہے؟

رفیق شاستری

ایک کہانی

# مئی سنہ ۱۹۶۱ء

## اشارات

پنچایت اور سیاسی پارٹیاں

## افکار و مسائل

اڈلٹ ایجوکیشن کی تنظیم۔ برکت علی فراق

## بات چیت

خواندگی ضروری نہیں۔۔ شالگ رام پتھک

## تعارف

سری نکیتن

## منصوبے

ادارہ تعلیم و ترقی کی اسکیم۔ محمد خلیق

## رفتار کارواں (خبریں)

## نئے پڑھنے والوں کے لئے

اپنا کام اپنے ہی کئے اچھا ہوتا ہے۔ ہتیشی

آپ کا بچہ۔ تجربہ کار

پیسہ پیسے کو کھینچتا ہے۔ رفیق شاستری

# جون سنہ ۱۹۶۱ء

## اشارات

وزارت تعلیم کا نیک قدم

## افکار و مسائل

کیا سوشلسٹ سماج کی تعمیر میں کمیونٹی ڈیولپمنٹ اسکیم [illegible]؟ آر شاستری

ڈیکشنشن کی اسکیم میں سوشل ایجوکیشن کا مقام۔ مجیب اشرف

**نمونے**

بستی کی اپنی کوششوں کا پھل۔ دینہ (بہار) کا کتب خانہ

**رفتار کارواں** (خبریں)

**تنقید و تبصرہ**

**نئے پڑھنے والوں کے لئے**

اپنا کام اپنے ہاتھ۔ ہتیشی

آپ کا بچہ۔ تجربہ کار

پنج سالہ یوجنا۔ رفیق شاستری

## جولائی ۱۹۶۱ء

**اشارات**

پنچایتیں اور سوشل ایجوکیشن

**تجربے اور منصوبے**

جن شکشا سنستھا گونڈہ کے اہتمام میں نگوا گرام اکائی کی اسکیم۔ برکت علی فراق

**نمونے**

ڈیویلپمنٹ پروگرام میں تبدیلی کی ضرورت۔ رفیق شاستری

**ایک مسئلہ حل کیجئے**

گاؤں کی پارٹی بندی۔ (نامہ نگار)

**نئے پڑھنے والوں کے لئے**

آپ کا بچہ۔ برکت علی فراق

اپنا کام اپنے ہاتھ۔ ہتیشی

پنج سالہ یوجنا۔ رفیق شاستری

## اگست ۱۹۶۱ء

اشارات

سوشل ایجوکیشن کیوں؟

**نئے پڑھنے والوں کے لئے**

آپ کا بچہ۔ برکت علی فراق

## ستمبر ۱۹۶۱ء

**کلمات خیر**

ڈاکٹر سید عابد حسین قائم مقام شیخ الجامعہ

ڈاکٹر موہن سنگھ مہتا صدر انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن

**اشارات**

پنچایتی راج کی تعلیمی بنیادیں

**افکار و مسائل**

کوئمبٹور سیمینار کے عنوانات بحث کا خاکہ۔ شری بی۔ ایس۔ مہتا

جنرل سکریٹری کا خط۔ شری ایس۔ سی۔ دتا

بلونت رائے مہتا کمیٹی کی رپورٹ: تاریخ اور خلاصہ

رفیق شاستری

**نظریات اور رائیں**

قدیم پنچایتیں: چند روشن اور تاریک پہلو

عوام کا سوراج۔ شری جے پرکاش نرائن

راجستھان میں پنچایتی راج۔ ڈاکٹر مکٹ بہاری لال ایم۔ پی

## اکتوبر ۱۹۶۱ء



## نومبر ۱۹۶۱ء



## دسمبر ۱۹۶۱ء

 (باقی صفحہ ۴۲ پر)

February 1962

ادارۂ تعلیم و ترقی، جامعہ نگر، نئی دہلی

ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

# تعلیم و ترقی

فروری ۱۹۶۲ء

جلد ۱۳ —— شمارہ ۲

بانی:- شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر

پروفیسر محمد مجیب

برکت علی فراق

رفیق محمد شاستری

دفتر

ماہنامہ تعلیم و ترقی، جامعہ نگر،

نئی دہلی

قیمت

[illegible] فی پرچہ [illegible]

## ترتیب

## اشارات

# تیسرا پنجسالہ پلان اور خواندگی

مثل مشہور ہے کہ "نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچیں گی"۔ یہ مثل تیسرے پنج سالہ پلان کے خواندگی کے [1] پروگرام پر بھی صادق آتی ہے۔ طے کیا گیا ہے کہ "عام اصول یہ ہونا چاہیئے کہ جہاں کہیں کلاس بننے کے قابل تعداد میں لوگ خواندگی کی تعلیم حاصل کرنے کی خواہش کریں، وہاں انھیں اس سلسلے کی ضروری آسانیاں مثلاً استاد اور سامانِ تعلیم جلد از جلد بہم پہنچایا جائے۔ تعلیم کا کام کرنے والے ہر ادارے کو اس مہم پر لگانا چاہیئے اور اس میں انفرادی طور سے حصہ لینے والے ٹیچروں کو مناسب معاوضہ دینا چاہیئے۔"[1] اس عبارت کے صرف الفاظ کو دیکھئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یورپ اور امریکہ کے اصول اور طریق کار کا عطر کھینچ کر چلا آیا ہے لیکن الفاظ کے پردے کے پیچھے جو عبارت ہے۔ اس کو پڑھئے تو یہ طلسم بہت جلد ٹوٹ جاتا ہے۔

اس فیصلے کو پڑھنے کے بعد جو چند سوالات سامنے آتے ہیں، اُن کا جواب نہ کہیں پلان میں ملتا ہے نہ پلان بنانے والوں کی کسی تحریر یا تقریر میں۔ سب سے بڑا اور اہم سوال یہ ہے کہ اگر کسی جگہ دس پندرہ آدمی پڑھنا لکھنا چاہیں تو سب سے پہلا مرحلہ یہ آئے گا کہ وہ اپنی خواہش کس پر ظاہر کریں؟ استاد اور سامانِ تعلیم کون فراہم کرے گا اور کب اور کس کو فراہم کرے گا؟ یہ بات کون طے کریگا کہ ان علم کے پیاسوں کو کیا پڑھایا جائے گا، کیسے پڑھایا جائے گا اور کب تک پڑھایا جائے گا؟ "کلاس بننے کی تعداد" کا فیصلہ کون کرے گا؟ بالغ ان پڑھوں کی آمادگی، خاص طور پر لکھنا پڑھنا سیکھنے کے معاملے میں، دھوپ چھاؤں کی سی کیفیت رکھتی ہے۔ فرض کیجئے جماعت بننے کے لئے پندرہ آدمیوں کی تعداد ٹھہری، اور پندرہ آدمی تیار بھی ہو گئے۔ اب جب تک استاد، اور سامان تعلیم فراہم کرنے کی کارروائی ہو، اس وقت تک بالکل ممکن ہے کہ چار پانچ آدمی ٹوٹ جائیں۔ اس بات پر قانونی باریکی نکالی جا سکتی ہے کہ "شرط پندرہ آدمیوں کی ہے، جب تک یہ شرط پوری نہ ہوگی کارروائی نہیں کی جا سکتی۔ اس قانونی باریکی کے خلاف پیروی کون کرے گا اور کس بنا پر؟

ہمیں الزام دیا جا سکتا ہے کہ یہ کیا چھوٹی چھوٹی باتیں لے بیٹھے ہیں۔ لیکن بعض اوقات اسی طرح کی چھوٹی چھوٹی باتیں بڑے سے بڑے پروگرام کا گلا گھونٹ دیتی ہیں، اور خدا نہ کرے ان سوالات کے بارے میں پلان کی خاموشی رنگ لائے اور پنچسالہ

---

[1] تیسرا پنجسالہ پلان: خلاصہ (انگریزی) صفحہ ۱۵۷

کے ختم پر بھی یہ رپورٹ سُننے کو ملے کہ کلاس بننے کے قابل پڑھنا لکھنا سیکھنے والوں کی تعداد کبھی پوری ہی نہیں ہوئی، اس لیے یہ پروگرام آگے نہیں بڑھ سکا۔ اس اندیشے کا امکان اس لئے ہے کہ کلاس بننے کی تعداد میں ان پڑھ بالغوں کو جمع کرنے اور افسران متعلقہ سے مقررہ یا مجوزہ سہولتیں حاصل کرنے کا کام صفائی کے ساتھ کسی کے سپرد نہیں کیا گیا ہے اور نہ اس سلسلے میں صراحت کے ساتھ کوئی دوسرا راستہ ہی بتایا گیا ہے۔

دراصل اس فیصلے کی مثال قانون کی ہے جو کام کی تفصیلات بیان نہیں کرتا۔ یہی سبب ہے کہ قانون کے منشار کو پورا کرنے کے لئے قواعد و ضوابط کا ایک نظام الگ سے بنایا جاتا ہے۔ جو کام کی تفصیلات سے بحث کرتے ہیں اور کام کے سلسلے میں جو چھوٹے سے چھوٹا سوال بھی اٹھ سکتا ہے، اس کا ایک نہ ایک حل اس نظام ضوابط میں موجود ہوتا ہے۔ ہماری رائے ہے کہ اگر سوشل ایجوکیشن کی توسیع و اشاعت کے لئے قانون بنانے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تو نہ سمجھی جائے، اس لئے کہ یہاں وزیر اور اس کے دفتر کا حکم بھی قانون کا درجہ رکھتا ہے، چلئے یوں ہی سہی۔ قانون مجلس قانون ساز میں نہ بنا، وزیر کے دفتر میں بن گیا، مطلب تو کام سے ہے، لیکن قانون پھر قانون کی طرح بننا چاہیے۔ اب خواندگی کے بارے میں تیسرے پنجسالہ پلان کا یہ فیصلہ ہی ہے اگر اس "اصول" کے ساتھ اس کے منشأ کے مطابق ایک نظام ضوابط (کوڈ آف بزنس) بھی مرتب کر کے پلان میں شامل کر دیا جائے اور اس کے ذریعہ کام کی تفصیلات طے کر دی جائیں اور ان پر سختی سے عمل کرنے کی ہدایت کر دی جائے تو پلان بنانے والوں کا اصل مقصد بھی پورا ہو جائے گا اور اس شبہ کی گنجائش بھی نہیں رہ جائے گی کہ اس فیصلے سے صرف سوشل ایجوکیشن اور لٹریسی کا شور مچانے والوں کا منہ بند کرنا مقصود ہے۔

---

# تیسرے پلان میں سوشل ایجوکیشن کا مقام

تیسرے پنج سالہ پلان میں سوشل ایجوکیشن کی کیا حیثیت ہوگی، اس کی توسیع و اشاعت کے لئے کیا کچھ سوچا گیا ہے، اور اس کے لئے کتنا سرمایہ لگانے کا منصوبہ بنایا گیا ہے، ان سوالات کو سمجھنے کے لئے ہم ذیل میں اس پلان کا وہ باب نقل کر رہے ہیں جو صفحات ۵۹۸ تا ۶۰۰ پر "سوشل ایجوکیشن" کے زیرِ عنوان درج ہے۔

ایڈیٹر

## دفعہ ۵۵

جیسا کہ پہلے پلان میں بیان کیا گیا ہے، سوشل ایجوکیشن سے مراد ہے "سماج ہی کے ہاتھوں انجام پانے والا سماج کی ترقی کا ایک جامع اور ہمہ گیر پروگرام" اس اعتبار سے سوشل ایجوکیشن کا پروگرام حسب ذیل کاموں پر مشتمل ہے: خواندگی، صحت، بالغوں کی خواندگی اور دل بہلاؤ، شہریت کے شعور کی تربیت اور معاشی کارکردگی کو بڑھانے میں ان کی رہنمائی۔ اگر تجزیہ پر تجزیہ کرتے چلے جائیے تو آخری نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جمہوری طرز کے نظم و نسق میں ترقی کے سوچے سمجھے ہوئے منصوبے کا انحصار — ایسا منصوبہ جو لاکھوں انسانوں کی ضرورتوں کو اپنے دائرۂ عمل میں لے — سوشل ایجوکیشن کی اشاعت کے اوپر اور اس بات کے اوپر ہے کہ لوگوں کا نقطۂ نظر ترقی پسندانہ اور شہریت کے باب میں ان کا مزاج شریک کارانہ ہو۔ لیکن اس کے باوجود زراعت کمیونٹی ڈیولپمنٹ، صحت اور دوسرے فلاحی پروگراموں کے سامنے جو نشانے ہیں، ان کو پورا کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ گذشتہ دس سال کے عرصے میں متعدد امور میں کسی حد تک ترقی ہوئی ہے مثلاً کمیونٹی سنٹر ہیں، گاؤں کے ریڈنگ روم ہیں، نوجوان برادریوں اور مہیلا منڈلوں کی تنظیم ہے، اور گاؤں پنچایتیں اور سہکاری سبھائیں ہیں۔ بایں ہمہ سوشل ایجوکیشن کا ایک پہلو — جو غالباً سب سے اہم پہلو ہے — اس کی بابت سے تشویش پیدا ہوگئی ہے، (اور وہ ہے بالغوں کی خواندگی کا معاملہ) ۱۹۵۱ء اور [illegible] کے درمیانی زمانے میں خواندگی کا اوسط ۱۷ سے ۲۴ فیصدی رہا ہے۔ ضلعوں اور بلاکوں میں پنچایتی راج کے قیام اور گاؤں پنچایتوں کے جو کام سپرد کئے گئے ہیں، ان کی اہمیت کا تقاضہ ہے کہ جس قدر کم مدت میں ممکن ہو، بالغ آبادی کا ایک بڑا حصہ پڑھنے لکھنے کے قابل ہو جائے۔ یہ خود بالغوں کے حق میں بھی ضروری ہے اور پوری قوم کے حق میں بھی۔ چونکہ اس سمت میں

اطمینان بخش حد تک کامیابی نہیں ہوئی ہے اس لئے اس مسئلے پر نئے سرے سے غور و فکر ہونا ہے تاکہ کچھ ایسی ترکیبیں سوچی جائیں جن سے بالغوں کی خواندگی میں تیزی سے توسیع کی جاسکے۔

## دفعہ ۵۶

مرکزی وزارت تعلیم نے جو پروگرام ترتیب دیئے ہیں، ان کے مطابق نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کا مرتبہ بڑھا کر اسے نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن کا ایک حصہ بنا دیا جائے گا اور اس کو اس حیثیت سے ترقی دی جائے گی، نو خواندہ بالغوں کے لئے کتابیں تیار کرائی جائیں گی، سوشل ایجوکیشن کے میدان میں کام کرنے والی رضاکار سنستھاؤں کو امداد دی جائے گی، اور کتب خانے کی سہولتوں میں اور زیادہ توسیع کی جائے گی۔

ریاستوں کے تعلیمی پروگراموں میں بالغوں کی خواندگی کو فروغ دینے کے لئے کتب خانے اور تسلسلی کلاسیں (کانٹی نیوشن کلاسیز) اور ایک محدود پیمانے تک بالغوں کے اسکول قائم کرنا شامل ہے۔ سوشل ایجوکیشن کی جو بڑی بڑی مدیں ہیں، انھیں کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی اسکیم کے بجٹوں میں رکھا گیا ہے۔ ایسا سمجھنا چاہیئے کہ یہ سب ملا کر تیسرے پلان میں سوشل ایجوکیشن کے لئے ۵ کروڑ روپے دستیاب ہو سکیں گے۔

## دفعہ ۵۷

خواندگی کے ایک بلند پیمانہ اور نتیجہ خیز پروگرام کی کامیابی کی بنیاد اس بات پر ہے کہ تعلیم اور کمیونٹی ڈیولپمنٹ میں کام کرنے والے کارکن قدم قدم پر ایک دوسرے کا ساتھ دیں اور ایک دوسرے کے ساتھ شریک رہیں۔ اس کی بھی ضرورت ہوگی کہ دونوں محکموں کے پاس آدمی اور پیسے کی شکل میں جو کچھ بھی وسائل ہوں انھیں یکجا کر لیا جائے، رضاکار اداروں اور کارکنوں کو کام پر ابھارا جائے اور اڈلٹ ایجوکیشن اور خواندگی کے پروگرام کو بلاک میں، گاؤں میں اور ایک ایک شہر اور قصبے میں اس طرح فروغ دیا جائے کہ یہ ایک ہر دلعزیز تحریک کی شکل اختیار کر لے۔

سوشل ایجوکیشن اور خواندگی کے کام کو ایکسٹنشن کے پروگراموں کی طرح ترقی دینی ہوگی جو تعلیمی ادارے خصوصاً دیہاتی اسکول چلائیں گے اور پنچایتیں، سہکاری سوسائٹیاں اور رضاکار انجمنیں اور سنستھائیں ان کا ساتھ دیں گی۔ اس سلسلے میں عام اصول یہ ہونا چاہیئے کہ جہاں کہیں بھی کلاس بننے کے قابل تعداد میں لوگ پڑھنے لکھنے کی خواہش ظاہر کریں وہاں انھیں اس سلسلے کی سہولتیں مثلاً استاد اور تعلیمی سامان بلا تامل بہم پہنچایا جائے۔ تعلیمی کام کرنے والے ہر ادارے کو اس کام میں لگا نا چاہیئے اور جو بھی انفرادی طور پر اس کام میں حصہ لیں، انھیں مناسب معاوضہ دینا چاہیئے۔ تعلیمی اداروں کے علاوہ اس مہم میں گاؤں پنچایت اور دوسری سنستھاؤں کو بھی اپنا اپنا حصہ پورا کرنا چاہیئے۔ اگرچہ مطلوبہ سہولتیں بستیوں تک پہنچانے میں سوشل ایجوکیشن

ارگنائزروں، بلاک ایجوکیشن افسروں اور فرداً فرداً تمام تعلیمی اداروں کو کندھے سے کندھا ملا کر کام کرنا چاہیئے، لیکن اصلاً یہ فرض گاؤں پنچایتوں، پنچایت سمیتیوں اور ضلع کا اداروں کا ہوگا کہ وہ لوگوں میں اس کام کے لئے جوش و خروش پیدا کریں اور اسے قائم بھی رکھیں اڈلٹ ایجوکیشن اور خواندگی کے پروگرام کو اس طرح ترقی دیں کہ وہ پائدار ہو، سدا جاری رہے اور بالغ طالب علموں کے مذاق، مزاج اور ضروریات کے مطابق ہو۔ خواندگی کی توسیع مردوں اور عورتوں دونوں طبقوں میں ہونی چاہیئے اور اس میں مقامی گروں، جیسے ٹیچر اور رضاکار دکار کن ہیں انھیں اس تحریک میں کھینچ بلانا چاہیئے۔

ان اصولوں کے مطابق اعلیٰ پیمانے پر خواندگی کا پروگرام چلانے کے لئے وزارت تعلیم میں کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے مشورے سے تجاویز مرتب کی جارہی ہیں اور امید ہے کہ تیسرے پلان کے دوران میں اس باب میں معتد بہ ترقی ہوگی۔

## دفعہ ۵۸

کتب خانے: کتب خانوں کا ایک معقول نظام کسی منظم و مرتب نظام تعلیم کا نہایت ضروری حصہ ہوتا ہے۔ ۱۹۵۹ء میں حکومت ہند نے جو لائبریری کمیٹی مقرر کی تھی، اس نے یہ بات جتلا دی تھی کہ کتب خانوں کے ایک معقول و منظم نظام کی اس وقت جو ضرورت ہے اس کے اور موجودہ انتظام کے درمیان بہت بڑا خلا ہے۔ اس خلا کو پر کرنے کا کام تو بہر حال لمبی مدت میں ایک سوچے سمجھے پروگرام کے مطابق پورا ہوگا، لیکن تیسرے پلان کے دوران میں یہ کوشش کی جائے گی کہ دلی، کلکتہ، مدراس اور بمبئی میں جو چار نیشنل لائبریریاں ہیں، ان کو مزید ترقی دی جائے۔ اس بات کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ ریاستوں کے صدر مقامات میں جو لائبریریاں ہیں ان کو تقویت پہنچائی جائے اور ضلع اور تحصیلوں میں کتب خانوں کی تعداد بڑھائی جائے۔ ان کے علاوہ تعلیمی اداروں کی اپنی نجی لائبریریاں ہوتی ہیں ان کو بھی تیسرے پلان میں مزید وسعت اور تقویت بہم پہنچائی جائے گی دوسرے پلان میں لائبریریوں کے اہم ارکین عملہ کو فن کتب خانہ کی ٹریننگ دینے کے لئے انسٹی ٹیوٹ آف لائبریری سائنس کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا تھا۔ تیسرے پلان میں اس ادارے کو اور وسیع کیا جائے گا۔ اس ادارے کے علاوہ دوسری یونیورسٹیوں میں بھی فن کتب خانہ سے متعلق ریسرچ اور ٹریننگ کے انتظامات موجود ہیں۔

---

# اڈلٹ ایجوکیشن کا حلقۂ عمل

## فرد یا سماج

زیرِ نظر مضمون امریکہ کے مشہورِ عالم پروفیسر فرینک ایم ڈبٹین کی کتاب "ایڈمنسٹریشن آف اڈلٹ ایجوکیشن" سے لیا گیا ہے۔

پروفیسر موصوف نے اس مضمون کے ذریعے یہ بات واضح کی ہے کہ سماج افراد کے کردار و عمل کا آئینہ دار ہوتا ہے اس لئے فرد کی سیرت و شخصیت کی تعمیر سے سماج کا حسن بھی نکھرتا ہے۔ یوں بھی پروفیسر موصوف کے نزدیک سماج خصوصاً آج کا جمہوری سماج جو کچھ خواب دیکھتا ہے اس کی تعبیر کی تمام تر جد و جہد افراد ہی کے اوپر ڈالتا ہے۔ لہٰذا اڈلٹ ایجوکیشن کا خطاب اگر اصلاً اور عملاً افراد سے ہوتا ہے تو یہ بات بے وجہ نہیں ہے بلکہ عین عقل کے تقاضے کے مطابق ہے۔

مضمون جوں کا توں نقل کر دیا گیا ہے۔ جہاں کہیں تشریح یا حوالے کی ضرورت ہوئی ہے وہاں وہ چیز فٹ نوٹ میں دے دی گئی ہے۔

ایڈیٹر

## فرد یا سماج؟

اڈلٹ ایجوکیشن کی جو تعریف[1] اس سے پہلے دی جا چکی ہے، اس کے اعتبار سے اڈلٹ ایجوکیشن کا زور فرد پر ہے لیکن

---

[1] فاضل پروفیسر نے اڈلٹ ایجوکیشن کی تعریف اس طرح کی ہے، تعلیم بالغان وہ عمل ہے جس کے اندر خالصۃً تعلیمی مواد پر مشتمل ہر وہ پروگرام شامل ہے جس سے بالغ فرد کو جلد یا بدیر (۱) معاشی (۲) شخصی (۳) سماجی، ان تین طرح کی تسکینوں میں سے ایک یا ایک سے زیادہ تسکین حاصل ہو۔

اس کے باوجود ہمارا پختہ خیال ہے کہ اوٹ ایجوکیشن کا شجرۂ نسب اپنی اصل کے اعتبار سے فرد پرست نہیں ہے بلکہ اس کے بجائے اس کی جڑیں سماج کی مٹی میں بہت گہری اور دور تک پہنچتی ہیں۔ چنانچہ اس کی خوبصورت شاخیں تہذیب کے ان ذروں تک نکل جاتی ہیں جہاں وہ اُن کے ان باسیوں سے ہم آغوش ہوتی ہیں جن کا مزاج طبیعت کے اعتبار سے معاشی، عملی، جمالیاتی، تفریحی حتیٰ کہ روحانی ہوتا ہے۔ ہمیں اس بحث کو خواہ مخواہ کے لئے الفاظ کے گورکھ دھندے میں نہیں الجھانا ہے۔ اس ذیل میں دو باتیں یقیناً قابل غور ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اوٹ ایجوکیشن کی تعریف میں جب "فرد" کے سماج سے خوشگوار اتحاد کا خیال شامل ہے تو یہ مسئلہ خود اسی تعریف سے صاف ہو جاتا ہے۔ دیکھئے، سماج اور خاص طور پر جب اس کا مزاج جمہوری ہو کسی کے اوپر یہ بات عاید نہیں کرتا کہ وہ سماجی ذمہ داریوں کا علم رکھے یا اپنے آپ کو ان کا پابند کرلے سوائے ان چند حالات کے جب کہ فرد کی آزادی سے جماعتی زندگی کی بقا کے لئے جو کم سے کم بنیادی شرطیں ہیں وہ خطرے میں پڑتی ہوں۔ مثال کے طور پر ایک جمہوری ریاست کسی کے اوپر دباؤ نہیں ڈالتی کہ وہ ووٹ ضرور دے، یا مندر یا مسجد میں حاضری دے، یا کتاب پڑھے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ریاست ایسے مواقع اور ایسا ماحول پیدا کردے کہ فرد یہ اور اس کے علاوہ اور بہت سے اہم اور پسندیدہ اور منافع بخش کام کرے، لیکن چند ابتدائی اور بنیادی باتوں کی حد سے آگے ریاست فرد کو صرف انہی معاملات میں اپنا پابند بناتی ہے جن سے سماجی کردار کی بنیادوں میں وسعت پیدا ہو سکتی ہے۔ اب اس کردار میں جلا اور حسن پیدا کرنا اور اسی کے ساتھ ایسے ذرائع و وسائل کی جستجو کرنا جن سے فرد اپنے سماج کے عطا کردہ انعامات کو اچھی طرح سمجھے اور اُن سے لطف اندوز ہو، یہ کام ریاست فرد کے اوپر چھوڑ دیتی ہے۔

اچھے سماج کی نظر خوشحالی اور لطف و مسرت بہم پہنچانے کی طرف رہتی ہے خواہ اس کوشش میں اُسے جبر و نیاد تی سے کام لینا اور انسانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے لئے مجبور بھی کرنا پڑے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی ہے کہ خود سماج کا کردار اس کی افتادِ مزاج اور اس کا انداز فکر افراد کے کردار ڈھل سے بنتا ہے جس کا پہلے سے اندازہ لگانا ممکن نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ بھی واقعہ ہے کہ ہر انسان اپنی عمر کے آخری حصے میں پہنچ کر اپنے بچپن کے وجود کا گویا نظر ثانی شدہ یا نئے حالات کے سانچے میں ڈھلا ہوا جدید ایڈیشن بن جاتا ہے اور زندگی کے قدیم و جدید اقدار کی معجون مرکب چھاپوں سے بنا ہوا ایک کھلونا۔

ان متوازی حالات و واقعات کو فرد اور سماج، دونوں کے حق میں نفع بخش بنانے کی غرض سے اوٹ

ایجوکیشن جو کچھ مدد اور فائدہ بہم پہنچا سکتی ہے اُس کو اُسے فرد کے اوپر مرکوز کرنا چاہئے۔ اور اس کی رہبری اُس جگہ سے شروع کرنی چاہئے جہاں سے وہ خود اپنی خوشی اور اپنی طاقت سے قدم اُٹھا سکے یعنی اس کے نفس کی تربیت سے۔ اس کوشش کی بدولت اگر اُس (فرد) میں معقول حد تک تحریک پیدا ہو جاتی ہے، اور اس کی محنت و کاوش کے نتائج سے اُس کی طبیعت اس حد تک مطمئن ہو جاتی ہے کہ وہ سوچنے لگے کہ جماعتی زندگی کے نصب العین کے باب میں اُس نے جو کچھ سیکھا اور سمجھا ہے وہ وہی ہے جو وہ احباب کی معیت میں خود کرتا۔ اسی طرح اس محنت و کاوش کے اثر سے اگر وہ اپنی زندگی کے طور طریق میں نفاست اور پاکیزگی پیدا کر کے اس نصب العین کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، تو پھر سماج کو اپنی شکل و صورت اور سیرت و کردار کے بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

فرد کے اوپر زور دینے کے حق میں ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ اڈلٹ ایجوکیشن کے علاوہ سماجیات (سوشیالوجی) اور تفریحات جیسی دوسری خدمات بھی ہیں اور سماج کے کچھ امور و معاملات ان کے سپرد کئے جانے چاہئیں۔ مثال کے طور پر انسانوں کی زندگی کا وہ پہلو جو گروہ کے اندر نظر آتا ہے اُسے سوشیالوجی کے سپرد کیا جا سکتا ہے، یا ان کی جسمانی ضرورتوں کو پورا کرنے کا مسئلہ ہے ـــــ وہ ضرورتیں خواہ کام کے نتیجے کے طور پر واقع ہوں۔ یا فرصت کے، اُسے تفریحات کے حوالے کیا جا سکتا ہے۔ اڈلٹ ایجوکیشن سے ہمارا واسطہ اس کے اس مفہوم میں ہے کہ وہ ایک وسیلہ ہے جس کا کام ایسی سہولتیں بہم پہنچانا ہے جس سے انسان کی سمجھ بوجھ کی نشوونما میں مدد ملتی ہے۔ ہمیں اس بات سے کوئی خاص سروکار نہیں ہے کہ اس عمل کو علمی کہنا چاہئے یا ترقیاتی یا کچھ اور۔ اس سے بھی ہمیں کچھ مطلب نہیں کہ اڈلٹ ایجوکیشن کے چشمۂ فیض سے ایک وقت میں ایک شخصِ واحد فیض حاصل کر رہا ہے یا پوری قوم یا پوری دنیا۔ ہمیں دلچسپی ہے نتیجے سے ـــــــــــــ یعنی اس سے کہ سمجھ بوجھ میں کتنا اضافہ ہوا۔ اور ہمارا عقیدہ ہے کہ چونکہ فرد فرد کے درمیان جو فرق ہوتا ہے اس کے اعتبار سے نتیجے میں بھی فرق ہوگا اس لئے اپنے مخاطب کی ایک ایک اکائی کی صلاحیت کے مطابق عمل کرنے میں اڈلٹ ایجوکیشن کو سب سے پہلے قدم اُٹھانا چاہئے۔ فرد کو حقائق و واقعات علوم و فنون، خاکوں اور نقشوں، اور ماحول کے قوانین سے آگاہ و آشنا کر کے اڈلٹ ایجوکیشن اس کی کمزوریوں اور محتاجیوں کو دور کر سکتی ہے چاہے یہ کمزوریاں وہ (فرد) سماجی روابط کو سمجھنے میں دکھائے یا تفریحی ضروریات کی طرف سے بے خبری کی شکل میں۔

ہو سکتا ہے کہ یہ بڑا لمبا اور مشقت طلب عمل ہو اور کچھ لوگوں کے نزدیک کبھی ختم نہ ہونے والا۔ مگر آگے بڑھنے

کا بس یہی ایک صحیح راستہ معلوم ہوتا ہے۔ اس سے ایک امکان یہ بھی ہے کہ اڈلٹ ایجوکیشن کے سر سے اس مزید بوجھ کا کچھ حصہ اُتر جائے جو کچھ لوگ اس کے اوپر یہ سمجھ کر لاد دیتے ہیں کہ اڈلٹ ایجوکیشن تو ہر سماجی بیماری میں دوا کے کام آتی ہے۔ اس سے وہ پریشان خیالی بھی ایک حد تک کم ہو جاتی ہے جو اس قسم کے سوالات کی شکل میں پیدا ہوتی ہے کہ "تیراکی کا سبق کس وقت تعلیم کی تعریف میں آتا ہے اور کس وقت تفریح کی تعریف میں؟" یا اسی طرح کی ایک اور خواہ مخواہ کی اُلجھن کہ "آیا اڈلٹ ایجوکیشن سماجی علم (سوشل سائینس) ہے یا تعلیم کی ایک شاخ؟" ہر معروف و مقبول علم اپنی روشنی پہنچانے کو تو اپنے آس پاس کیا بلکہ دور دراز مقامات تک پہنچاتا ہے لیکن اس کے باوجود اس کا گھر کا ایک نہ ایک پتہ بھی ضرور ہوتا ہے اور وہ کچھ عرصے تک ہی سہی، وہاں رہ بھی چکا ہوتا ہے۔

بحث کے مذکورہ بالا دو پہلوؤں کے علاوہ ایک تیسرا نکتہ اور بھی ہے اور اُسے بھی اس موقع پر سمجھ لینا چاہیئے۔ فرد کی اہمیت کے بارے میں ثبوت بہم پہنچانے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ اُسے ہر وہ شخص جس کا تعلیمی دنیا سے تعلق ہے، جانتا اور سمجھتا ہے۔ جو شخص بھی تعلیم و تدریس کے کام سے وابستہ ہے اُس کے لئے اس حقیقت سے واقف ہونا، تعلیم کی الف ب سے واقف ہونے کے برابر ہے کہ کوئی جماعت چاہے وہ چھوٹی سی بستی ہی کیوں نہ ہو، اس کی تعلیم و تعمیر کے لئے گول مول، جذباتی اور مذہبی النوع طریقے اختیار کرنے سے زیادہ دن کام نہیں چلتا۔ اسکولوں اور تعلیم گاہوں کے منتظم بھی، اگرچہ انھیں بڑی بڑی جماعتوں سے عہدہ برآ ہونا پڑتا ہے مگر اس کے باوجود وہ معاملہ افراد ہی سے کرتے ہیں۔ پندرہ سولہ سال کے نوجوانوں کی تعلیم میں بھی یہی حقیقت کارفرما ہے کہ اب روز بروز اساتذہ کی توجہ فرد کی رہبری (گائڈنس) اور اُسے اس کی جگہ فٹ (ایڈجسٹ) کرنے کی طرف رہنے لگی ہے۔ بالکل یہی نظریہ اڈلٹ ایجوکیشن کے باب میں بھی صادق آتا ہے۔

غرض ہم بالکل صحیح راستے پر ہوں گے اگر ہمارے معلم پہلے انسانوں کی اپنی اکائیوں سے معاملہ کریں اور انھیں کسی سانچے میں ڈھالنے اور ان کی سمجھ بوجھ کو وسیع تر جماعت کے تقاضوں سے مربوط اور ہم آہنگ کرنے کا کام دوسرے نمبر پر رکھیں۔ اس راستے کے علاوہ دوسرے راستے سے جو چیز آتی ہے اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ عارضی اور فوری اقدام کی ہو سکتی ہے مگر اسی کے ساتھ اکثر و بیشتر وہ اگر مہمل اور بے نتیجہ نہیں تو تکلیف دہ ضرور ہوتی ہے۔

دوسرے طبقوں اور تنظیموں کے یہاں بھی دیکھئے، جیسے کلیسا، کاروبار، محنت کش طبقے کی تنظیمیں، یہاں تک کہ سیاسی تنظیمیں ہیں، یہاں بھی یقینی اور پائدار کامیابی کا راز فرد ہی کی وفاشعاری، عقل و فراست، اور جوش و خروش میں مضمر پایا جاتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے اور ہوا بھی ہے کہ بڑے بڑے لیڈر بڑے بڑے مجمعوں کو متاثر کر دیں لیکن یہ بھی واضح ہے کہ لیڈروں کا لیڈر تھا حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ ہے) اس نے بھی اپنے حواریوں کو الگ الگ اور فرداً فرداً چنا تھا اور ان میں سے ہر ایک کی تربیت کے مطابق فرداً فرداً اس کی صلاحیت کی تھی۔

---

بقیہ صفحہ ۲۸ کا

موضع مئو جدو نبس پور کے لوگوں کی عقل مندی اور ایکتا سے اُن کے دن پھر گئے ہیں آپ بھی کوشش کریں اور سوجھ بوجھ سے کام کریں تو کیا آپ کے گاؤں میں بھی ہُن نہ برسنے لگے گا۔

# پنچائت راج کے اداروں کا غیر سرکاری وفاق

## آل انڈیا پنچایت پریشد اور پنچایتی راج

آل انڈیا پنچایت پریشد کا قیام ۱۹۵۸ء میں شری بلونت رائے مہتہ اور پنچایت تحریک کے کچھ دوسرے سرگرم رہنماؤں کی کوشش سے ہوا تھا۔ اس پریشد نے اپنی زندگی کے ساڑھے تین سال کی مختصر مدت میں پنچائت تحریک میں بہت سے نئے نئے موڑ دیکھے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہم ملک میں پنچایتی راج کا قیام ہے۔ پنچائتی راج کے تصور نے ملک میں ایک ایسے طرزِ فکر کو پنپنے میں مدد دی ہے اور اگر اس میں کسی طرح کی رکاوٹ نہ ڈالی گئی تو وہ ہندوستانی جمہوریت کا نقشہ بدل کر رکھ دے گی۔ وہ اُسے ایک بالکل نیا روپ اور ایک نئی حیات بخشے گی۔ پنچایتی راج کا رسمی افتتاح ۲ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو راجستھان کے صدر مقام جے پور میں ہمارے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نے کیا تھا۔ اس موقع پر انھوں نے فرمایا تھا کہ ہمارا یہ قدم بہت انقلابی نوعیت کا ہے۔

## آل انڈیا پنچائت پریشد کے کام کا نیا میدان

پنچایتی راج کی اہمیت پر میں دوسری جگہ لکھ چکا ہوں۔[1] اس موضوع پر میں یہاں اور زیادہ بحث کی ضرورت نہیں سمجھتا بس اتنا کہدینا کافی ہوگا کہ پنچائتی راج نے اور دوسری باتوں کے ساتھ آل انڈیا پنچایت پریشد کے لئے بھی کام کے نئے مواقع پیدا کر دیئے ہیں۔ اس نے پریشد کو عوام کی خدمت کرنے کا ایک وسیع اور تخلیقی میدان دیا ہے، اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ آل انڈیا پنچائت پریشد کے دستور میں ترمیم کی جائے جس سے پریشد کے مقاصد اور اس

---

[1] دیکھئے تعلیم و ترقی ستمبر ۱۹۶۱ء خاص نمبر (پنچایتی راج اور سوشل ایجوکیشن)

اور

سوراج فار دی پیپل

کے کام کے میدان میں وسعت پیدا ہو۔

## تنظیم کی نئی شکل

اپنی ابتدائی شکل میں آل انڈیا پنچایت پریشد گاؤں پنچایتوں کی ایک کل ہند تنظیم تھی۔ مگر پنچایتی راج کے قیام سے بلاک اور ضلع کی سطح پر دو اور پنچایتی ادارے وجود میں آگئے ہیں۔ اس کے پیش نظر یہ ضروری ہو گیا کہ ان نئے اداروں کو بھی آل انڈیا پنچایت پریشد کے کنبے میں شامل کیا جاتے۔ اسی خیال سے پریشد نے اپنے گزشتہ اجلاس میں جو مئی ۱۹۶۱ء میں جے پور میں ہوا تھا، اپنے دستور میں ترمیم کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی تھی۔ اس کمیٹی کی رپورٹ پر پریشد کی صلاح کار کمیٹی نے غور کر کے کچھ ردوبدل کے ساتھ دستور میں ترمیم کی تجویز منظور کر لی۔

## نیا دستور

اس نئے دستور میں ریاستوں کی سطح پر ریاستی پنچایت پریشدوں کی تنظیم کے لئے کچھ ہدایتی اصول پیش کئے گئے ہیں۔ اس کے مطابق آل انڈیا پنچایت پریشد مختلف ریاستوں (اور مرکزی حکومت کے زیر انتظام علاقوں) کی پنچایت منڈلوں کا وفاق ہے۔ ریاستی یا پردیش پنچایت منڈل بھی اس طرح ریاست کی پنچایتوں، پنچایت سمتیوں اور ضلع پریشدوں کا وفاق ہوں گی۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بلاک یا ضلع کی سطح پر پنچایتوں کے وفاق کی تنظیم نہیں ہو سکتی۔ اس کی وجہ صاف ہے کہ بلاک کی سطح پر پنچایت سمتیاں اور ضلع کی سطح پر ضلع پریشد اپنے اپنے علاقوں کی گاؤں پنچایتوں اور پنچایت سمتیوں کا وفاق ہی ہیں۔ ان اداروں کے ساتھ ساتھ بلاک اور ضلع کی سطح پر دوسرے پنچایتی وفاق کے قیام کا مطلب دو متوازی اداروں کے درمیان مقابلے اور تکرار کی کیفیت پیدا کرنا اور رقابت کی حوصلہ افزائی کرنا ہوگا۔ پھر بھی ریاستی پنچایت منڈل اگر یہ ضروری سمجھیں تو وہ یہ کر سکتی ہیں۔

اس دستور میں ایک اہم بات اس کا یہ اعلان ہے کہ آل انڈیا پنچایت پریشد اور اس کے ممبر ادارے غیر سیاسی اور غیر پارٹی نوعیت کے ادارے ہوں گے۔

دوسری اہم بات آل انڈیا پنچایت پریشد کا ایک غیر سرکاری اور آزاد تنظیم ہونا ہے۔ اس لحاظ سے اس کے فیصلوں کی قانونی حیثیت نہ ہو کر مشورے کی ہوگی۔ اس کا کام بنیادی طور پر تعلیمی ہے۔

# قانونی حیثیت کے اداروں کی غیر سرکاری تنظیم؟

آل انڈیا پنچایت پریشد حالانکہ کئی سال سے قائم ہے مگر ابھی چند دنوں سے اس کے بارے میں طرح طرح کے شکوک ظاہر کئے گئے ہیں۔ کمیونٹی ڈیولپ منٹ اور پنچایت راج کے وزیروں کی جو کانفرنس ابھی حال میں حیدرآباد میں ہوئی تھی اس میں بھی یہ شبہ اُٹھایا گیا تھا کہ پنچایتی راج کے ماتحت قائم ہونے والے قانونی اداروں کا کوئی غیر سرکاری وفاق بنانا کس حد تک ممکن اور مناسب ہے۔

اس سلسلے میں کسی طرح کا قانونی اعتراض اُٹھانا ہی میرے نزدیک ایک بڑی بھول ہے۔ مگر اب جبکہ یہ سوال اُٹھ ہی گیا ہے تو میں اس کی تشریح کئے دیتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ کہ مقامی خود اختیار حکومتوں کی غیر سرکاری انجمنیں کل ہند اور ریاستی سطح پر پہلے بھی موجود رہی ہیں اور وہ آج بھی قائم ہیں۔ سب سے بڑی مثال یو۔ این۔ او کی ہے جو مختلف ملکوں کی ایک غیر سرکاری اور آزاد انجمن ہے۔ یو۔ این۔ او کو ساری دنیا کی حکومت نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہر ملک کے لئے یو۔ این۔ او کا ممبر بننا لازمی ہے اور نہ یہ ہی ضروری ہے کہ یو۔ این۔ او کے تمام فیصلے مان ہی لئے جائیں اور ان کے مطابق عمل درآمد ہو۔ پھر اگر اس طرح کی کوئی مثال موجود نہیں ہوتی تو بھی قانونی حیثیت رکھنے والے اداروں کو کسی غیر سرکاری انجمن کا ممبر بننے کے حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ گاؤں، بلاک اور ضلع کی پنچایتیں تو اپنی اپنی جگہ چھوٹی چھوٹی حکومت ہیں اور ان کو یہ حق حاصل ہے یا انھیں یہ حق حاصل ہونا چاہئے کہ اگر وہ چاہیں تو کچھ مقاصد کے لئے جن کا ذکر آل انڈیا پنچایت پریشد کے دستور کے ایکٹ نمبر ا شق ۲[1]۔ میں کر دیا گیا ہے، کسی انجمن میں شامل ہو سکیں، ان کو اپنے اس حق سے محروم رکھنا ان کی اُس قانونی اور آزادانہ حیثیت اور مرتبے کا مذاق اڑانا ہے، جو انھیں مل چکی ہے۔

اب اس لحاظ سے دیکھئے تو اس سوال میں کوئی وزن نہیں رہ جاتا ہے کہ ان اداروں کو کسی غیر سرکاری انجمن میں شمولیت کا دستوری حق حاصل ہے یا نہیں۔ ہمیں تو یہ دیکھنا چاہئے کہ جمہوری لامرکزیت کے نصب العین تک پہنچنے میں یہ انجمن کس حد تک مددگار و معاون ثابت ہوگی۔ اگر پنچایتی راج کو، جس میں گاؤں پنچایت

---

[1] یہ مضمون شری جے پرکاش نرائن کی تمہید سے ماخوذ ہے جو موصوف نے آل انڈیا پنچائت پریشد کے ترمیم شدہ دستور پر لکھی ہے۔ یہاں اُسی دستور کے ایکٹ کی طرف اشارہ ہے

پنچائت سمتی اور ضلع پریشد کی تمام کڑیاں شامل ہیں ریاستی حکومت کی توسیع ہی سمجھا جاتا ہے اور اس اعتبار سے اُس کو سرکاری محکمہ جاتی نظام اور تنخواہ داروں کے افسر شاہی نظام کے توسط سے ہی چلنا چاہئے تو ظاہر ہے کہ غیر سرکاری انجمن کی تشکیل سے اس میں رکاوٹیں پڑیں گی لیکن اس کے برخلاف اگر ان کا مقصد عوام کی پوشیدہ صلاحیتوں کو اُبھارنا اور انھیں اپنے معاملات کا آپ مختار بنانے کے لئے ان کی حوصلہ افزائی مقصود ہو تو ایک غیر سرکاری تنظیم یعنی عوام کی ایک ایسی تنظیم جو سرکاری قواعد وضوابط کے محرکات اور پابندیوں سے آزاد ہو، یقیناً مفید ثابت ہوگی۔ صرف یہی ایک بات کہ تینوں سطح کے پنچایتی اداروں کے نمائندے ملک کے کونے کونے سے ایک پلیٹ فارم پر آکر جمع ہوں، اپنے اپنے تجربات پر تبادلۂ خیال کریں، اپنے مشترکہ مسائل پر غور کریں۔ ان کے حل کرنے کی تدابیر سوچیں اور اپنے مشترکہ مقاصد کی تکمیل کے لئے ایک ساتھ مل کر کام کرنے کے امکان پر پر غور کریں، تو وہ اپنی جگہ ایک بہت اہم بات ہے۔ یہ بات ہماری جمہوریت کی جڑوں کو مضبوط کرنے میں بہت مفید ثابت ہوگی۔ میں پہلے بھی کہہ آیا ہوں کہ آل انڈیا پنچایت پریشد کا کام خاص طور سے تعلیمی کام ہوگا۔ پنچایتی اداروں کے ممبروں اور عہدہ داروں کی تربیت کرنا، ان میں نیا شعور اور نئی سوجھ بوجھ پیدا کرنا ہی ضروری نہیں ہے، عوام کو بھی یہ بتانا ضروری ہے کہ انھیں اپنا کام کس طرح سب کی رائے لے کر اور ساتھ مل جل کر کرنا چاہئے۔ تعلیم و تربیت کا یہ کام سرکاری اداروں کی نسبت پنچائتوں کی غیر سرکاری تنظیم زیادہ بہتر طریقے پر کرسکتی ہے۔

ریاستی حکومتیں بھی، اگر ان کا مقصد محض جمہوری لامرکزیت کا ایک ڈھانچہ کھڑا کر دینا ہی نہیں ہے تو وہ بھی یہ محسوس کریں گی کہ جمہوری لامرکزیت کی منزل تک پہنچنے میں سماجی، اقتصادی اور تہذیبی ترقی کے کام میں عوام کا تعاون حاصل کرنے کی کتنی اہمیت ہے اور اس کام میں انھیں پنچائتوں کی غیر سرکاری تنظیم سے کس قدر مدد مل سکتی ہے۔ نومبر سنہ ۱۹۵۹ء میں آل انڈیا پنچایت پریشد کے دوسرے سالانہ اجلاس میں جس کا افتتاح وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے اُجین میں کیا تھا، اپنی صدارتی تقریر میں شری بلونت رائے مہتہ نے ایک بہت ہی پتے کی بات کہی تھی۔ انھوں نے کہا تھا کہ

> "یہ بحث کی جاتی ہے کہ سرکاری سوسائٹیوں جیسے رضاکار اداروں کے لئے تو یہ مناسب ہے کہ وہ اپنے وفاق بنائیں، مگر مقامی حکومتوں کی حیثیت سے پنچائتوں کے لئے نہ تو یہ ممکن ہے اور نہ مناسب کہ وہ اپنا کوئی غیر سرکاری وفاق بنائیں۔ اس کے جواب میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ گاؤں کے اداروں کا ٹھیک ٹھیک نظم و نسق

چاہے وہ ادارے وہاں کی مقامی سرکاریں (پنچائتیں) ہی کیوں نہ ہوں، عام آدمیوں کی سوجھ بوجھ، ان کے چنے ہوئے نمائندوں اور تنخواہ دار ملازموں کی معاملہ فہمی اور قوت عمل پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر ہم عوام کو بیدار کرکے انھیں میدان عمل میں اتارنا چاہتے ہیں، جس سے وہ اپنے فرائض کو پورا کرسکیں تو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ ہم رفتہ رفتہ ان کی تربیت کرتے رہیں اور یہی دراصل وہ کام ہے جو رضا کار اداروں کو کرنا چاہئے۔ پنچائتیں اور کوآپریٹو سوسائیٹیاں پہلے بھی قائم رہی ہیں ہم یہ پوچھ سکتے ہیں کہ یہ ادارے جاندار اور بھرپور اداروں کی حیثیت سے کیوں نہیں پروان چڑھ سکے۔ اس کے جواب میں کئی باتیں کہی جاسکتی ہیں، مگر ایک سب سے اہم بات یہ کہی جاسکتی ہے اور جسے مان لینے میں کسی کو اعتراض بھی نہیں ہوگا کہ پنچائتوں اور سہکاری اداروں کے نام پہلے ان کا محض ڈھانچہ ہی بنایا گیا تھا۔ جن کے پاس نہ تو خاطر خواہ وسائل تھے اور نہ کافی اختیارات۔ اب یہ نئی کوشش جو ہم جمہوریت کی عمارت کو اس کی بنیادوں سے تعمیر کرنے کے لئے کر رہے ہیں، اگر اسے محض سرکاری محکموں کے دفتری نظام کی پابندیوں میں جکڑ کر رکھ دینا ہی نہیں ہے تو پھر عوام اور اُن کے رضا کار اداروں کو ہر مرحلے پر لوگوں کی رہنمائی، حوصلہ افزائی اور تعلیم و تربیت کا کام کرنا پڑے گا۔"

## دو ضرورتیں

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ جمہوری لامرکزیت کے راستے میں دو طرح کے مسائل ہیں۔ ایک تو ان اداروں میں تال میل پیدا کرنے کا مسئلہ ہے کہ کس طرح ان اداروں کو ایک رشتہ میں پرو دیا جائے جس سے انھیں اپنے تجربات پر باہم تبادلہ کا موقع ملے اور انھیں ایسی رہنمائی ملے جس سے یہ تحریک مقامی یا علاقائی تنگ نظری کا شکار ہوکر پنچائتی راج کے بنیادی تصور کو نہ بھلا بیٹھے۔ اس مسئلے کا یہی ایک حل ہے کہ پنچائتی راج کے اداروں کا اپنا ایک پلیٹ فارم ہو جہاں وہ اپنے مشترک مسائل پر سوچ بچار کرسکیں اپنے تجربات پر باہم تبادلہ کرکے اپنے مسائل کا حل سوچ سکیں اور سب کی سوچی سمجھی رائے سے اپنے پروگراموں کو آگے بڑھانے میں

رہنمائی حاصل کرسکیں۔ایسی تنظیم پنچائتی راج کی رفتار ترقی کا جائزہ لے سکتی ہے نئے نئے رجحانات اور نئے مسائل اور ان کی نوعیت کو پرکھ سکتی ہے اور ایسے بنیادی اصولوں کی تبلیغ و اشاعت کرسکتی ہے جو پنچائتی راج کے اداروں کو مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر چلانے میں مددگار ہوں۔

دوسری بات یہ کہ پنچائتی راج کی ساری تحریک جو مختلف ریاستی حکومتوں کی طرف سے شروع کی گئی ہے اس کی طرف سے ہمیشہ یہ اندیشہ رہے گا کہ کہیں وہ محکمہ جاتی اور نوکر شاہی نظام کی پابندیوں میں جکڑ کر نہ رہ جائے یہ بات تو سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ حکومت اپنے تمام اختیارات اور اقتدار کلی کے باوجود صرف اتنا کرسکتی ہے کہ پنچائتی راج کا محض ایک انتظامی ڈھانچہ کھڑا کردے۔لیکن صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ہونا یہ چاہئے کہ اس کے ذریعہ ایک ایسی تحریک ابھرے جو عوام میں اپنی قوت کا احساس پیدا کردے جس سے کہ خود اپنے اوپر بھروسہ کرکے وہ اپنی قسمت کے مالک و مختار بن سکیں۔اس کی تنظیم میں اتنی لچک ہو کہ اس میں افراد کی محسوس ضرورتوں کی تکمیل کی، جہاں تک ممکن ہو گنجائش نکل سکے۔

اس بحث کو ختم کرنے سے قبل میں ایک اور بات کہہ دینا چاہتا ہوں۔کچھ لوگ یہ تجویز پیش کر رہے ہیں کہ اگر پنچائتی راج کے اداروں کی ریاستی یا کل ہند انجمن کا ہونا ضروری ہے تو اُسے غیر سرکاری انجمن کے بجائے قانون کی حیثیت کی انجمن کیوں نہ بنایا جائے۔میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی غلط فہمی نہیں ہوسکتی گاؤں پنچائتوں، پنچائت سمتیوں اور ضلع پریشدوں کی ریاستی سطح پر قانونی حیثیت کی انجمن بنانے کا مطلب موجودہ آئین ساز اسمبلیوں کے مقابلے کی ایک نئی جماعت بنانا ہے۔

مرکز میں بھی یہی صورت حال ہوگی۔اس طرح قانونی حیثیت کے ادارے میں ایک تو وہ سارے اوصاف نہیں رہیں گے جو مندرجہ بالا بیان کے مطابق غیر سرکاری اداروں میں موجود ہوتے ہیں اور دوسرے یہ ادارے اپنی نوعیت کے اعتبار سے چونکہ مقابلے اور رقابت کی کیفیت میں مبتلا رہیں گے اس لئے ان سے اور بہت سی دشواریاں بھی پیدا ہوتی رہیں گی۔

# عورتوں کی تعلیم :۔ بدلتے ہوئے سماج کا تقاضہ

## عورتوں کی تعلیم کی اہمیت

بچے، جن سے ہماری آنے والی قوم کی تعمیر ہوگی، ان کی بہتر اور صحت مند تعلیم کے لئے عورتوں کی تعلیم شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایک بار کسی عورت کو تعلیم دینے کا مطلب ہے، علم کی روشنی ایک خاندان کے اندر پہونچا دینا جس کی جھلک اس خاندان کی ہمہ گیر ترقی اور اس تعلق سے اس گاؤں اور ملک میں بھی صاف دکھائی دیگی۔ ایک ملک صرف اس وقت ترقی کر سکتا ہے جب وہاں عورتوں کی تعلیم کو علمی اور سماجی دونوں میدانوں میں کافی اہمیت حاصل ہو۔ اس لئے کہ یہ عورتیں کل بالغ آبادی کا ۵۰ فیصدی حصہ ہیں۔

ہندوستان میں پڑھی لکھی عورتوں کا اوسط بہت ہی کم ہے۔ اس کمی کو دور کرنے کے لئے ریاستی اور مرکزی سطح پر ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے۔ سوشلسٹ نمونے کے ایک ویلفیر اسٹیٹ کے لئے عورتوں کی تعلیم کا انتظام کئے بغیر ترقی کرنا ناممکن ہے۔

## عورتوں اور بچوں کے پروگراموں میں خاتون کارکنوں کی کمی

ملک کے آزاد ہونے کے بعد گاؤں والوں اور خاص طور سے گاؤں کی عورتوں اور بچوں کی فلاح وبہبود کے لئے ریاستی حکومتوں نے بہت سے ترقیاتی منصوبے شروع کئے ہیں۔ عورتوں اور بچوں کی فلاح وبہبود کے منصوبوں پر عمل درآمد کے لئے بہت بڑی تعداد میں خاتون کارکنوں کی ضرورت ہے، جو گرام سیویکا، دستکاری کی استانی، میڈوائف، نرس اور فیملی پلاننگ کی مددگار کارکن کی حیثیت سے کام کرسکیں۔ گذشتہ چند سال کے تجربے نے یہ بتایا ہے کہ ان کاموں کی ٹریننگ حاصل کرنے کے لئے اچھی عورتیں بہت کم ملتی ہیں۔ بیشتر شہروں کی پڑھی ہوئی کم عمر لڑکیاں جو عموماً ۱۴ سے ۱۷ سال کی ہوتی ہیں، اس ٹریننگ کے لئے آتی ہیں۔ ان لڑکیوں کو نہ تو زندگی کا تجربہ ہوتا ہے اور نہ گاؤں کی زندگی اور حالات سے واقفیت۔ اس سے وہ ایسے کاموں کے لئے جن میں گاؤں کے لوگوں کے درمیان رہ کر کام کرنا ہو، پوری طرح موزوں نہیں ہوتیں۔

## بالغ عورتوں کی تعلیم: سنٹرل سوشل ویلفیر بورڈ کی اسکیم

اس کے لئے دوسرا انتظام یہ سوچا گیا ہے کہ دیہاتی علاقوں کی ذرا زیادہ عمر یعنی ۲۰ سے ۳۵ سال کے درمیان ایسی عورتوں کو پڑھایا جائے جن کو سماجی بہبود کے میدان میں کام کرنے کا شوق بھی ہو۔

یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ ہمارے یہاں ایسی عورتیں بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں، جنھیں اپنے اور اپنے بال بچوں کی کفالت کے لئے روزگار کی ضرورت ہے۔ یہ عورتیں غربت و افلاس کی ستائی ہوئی، رانڈ، بیوائیں یا ایسی عورتیں ہیں جن کے شوہر انھیں چھوڑ چکے ہیں۔ ایسی عورتوں کے لئے یہ مشکل ہے کہ وہ کئی سال تک پابندی سے اسکول جاتی رہیں۔ اور کچھ سال بعد وہ اس قابل ہو سکیں کہ خاص کاموں کی ٹریننگ حاصل کر کے کوئی کام کر سکیں۔

اسی ضرورت کے پیش نظر سینٹرل سوشل ویلفیر بورڈ نے عورتوں کی تعلیم کا ایک اعلا کورس ملک کی مختلف رضاکار اداروں کے توسط سے شروع کیا ہے۔ اس ملے جلے نصاب تعلیم کے باعث اب تک تقریباً ۲۰۰۰ عورتوں نے ٹریننگ حاصل کی ہے۔ اب اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ ان عورتوں کو مختلف کاموں میں، جیسے پرائمری اسکولوں میں پڑھانے کا کام ہے، لگایا جائے یا دوسرے کاموں میں مزید ٹریننگ دلا کر ان کے لئے روزگار فراہم کیا جائے۔ اس وقت سارے ملک میں اس طرح کے ۲۳۸ ٹریننگ کورس چل رہے ہیں۔ ہر کورس میں ۲۵ عورتیں مڈل یا ہائی اسکول تک کی تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔

## بالغوں کی تعلیم :- نئے سماج کا تقاضہ

ایک جمہوری ملک کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ اپنے یہاں کے بالغ لوگوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرے جس سے کہ وہ اس قابل ہو جائیں کہ وہ اپنے حق رائے دہندگی کا صحیح استعمال کر سکیں اور اپنے ملک کی قسمت بنانے کی ذمہ داری اٹھانے کے لئے صحیح تدبیریں کر سکیں۔ تعلیم ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس کے فیض سے کسی ملک کے رہنے والوں کو اپنی بستی کے لئے مفید اور نظم و ضبط کا پابند شہری بنایا جا سکتا ہے۔

غربت، بیماری اور جہالت یہ تین بڑی لعنتیں آج بھی عوام کو اپنے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ان سے نجات حاصل کرنے کے لئے سب سے ضروری بات یہ ہے کہ تعلیم بالغان کے نصاب پر بہت سنجیدگی سے غور کیا جائے جس سے کہ نئی نئی معلومات اور نئی نئی باتوں کو زندگی میں برتنے کے طریقے بالغوں کی تعلیم کے نصاب میں شامل ہو سکیں۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ بالغوں کی تعلیم ایک مسلسل عمل کا نام ہے جو عوام کو اپنی نئی نئی ذمہ داریوں کو سمجھنے اور ان ذمہ داریوں کو اٹھانے کے لئے تیاری کرتی ہے۔ صحت نئی ذمہ داریاں جو تعلیم اور زندگی سے بالکل مختلف ہوتی ہیں۔

یہ بات دیکھنے کی ہے کہ نئے اور بدلتے ہوئے سماج میں سب سے اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس لئے نصاب تعلیم میں بہت زیادہ ضرورت ہے جس سے کہ یہ تعلیم اس نئی ضرورت کو اچھی طرح پورا کر سکے۔

## خبریں

# پنچائتی راج اور کوآپریٹو تحریک پر مباحثہ

## دہلی یونیورسٹی اور کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی وزارت کا تعاون

پنچائتی راج اور کوآپریٹو تحریک، ان دو موضوع پر اس مہینے کی ۱۵ اور ۱۸ تاریخ کو دہلی یونیورسٹی میں ملک کی مختلف یونیورسٹیوں کے طالب علموں کے درمیان مباحثے کا مقابلہ ہوا تھا۔ دہلی یونیورسٹی نے یہ مقابلہ کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی وزارت کے اشتراک سے منعقد کیا تھا۔

"پنچائتی راج ۔ سماجی، اقتصادی اور سیاسی ترقی کا محور ہے" اس موضوع پر مباحثے میں ۲۱ یونیورسٹیوں کے طالب علموں نے حصہ لیا، جنمیں سے بیشتر نے اس تجویز کی حمایت کی تھی مگر ۵۰۔ روپے کا پہلا انعام دہلی یونیورسٹی کے طالب علم شری این کے سنگھ کو ملا جنھوں نے اس تجویز کی مخالفت کی تھی، ۳۰۔ روپے کا دوسرا انعام گاندھی گرام (دورل انسٹی ٹیوٹ کے طالب علم شری این۔ اے۔ کرشنا مورتی نے حاصل کیا جنھوں نے یونیورسٹی کے طالب علموں کے درمیان اس مباحثے میں رورل انسٹی ٹیوٹوں کی نمائندگی کی تھی تجویز کی حمایت میں بولنے والے صرف یہی ایک انعام حاصل کر سکے۔ ۲۰۔ روپے کا تیسرا انعام عثمانیہ یونیورسٹی کے طالب علم شری اے۔ بی۔ کھادر نے حاصل کیا

پنچائتی راج کی موافقت میں بولنے والوں کی دلیل یہ تھی کہ ملک کی ترقی کا سارا دارو مدار گاؤں کی ترقی پر ہے، پنچائتی راج میں اقتصادی اور سیاسی اختیارات کی لامرکزیت کا جو تصور پیش کیا گیا ہے اس سے نہ صرف یہ کہ ملک میں جمہوریت کی بنیادیں مضبوط ہوں گی بلکہ ملک ہر لحاظ سے آگے بھی بڑھے گا۔ اس سے لوگوں میں اعتماد اور بھروسے کی کیفیت پیدا ہوگی جو ہر حقیقت سے کسی ملک کی ترقی کے لئے شرط کا درجہ رکھتی ہے۔

پنچائتی راج کی مخالفت کرنے والوں نے اپنے دلائل کا محور موجودہ گاؤں کی پسماندہ حالت کو بنایا... اور اس بات پر زور دیا کہ آج کے حالات میں پنچائتی راج کا نفاذ ایک بڑی بھول ہے۔ ابھی گاؤں کے لوگ اس حیثیت میں نہیں ہیں کہ وہ ان نئی ذمہ داریوں کو اٹھانے کا پوری طرح حق ادا کر سکیں۔

کوآپریٹو تحریک کی ضرورت اور افادیت کے موضوع پر ۱۸ فروری کو مباحثے میں ۱۳ یونیورسٹی کے لڑکوں نے حصہ لیا تھا

مشہور ماہر اقتصادیات ڈاکٹر وی۔ کے۔ آر۔ وی۔ راؤ نے جنھوں نے اس جلسے کی صدارت کی تھی، جادو پور یونیورسٹی کے طالب علم شری امرت نند داس کو پہلا، وکٹیشور یونیورسٹی کی مس وی۔ نسیم کو دوسرا اور دہلی یونیورسٹی کے طالب علم شری این۔ کے۔ سنگھ کو تیسرا انعام دیا۔

ان دونوں مقابلوں میں یونیورسٹیوں کے طالب علموں کے ساتھ رورل انسٹی ٹیوٹوں کی بھی نمائندگی ہوئی تھی رورل انسٹی ٹیوٹ کی نمائندگی کرنے کے لئے ۱۲ فروری کو جامعہ ملیہ کے رورل انسٹی ٹیوٹ میں ملک کے مختلف رورل انسٹی ٹیوٹ کے نمائندوں کا ایک ابتدائی مقابلہ بھی ہوا تھا۔

## دیہاتوں میں سائنسی مرکزوں کا قیام

گاؤں میں سائنسی تجربوں کو مقبول بنانے کے لئے حکومت ہند نے ملک کے مختلف دیہی علاقوں میں "وگیان مندر" کے نام سے سائنسی مرکز قائم کئے ہیں۔ ان مرکزوں کی تعداد اسوقت ۴۱ ہے جبکہ تین سال پہلے انکی تعداد محض ۱۸ تھی۔ یہ مندر سائنسی تحقیقات اور ثقافتی امور کی مرکزی وزارت کے ماتحت چل رہے ہیں۔

نئے وگیان مندروں کے قیام کے لئے ۳۱ جگہوں کا انتخاب کیا جا چکا ہے، جہاں وگیان مندر قائم کرنے کے سلسلے میں جلد ہی کارروائی شروع کر دی جائے گی۔

## اتر پردیش میں عورتوں کی بہبود کے ۲۶۱ نئے مرکزوں کا قیام
### تیسرے پنج سالہ پلان کی اسکیم

اتر پردیش میں عورتوں کی بہبود کے ۲۶۱ نئے مرکز تیسرے پلان کی مدت میں قائم کرنے کی ایک اسکیم بنائی گئی ہے۔ اس پر اندازہ ہے کہ ۲۳ لاکھ ۲۶ ہزار روپئے کا خرچ آئیگا۔

عورتوں کی بہبود کے مرکز، جو ابتک سوشل ویلفیئر ڈپارٹمنٹ کے ماتحت قائم تھے اور ریاست کے ۳۳ ضلعوں میں چل رہے تھے، آئندہ سے پلاننگ ڈپارٹمنٹ اور ریاست کے سوشل ویلفیئر ایڈوائزری بورڈ کے تعاون سے صرف انھی علاقوں میں قائم کئے جائیں گے جہاں کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے بلاک قائم ہیں۔

ہر بلاک میں کم سے کم ۵ مرکز قائم کرنے کی تجویز کی گئی ہے۔

## بچوں کی بہبود کا کام، ملک کی اہم ترین ضرورت
### دہلی میں چائلڈ ویلفیئر ٹریننگ کا افتتاح

بالکن جی باڑی کے اہتمام میں بچوں کی بہبودی کے کاموں کی ٹریننگ کا افتتاح کرتے ہوئے ۴ فروری کو شریمتی درگابائی

ویشنو کھم نے فرمایا کہ "اقتصادی ترقی کا منصوبہ اسوقت مکمل ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ سماجی خدمات کے کاموں کے لئے اسمیں خاطر خواہ گنجائش نہ ہو اور سماجی خدمت کا کوئی بھی پروگرام اس وقت تک مفید اور کارگر نہیں مانا جا سکتا جب تک بچوں کی بہبود کا پروگرام اسمیں شامل نہ کر لیا گیا ہو"

پنج سالہ پلان میں بچوں کی بہبود کے کاموں کے لئے جو گنجائش رکھی گئی ہے اس کا جائزہ لیتے ہوئے شریمتی درگابائی دیشمکھ نے بچوں کی زیریں تعلیم کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیتے ہوئے ان تجرباتی اسکیموں کا خاص طور سے ذکر کیا جو تین سے چھ سال کے بچوں کی تعلیم کی افادیت کو جانچنے کے لئے ہر ریاست میں شروع کی گئی ہیں۔

## ہماری سیکنڈری ایجوکیشن میں نقص کہاں ہے؟

دہلی میں ایک تعلیمی سیمنار کے موقع پر اپنی صدارتی تقریر میں ڈاکٹر وی۔ کے۔ آر۔ وی۔ راؤ نے سیکنڈری ایجوکیشن کی موجودہ صورت حال کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے فرمایا کہ آج کی سیکنڈری ایجوکیشن کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اسکی ساری منصوبہ بندی اس بنیاد پر کی جاتی رہی ہے کہ اس تعلیم کا مقصد لڑکوں کو یونیورسٹی میں داخلہ دلانے کے لئے تیار کرنا ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو سیکنڈری ایجوکیشن کے بنیادی تصور سے میل نہیں کھاتی۔ سیکنڈری ایجوکیشن کا بنیادی تصور لڑکوں کو ایک ہمہ گیر تعلیم دینا ہے جو ایک خاص مرحلے تک پہونچ کر ہر لحاظ سے مکمل اور جامع تعلیم ہو۔ موجودہ سیکنڈری ایجوکیشن میں اسی بنیادی تصور سے انحراف اس کی تمام تر خرابیوں کی بنیاد ہے۔

یہ تعلیمی سیمنار جسے دہلی کے پوسٹ گریجوئٹ اساتذہ کی انجمن نے بلایا تھا ۲ر اور ۳ر فروری کو دہلی میں ہوا تھا۔

## روس کے ہر گاؤں میں گشتی کتب خانہ

سوویت یونین کی جمہوریہ کرغیزیہ میں ہر گاؤں کے اندر گشتی کتب خانہ کام کرتا ہے۔ دیہات کا کوئی باشندہ اپنی پسند کی کتاب طلب کر سکتا ہے۔ یہ کتب خانے گھر گھر جا کر کتاب دیتے ہیں۔ اس سے لوگوں کا شوق بڑھ رہا ہے۔ اس وقت اس چھوٹی سی جمہوریہ میں کوئی ۱۶ سو آدمی گاؤں گاؤں گھوم کر لوگوں کو کتاب فراہم کر رہے ہیں۔

کام کی باتیں

# گرام بھون کی آمدنی

جنوری ۱۹۶۲ء کے پرچے سے ملا کر پڑھئے

گرام بھون بن گیا۔ اس کے اندر چہل پہل بھی رہنے لگی۔ تقریریں اور لیکچر، راگ رنگ کی مجلسیں، ناٹک نوٹنکیاں، غرض سبھی طرح کے پروگرام ہونے لگے مقررہ وقت پر مردوں عورتوں، لڑکوں لڑکیوں، جوانوں اور بوڑھوں کی حاضری بھی خوب ہونے لگی۔

لیکن یہ کیا! اگرام منڈل کی بیٹھک میں آج اداسی کیوں چھائی ہے؟.... اچھا، منتری صاحب نے کام سے استعفےٰ دے دیا ہے!! اُن کا کہنا ہے کہ "بھائیو، وقت تو مجھ سے جتنا چاہو، لے لو۔ گھر پر بھگوان کا دیا کھانے کو موجود ہے۔ اس لئے میرے پاس وقت تو ہے، وہ میں خوشی سے دے سکتا ہوں، پر یہ سال میں چار پانچ سو روپے کا بوجھ مجھ سے اب نہ اٹھے گا۔ سال بھر تو یہ بوجھ میں نے جوں توں کر کے اٹھایا، پر یہ گرام بھون کا کام ایک دن یا ایک سال کا تو ہے نہیں، یہ تو چلتا ہی رہے گا اور چلتا رہنا بھی چاہئے۔ تو اس کام پر خرچ بھی ہوگا۔ اب میری جیب خالی ہے۔ پنچو، مجھے معاف کیا جائے۔"

وہ ٹھیک ہی تو کہتے ہیں۔ گاؤں اور گرام بھون کا تو زندگی بھر کا ساتھ ہے، وہ کوئی ایک دن کا ساتھ ہے جو کوئی اس کا بوجھ اٹھالے گا!! اور پھر منتری جی کی طرح کتنے دولت مند ایسے ہیں، جو محنت بھی کریں پیسے بھی دیں اور گرام بھون کے انتظام اور کاموں کے معاملے میں گرام منڈل کے ممبروں کی مرضی پر چلتے بھی رہیں۔ دیکھا تو یہ گیا ہے کہ جو پیسہ دیتا ہے وہ اپنا رعب بھی جمانا چاہتا ہے۔ گرام بھون کی عمارت یا اس کے انتظام کو چلانے کے لئے اگر کوئی ایک آدمی پیسہ دیگا تو اس کے اوپر اپنا پورا پورا دعویٰ بھی جتلائے گا۔ پس یہ سمجھ لیجئے کہ اس نے گھر سے ہی

ہوگی نہ سہی، ذرا اس دور سے ہٹ کر ایک بیٹھک الگ سے بنوادی گرام منڈل کو بھی اسی کے اشاروں پر ناچنا ہوگا وہ اپنی مرضی اور رائے سے ایک کام نہ کرسکے گا۔ پھر آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ اگر ایسا ہوا تو کیا یہ کچھ اچھی بات ہوگی!! گرام بھون تو پورے گاؤں پوری بستی کی چیز ہے، اس میں پورے گاؤں کی مرضی اور پسند کا کام ہونا چاہیئے۔

اس کے علاوہ گرام بھون کے لئے آمدنی حاصل کرنا کچھ ایسا مشکل کام بھی نہیں ہے کہ ہمت ہار دی جائے کچھ ترکیبیں جو بہت آسان ہیں نیچے لکھی جاتی ہیں۔ سوجھ بوجھ اور لگن سے کام کیا جائے تو آمدنی کے اور بھی بہت سے راستے نکل سکتے ہیں۔

# ۱- مہمانوں اور باراتوں سے آمدنی

## الف- مہمان

مہمان کو اپنے قیام کے زمانے میں آرام ملے اور پھر اس سے اس قیام گاہ کے لئے کچھ مانگا جائے تو وہ انکار نہیں کریگا۔ مہمان کے اوپر پابندی نہ ہو، بلکہ اس کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے، کیونکہ مہمان غریب بھی ہوں گے امیر بھی اور بیچ کی حیثیت کے بھی۔ بعض ایسے بھی ہوں گے جو بالکل کچھ نہ دے سکیں گے۔ ان کی حالت کو سمجھ کر اُن سے مانگنا بھی نہ چاہیئے۔ امیر اور بیچ کی حیثیت کے مہمانوں سے گرام بھون کے لئے چندہ ضرور مل سکتا ہے۔ اور وہ ان سے لینا چاہیئے

## ب- باراتیں

گاؤں میں آنے والی باراتیں گرام بھون کی آمدنی کا ایک اچھا ذریعہ ثابت ہوں گی۔ بارات لانے والوں سے دس پندرہ دن پہلے ہی کہہ دیا جائے کہ بارات گرام بھون میں ٹھہرے گی اس لئے بارات والوں کو شامیانہ، دری، جاجم وغیرہ لاد کر لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بجائے وہ گرام بھون کا کرایہ دے دیں جو شامیانے وغیرہ کے کرائے سے کم پڑے گا۔

بارات سے چندہ لینے کے اس طریقے میں ایک رقم مقرر ہونی چاہیئے، بارات کے اوپر نہیں چھوڑنا چاہیئے

ہاں اگر گرام منڈل مناسب سمجھے تو ضرور کرنا چاہیئے کہ جس حیثیت کی بارات ہو اسی حیثیت کا اس سے چندہ بھی لیا جائے۔ اس مقصد کے لئے اگر ضرورت ہو تو باراتوں کی حیثیت مقرر کر کے اسی حیثیت کا چندہ پہلے سے مقرر کیا جا سکتا ہے جیسے بارات نمبر ایک (۱) سے اتنے روپے، بارات نمبر دو (۲) سے اتنے روپے وغیرہ چندے کی رقم مقرر کرتے وقت یہ ضرور سوچ لینا چاہیئے کہ جو رقم لی جائے گی وہ اس رقم سے زیادہ تو نہیں بیٹھے گی جو اس حیثیت کا باراتی شامیانے یا دری یا جاجم اور ان سب کے کرائے پر خرچ کرتا!

## ج ۔ گھریلو تقریبیں

گرام بھون مہمانوں اور باراتوں کو ٹھہرانے کے علاوہ اور بھی کئی طرح کی گھریلو تقریبوں کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی منت کی کتھا کروانا چاہتا ہے۔ کوئی منت کی میلاد کرانا چاہتا ہے، بچے کی پیدائش مونڈن کی تقریب کرنا چاہتا ہے یا دلھن لانے کی خوشی میں عزیز رشتے دار، دوست احباب کو جمع کر کے ان کی دعوت کرنا چاہتا ہے، تو ان موقعوں پر بھی گرام منڈل کے سیکریٹری کو چاہیئے کہ وہ لوگوں کو تیار کرے کہ یہ تقریبیں گرام بھون میں منائی جائیں۔ یہ سب خوشی کے موقع ہوتے ہیں، لوگ گرام بھون میں منائی جائیں۔ یہ سب خوشی کے موقع ہوتے ہیں، لوگ گرام بھون کے لئے خوشی سے چندہ دیں گے۔

## ۲ ۔ تفریحی تقریبوں کے ٹکٹ

کوئی ناٹک منڈلی آئی ہے۔ اگر اس سے ناٹک دکھانے کو کہا جائے گا تو وہ اپنی فیس مانگے گی۔ یہ فیس کی رقم کہاں سے آئے؟ سیدھی بات ہے کہ جو ناٹک دیکھے تو پیسہ بھی خرچ کرے۔ اس لئے ایسے موقعوں پر مناسب رقم کا ٹکٹ لگایا جائے اور اس لئے جو کچھ آمدنی ہو، اس میں سے منڈلی کی فیس ادا کر دی جائے اور ناٹک ہونے کی وجہ سے اوپر سے کچھ خرچ آیا ہو وہ نکال لیا جائے۔ گرام بھون کے ناٹک منڈل کے نوجوان ممبر اپنے طور پر بھی ناٹک کھیلیں تو اس کے لئے بھی ٹکٹ لگایا جا سکتا ہے، نہیں تو ناٹک کے لئے جو سامان منگایا جائے گا۔ اس کا خرچ کہاں سے آئے گا؟

## ۳۔ چندے کی مستقل آمدنی

### ۱۔ چُٹکی

ہمارے دیس میں چٹکی کا رواج نیا نہیں ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ گھر کی عورت جس وقت کھانا بنانے بیٹھے اس وقت مٹھی بھر یا آدھی مٹھی، جتنا اس کا جی چاہے، آٹا، چاول، دال، گرام بھون کے گلک میں ڈال دیا کرے۔ گرام بھون کا منتری ساتویں، پندرھویں یا مہینوں دن ہر گھر کے گلک کو خالی کر کے الگ الگ چیزیں اکٹھا کر لے اور بازار میں بیچ کر دام کھڑے کر لے۔ دس کی لاٹھی ایک کا بوجھ ہوتی ہے، آپ دیکھیں گے کہ اس چٹکی سے ہر مہینہ دس دس پندرہ پندرہ روپے کھل آیا کریں گے۔

### ۲۔ فصلی

گاؤں کے لوگ سوائے اس چٹکی کے بڑی مقدار میں کسی قسم کا چندہ نہیں دے پائیں گے نہ غلہ نہ نقدی البتہ فصل کٹی ہو تو اس وقت ان سے جتنا چاہو الگ لو۔ گرام منڈل اپنی بیٹھک کر کے طے کر لیا کرے کہ جتنی پیداوار ہوئی ہو، اس کے حساب سے ایک حصہ (جو طے ہو جائے) سب لوگ گرام بھون کو دان دیں۔ مان لیجئے ایک فیصدی پیداوار کا طے ہوا۔ تو جس کے یہاں سو من غلہ ہوگا، وہ ایک من دے گا۔ جس کے یہاں ایک ہی من ہوگا، وہ ڈیڑھ ہی پاؤ دے گا اور جس کے یہاں کچھ بھی نہیں ہوگا، وہ بھی ایک ہی فیصدی دے گا یعنی کچھ نہیں اس طرح گاؤں کے سب لوگ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق خوشی سے اس میں شریک ہوں گے۔

عام طور پر سال میں دو فصلیں کٹتی ہیں۔ ہر فصل پر گرام بھون کا منتری گھر گھر پہنچ کر حساب کے مطابق چندے میں غلہ لے لیا کرے تو اس سے اتنا ہو جائے گا کہ گرام بھون مزے سے سال بھر اپنا کام چلا لے۔

لیکن اس تمام کام میں منتری کا کام بہت کام ہے اور وہ سب تک پورا وقت نہ دے، یہ سب کام نہیں کر سکتا۔ اس لئے گرام منڈل کو چاہیے کہ گرام بھون کو زندہ اور آباد رکھنے کے لئے منتری کو باقاعدہ تنخواہ دے اور منتری بھی اپنے آپکو گرام کا ملازم سمجھ کر گرام بھون کا کام کرے۔ اگر بارا توں سے کرایہ گھروں کی چٹکی اور فصلی پابندی سے وصول ہوتی رہے تو اسی آمدنی میں منتری کی تنخواہ نکل آئے گی۔

# یہ آپ بھی کر سکتے ہیں

## مئو جدو نبس پور میں ہُن برسنے لگا

یو۔پی میں فیض آباد کے قریب مسودھا بلاک کھنڈ میں ایک گاؤں ہے مئو جدو نبس پور یہاں کے لوگوں کی عقل مندی سے گاؤں میں جیسے ہُن برسنے لگا ہے۔ بات بھی کچھ بہت لمبی چوڑی نہیں، صرف اتنی ہے کہ گاؤں کے سب لوگوں نے مل کر فیصلہ کر لیا ہے کہ گاؤں کی جتنی زمین ہے اُس میں سب لوگ مل کر کھیتی کریں گے۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے اپنی ایک سہکاری کرشی سوسائٹی بنالی ہے۔

ویسے تو اس سہکاری کرشی سوسائٹی کی ابتدا، مرحوم اچاریہ نریندر دیوجی کے کہنے پر ۱۹۵۰ء میں ہوئی تھی۔ اچاریہ جی اسی ضلعے کے رہنے والے تھے اور ضلع تو ضلع پورا ملک اُن کی عزت کرتا تھا اور ان کی بات مشکل ہی سے کوئی ٹال سکتا تھا۔ ہاں تو سہکاری کرشی سوسائٹی کی ابتدا تو ۱۹۵۰ء ہی میں ہوگئی تھی لیکن گاؤں کے زمین داروں کی بدولت اس کا کام آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔ سات سال تک تو مقدمے بازی ہی ہوتی رہی چنانچہ سوسائٹی کی ترقی دور رہی اس کی رجسٹری بھی نہیں ہو پائی تھی۔ لیکن ۱۹۵۷ء میں یہ رکاوٹیں دور ہوگئیں اور اس کی باقاعدہ رجسٹری بھی ہوگئی۔

پہلے اس سوسائٹی میں پندرہ ممبر تھے اور ان سب کی ملا کر ۳۰۰ ایکڑ زمین تھی جو چھوٹے چھوٹے کھیتوں کی صورت میں الگ الگ تھی۔ اب سوسائٹی کے پاس کل

۶۷ ہی ایکڑ زمین ہے لیکن چک بندی ہو کر سب ایک جگہ ہو گئی ہے۔ ممبر پندرہ کی جگہ ۲۴ ہیں جن میں ۹ کے پاس کچھ بھی زمین نہیں ہے۔ ۶۷ ایکڑ کے اس فارم پر اب ۱۷ آدمی ہمیشہ کام کرتے رہتے ہیں۔

سینچائی میں آسانی پیدا کرنے کے لئے سوسائٹی نے ساڑھے پانچ ہزار روپئے کی لاگت سے ایک پمپ لگوایا ہے جس سے بڑا آرام ہو گیا ہے۔ اس میں کچھ روپیہ تو ادھار لیا گیا ہے اور کچھ آپس کے چندے سے اکٹھا ہوا ہے۔ اب سوسائٹی ایک اور پمپ لگوانا چاہتی ہے جس کے لئے کوشش شروع ہو گئی ہے۔

سوسائٹی کے سب ممبر مل کر فارم کا کام کرتے ہیں۔ اس کی ایک انتظامی کمیٹی ہے جو فارم کے انتظامی کاموں کو دیکھتی ہے اور بکاس کھنڈ کے افسروں سے مل کر کھیتی کے نئے نئے منصوبے بناتی ہے۔ چنانچہ اب اس فارم میں نئے طریقوں پر کھیتی ہونے لگی ہے۔ ہری کھاد کا استعمال، منڈیر بندی، اور جاپانی طریقے پر دھان کی کھیتی، سبھی کچھ ہونے لگا ہے۔

اپنے خالی وقت میں سوسائٹی کے ممبر چرخے پر کام کرتے ہیں اور اس کام سے بھی خاصی آمدنی کر لیتے ہیں۔

سوسائٹی ۱۹۵۷ء میں بنی تھی۔ ایک ہی سال یعنی ۱۹۵۸ء میں اسے ایک ہزار اڑتیس روپیہ منافع ہوا اور ۱۹۶۰ء میں یہ منافع بڑھ کر تین ہزار سات سو انہتر روپیہ ہو گیا۔ اس فائدے کو دیکھ کر مئوجد ونبس پور کی اس سہکاری کرشی سوسائٹی نے پیداوار بڑھانے پر کمر کس لی ہے۔ سوسائٹی کے صدر شری رام کیول سنگھ کا بیان ہے کہ "ابھی تو ہم نے یہ کام شروع ہی کیا ہے۔ سال بھر بعد ہم دکھا دیں گے کہ اسی ۶۷ ایکڑ کے چھوٹے سے سہکاری فارم سے ہم کتنی پیداوار حاصل کریں گے۔"
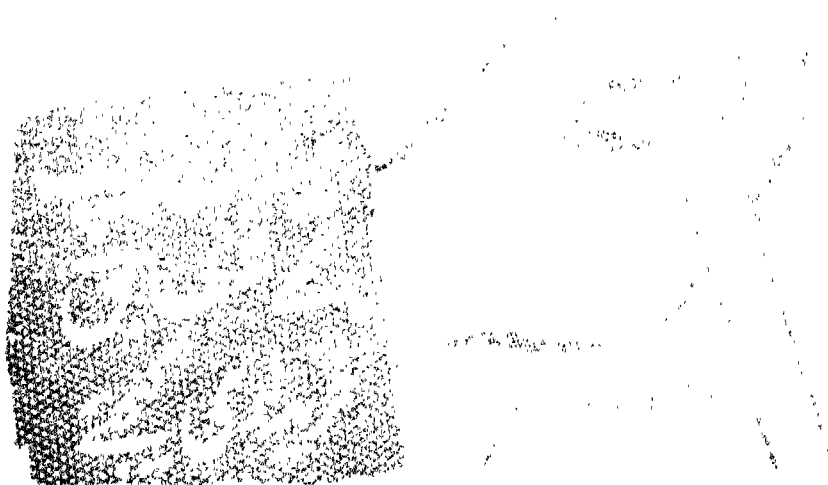
بقیہ صفحہ ۱۳ پر

سوشل ایجوکیشن کا رسالہ

March 1962

ادارۂ تعلیم و ترقی، جامعہ نگر، نئی دہلی

ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

# تعلیم و ترقی

مارچ سنہ ۱۹۶۲ء
جلد ۱۳ ۔ شمارہ ۳

بانی:۔ شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر:۔
پروفیسر محمد مجیب
برکت علی فراق
رفیق محمد شاستری

دفتر
ماہنامہ تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

قیمت:
سالانہ چار روپے
فی پرچہ، ۳۵ نئے پیسے

ٹیلیفون:۔ ۲۲۴۶۴

## ترتیب



پرنٹر پبلشر برکت علی فراق نے کوہ نور پریس لال کنواں دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

## اشارات

# بنیادی تعلیم کا اصول اور سوشل ایجوکیشن

بنیادی تعلیم کی تحریک کے پیچھے سب سے اہم بات یہ تھی کہ جب تک تعلیم کا رشتہ براہِ راست زندگی کی ضرورتوں اور تقاضوں سے نہ ہو اُس وقت تک اُس میں نہ مقصدیت پیدا ہو سکتی ہے نہ افادیت اور جب تک تعلیم میں مقصدیت اور افادیت نہ ہو اُس وقت تک اُس کی حیثیت ایک صنعتی عمل کی رہتی ہے جو چار و نا چار اس لئے اختیار کیا جاتا ہے کہ صنعت کار کو اس سے اپنا مطلب نکالنا ہوتا ہے یہی تعلیم کا وہ سامراجی تصوّر تھا جس کی مخالفت سے بنیادی تعلیم کی تحریک سیاسی رنگ اختیار کر کے آزادی کی تحریک کا جزو بھی بن گئی تھی، ورنہ عام طور پر تعلیم کا سیاست سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا اور نہ ہونا چاہئیے۔

سوشل ایجوکیشن اور ڈیولپ منٹ کی موجودہ تحریک کا مطالعہ کیجئے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اتنی مدت گذر جانے کے باوجود بالغ عوام کو اس سے لگاؤ نہیں پیدا ہوتا اور عوام کی شرکت اب تک ایک مشکل مسئلہ بنا ہوا ہے۔ اس ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوشل ایجوکیشن خواہ اسے بالغوں کی خواندگی سے تعبیر کیا جائے یا شہریت کی تربیت سے یا زندگی کے ہر طرح ڈیولپ منٹ سے۔ جیسا کہ مختلف مکاتیبِ خیال اس کی تعبیر کرتے رہے ہیں — ابتدا سے لے کر اب تک اپنے آپ کو بالغ عوام کے لئے بامقصد اور مفید نہیں ثابت کر سکی۔ سوشل ایجوکیشن کے معلّم، اس میں شک نہیں، بالغوں میں تعلیم کی تحریک پیدا کرنے کی غرض سے اپنے پروگراموں میں بہت سے بظاہر غیر متعلق عناصر شامل کرتے رہے ہیں۔ لیکن ان غیر تعلیمی عناصر کی مثال ارادی طور پر جال کے اندر ڈالے ہوئے چارے یا رشوت کی رہی ہے مگر صدیوں کے فریب خوردہ عوام ہمیشہ ان باتوں کو چارہ یا رشوت ہی سمجھا کئے اور ان کی طرف اگر کبھی بھولے سے متوجہ بھی ہوئے تو وقتی طور پر اور بہت جلد سمجھ گئے کہ یہ ہمیشہ کے لئے نہیں ہیں بلکہ ان چیزوں کا لوجھ دے کر انھیں پھنسانے کی ترکیب کی گئی ہے۔ اور تو اور کمیونٹی ڈیولپ منٹ کی اسکیم کے ماتحت عوام کے سامنے جو پروگرام پیش کئے گئے اور اب تک پیش کئے جا رہے ہیں، عوام کی عدالت میں ان پر بھی یہی حکم لگایا گیا اور وہ اُن سے بھی بدستور الگ ہی الگ رہے۔

ہمارا خیال ہے کہ اگر بنیادی تعلیم کے تصور سے جو سوشل ایجوکیشن کی تحریک سے بہت پہلے سے ملک کے سامنے تھا، سبق لے کر اور وہی طریقۂ تعلیم اختیار کر کے اس تحریک کو بھی چلایا گیا ہوتا اور عوام کی تعلیم کو اُن کی زندگی سے مربوط کر کے ان کے سامنے پیش کیا گیا ہوتا تو شاید قوم کا اتنا وقت، محنت، اور سرمایہ کچھ نہ کچھ پھل یقیناً لایا ہوتا۔ یہ سوال بہر صورت اُس وقت بھی رہتا کہ "زندگی سے مربوط" کرنے کا

عملی مفہوم کیا ہے۔ لیکن اگر کسی کام کا بنیادی فلسفہ تسلیم کر لیا جائے تو اُس کا عملی روپ سمجھ لینا اتنا مشکل نہیں ہوتا۔

ہمارے محترم دوست اور سوشل ایجوکیشن کی تحریک کے ایک ممتاز کارکن شری شالگ رام تیھک عوام کی تعلیم کے سلسلے میں اب تک جو کچھ کرتے رہے ہیں، اس کی فلسفیانہ بنیاد یہی بنیادی تعلیم کا تصور رہا ہے۔ اُن کو اعتراف ہے کہ اس راستے پر ان کو بھٹکنا بہت پڑا ہے لیکن اُن کا کہنا ہے کہ اب بھٹکتے بھٹکتے وہ صحیح راہ پر آگئے ہیں اور گو برگیس کی شکل میں وہ بنیادی حربہ ہاتھ آگیا ہے جس سے عوام کی تعلیم کو کامیابی سے مربوط کیا جا سکتا ہے۔

اپنی اس تحقیق کی تشریح اور اشاعت کی غرض سے موصوف نے ارادہ کیا ہے کہ ماہنامہ تعلیم و ترقی میں مضامین کا ایک سلسلہ شروع کریں گے۔ وہ اس کے لئے بھی تیار ہیں کہ اُن شبہات و اعتراضات کا جواب بھی دینے کی کوشش کریں گے جو اُن کے اس طریقہ تعلیم کے باب میں ظاہر کئے جائیں گے۔

اس سلسلۂ مضامین کی پہلی قسط اسی شمارے میں شائع کی جا رہی ہے۔ عوام کی تعلیم سے دلچسپی اور وابستگی رکھنے والے احباب، بزرگوں اور ساتھیوں کو ہماری طرف سے دعوتِ عام ہے کہ تیھک صاحب کی اس تحقیق کے باب میں اپنے خیالات، خواہ وہ اعتراض کی شکل میں ہوں یا اعتراف کی شکل میں ہمیں بھیجیں۔ ہم انھیں ان صفحات میں بھی جگہ دیں گے اور اُن کے اوپر اظہار رائے کے لئے تیھک صاحب کے پاس بھیج بھی دیں گے۔ اور پھر اُن کا جو کچھ جواب ہوگا، اُسے بھی شائع کر دیں گے۔

# شفیق میموریل

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی عمارت جو شفیق صاحب مرحوم کی یادگار کے طور پر "شفیق میموریل" کہلاتی ہے ہندوستان کی سوشل ایجوکیشن کی تحریک کا قبلہ و کعبہ ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اگرچہ ایسوسی ایشن مالی اعتبار سے زبوں حالی کا شکار ہو رہی ہے تاہم ہندوستان میں سوشل ایجوکیشن کے عنوان سے جو کچھ بھی کام ہو رہا ہے، اس کا محور یہی ہے۔ چاہے اس کی یہ حیثیت خود اس کے وطن میں تسلیم نہ کی جاتی ہو۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ باہر کے ملک اُسے اسی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں چنانچہ شفیق میموریل کی تعمیر میں انھوں نے روپے پیسے سے مدد کر کے اس کا عملی ثبوت بھی دیا ہے۔

عمارت سوشل ایجوکیشن کے غریب کارکنوں کے دریا دلانہ چندوں، حکومت ہند کی شاہانہ حوصلہ افزائی اور ایسوسی ایشن کی خدمات کے اظہار اعتراف کے طور پر باہر کے چند ملکوں کی امداد سے قریب قریب تیار ہو گئی ہے اور ایسوسی ایشن کا دفتر بھی اس میں

منتقل ہو گیا ہے لیکن اس کا ایک بڑا حصہ جو "ٹیگور ہال" کے نام سے مشہور ہے، اس کے اوپر ابھی تک صرف آسمان کی چھت ہے۔ ٹیگور ہال اپنے منصب کے اعتبار سے شفیق میموریل کی ناک ہے، جس کے بغیر اچھی سے اچھی صورت بھی بھونڈی معلوم ہوتی ہے۔ سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں نے ایک ایک دن بھوکے رہ کر اپنے اس تبلے کی تعمیر میں حصہ لیا ہے اور اب تک جتنا کچھ ان کے اختیار میں ہے، وہ کر رہے ہیں۔ لیکن اتنا بڑا منصوبہ اُن کی جیبوں کے بس کا کام نہیں ہے۔ خدا کہتا ہے کہ پہلے خود ہاتھ پاؤں ہلاؤ۔ پھر اس میں جو کمی رہ جائے گی اُسے ہم پورا کر کے تمھاری مراد پوری کر دیں گے۔" حکومتیں زمین پر خدا کی نائب کہلاتی ہیں اور حکومتِ ہند نے تو خود اپنے طور پر بھی "بہی خواہ ریاست" (ویلفیر اسٹیٹ) ہونے کا اعلان کیا ہے۔ سوشل ایجوکیشن کی تحریک کے کارکنوں نے جتنا کچھ اُن کے اختیار میں تھا، کیا اور کر رہے ہیں، اب حکومت کی باری ہے کہ خدا کا نائب ہونے کے رشتے سے اپنا بندہ نوازانہ وعدہ پورا کرے۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ حکومتِ ہند نے ٹیگور ہال کی تعمیر مکمل کرانے کا وعدہ کیا بھی ہے۔ اگر یہ واقعہ ہے تو اس وعدے کو پورا کرنے میں دیر کیا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ خود ایسوسی ایشن ہی کی طرف سے ایفائے وعدہ کا تقاضا نہ کیا گیا ہو، لیکن بظاہر ایسا ہو نہیں سکتا۔ حکومتِ ہند کوئی غیر کی حکومت تو ہے نہیں، جو اس کے سامنے ہاتھ پھیلاتے شرم اور غیرت دامن گیر ہوگی۔ بات صرف اتنی ہی معلوم ہوتی ہے کہ "ماں" بچے کے "ٹھنکنے" سے لطف اندوز ہونا چاہتی ہے۔ لیکن اسے ہم یہ جتلا دینا چاہتے ہیں کہ کہیں بچہ اسی کھیل ہی کھیل میں مایوسی کا شکار نہ ہو جائے اور خاکم بدہن اس کی بڑھوار رک جائے۔

ٹیگور ہال ایک عرصے سے اسی طرح خراب و خستہ حالت میں پڑا ہے۔ غالباً دو برساتیں وہ جھیل چکا ہے، اب تیسری برسات عنقریب منڈلانے والی ہے۔ اس لئے عقل مندی کا بھی تقاضا یہی ہے کہ اُسے اب جلد از جلد مکمل کرا دیا جائے ورنہ اگر اس کی دیواروں کو نقصان پہنچ گیا تو کارکنوں کی جیبوں کے "پیسوں" کے ساتھ ساتھ حکومت کے خزانے کے "روپے" بھی برباد ہو جائیں گے۔

---

## فارم نمبر ۴ — (رول نمبر ۸ دیکھئے)

۱۔ اشاعت کی جگہ — جامعہ نگر نئی دہلی
۲۔ اشاعت کی مدت — ماہانہ
۳۔ پرنٹر کا نام — برکت علی فراق
قومیت — ہندوستانی
پتہ — جامعہ نگر نئی دہلی
۴۔ پبلشر کا نام — برکت علی فراق
قومیت — ہندوستانی
پتہ — جامعہ نگر نئی دہلی
۵۔ ایڈیٹر کا نام — برکت علی فراق
قومیت — ہندوستانی
پتہ — جامعہ نگر نئی دہلی
۶۔ ان لوگوں کا نام اور پتہ جن کا اس اخبار میں حصہ ہے — جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ جامعہ نگر نئی دہلی

میں برکت علی فراق اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا معلومات میرے یقین میں درست ہیں۔

دستخط برکت علی فراق (پرنٹر)
۲۴ مارچ ۱۹۶۳ء

---

# بالغوں کی تعلیم میں سکونتی اداروں کا مقام

یہ مضمون لیڈز یونیورسٹی کے پروفیسر آف اڈلٹ ایجوکیشن پروفیسر ایس۔ جی۔ ریبالڈ کی کتاب "ٹرنڈز ان انگلش اڈلٹ ایجوکیشن" کے ایک باب سے لیا گیا ہے جس میں فاضل مصنف نے برطانیہ کے اڈلٹ ایجوکیشن کے سکونتی کالجوں کی تاریخ نئے رجحانات اور مستقبل سے بحث کی ہے۔

باب کے زیر نظر حصّے میں پروفیسر موصوف نے ان سکونتی کالجوں کے بارے میں چند سوالات کا ذکر کرکے جو ان اداروں کے خلاف اٹھائے جاتے ہیں، ان کا جواب دیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ حصولِ تعلیم کے لئے خود سکونت کی کتنی اہمیت ہے۔ ہمارے یہاں بالغوں کی تعلیم کے لئے سکونتی اسکولوں یا کالجوں کا تجربہ بس یوں ہی سا کیا گیا ہے اور اس کی طرف سے مایوس ہوکر اس کے اور کہیں ہی کہیں اور وہ بھی واجبی ہی واجبی توجہ دی جا رہی ہے۔ اس لئے یہ مضمون بظاہر کچھ بے موقع سا محسوس ہوگا لیکن ایک مصنف کی بات جو اس موضوع پر سند کی حیثیت رکھنے والے علماء میں سے ایک ہے، سُن لینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے، اس لئے کہ مثل مشہور ہے کہ "جیب میں پڑا پیسہ اور کان میں پڑی بات کبھی نہ کبھی کام آہی جاتی ہے۔"

—— ایڈیٹر

سکونتی کالجوں کے لئے کون سا پروگرام موزوں ہے، اس کے لئے کوئی معیار قائم کرنا آسان کام نہیں ہے۔ کچھ لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ سکونتی کالجوں کا مقصد یہ ہونا چاہئے ان لوگوں کے لئے تعلیم کا انتظام کرنا، جنھیں تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت تو سب سے زیادہ ہے مگر مواقع سب سے کم ہیں یعنی وہی پرانا تصور جس کے ماتحت اگر کبھی کوئی وارڈن ان کالجوں میں "خالص مزدوروں کا ایک گروہ" داخل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے تو اس کامیابی پر فرطِ مسرت سے ناچنے لگتا ہے۔

ایک دوسری بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ ان سکونتی کالجوں کو ان لوگوں کی تعلیم پر اپنی توجہ مرکوز کرنی چاہئے جنھیں سماجی اگوائی کے ٹیچنٹ بھیجنے کا درجہ حاصل ہے یعنی اسکولوں کے ٹیچر، آرگنائزر، سکریٹری، مزدوروں کے میٹ اور سماجی کارکن وغیرہ۔ اس کے حق میں

یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ اس طرح ان سکونتی کالجوں کا اثر وسیع تر حلقوں تک پہنچ سکے گا۔ ایک طبقۂ خیال یہ کہتا ہے کہ ان کالجوں میں فنون لطیفہ کے طالب علموں پر توجہ دی جانی چاہئیے اس لئے کہ ان کے نزدیک آج تہذیب کو سب سے زیادہ ضرورت روحانیت کے احیا کی ہے جو آرٹ کے ذریعے فروغ پا سکتا ہے۔ ایک اور تجویز یہ پیش کی جاتی ہے کہ سکونتی کالج بہت بڑا کام کریں گے اگر وہ پیشہ کا تعلیم کو اس قعر ذلت سے نکال لیں جس کے اندر وہ آج کل گر گئی ہے۔ اِن مقاصد میں سے — جن میں سے ہر ایک اچھا اور معقول معلوم ہوتا ہے — کسی ایک کے حق میں فیصلہ دینا بے محل ہوگا۔ البتہ ایک دوسرا کسی قدر مختلف النوع معیار ہے جسے اکثر و بیشتر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ یہ کالج سکونتی ادارے ہیں اور دراصل ان کی یہی وہ خصوصیت ہے جو دوسری خصوصیتوں کے مقابلے میں انھیں دیگر تعلیمی اداروں سے سب سے زیادہ ممتاز کرتی ہے۔ اس خصوصیت کے پیش نظر ان اداروں سے یہ مطالبہ کرنا زیادہ قرین عقل ہوگا کہ وہ ایسے کاموں پر اپنی توجہ صرف کریں جن سے سکونت پذیری کی قدریں نمایاں ہو کر سامنے آجائیں — ایسے کام جن کا انجام دینا دوسرے غیر سکونتی اداروں کے لئے سب سے زیادہ مشکل کام ہے۔

لیکن اس خصوصیت کے خلاف بڑی آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ کام گرامر اسکولوں کا ہے کہ ان کے چھٹے درجے کے طلبا کو ایک متوازن تعلیم ملے — یعنی سائنس دان تھوڑا سا فلسفہ بھی پڑھ لیں، اور علم و ادب کے طلبا تھوڑی سی سائنس جان جائیں؛ ٹکنیکل تعلیم کے کالجوں کو اپنے کام میں انسانیت کا رنگ پیدا کرنے کے لئے دوسرے اداروں کا منہ نہیں دیکھنا چاہئے بلکہ وہ خود اپنے یہاں یہ اہتمام کر سکتے ہیں: تاریخ کائنات کی انجمنوں کو چاہئیے کہ وہ اپنے ممبروں کے لئے اور ڈراما سوسائیٹیوں کو چاہئیے کہ وہ اپنے اراکین کے لئے اپنے اپنے مخصوص مضامین کے علاوہ علم و ادب کی تھوڑی تھوڑی سی معلومات فراہم کرنے کا اہتمام کر لیا کریں۔ رہا علوم کے ٹھوس مطالعے کا معاملہ تو اس کے لئے دوسرے ادارے موجود ہیں مثلاً جدید شاعری کا ٹھوس مطالعہ کرنے کے لئے مناسب جگہ ٹیوٹوریل یا ورکرز ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کی کلاسیں ہیں؛ اسی طرح شبینہ اداروں (ایوننگ انسٹی ٹیوٹ) کو یہ اہتمام کر سکنا چاہئیے کہ وہ بالغوں کے شوقیہ مشغلوں (ہابیوں) کی تسکین کا سامان کر لیں۔ بڑی بڑی فرمیں اور سرکاری صنعتی ادارے اپنی کانفرنسیں، وظیفہ یاب تعلیمی اداروں میں منعقد کرتے ہیں۔ اس کے لئے انہیں ہوٹلوں میں کرائے پر جگہ حاصل کر لینا چاہئیے۔ یہ کون سی دانش مندی ہے کہ ادھیڑ یہاں تک سن رسیدہ مجسٹریٹوں کو سڑک پر چلنے یا آزمائشی رہائی (پروبیشن) کے قانون پر محض لیکچر سنانے کی غرض سے بچوں کی طرح خواب گاہوں میں بند کیا جائے! سکونتی کالجوں میں ان دنوں بہت وسیع پیمانے پر کورس منعقد کئے جا رہے ہیں، ان کی مخالفت میں یہ اور اسی طرح کے اور بھی بہت سے دلائل ڈٹ کر پیش کئے جا سکتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ان میں معقولیت بھی نظر آئے گی۔ ان دلائل کا خلاصہ حسب ذیل دو سوالات کی شکل میں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ یہ سکونتی ادارے وہ کون سا کام کر رہے ہیں جو دوسرے ادارے ان سے کم خرچ پر اور زیادہ معقول طور پر نہیں

کر سکتے ؟ اور

۲۔ ان کا وہ کون سا کام ہے جس کے لئے نمایاں طور پر وہی موزوں ہیں ؟

پہلے سوال کا جواب کسی حد تک ٹال مٹول والی بات ہے اور وہ یہ کہ ان کالجوں نے ایسے کاموں کو ابھارا اور رواج دیا جوان سے پہلے بالکل نہیں ہوتے تھے۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ حقیقت ہے۔ یہ کام انھوں نے اس لئے کئے کہ ان کے مہتم ایک تعلیمی جذبے سے سرشار ہو کر سرمایہ اور اپنے نصب العین کے لئے طالب علموں کی تلاش میں عوام کے اندر نکل پڑے تھے اور چھوٹے بڑے ہر طبقے سے شاگرد کھینچ لائے تھے۔ یہ اکثر ہوا ہے کہ ایک جماعت نے اس سمت میں سکونتی کالج میں اپنی سب سے پہلی کوشش کسی مقامی کالج کی دعوت پر کی۔ یہ تسلیم کہ ان کورسوں میں بعض ایسے ہیں کہ مستقبل میں وہ بالکل مختلف ڈھنگ سے دوسری جگہوں پر چلائے جا سکتے ہیں لیکن پیشرو اور محرک کی حیثیت سے ان کی بڑی قیمت اور اہمیت ہے۔ یہ بات کہ ان کالجوں کو اتنی وسعت کیوں حاصل ہو گئی جب کہ ان سے بڑے اداروں کو نہیں حاصل ہوئی، خود اس کا ثبوت ہے کہ ان کالجوں نے تعلیمی مواد اور طریقے میں ایک نئی راہ نکالی تھی جس کے اوپر اس باب کے آغاز میں بحث کی جا چکی ہے۔

دوسرے سوال کے جواب میں، اگرچہ وہ بھی براہ راست جواب نہیں ہے، یہ بات دھڑلے سے کہی جا سکتی ہے کہ سہولت کی حیثیت سے ایک سکونتی مرکز کا وجود بجائے خود بہت گراں قدر اہمیت کا حامل رہا ہے۔ سکونتی مرکز ہوٹل بھی ہوتا ہے لیکن اس کا وہ فائدہ نہیں۔ سکونتی کالجوں میں صرف یہی نہیں کہ سکونت کے علاوہ، تدریس قلیل پڑھنے پڑھانے کا بھی اہتمام ہوتا ہے، بلکہ ان کا جو اسٹاف ہوتا ہے اس کے اندر کسی حد تک یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ علمی کام کی تعریف و تحسین اور سماجی میل جول کی رغبت پیدا کرے اور ان کاموں کی تحریک دلانے والا ماحول قائم کر دے جو ظاہر ہے ہوٹلوں کی نشست گاہوں، میکدوں اور ڈائننگ روموں سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اگر لوکل ایجوکیشن اتھارٹیاں اور دوسری سنستھائیں کسی قسم کے صلے کی امید کئے بغیر ایسی سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے تیار ہیں تو اس میں شک نہیں کہ وقت آنے پر اس نیکی کا صلہ انھیں ملے گا اور قوم ان کی خدمات کا اعتراف کرے گی۔

لیکن ان میں سے کسی جواب سے بھی پورا پورا اطمینان نہیں ہوتا۔ یہ کالج پڑھانے ہی کے لئے بنے ہیں، صرف مہمانوں کا استقبال کرنے کے لئے نہیں۔ اکثر لوگ یہ کہیں گے کہ انھیں اپنے مقیم طالب علموں سے معقول چندہ لینا چاہئیے۔ جیسا کہ بہت سے کالج لیتے بھی ہیں اور یہ صحیح معنی میں ان کا حق ہے۔

سکونت کی اپنی مخصوص قدر و قیمت سیکھنے کے عمل کی وہ صفت ہے جو سکونتی اداروں ہی میں ممکن ہوتی ہے۔ بحث و تحمیص کی غالباً بدترین شکل وہ ہے جو مقبول عام اخباروں میں ایڈیٹر کی ڈاک، یا مخطوط بنام ایڈیٹر کے زیر عنوان غیر متعارف اور اجنبی لوگوں کی علمی بحثا بحثی میں نظر آتی ہے۔ ان صفحات میں جو بحثیں چلتی ہیں ان میں نعرے بازی، طنز اور ہجو، ایک دوسرے پر بددیانتی کا

الزام، جھوٹے وعدے اور معاہدے اور ڈھٹائی، غرض بھیانک سے بھیانک باتیں جو ممکن ہو سکتی ہیں، اُن کا دور دورہ ہوتا ہے۔ لیکن یہی مراسلہ نگار اگر ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھ کر بحث و استدلال کریں تو ان میں سے شاید ہی کوئی ایسا نکلے گا جو اس قدر بدکلامی اور بے ہودگی پر اتر آئے گا۔ سکونت ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہونے کی اِس کیفیت کو آسمان پر پہنچا دیتی ہے۔ ایک کلاس میں بھی سکونت کا کسی قدر شائبہ ہوتا ہے۔ لیکن کلاس میں پھر بھی یہ امکان رہتا ہے کہ اس کا کوئی ممبر چپکے سے اٹھ کر چل دے اور پھر ذاتی طور پر اپنے ساتھیوں سے مل کر اس ملال بلکہ اُس احساسِ توہین کو دھونے کا اسے موقع نہ ملے جو اس کی اس حرکت سے اُن کے دل میں پیدا ہوا ہوگا۔ مگر ایک ہفتہ تک چوبیس گھنٹے کی مشترک سکونت سے یہ ہوتا ہے کہ ہم سکونت لوگ اور ان کے خیالات ایک دوسرے سے جُڑ کر ایک جان ہو جاتے ہیں۔ کلاسوں کے باضابطہ اجلاسوں سے الگ طالب علم ایک دوسرے سے اتنی بار ملتے جُلتے ہیں کہ مجنوں کا نام لیجئے تو فلسفے کے بارے میں اُن کے نظریات ذہن میں آ جائیں یا ان نظریات کا ذکر کیجئے تو مجنوں صاحب نگاہوں کے سامنے چلنے پھرنے لگیں۔ یہ صحیح ہے کہ بعض اوقات ہر وقت کے اِس میل ملاقات سے ایک دوسرے کے خلاف ایسا جذبۂ تنفر پیدا ہو جاتا ہے جو کسی صورت مٹائے نہ مٹے۔ لیکن یہ صورتِ حال خال خال ہی ہوتی ہے۔ اکثر و بیشتر یہی ہوتا ہے کہ اس سے باہم اتحاد و مفاہمت کا جذبہ فروغ پاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ جذبۂ اتحاد و مفاہمت دراصل سیکھنے کا ایک بہتر طریقہ بھی ہے۔ سماج اور نفسیات کے علوم نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ سیکھنے کا عمل چند بدیہی سائنسی علوم سے قطع نظر محض حقائق اور دلائل کو سننے اور ان کے اوپر منطق کی روشنی میں غور کرنے کا نام نہیں ہے۔ سماجی امور ہوں، آرٹ ہو، فلسفہ ہو ـــــ یوں کہہ لیجئے علم و ادب کی کوئی شاخ ہو ــــ وہ سائنسی علوم سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہوتی ہے جس میں نظر حاصل کرنے کے لئے طالب علم کو خیالات اور ان کے حامل اشخاص، دونوں سے جذباتی ربط قائم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ بہت سے لوگ ایک بات ایک شخص سے سُن کر بلا تامّل سُنتے ہی مان لیں گے لیکن وہی بات ایک دوسرا شخص کہے تو اُسے سُننا بھی گوارہ نہیں کریں گے۔

یہی سبب ہے کہ بقول کسے سکونتی تعلیم دوسری قسم کی تعلیمات کے مقابلے میں طالب علم کے اوپر زیادہ گہرا اثر چھوڑتی ہے۔ اس کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مقررہ وقت میں سکونتی تعلیم سے طالب علم کو معلومات زیادہ ہو جاتی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ فرد کے نقطۂ نظر اور سیرت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یعنی اس سے وہ سارا نظامِ فکر بدل جاتا ہے جس کے مطابق فرد اپنے روزانہ کے عمل میں زندگی کی تعبیر کرتا ہے۔

اِس بات سے میری رائے میں یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ سکونتی کالجوں کو اپنی توجہ خاص طور سے ان مضامین پر مرکوز کرنی چاہئے جہاں سیرت و کردار کی سب سے زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔ مثلاً میٹ کا اپنے ساتھ کے مزدوروں یا کارخانے کے منیجر کے ساتھ طرزِ عمل

مذہبی عقیدہ، سماجی نظریہ، تاریخ کی تنقید و تعبیر، تعلیمات، غرض پیشے سے متعلق قریب قریب وہ تمام علوم جہاں کام اور کاروبار کے رشتے سے زیادہ سے زیادہ سماجی روابط سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جو مضمون جتنا ہی اس نوعیت کا ہو گا کہ محض سکھایا جا سکے، اس کی تعلیم کے لئے سکونتی کالجوں کی اسی قدر کم ضرورت ہو گی۔ اس میدان کے جو لوگ سکونتی کالجوں کو آلۂ کار کے طور پر اپنے لئے منتخب کرتے ہیں وہ گویا ایک ایسا آلہ ہاتھ میں لیتے ہیں جو بے حد مہنگا اور بہت گہرائی تک جانے والا ہے، چنانچہ اس سے بڑی اور کوئی حماقت نہیں ہو سکتی کہ جو کام زیادہ گہرائی میں گئے بغیر آسانی سے ہو سکتا ہے اس کے لئے ان کالجوں کو اکثر و بیشتر استعمال کر کے وقت ضائع کیا جائے۔

اسی طرح یہ بھی عقل مندی کی بات ہے کہ ان کالجوں میں جو مواقع فراہم کئے جاتے ہیں، انھیں بیچ ہی میں نہیں چھوڑ دینا چاہئے بلکہ ان کا پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔ جو لوگ سکونتی کالجوں کو چلا چکے ہیں ان میں سے بیشتر کا اتفاق ہے کہ کورس کے پانچویں دن تک تو ہر دن جو گذرتا ہے طالب علموں کے لئے خوشگواری اور بے تکلفی کا مژدۂ جانفزا لاتا ہے لیکن اس کے بعد سے اس کیفیت میں کمی آنے لگتی ہے اور ایسا دیکھا گیا ہے کہ جب تک تین ہفتے نہ گذر جائیں، بے تکلفی اور خلا ملا کی دوسری منزل نہیں آتی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ باہم میل جول اور اتحاد و یگانگت کی یہ کیفیت پیدا کرنے کی غرض سے ایک کورس بہت کم مدت کا ہو تو بھی کم سے کم ایک ہفتے کی مدت کا ہونا چاہئے۔

خلاصۂ کلام کے طور پر سکونتی کالجوں کی بنیادی پالیسی کے باب میں ایک تجویز پیش کی جا سکتی ہے اور وہ یہ کہ (۱) ان کالجوں میں مضامین وہ ہونے چاہئیں جو کسی نہ کسی حیثیت سے انسان کی سیرت و شخصیت کو اپنے احاطۂ اثر میں لیتے ہوں اور جن کی تعلیم سے اس کے اوپر گہرا اثر پڑ سکتا ہو۔ دوسرے یہ کہ (۲) کورس کی مدت جب کم سے کم ایک ہفتہ ہو گی اسی وقت کہا جا سکے گا کہ تعلیم میں سکونت کی جو قدر و قیمت ہے اس سے مناسب حد تک فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ رہی یہ بات کہ منتخبہ مضامین اور اُن کی تعلیم و تدریس کے باب میں کالجوں کو کیا پالیسی اختیار کرنا چاہئے جو ان کے حسب حال ہو، تو یہ ایسی بات ہے جسے طے کرنے کے معاملے میں ان کی مجالسِ منتظمہ آزاد رہنا پسند کریں گی اور انھیں آزاد رہنا بھی چاہئے۔

## گرام سبھاؤں کی بڑھتی ہوئی اہمیت

شری ایس۔ کے۔ ڈے نے دہرہ دون کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی وزارت گاؤں کی سطح پر گرام سبھا کو با اختیار جماعت بنانے کی تجویز پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کرنے کی بات سوچ رہی ہے۔ گرام سبھا کو با اختیار جماعت بنا دینے سے گرام پنچایتوں کے پنچ اور سرپنچ من مانے کام نہ کر کے گرام سبھا کی مرضی اور فیصلے کے پابند ہو جائیں گے۔

## افکار و مسائل

# "پتھک ملیتھڈ"

اس شمارے سے ہم شری شالگ رام پتھک کے مضامین کا ایک سلسلہ شروع کر رہے ہیں جو موصوف کے اب تک کے تجربات پر مبنی ہوں گے۔ پتھک صاحب نے یہ سلسلۂ مضامین ایڈیٹر کے نام ایک خط سے شروع کیا ہے، اور ان کا ارادہ ہے کہ وہ اس سلسلے کو عرصے تک جاری رکھیں گے۔

پتھک صاحب سوشل ایجوکیشن کے میدان میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ انھوں نے اس تحریک میں یوں تو خواندگی کے ایک مخصوص طریقے کے موجد کی حیثیت سے قدم رکھا تھا؛ لیکن آدمی تھے وہ "نئی تعلیم" کے، اور اس اعتبار سے صرف خواندگی نہیں بلکہ دیہی عوام کی اصلاح و ترقی ان کا منتہائے نظر تھا۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے انھوں نے یکے بعد دیگرے کئی تجربے آزمائے اور اب انھوں نے "پچیس سال کی مسلسل کھوج کے بعد آلہ دین کا وہ چراغ پا لیا ہے، جس کے اثر سے دیہی عوام کی تیرہ و تار زندگی روشن اور تابناک بنائی جا سکتی ہے۔ پتھک صاحب کے تجربات کا ایک تعارف پچھلے سال تعلیم و ترقی کے جولائی کے پرچے میں اجمالاً شائع ہو چکا ہے۔ یہ سلسلۂ مضامین اسی اجمال کی تفصیل ہوگی" اور تصنیف را مصنف بہتر کند بیاں "کے بہ مصداق مستند ہوگی۔

ہمیں امید ہے کہ پتھک صاحب کا یہ سلسلۂ مضامین ہندوستانی، خصوصاً دیہی عوام کی تعلیم و ترقی سے دلچسپی رکھنے والے ساتھیوں کے لئے دلچسپ ہی نہیں مشعلِ راہ بھی ثابت ہوگا۔"

——— ایڈیٹر

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب ماہنامہ تعلیم و ترقی'

آزاد ہوئے ہمیں پندرہ سال ہو گئے۔ مگر اب تیسرے پلان میں بھی "سوشل ایجوکیشن" کے لئے کچھ نہیں، ہم اب تک جو دکھڑا رویا کرتے تھے اُس کا اب خاتمہ سمجھئے۔ اُس کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔

آپ کے رسالے کے لئے اس کے جنم داتا نے "تعلیم و ترقی" جو نام تجویز کیا تھا، وہ بہت سوچ سمجھ کر اپنی پیدائشی بصیرت کے زیر اثر

کیا تھا۔ تعلیم کا مقصد ترقی ہی تو ہے! اور جب مقصد ترقی ٹھہرا تو اس کا ذریعہ (میڈیم) بھی ترقی ہونا چاہئے تھا۔ گاندھی جی نے ٹھیک کہا تھا: "جیسا مقصد ہو، اس کے لئے ویسا ہی راستہ بھی ناگزیر ہے، ورنہ جیسا راستہ ہوگا، ویسا ہی مقصد ہو جائے گا۔"

ہماری کوتاہی اب تک یہ رہی ہے کہ ہم نے جو مقصد قرار دیا تھا، اس کے ہم رنگ راستہ (میڈیم) ہیں ہاتھ نہیں آیا تھا۔ جو ترقی کے ذریعے تعلیم اور ترقی کے لئے تعلیم کو ممکن بناتا۔ لیکن "جو ڈھونڈھتا ہے وہ پاتا ہے" کے بمصداق وہ راستہ اب مل گیا ہے۔ اب اوسطاً ایک ہزار کی آبادی والے ہر گاؤں میں رچا ہے وہ اپنے دیس کے گاؤں ہوں یا دنیا کے کسی ملک کا گاؤں) گاؤں کے گھاس پھوس، کوڑا کرکٹ، گوبر، موت، مردہ جانوروں کے گوشت پوست، غرض ہر اُس چیز سے جو گاؤں میں گندگی پھیلاتی ہے، بلا خرچ ایک ہزار پارس پاور کی بجلی حاصل کی جا سکتی ہے۔ صحت و صفائی کی نعمت اور بہترین کھاد تو حاصل ہوگی ہی، بجلی کی قوت لبھاؤ میں ملے گی۔ گاؤں پڑھے لکھے آدمیوں کے رہنے کے لائق ہوں گے اور یہ جو اُن کا عطر کھنچ کھنچ کر شہروں کو معطر کر رہا ہے، اب خود گاؤں کو مہکائے گا۔

میرا ایمان ہے کہ بیسویں صدی اور آنے والی اکیسویں صدی کے انعامات اگر گاؤں تک نہ پہنچے تو اُن کا صفحۂ ہستی پر زندہ رہنا ناممکن ہے۔ اگر انسان کو واپس مادرِ فطرت کی آغوشِ عاطفت میں پہنچنا ہے تو وہ آج کی اس سائنس اور ٹکنالوجی کے تمام انعامات اپنے ساتھ لے کر ہی پہنچ سکتا ہے۔ اُسے جب تک وہاں بھی بجلی کی کرامات —— سینما، فریڈ کریم، گیس کلنگ پر شیر ککر، ریڈیو، پنکھے —— سے لطف اندوز ہونے کا موقع نہیں ملے گا، وہ وہاں سے پھر نکل بھاگے گا۔ اور یہ سب آسانیاں اب گاؤں گاؤں حاصل ہو کر رہیں گی۔ اور ملک کی یہ تعلیم و ترقی کی کوشش اسی کُنجی "ترقی" کے بل پر آگے منہ کو چل سکے گی۔ اس کے علاوہ اس طلسمات کو کھولنے کا اور کوئی آلہ نہیں ہے۔

اِس کُنجی کی تلاش میں میں نے ایک عرصے سے اپنے آپ کو کھو رکھا تھا۔ سوشل ایجوکیشن کی تحریک کے قریب قریب میرے سبھی ساتھیوں کو مجھ سے شکایت تھی کہ تھپک صاحب نے تعلیم کے اصل کام کو چھوڑ کر نہ جانے کیا گورکھ دھندے پھیلا رکھے ہیں۔ لیکن میں اپنی دھن میں لگا رہا! اور آج خوش ہوں کہ مجھے اپنی کھوج میں کامیابی ہوئی۔ اور یقین سا ہو چلا ہے کہ اب ہم تعلیم اور ترقی کے کام کو ایک دوسرے سے مربوط کر کے چلائیں گے۔

میں نے اپنی اس تحقیقات کے نتائج سے سوشل ایجوکیشن کی تحریک میں کام کرنے والے ساتھیوں کو روشناس کرانے کے لئے آپ کے پرچے ماہنامہ "تعلیم و ترقی" کا وسیلہ پسند کیا ہے۔ میں اپنے سلسلۂ مضامین میں بتاؤں گا کہ تعلیم بالغان، بچوں کی تربیت اور بالغوں کی خواندگی کا روپ کیا ہو سکتا ہے۔ اِس سلسلۂ مضامین کا مستقل عنوان میں نے سوشل ایجوکیشن کا "تھپک میتھڈ" تجویز کیا ہے۔ یہ اس لئے کہ میرے احباب جو خواندگی کے میدان میں "تھپک میتھڈ" سے واقف ہیں، جو میں نے اب سے بارہ سال پہلے ترتیب دیا تھا، سوشل ایجوکیشن کے میدان میں تھپک میتھڈ کے الفاظ سے حیرت زدہ نہیں ہوں گے اور شاید اسی ربط سے اس نئے طریقے کا مبسوط

سکون سے مطالعہ کر سکیں گے۔

میں آپ کے موقر رسالے کے توسط سے اس سلسلۂ مضامین کے علاوہ ان شبہات و اعتراضات کا جواب بھی دینے کی کوشش کروں گا جو میرے احباب میرے اس طریقۂ تعلیم (تپھک میتھڈ) کے باب میں اٹھائیں گے۔

آپ کا مخلص
شالگ رام تپھک
ماس ایجوکیشن سوسائٹی، گونڈہ

# تعلیم اور عوامی تعلیم ایک

آج سے پچیس سال پہلے ۳۸-۱۹۳۷ء میں سیگاؤں کا سب سے پہلا بیسک اسکول میرے سپرد کیا گیا تھا۔ میں نے ہی اسے گھڑا بھی تھا۔ لیکن آج مجھے لوگ دوسرے قسم کے کاموں اور ناموں سے جانتے ہیں، تعلیم بالغان والا تپھک، خواندگی والا تپھک اور دونوں سے بھی مختلف "گوبر گیس" والا تپھک۔

کچھ لوگوں کو ان کاموں اور ان ناموں میں باہم اختلاف نظر آتا ہے۔ مگر خود مجھے کبھی کوئی اختلاف محسوس نہیں ہوا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ میں نے "نئی تعلیم" ہی کی صورت گری کرنے اور اسے ممکن کر دکھانے کے لئے یہ سارے پاپڑ بیلے ہیں، ورنہ کون بے وقوف ہے جو ماہر تعلیم بننے کے بجائے گوبر اور پاخانے سے گیس بنانے کے لئے بھنگی بننا پسند کرے گا! میرا تو یہ نظریہ بھی ہے کہ ۱۹۳۰ء میں چونکہ سوراج حاصل کرنے کا پہلا اصول جیل کی زیارت تھی، اس لئے اُس وقت جیل کی زیارت کی۔ آج اُس کا راستہ "نئی تعلیم" ہے چنانچہ آج میں نے اس کا دامن تھام رکھا ہے۔ سوراج نے جنم تو لے لیا لیکن اس کی محض ایک نادان، کمزور اور بے بس بچے کی مثال ہے جو بے جانے بوجھے جہاں پاخانہ لگا، پاخانہ کر دیا، جو چیز سامنے آگئی، اٹھا کر منھ میں رکھ لی؛ جیل جا کر ہمیں بس یہ بے بس، نادان بچہ ملا ہے۔ ہماری گوبر گیس اسے پروان چڑھائے گی یہی ایمان ہے جس کے فیضِ اثر سے میں گوبر گیس کا بھنگی بنا ہوں۔

جس زمانے میں میں سیگاؤں کا بیسک اسکول چلا رہا تھا، اُس وقت باہر سے آنے والے ہزاروں زائرین اور بین الاقوامی شہرت کے ماہرینِ تعلیم اسکول اور اسکول چلانے والے کی مدح و ستائش کے پُل باندھا کرتے تھے۔ لیکن بچوں کے سرپرستوں اور والدین یہاں تک کہ پورے سماج کی رائے کچھ مختلف تھی۔

۱۔ ہم نے بچوں کو پڑھایا، کھیل کھلائے، گانے سکھائے، ماں باپ خاموش رہے۔ خوش رہے۔ لیکن جوں ہی ہم نے بچوں کو

گوبر، مٹی اور کپاس میں لگا یا، ان کے ماں باپ کے طور کچھ اور ہو گئے، مائیں لال لال آنکھیں دکھاتی آئیں، اور بچوں کو ہاتھ پکڑ کر اٹھا لے جاتیں، گویا زبانِ حال سے کہتی تھیں "احمق کہیں کے! اگر یہی کچھ سکھانا تھا تو یہ گوبر مٹی اور کپاس کی ذلت تو ہم بہت بھوگ چکے ہیں، اور اب تک بھوگ رہے ہیں؛ ہم نے تو اپنے ان لاڈلوں کو گھر کے کام کاج کا حرج کر کے کسی اور ہی آرزو کے ماتحت تیرے سپرد کیا تھا۔ تجھے ہماری آرزوؤں اور تمناؤں کا ذرا بھی احساس نہیں . . . . ."

۲۔ اسی زمانے میں آچاریہ کرپلانی جی کو بھی "نئی تعلیم" سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ انھوں نے باپو سے یا آشاسے، نہ جانے کس سے کہہ کر اپنے میرٹھ کے گاندھی آشرم میں نئی تعلیم کی عمارت کھڑی کرنے کی غرض سے بلالیا۔ ہم نے یہاں بھی نئی تعلیم کا وہی روپ اختیار کیا۔ سوچا تھا کہ یہ گاندھی آشرم کے تپے ہوئے اور اونچے آدرش والے بزرگوں کے بچے ہیں، انھیں نئی تعلیم کے اس روپ پر اعتراض نہ ہوگا۔ مگر یہاں بھی وہی کچھ ہوا، پڑھائی اور ڈانس، ڈراما پر واہ واہ" اور گوبر مٹی اور کپاس کے اوپر ہائے ہائے!! سیگاؤں کی ان پڑھ اور غریب ماؤں اور میرٹھ کے ان تعلیم یافتہ اور خوش حال والدین کے ظاہر میں تو ضرور فرق تھا، مگر روح دونوں کی ایک ہی جیسی تھی۔

اس طرح مسلسل دس سال کی تلاش و تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ :

"نئی تعلیم کیسی ہو؟ اس کا فیصلہ جب تک ماں باپ، اور پورے سماج سے نہ کرا لیا جائے، وہ نہ چل سکتی ہے، نہ اسے چلنا چاہئے۔ بلکہ اُسے کچھ عرصے تک ملتوی کر دینا چاہئے تاکہ اس کے لئے پہلے زمین تیار کر لی جائے ورنہ وہ محض ایک تماشا بن کر رہ جائے گی۔"

اس خیال کی تائید ڈاکٹر ذاکر صاحب کی اس گفتگو سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے نئی تعلیم کی نیچوٹی کانفرنس میں کی تھی۔ ہم ٹھہرے اکھوڑی، جو اپنی دھن میں کسی دوسرے کی نہیں سنتا، بس اپنی ہی بڑ میں مست رہتا ہے۔ اپنی اس سنک کو آزمانے کے لئے جن شکشا سنستھا" بنائی اور اپنی دھن میں لگ گئے۔ اپنا عقیدہ تھا کہ ہر قسم کی تعلیم کے لئے کام دھندے اور زندگی کو وسیلہ بنانا چاہئے۔ چنانچہ اپنے اندر تحریک پیدا کرنے کی غرض سے اٹاوہ پائلٹ پروجیکٹ سے بھی اکتساب فیض کیا۔ ہم نے دیکھا کہ کھیتی، بیج صحت و صفائی اور صحت مند مویشی، تعلیم کے فروغ کے وسائل ہیں اس لئے انھی وسائل کو ہم نے اپنی "عوامی تعلیم" کے لئے بھی اختیار کیا۔ اسی دھن میں "گاؤں کی بات" کے عنوان سے ماہانہ پرچہ شائع کرنا شروع کیا تاکہ ان اصولوں اور نظریوں کو لوگوں تک پہنچایا جا سکے۔ "پرم ہنس" کے زیر عنوان دیواری اخبار شائع کیا، بالغوں کی خواندگی کے لئے ایک نیا طریقہ ایجاد کیا۔ یہ سب کچھ کیا مگر اطمینان نصیب نہ ہو سکا۔

ان تدبیروں میں دیکھا کہ ان میں کہیں وہ "ماں" نہیں آئی جو میرے طالب علموں کو ہاتھ پکڑ کر اسکول سے اٹھا لے گئی تھی۔ اسی دوران میں امبر چرخے کا چرچا ہوا، جس کی اشاعت کے لئے آٹھ گھنٹے روزانہ تین مہینے کی ٹریننگ ہوتی ہے، جس میں

امبر چرخے بنوائے، خود چلایا اور دوسروں سے چلوایا۔ "امبر کے عورتیں بھی آتی ہیں۔ اندھا کیا چاہے، دو آنکھیں! اسی میں کود پڑے۔
ذریعے علم" کے عنوان سے "سو سبق" تیار کئے؛ تجربے کئے۔ پسینہ بھی نکا، ایک ایک طالب علم اور طالبہ سے روزانہ گھنٹوں باتیں کیں۔۔
لیکن معلوم ہوا کہ منزل اب بھی دور ہے، بہت دور! ان تمام کوششوں اور تدبیروں میں ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ "نئی تعلیم" کا وسیلہ جو بنیادی حرفہ ہونا چاہیئے، وہ ابھی ہمارے ہاتھ نہیں لگا ہے۔ نئی تعلیم کے معنی ہیں، نئی زندگی، نیا سماج، نیا سیاسی نظام، اس اعتبار سے اس کی آخری منزل ہے ایک نئی صنعت۔ اور صنعتوں کا ایک نیا نظام، اور اس کے ساتھ ہی تعلیم کو خود کفیل بنانے والا ایک نیا ڈھچر!

روح نے آواز دی جسے زبان نے گیت کی شکل میں ڈھال دیا اور ہم گنگناتے پھرے:

جگمگا جائے گا جگ سارا،
جب جگ جائیں گے گاؤں گاؤں
جب جگ کا سب وگیان گیان،
گاؤں میں، کھیت کُدالی میں
پا کر پروشس گوپال نہیں
گوکل بن جاویں ٹھاؤں ٹھاؤں!
تب جگ جائیں گے گاؤں گاؤں
جگمگا پائے گا جگ سارا

دھیریندر بھائی کی بات کہ "نئی تعلیم انقلاب کی دیوی کی سواری ہے"! سمجھ میں تو آ گئی، لیکن اسی کے ساتھ ایک شرط بھی ذہن میں آئی کہ

(الف) نئی تعلیم پہلے بالغوں سے شروع ہونی چاہیئے اور
(ب) ان بالغوں کی تعلیم کا وسیلہ بھی انقلابی قسم کی کوئی بنیادی صنعت ہونی چاہیئے۔ (اور ایک نیا صنعتی نظام)

جب یہ شرط پوری ہوگی، اُسی وقت وہ ہماری سنیں گے، سننا پسند کریں گے اور سیکھیں گے۔

ہم نے ملک کے بڑے سے بڑے کھادی بھنڈار میں اسکول چلا کر دیکھا، دیہی ترقی کے سب سے بڑے تجربے آمادہ یا کمشٹ پروجیکٹ سے میل بٹھا کر عوامی تعلیم کی آزمائش کی۔ ان سب تجربوں کا نچوڑ یہ رہا کہ کیا کھیتی کے آج کے نئے طریقے، اور نئے اوزار، کیا آج کی

ڈونگل پر پڑ گائے اور بے دھوئیں کے مگن چولہے! کیا امبر چرخے جیسے دیہی حرفے اور دھندے اور کیا تعلیم کے آج کے نئے طریقے، ان میں سے کسی کے ذریعے نہ انقلاب ہو سکتا ہے نہ نئی زندگی بروئے کار آ سکتی ہے؛ نہ نیا سماج بن سکتا ہے؛ اور نہ نئی تعلیم چاہے وہ بچوں کی ہو یا بڑوں کی، ان بنیادوں حرفوں کے بل پر کامیاب ہو سکتی ہے ـــــ نئی تعلیم چاہے وہ بچوں کی ہو یا بالغوں کی، اور کام اور زندگی کو ایک دوسرے سے مختلف و متضاد میں نے آج تک کسی حالت میں تسلیم نہیں کیا۔

شیوراتری کے موقعے پر ہمیں اس تہوار کی کتھا یاد آئی۔ ایک دفعہ مہادیو جی نے شکتی ماتا کے ایک سوال سے مکدر ہو کر تنہا زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے سوچا "تنہا زندگی ممکن ہو جائے گی"۔ لیکن ہوا کیا، مہادیو جی بھوت بن کر رہ گئے۔ اس وقت ان کا حال زار دیکھ کر ہم جیسے چھوٹے موٹے بے حقیقت دیوتا ؤں کو یہ شیوراتری کا اہتمام کرنا پڑا۔ اور شیو اور شکتی کے پُنر ملن کا اہتمام۔ تعلیم کے "شیو" اور ترقی کی "شکتی" کے اس پُنر ملن کا روپ آج جو ہم نے سوچا ہے، وہ یہ ہے:

۱۔ ایک ہزار کی آبادی والے ہر ملک کے ہر گاؤں میں ۱۰۰ہارس پاور کی طاقت بلا کسی لمبے چوڑے خرچ کے صرف اپنی محنت کے بل بوتے پر حاصل ہو سکتی ہے، اور اس کا سرچشمہ ہوگا گاؤں کا کوڑا کرکٹ، سڑے گلے گھاس پھوس اور پتے مونگ پھلی کے چھلکے گوبر موت اور مردار جانوروں کا گوشت پوست۔ یہ صرف زبانی جمع خرچ نہیں ہے بلکہ ہماری تحقیق اور تجربہ کی کسوٹی پر کسی ہوئی حقیقت ہے یہ وہ الہ دین کا چراغ ہے جو فطرت اور انسان کو متحد کرے گا، اور ایک نئی دنیا تخلیق کرے گا۔

۲۔ زمانے کا رخ بھی برابر اسی طرف کو ہے۔ بڑے بڑے دیو ہیکل بموں کے مقابلے میں ایٹم بم، زیادہ کارگر ثابت ہوئے۔ انھوں نے جنگ کا امکان ہی سرے سے ختم کر دیا۔ چھوٹے پیمانے کی صنعتوں پر زور ہے۔ جنرل الیکٹرک کمپنی جیسی بین الاقوامی شہرت کی تجارتی کمپنی نے پانچ پانچ اور دس دس کلوواٹ بجلی بنانے والے آلے اور ڈھائی ڈھائی ہارس پاور کے ٹریکٹر بنانے شروع کئے ہیں۔ پھر پنچایتی راج کے روپ میں سیاسی تنظیم کو چھوٹے سے چھوٹے پیمانے پر منظم کئے جانے کا چلن ہے۔ پبلک اور پرائیوٹ سیکٹر کے مقابلے پر "پنچایت سیکٹر" کی نئی اصطلاح مقبول ہوتی جا رہی ہے تعلیم کے باب میں یہ اصول تسلیم کر کے کہ کتابی طریقہ اب چلنے والا نہیں ہے، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا نے خود علم کو چھوٹی چھوٹی فلموں اور فلم اسٹرپوں میں ڈھالنا شروع کر دیا ہے۔ اور جیبی سائز کے ٹرانسسٹر سیٹ! یہ سب باتیں کیا اسی سمت کو اشارہ نہیں کر رہی ہیں۔

۳۔ اکتوبر ۱۹۶۰ء میں ہم نے ایک گیت تصنیف کیا تھا "کھادی کا نیا موڑ" اسی سال دسمبر میں ونوبا نے اُسے سُنا تو اس کی تصدیق کر دی۔ بدلے" اس گوبر گیس سے گاؤں میں بجلی کی طاقت پہنچا ہے، اور اس سے چرخے اور کرگھے چلتے ہیں تو کوئی مبالغہ

نہیں"؛ کھادی کمیشن کا بھی یہی فیصلہ ہے: "مقامی طور پر بجلی کی طاقت حاصل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں"؛

× × × × × ×

اس بنیادی حرفے کو ذریعۂ تعلیم تسلیم کر کے ہم نے عوامی تعلیم کو اس کے اوپر آزمایا تو ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی سیگاؤں کے پاس کے چند گاؤں میں گذر ہوا تو اسکول کے بچے اعلان کرتے پھرے کہ "گاؤں گاؤں من چاہی بجلی بنوانے والے تھک جی آئے ہیں۔ اسکول میں سبھا ہوگی"؛ سبھائیں ہوئیں تو دیکھا کہ کوئی بھی سبھا رات کے بارہ بجے سے پہلے ختم نہیں ہوئی۔ من مانے سوالات اور ایک سے ایک باریک اور پیچیدہ، علم کی بھوک اور شوق، چاہے اس کے لئے جو بھی قیمت دینی پڑے، جو شرط بھی ماننی پڑے۔ یہ تھا سبھا کا ماحول!

یہی منظر بچوں نے کٹھ پتلی کے تماشے کے ذریعے پیش کیا۔ سارا گاؤں مست ہو اٹھا۔ عورتوں میں پریشر ککر کا نمونہ دکھایا گیا انہوں نے اس عجوبہ چولھے کو حاصل کرنے کے لئے زیور اتار ڈالے۔ چائلڈ ویلفیر کی چند فلمیں دکھائی گئیں تو لوگوں میں دلچسپی کی انتہا نہ رہی۔ جدھر دیکھئے انھی باتوں کا چرچا، جس سے بات کیجئے سوال پر سوال کئے جا رہا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ ان پڑھ ہیں، بے عقل اور جاہل ہیں!!

ہمارا دعویٰ ہے کہ تعلیم اور نئی تعلیم کا اصل الاصول (بنیادی حرفہ) اب، اتنے دنوں کے بعد ہی ہاتھ آیا ہے۔ ہماری تلاش کامیاب رہی، اور وہ بھی کل پچیس سال کے اندر اندر۔ گاندھی جیسے عظیم انقلابی کے ذہن کے انقلاب کی راہ سامنے آگئی، یہ کچھ کم کامیابی نہیں ہے۔

اور اس تحقیق سے گاندھی جی ہی کے انقلاب کی شرط پوری نہیں ہوتی، گورودیو نے تعلیم کے لئے جو شرط قرار دی تھی، وہ بھی یقیناً پوری ہوتی ہے۔ لطف و مسرّت سے عاری تعلیم کو نہ کوئی پسند کرتا ہے نہ پسند کرے گا۔ آج ہم نئی تعلیم کی اس پچیسویں سالگرہ کے موقعے پر عجز و انکسار کو برطرف کر کے کہتے ہیں کہ

۱۔ بد دل اور مایوس ہونے کا کوئی سوال نہیں نئی تعلیم چلے گی اور پوری آن بان سے چلے گی۔ جواہر لال جی نے آسام کانگریس کے موقعے پر کہا تھا: "آپ نئی تعلیم کو اتنا جاذب نظر کیوں نہیں بناتے کہ بڑے سے بڑا آدمی بھی اپنے بچے کو اس کے وسیلے سے تعلیم دلانے کے لئے مجبور ہو جائے"؛ نئی تعلیم سے متعلق نہرو جی کی یہ شرط بھی پوری ہوگی اور سو فی صدی پوری ہوگی۔

۲۔ اس نئی تعلیم کا آغاز ہوگا ماں باپ کی تعلیم سے۔ اسے آج کی جدید اصطلاح میں یوں کہئے "بچوں کی تربیت سے"؛

## سنٹرل سوشل ویلفیر بورڈ کو قانونی حیثیت دی جائے گی

سنٹرل سوشل ویلفیر بورڈ کی صدر درگا بائی دیشمکھ نے بیان دیا ہے کہ بورڈ کو آزاد اور قانونی حیثیت کا ادارہ بنانے کی تجویز حکومت ہند کے سامنے زیر غور ہے۔
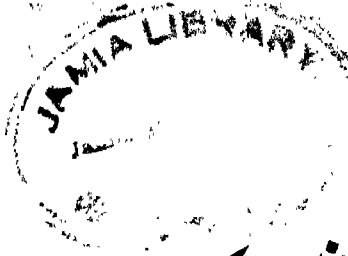
# نوجوانوں کی تنظیم کا ایک وسیلہ

## اسکول کا توسیعی پروگرام

(ذیل کا مقالہ ایک اپیل ہے جو نوجوانوں کی فلاح اور تربیت کے پروگرام میں تمام تعلیمی اداروں اور سنستھاؤں کے اشتراک و اتحاد کے لئے کی گئی ہے۔ ہماری قومی منصوبہ بندی میں نوجوانوں کی فلاح اور نشو و نما کا جو خواب دیکھا گیا ہے، اگر اس کی تعبیر دیکھنی ہے تو اس کے لئے اسکولوں اور دوسرے تعلیمی اداروں کو ایک ذمے دار کردار ادا کرنا ہوگا اور سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کو باہم تال میل سے کام کرنا ہوگا۔ یہ کردار کیا ہے اور یہ تال میل کس طرح قائم ہوگا، اس مقالے میں اسی مسئلے کے حل کی ایک تجویز پیش کی گئی ہے)

### ۱۔ نوجوان کلب کا مقصد

نوجوان کلبوں کے تین خصوصی مقاصد ہیں۔ پہلا مقصد نوجوانوں کے لئے وہ تعلیمی مواقع فراہم کرنا ہے جن سے ان کے گھر، اسکول کی تعلیم اور کام میں جو کمی باقی رہ جاتی ہے وہ پوری ہو جائے تاکہ ان مواقع سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنی شخصی صلاحیتوں کو پہچانیں اور ان کی نشو و نما کریں یہی وہ ذریعہ ہے جس سے وہ ایک آزاد اور متمدن سماج کے شایان شان ذہنی ساز و سامان سے آراستہ ہو کر ذمے دار شہری کا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

نوجوان طبعاً کچھ نہ کچھ کرنے کا عادی ہوتا ہے لیکن اُسے کام میسر نہیں ہوتا۔ سماج اُسے سماجی اور اقتصادی اعتبار سے وہ مرتبہ نہیں دیتا جو بالغوں کو حاصل ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی صلاحیتیں اور اس کی بے پناہ قوت بیکار جاتی ہے۔ اس سے بھی بدتر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اپنی شخصیت کے اظہار کے لئے موقع کی تلاش میں اس ٹھکرائے ہوئے نوجوان کی قوتیں

تخریبی راستے پر پڑ جاتی ہیں اور لڑکپن کی جرائم پیشگی عام ہو جاتی ہے ہر نوجوان شخص کم و بیش پوری شدت اور جوش و خروش کے ساتھ کھیلتا ہے جس میں اس کی خود نمائی اور خود ستائی کا طرح طرح سے اظہار ہوتا ہے۔ اس کھیل اور حرکات کے اس عمل میں وہ ایسے تجربے کرتا ہے اور ایسے حالات پیدا کر لیتا ہے جن کے اوپر لوگ بس آگے چل کر ہی سنجیدگی سے غور کرتے ہیں۔ ان حالات کے پیش نظر یہ نہایت ضروری ہے کہ ان نوجوانوں کو ایسے مواقع فراہم کئے جائیں جن سے ان کی شخصی اور سماجی سیرت کی نشوونما ہو سکے۔

نوجوان کلبوں کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ سماج کے پاس آدمیوں کی جو کچھ قوت موجود ہو، اسے حرکت میں لاکر ایک نئے سماج کی تعمیر کی جائے۔

تیسرا مقصد ذمے دار اور کام پر تیار رہنے والے لیڈر تیار کرنا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ نوجوانوں کی تربیت کے لئے جاندار قسم کے ادارے منظم کئے جائیں، ان کی سرگرمیوں میں برابر دلچسپی لی جائے اور ان کی حوصلہ افزائی کی جائے کہ وہ اپنی چھوٹی چھوٹی جمہوریتیں بناکر جمہوری شہریت کی ذمے داریاں اٹھانے کی مشق کریں۔

## سرکاری کوششیں

نوجوان کلبوں کی تنظیم سب سے اہم اور بنیادی تعلیمی عمل ہے اور اسی کے ذریعے مذکورہ بالا مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں۔ نوجوانوں کی فلاح و بہبود اور سرگرمیاں منظم کرنے کا کام سوشل ایجوکیشن آرگنائزرز کے سپرد ہے جو اپنی ٹریننگ کے اعتبار سے اپنے کاموں اور ذمے داریوں کی انجام دہی میں تعلیمی عمل سے کام لینے کی طرف مائل رہتے ہیں۔ بہت سی ریاستوں میں سوشل ایجوکیشن آرگنائزر ڈیولپمنٹ بلاک کی ٹیم میں محکمۂ تعلیمات کے نمائندے کی حیثیت سے شامل ہوتا ہے۔

کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی تحریک جب سے شروع ہوئی ہے، اسی وقت سے نوجوانوں کی تنظیموں اور پروگراموں پر خصوصی زور دیا جاتا رہا ہے لیکن اس کے باوجود پلان کی جائزہ کمیٹی کی ساتویں رپورٹ میں اس کام کی طرف سے خاصی مایوسی ظاہر کی گئی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ "دسمبر ۱۹۵۹ء تک پرانے بلاکوں نے سوشل ایجوکیشن کے جتنے ادارے منظم کئے تھے، ان میں سے تقریباً ۶۰ فیصدی ادارے یا تو بند ہو گئے ہیں یا بے عمل ہو کر رہ گئے ہیں۔ نمونوں کی یہ شرح سوشل ایجوکیشن کے جو تین طرح کے ادارے قائم کئے گئے تھے، ان سب میں یکساں طور پر پائی گئی ہے جو بڑی تشویشناک بات ہے۔" ان تین طرح کے اداروں میں جن کا مذکورہ بالا بیان میں ذکر کیا گیا ہے، نوجوانوں کے کلب بھی شامل ہیں۔ اگر یہ واقعہ ہے تو یہ ان لوگوں کے لئے جو تعلیم کے

اس مخصوص میدان میں کام کرتے ہیں، بڑی تشویشناک نازک صورت حال ہے۔

## نوجوانوں کی تنظیم کا رشتہ اسکول سے

نوجوان کلبوں کی تنظیم کے لئے سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کے پاس نمونے کا جو خاکہ ہوتا ہے، اس میں کہا گیا ہے کہ نوجوانوں کے کلبوں کا رشتہ گاؤوں کے تین بنیادی اداروں سے ہونا چاہئے یعنی گاؤں کا اسکول، سہکاری سوسائٹی، اور پنچایت۔ تعلیم کا کام کرنے والے کا واسطہ چونکہ اسکول سے ہوتا ہے۔ اس لئے ہم نے یہ سوچا ہے کہ نوجوان کلبوں کا رشتہ اسکول سے جوڑنے میں سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کی کس طرح مدد کی جا سکتی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا سوال یہ اٹھتا ہے کہ آیا اسکول کے لئے یہ ممکن بھی ہے کہ وہ نوجوانوں کی فلاح و بہبود کے کام میں اپنا کردار ادا کر سکے؟

## نوجوان کلب دیہی اسکول کے تعلیمی پروگرام کی کمی کو پورا کرنے والے ادارے کی حیثیت سے

پنج سالہ پلان اور کمیونٹی ڈیویلپمنٹ کی اسکیم دونوں نے دیہی نوجوانوں کی تربیت و تعلیم پر خاص طور سے زور دیا ہے۔ دونوں کا کہنا ہے کہ اس مقصد کے لئے جو پروگرام بنے وہ ہر لحاظ سے مکمل اور دیہی علاقوں کی اقتصادی اور سماجی ضرورتوں کے مطابق ہونا چاہئے۔ یہ کام جونیر اور سینئر بیسک اسکولوں، پوسٹ بیسک اسکولوں، ملٹی پرپز ہائر سکنڈری اسکولوں، رورل انسٹی ٹیوٹوں اور جنتا کالجوں کے ہاتھوں پورا ہونا تھا۔ امید باندھی گئی تھی کہ گاؤوں کے جواہر پاروں کے شہروں میں منتقل ہو جانے کی بیماری جو ایک عرصے سے جڑ جمائے ہوئے ہے، اُسے ان اداروں کے کام سے دور کیا جا سکے گا۔ اس بیماری کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دیہی زندگی سماجی، علمی اور تمدنی اعتبار سے سنسان ہو کر رہ جاتی ہے۔ مگر یہ دبا اُسی وقت دور کی جا سکتی تھی جب زراعت کا پیشہ جو دیہی زندگی کا اصل الاصول ہے، دیہات کے نوجوانوں کو اطمینان و راحت کا پورا سامان فراہم کرتا ہے اور یہ صورت حال اُسی وقت ممکن ہو سکتی تھی جب دیہی علاقوں کا پورا تعلیمی نظام زراعت کے پیشہ کا ہم مزاج بنا دیا جاتا۔ جن اداروں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ان کا لائحہ عمل اس طرح کا بنایا گیا تھا کہ وہ اس مقصد کے حسب حال ثابت ہوں۔ اس کے علاوہ یہ بھی سوچا گیا تھا کہ یہ ادارے دیہی نوجوانوں کی تسلسلی یا توسیعی تعلیم کے لئے بنیاد کا کام کریں گے۔

۱۹۵۷ء میں دیہی تعلیم کا جائزہ لینے کے لئے ایک کمیٹی بنی تھی جس نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ "ابتدائی منزل کے طالب علموں کا ۶۵ فیصدی ۵ سال کی ابتدائی تعلیم پوری کئے بغیر اسکول چھوڑ دیتا ہے۔ کل ۷۰ فی صدی طلبا ہائی اسکول کی منزل میں داخل ہوتے ہیں اور ان ۷۰ فیصدی میں سے صرف ۵۰ فیصدی طلبا چھٹی جماعت پاس کر پاتے ہیں۔ رسمی تعلیم کے ان

مختلف اداروں کو چھوڑ بیٹھنے والوں میں سے بیشتر طلباء اپنے موروثی پیشے اختیار کرلیتے ہیں یا شہروں اور قصبوں میں جاکر روزگار تلاش کرتے ہیں۔ اگر اسکول ان نوجوانوں سے ان کے اسکول چھوڑنے کے بعد کے زمانے میں ربط ضبط قائم رکھنے کا اہتمام کریں اور اس وسیلے سے انھیں نوجوانوں کی تنظیموں سے وابستہ کریں تو یہ نوجوان اسکول کے توسیعی پروگرام کے لئے سنگ بنیاد کا کام دے سکتے ہیں۔

## نوجوانوں کی تنظیم: اسکول کے توسیعی پروگرام کا منصب

اسکول کے توسیعی پروگرام کا مقصد بھی دراصل وہی ہے جو رسمی تعلیم کا مقصد ہے یعنی نوجوانوں کی سیرت و شخصیت کی زیادہ سے زیادہ جہاں تک ممکن ہو نشوونما۔ لیکن اگرچہ دونوں کے مقاصد ایک ہی سے ہیں پھر بھی نوجوان کلبوں کے توسط سے جو تعلیم ہوتی ہے، اس کے لئے فضا خاص طور پر زیادہ سازگار ہوتی ہے۔ یہاں انتخاب اور اپنی پسند کا موقع رہتا ہے۔ نوجوان کو آزادی ہوتی ہے کہ وہ اپنے فاضل اوقات کا اپنی پسند کے مطابق اچھے سے اچھا اور نفع بخش سے نفع بخش استعمال کرے۔ سب سے اچھی تربیت ایسے کام کے ذریعے حاصل ہوتی ہے جو نوجوان اپنی مرضی اور پسند سے منتخب کرتا ہے، خصوصاً ایسی حالت میں جب کلب کے اندر اُسے اپنی سرگرمیوں اور کاموں کے لئے ضرورت کا ہر سامان مہیا ہوتا ہے اور تجربہ کار مشیروں کا ماہرانہ مشورہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اسکولوں کے اساتذہ کو بھی اپنے تعلیمی پیشے میں پختگی پیدا کرنے کا اس پروگرام کے ذریعے موقع ملتا ہے اس لئے کہ کلبوں میں انھیں اس نئی نسل کو نسبتاً زیادہ قریب سے دیکھنے اور جانچنے پرکھنے کا اتفاق ہوتا ہے، اور اس مطالعہ و مشاہدہ کے ذریعے وہ اس قابل ہوتے ہیں کہ نوجوانوں کی زیادہ سے زیادہ اور اچھے سے اچھے طریقے پر مدد کرسکیں۔

## پیشے کے اسکول میں شروع ہونے والے نوجوانوں کے پروگرام اور اُن کے فائدے

جن اسکولوں میں کسی نہ کسی پیشے کو بنیاد قرار دے کر تعلیم ہوتی ہے، ان میں نوجوانوں کی جو تنظیم ہوگی اور جسے اسکول کا ٹیچر چلائے گا اور جسے سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کی رہنمائی حاصل ہوگی، اس سے دو فائدے ہوں گے: ایک یہ کہ اسکول میں طالب علموں کو پیشے کی جو تربیت دی جاتی ہے، اس میں جان آجائے گی اور طالب علم اس میں شوق سے حصہ لیں گے اور دوسرے یہ کہ اس سے زراعتی زندگی کے آداب و اطوار کی ٹریننگ دینے میں آگے چل کر مدد ملے گی۔ اس نوعیت کی تنظیم کے ماتحت جو پروگرام چلے گا اس کا دیہی زندگی سے بہت گہرا ربط ہوگا۔ ان پروگراموں سے جو نوجوان وابستہ

ہوں گے وہ گاؤں کے بڑے بوڑھوں اور اپنے والدین تک نئے خیالات اور روایات کو پہنچانے میں بہت کام کر سکتے ہیں جس کا اثر یہ ہوگا کہ گاؤں کے روایاتی آداب و اقدار میں تبدیلی آئے گی۔ اس کا ایک بڑا اور نتیجہ خیز فائدہ یہ ہوگا کہ نوجوانوں کے پروگراموں کو کامیابی سے چلانے میں ان بڑے بوڑھوں کا اشتراک و تعاون حاصل ہوگا جو بحالتِ موجودہ عموماً حاصل نہیں ہوتا اس لئے کہ نوجوانوں کی تیزی اور سرگرمیوں کو یہ روایات پرست بوڑھے شبہے کی نظر سے دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔

بحالت موجودہ ہندوستان میں پیشے کی تربیت دینے والے اسکول بہت کم ہیں لیکن جیسا کہ ۱۹۵۹ء میں میسور میں منعقد ہونے والی ڈیویلپمنٹ کمشنروں کی کانفرنس میں سفارش کی گئی تھی دیہی علاقوں کے اسکول آہستہ آہستہ پیشے کے اسکولوں کی شکل میں تبدیل کئے جا سکتے ہیں۔ اگر پیشے کا مضمون پڑھانے والا ٹیچر اسکول کے مذکورۂ بالا توسیعی پروگرام میں دلچسپی سے حصہ لے تو یقین ہے کہ ہمارے نوجوان کلبوں کی نشوونما میں اس کی رہنمائی سے بڑی مدد ملے گی۔

## نوجوانوں کے پروگرام کے باب میں مختلف اداروں کا اشتراکِ عمل

اسکول کے توسیعی پروگرام میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسکولوں کے اُستاد، اسکولوں کے انسپکٹر، اور دوسرے لوگ جو تعلیمی اداروں سے وابستہ ہیں، اس پروگرام کو اپنا کام سمجھ لیں اور اس میں اپنے آپ کو ماخوذ سمجھیں۔

مغربی ممالک میں اسکولوں کے نگراں، پیشے کے اسکولوں کے اُستاد، اور مختلف کھیلوں کی انجمنیں اسکولوں میں غیر نصابی دلچسپیاں منظم کرکے نوجوانوں کے پروگراموں کی سرپرستی کرتی ہیں۔ ہندوستان میں بھی نوجوانوں کے پروگرام کی تحریک میں اسکول کے ٹیچر کو بہت بڑا کردار ادا کرنا ہے۔ اگر یہ اصول مان لیا جائے تو تعلیم کے میدان میں کام کرنے والے چھوٹے بڑے، سرکاری غیر سرکاری تمام کارکنوں اور اداروں کے درمیان تال میل کا ہونا بہت ضروری ہوگا۔ اسکولوں کے انسپکٹر، سوشل ایجوکیشن آرگنائزر، اسکول ٹیچر، کھیلوں کی رضاکار انجمنیں، تربیت جسمانی کا عملہ، نوجوانوں کی فلاح کا کام کرنے والی غیر سرکاری سنستھائیں، سب کو ایک دوسرے سے ربط و اتحاد قائم کرکے کام کرنا ہوگا۔

## نوجوانوں کی تنظیم کے فن میں دیہی نوجوانوں کو تربیت دینے کا طریقہ

نوجوانوں کے لئے کام کرنے کے فن میں منصوبی طریقہ (پروجیکٹ میتھڈ) کے اوپر زیادہ زور دیا جاتا ہے منصوبی

طریقے میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ کام کا جو منصوبہ لیا جائے وہ نوجوانوں کے نزدیک با مقصد ہو، وہی اس کا خاکہ بنائیں اور وہی اس کو انجام تک پہنچائیں۔ یہ منصوبے نوجوانوں کے نقطہ نظر اور فکر و عمل پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور اگر حالات ساز گار ہوں تو یہ اثرات بلوغت کی زندگی تک پہنچ سکتے ہیں۔ منصوبے کی کامیابی کا انحصار ان باتوں پر ہے کہ (۱) جو کام طلباء کرنے والے ہوں اس کی منصوبہ بندی اور انجام دہی کے لئے اُستاد اُن کو شوق اور رغبت دلانے میں کامیاب ہو جائے۔ (۲) کام کے مختلف پہلوؤں کو انجام دینے کے لئے جو مختلف گروپ بنیں، ان میں باہم دوستانہ مقابلے کی اسپرٹ پیدا کرا دی جائے اور (۳) منصوبے کو پورا کرنے کے سلسلے میں جس ساز و سامان کی ضرورت پڑے وہ فوراً کے فوراً بروقت دستیاب ہو جائے۔ غرض منصوبے کی حقیقی کامیابی کا راز اس بات میں ہے کہ جو نوجوان اُسے ہاتھ میں لیں، اُنھیں یقین ہو جائے کہ وہ مفید کام ہے اور ان کا اپنا ذاتی کام ہے۔

ایسے پروجیکٹوں کا کلمہ ہوتا ہے "جس کام کا منصوبہ بناؤ، اُسے پورا بھی کرو"، "کام عبادت ہے"، "امید کا سرچشمہ تقدیر نہیں تدبیر ہے"۔

دیہی عوام کو تربیت دینے کی دو شکلیں ہوتی ہیں:

۱۔ انفرادی پروجیکٹ اور

۲۔ گروپ پروجیکٹ

۱۔ انفرادی پروجیکٹ کی بڑی زبردست اہمیت ہے اس لئے کہ جب تک کسی فرد کو شخصی طور پر فائدہ نہ پہنچے گا، اُس وقت تک اُسے کلب کی زندگی سے وابستگی نہیں پیدا ہو گی۔ چونکہ نوجوان کلبوں کے کام کا بنیادی اصول "کام کر کے سیکھنا" ہوتا ہے، اس لئے کلب کے کسی ممبر کو احساس کمال کی مسرت اس وقت تک نہیں حاصل ہو گی جب تک وہ شخصی طور پر اپنے لئے کوئی پروجیکٹ منتخب کر کے اُسے کامیابی سے پورا نہ کر لے۔ البتہ اس شخصی پروجیکٹ کو اس کے مضمون کے لحاظ سے طالب علم کو نظریاتی معلومات بہم پہنچا کر، اور کام ہوتے وقت وہیں کے وہیں اُسے مشورہ دے کر یا پیشے کے اسکول کے اہتمام میں تیار کئے ہوئے خبر ناموں کے ذریعے سہارا اور تقویت دی جا سکتی ہے اور دی جانی چاہئے۔

۲۔ گروپ پروجیکٹ کی اہمیت اس لئے ہے کہ اس سے نوجوانوں کے اندر سماجی شعور کی نشو و نما ہوتی ہے، اور ان میں سماجیت اور اشتراک و تعاون کی روح پیدا ہوتی ہے۔ اجتماعی زندگی (گروپ لائف) مشترک ضرورتوں کی تکمیل و تسکین کے مواقع فراہم کرتی ہے۔ قوت و صلاحیت، صحت و مردانگی مقبولیت و قابلیت، دیانت و ایمانداری بہادری اور ادب و احترام کے معاملے میں مخصوص گروپ جس معیار پر ہوتے ہیں، اُسے تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس

طرح شخصی کردار کا معیار اور سماجی رشتے قائم کرنے کے لئے اجتماعی زندگی سے تحریک ملتی ہے اور ان خیالات کی پابندی سے لطف و مسرت کا احساس ہوتا ہے۔ اس سے افراد کو اجتماعی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا موقع ملتا ہے۔ مثلاً کیمپنگ ہے جس میں شریک ہونا گروپ کا ممبر ہوئے بغیر غالباً اُسے کبھی نصیب نہ ہوتا۔ مختلف مذاق کے اسکول ٹیچروں کو چاہئے کہ وہ اپنے اپنے مذاق کے مطابق نوجوانوں کی رنگا رنگ سرگرمیوں میں حصہ لے کر نوجوانوں کے پروگراموں کی ہمت افزائی کریں۔

## اسکول ٹیچر اور سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کا کردار

پروگرام کی بسم اللہ کے طور پر اسکول کے ٹیچر کو چاہئے کہ وہ ابتدا میں کچھ ایسے تفریحی پروگرام منظم کرے جو نوجوانوں کے لئے دلچسپ اور جاذب توجہ ہوں۔ اسی سے ان کے ایک دوسرے سے ملنے جُلنے کا موقع بھی نکلے گا نگران کی نوعیت ایسی ہونی چاہئے جو گاؤں کے نوجوانوں کے حسب حال ہو۔ دیہی نوجوانوں کو کسی تہذیبی یا تفریحی پروگرام کے بہانے ایک مقام پر جمع کرنے کا یہ　کم سے کم ہفتے میں ایک بار کے حساب سے مہینے دو مہینے تک دہراتے رہنا چاہئے۔ پروگرام منتخب کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ہر فرد کو خواہ وہ کسی انفرادی آئٹم کے ذریعے ممکن ہو یا اجتماعی، اپنے آپ کو ظاہر کرنے کا موقع مل جائے۔ اس سے ایک طرف جہاں یہ فائدہ ہوگا کہ ہر فرد کو اس تنظیم میں دلچسپی پیدا ہو جائے گی وہاں یہ بھی ہوگا کہ پروگرام میں حصہ لینے والے ہر نوجوان کے بارے میں ٹیچر کو پتہ چل جائے گا کہ کس نوجوان کے اندر سرداری کی کتنی صلاحیت ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی پروجیکٹ کا خاکہ بنانے اور اُسے مکمل کرنے سے پہلے یہ کیا جائے ——— جو عام طور پر ضروری ہوتا ہے ——— کہ نوجوانوں کو مطالعہ و تحقیق کی مہم پر لگایا جائے تاکہ وہ اپنے حلقے کی سماجی ضرورتوں اور مسائل سے واقف ہو جائیں اور ان کے اندر ایک دوسرے کی مدد کے جذبے کے زیر اثر پروگرام بنانے کا اشتیاق پیدا ہو جائے۔ ان پروگراموں میں شریک ہونے کے لئے وقتاً فوقتاً والدین اور پنچایتوں کے ممبروں کو بھی مدعو کرنا چاہئے۔

جب نوجوانوں کے اور ان کے والدین اور پنچایتوں کے ممبروں کے دماغ تیار ہو جائیں اس وقت نوجوانوں کے سامنے پروجیکٹ چلانے کا خیال پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے ہونا یہ چاہئے کہ نوجوانوں ہی میں سے لیڈر منتخب کئے جائیں اور تنظیم کا دستور اور قاعدے، ضابطے پورے گروپ کی موجودگی میں مرتب کئے جائیں۔ پھر ان قواعد و ضوابط کی روشنی میں کام اور فرائض سپرد کئے جائیں اور اُستاد بتدریج اصل منظر سے ہٹ کر پردے کے پیچھے کے مُشیر اور

رہنما کی حیثیت اختیار کرلے۔ دوسری طرف سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کو چاہیئے کہ اس گروپ کی سرگرمیوں کے لئے جس سازو سامان کی ضرورت ہو، وہ انھیں وقت کے وقت دستیاب ہوتا رہے اور وہ خود ایک ماہر اور مشیر کے روپ میں انھیں اپنے منصوبوں کی تکمیل کے باب میں مشورے دیتا رہے۔ اس تمام عمل میں ٹیچر اور سوشل ایجوکیشن آرگنائزر دونوں کو متحد ہو کر کام کرنا چاہیئے اس لئے کہ یہ فرض دونوں پر عاید ہوتا ہے کہ وہ نوجوان کلبوں کی سرگرمیوں کی رفتار کا مطالعہ کرتے رہیں اور دیکھتے رہیں کہ وہ صحیح راستہ پر جارہے ہیں یا نہیں۔

## اسکول کا توسیعی پروگرام: نوجوانوں کی تنظیم کا ایک وسیلہ

اس طرح نوجوانوں کی سرگرمیاں جو اصلاً تعلیمی ہی عمل ہے، اسکول کے توسیعی پروگرام کی بنیاد بن سکتی ہیں۔ یہ توسیعی پروگرام اسکول کے معمولات کا جز بن جانا چاہیئے۔ جب یہ پروگرام اسکول کے معمولات کا جز بن جائے گا تو اس سے صرف یہی نہیں ہوگا کہ نوجوانوں کی سیرت کی اچھے طریقے پر تعمیر ہوگی بلکہ یہ بھی ہوگا کہ خود اسکول گاؤں کی تعلیم کا مرکز بن جائے گا اور اس سے اس کا مرتبہ بلند ہوگا۔

---

## خواندگی پھیلانے کے لئے قانون کی ضرورت

یونیسکو کے ایشیائی سمپوزیم میں تقریر کرتے ہوئے مرکزی وزارتِ تعلیم کے ایڈوائزر شری جے۔ پی۔ نائک نے کہا کہ "خواندگی پھیلانے کے لئے ہم اپنے ملک میں ۶ سے ۱۱ سال کی عمر کے بچوں کی ابتدائی تعلیم کا انتظام کر رہے ہیں ــــ ابتدائی تعلیم میں ہر لڑکے پر ۳۰ روپئے سال کا خرچ آتا ہے یعنی ۵ سال کی مدت میں ۱۵۰ روپئے ہوتے ہیں۔ مگر اس سے نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ پہلی جماعت میں جو ۱۰۰ بچے داخلہ لیتے ہیں ان میں سے بس ۲۰ بچے پانچویں جماعت تک پہنچ کر خواندہ بن پاتے ہیں۔ اس طرح ہر بچے پر اوسطاً خرچ ۷۵۰ روپیہ ہوتا ہے۔ پھر اگر انھی بچوں کی ۲۰ سال کی عمر میں جانچ کی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے اکثر ان باتوں کو بھلا چکے ہیں جو انھوں نے اپنے بچپن کی تعلیم کے زمانے میں سیکھی تھیں۔ اس کے مقابلے میں ایک آسان نسخہ یہ ہے کہ ہمیں ایک قانون پاس کرنا چاہیئے جس کی رو سے ۱۴ سے ۱۸ سال کی عمر کے ہر فرد کے لئے ایک سال تک اسکول میں داخلہ لے کر پڑھنا لازمی قرار دیا جائے! مجھے بچوں کے پڑھانے کا تجربہ ہے اور اگر مجھے ۱۴ سے ۱۸ سال کی عمر کے لڑکوں کو خواندہ بنانے کے لئے کہا جائے تو میں ان میں سے ہر ایک کو ایک سال کی مدت میں اچھی طرح پڑھنا لکھنا سکھا سکتا ہوں اور اس پر محض ۴۰ روپئے فی کس خرچ آئے گا۔

## کہانی

# نئی سڑک

"یہ نئی سڑک کیا بن گئی، روزی کا ایک بہانہ تھا، وہ بھی ہاتھ سے جاتا رہا...... بڑے زور کی بھوک لگی ہے سُگیا، کچھ بنایا ونایا ہے!" الگو نے کھاٹ پر اپنے آپ کو پٹکتے ہوئے کہا۔

"کیا آج بھی کچھ نہیں ملا کیا!" سُگیا نے جو بیمار جگو کو گود میں لئے الگو کا انتظار کر رہی تھی، پوچھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ آئیں گے تو ذرا بچے کو بہلائیں گے تبھی اتنے میں دو روٹیاں ڈال لوں گی۔"

"ملتا کہاں سے رے، دن میں ایک بار تو کھیراڈیہہ میں بس آتی ہے، وہ بھی دن چھپے اگر کسی کو یہاں سے کہیں جانا بھی ہو تو رات کو کون جاتا ہے۔ ہاں آس پاس کا کوئی جانے والا ہوا اور اس کے پاس کچھ سامان بھی ہوا تو چار چھ آنے مل گئے۔ دو دن سے ایسا بھی کوئی مسافر نہیں ملا۔ کھیراڈیہہ پہنچتے پہنچتے بس خالی ہو جاتی ہے۔ وہ چھنو خاں بھی اسی طرح ہاتھ جھلاتا ہوا واپس آگیا!" الگو نے خالی ہاتھ گھر لوٹنے کی صفائی پیش کرتے ہوئے جواب دیا۔

"تو اب میں کیا کروں۔ ٹھاکر صاحب کے یہاں بھی جگو کی وجہ سے نہ جا سکی کہ دو چار سیر گیہوں ہی پیس لیتی۔ دو روٹیوں کا سہارا تو ہو ہی جاتا۔"

سُگیا کی یہ بات الگو کو تیر کی طرح لگی۔ اس کی بھوک ختم ہو گئی، اس لئے نہیں کہ آج وہ پسونی کر کے کھانے بھر کو آٹا کیوں نہیں لائی، بلکہ اس احساس سے کہ اس کے ہوتے ہوئے اس کی جوان چہیتی بیوی کو دوسروں کے گھر آٹا پیسنے جانا پڑتا تھا۔ وہ چپ ہو گیا جیسے اب کبھی اس کی زبان سے آواز ہی نہ نکلے گی۔ سُگیا تھوڑی دیر اس کی طرف تاکتی رہی، پھر اُسی نے چھیڑا۔ "لو ذرا دیر کے لئے جگو کو تھام لو میں ٹھاکر صاحب کے یہاں ہو آؤں۔"

× × × × × × ×

"ارے کون، سُگیا! کہاں جا رہی ہے رے!" ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ نے اُسے ٹوکا۔

"ہاں جی، بابو جی، میں ہی ہوں۔ ڈیوڑھی میں جا رہی تھی، کئی دن سے نہیں آئی، جگو بیمار ہو گیا تھا، صبح منہ اندھیرے ہی گھر سے نکل

جاتے ہیں۔ میں اسے لئے پڑی رہتی ہوں۔ آج وہ آگئے تو میں نے سوچا کہ آٹا ختم ہو رہا ہوگا، چلوں دو چار ہی سیر پیس آؤں!" شگیا نے اپنی غرض کو چھپاتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا تو آٹا پسنے آئی ہے۔ اگر اب تو میں نے اکٹھا ہی ڈھائی من کی پوری چکی پر پسوالی ہے، کل ہی آیا ہے پس کر گیہوں! تجھے اور گاؤں کی دوسری عورتوں کو آٹا پیستے دیکھتا تھا تو جی کڑھتا تھا کہ، اس آزادی کے زمانے میں غلامی کے زمانے کا دستور کچھ اچھا نہیں لگتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جانے کو چلی جا، تیرا گھر ہے، مگر اب بسونی کا کام نہیں ملے گا، میرا دل دکھتا ہے" ٹھاکر صاحب نے بے زمین مزدوروں اور مزدورنیوں کے روزگار کا جو تسمہ لگا رہ گیا تھا اُسے بھی کاٹ دیا۔ شگیا اُس جگہ سے آگے نہیں بڑھی، الٹے پاؤں گھر کا راستہ لیا۔

"لو اور بولو آگے بڑھ بڑھ کر ٹھاکر صاحب کی جے!" شگیا پکے ہوئے پھوڑے کی طرح پھوٹ پڑی۔ "گھر میں ایک وقت کی روٹی کا ٹھکانہ تو تھا نہیں، عورت کی کمائی کے بوتے پر چلے تھے گاؤں کی بھلائی کے لئے شرم دان کرنے۔ اب دیتی کیوں نہیں یہ سڑک پیٹ بھر روٹی! کتنے نہیں تھے ٹھاکر صاحب کا ۔ ۔ ۔ ۔"

"دیکھ شگیا! ٹھاکر صاحب کو تو کوسے نہیں، وہ دیوتا ہیں۔ اپنے بھاگ ہی خراب ہیں تو وہ کیا کریں، اور کیا کرے گاؤں! رہی یہ سڑک، تو وہ دن تجھے یاد نہیں ہیں جب تو دلہن بن کر بیل گاڑی میں آ رہی تھی اور بیلوں نے جواب دے دیا تھا تو تجھے بھی کیچڑ اور پانی میں شپاشپ پیدل چلنا پڑا تھا!" الگو نے شگیا کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ ٹھاکر صاحب کا بھگت تھا اور اُن کے اشارے پر جان تک دینے کو تیار رہتا۔

"دیوتا ہوں گے اپنے گھر کے لئے تمھارے ٹھاکر صاحب" شگیا اپنے شوہر کی خاطر بھی اُنھیں معاف کرنے کو تیار نہ تھی۔ وہ تھی تو ایک غریب مزدور کی بیٹی ہی، مگر شادی سے پہلے بارہ تیرہ برس کی عمر تک اپنے باپ کے ساتھ جو ریلوے اسٹیشن پر قلی کا کام کرتا تھا کلکتے میں رہ چکی تھی اور مزدوروں کی مجبوری اور سرمایہ داروں کے ہتھکنڈوں سے کسی قدر واقف تھی۔ جس وقت ٹھاکر رگھو ناتھ سنگھ نے بانس بازار کے روڈ جنکشن سے کھیراڈیہہ کو پکی سڑک کے ذریعے ملانے کی غرض سے شرم دان کی تحریک چلائی تھی، اور الگو اور جھنو خاں بانس بازار میں اپنے لگے ہوئے کام کو چھوڑ کر کندھے پر پھاوڑا رکھے سینہ تانے اس میں دل و جان سے شریک ہو رہے تھے تو اسی وقت شگیا کا ماتھا ٹھنکا تھا، اور اس نے دبے لفظوں میں الگو کو کام چھوڑنے سے منع بھی کیا تھا۔ اس کا شبہہ آج اس کے سامنے متشکل ہو کر موت کا ناچ ناچ رہا تھا۔ اُس کا خون کھول رہا تھا ۔ ۔ ۔ ۔

"مگر اُن کے دیوتا ہونے سے ہمیں کون سا سورگ مل گیا! جہاں کھیائی گاؤں والے [illegible] مزے لے رہے ہیں ٹھاکر صاحب اور سونا مل بساہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ساہو جی نے تو پھر بھی چار پانچ من چنے بانٹ کر اپنے منافع کو حلال کر لیا تھا۔ تمھارے ٹھاکر صاحب تو ننگے بھوکے شرم دانیوں کا بس باتوں سے پیٹ بھرتے رہے۔ زمینداری ختم ہونے کے بعد پلنگ چھوڑ کر زمین پر سونے کیا لگے کہ تم لوگوں نے

انھیں دیوتا بنا لیا . . . . . بڑے آئے دیوتا کہیں کے !"

"یہ آج تجھے ہو کیا گیا ٹگیا !" الگو نے اس کی بات پوری بھی نہیں ہونے دی۔ اُسے اِس وقت بھوک کی اتنی تکلیف نہیں تھی جتنی ٹگیا کی زبان سے ٹھاکر صاحب کی بُرائی سُن کر ہو رہی تھی ۔

× × × × × ×

ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ کھپرا ڈیہہ کے علاقے کے سب سے بڑے زمیندار تھے، اور بڑے عاقبت اندیش۔ ہوا کا رُخ بہت جلد پہچان لیتے تھے۔ چنانچہ ۳۲ء تک تو وہ آزادی کی تحریک سے نہ صرف الگ رہے بلکہ چوری چھپے تحریک میں حصّہ لینے والوں کو جیل بھجوانے میں مدد بھی کرتے رہے تھے، لیکن ۱۹۴۲ء میں انھوں نے اپنا خیال بالکل بدل دیا تھا۔ انھیں یقین ہو گیا تھا کہ اب انگریزی اقتدار بہت دنوں تک ہندوستان میں نہیں رہے گا چنانچہ اب وہ سرکاری افسروں، تھانے داروں اور سرکار پرستوں کو مُنھ نہیں لگاتے تھے۔ کھدر تو شروع نہیں کیا تھا لیکن اپنے ولایتی ریشمی کپڑے اور صافے وغیرہ اتار ڈالے تھے اور گاؤں کے جلاہوں کے بُنے ہوئے کپڑے پہننا اور ننگے سر رہنا شروع کر دیا تھا۔

دراصل وہ کانگریس کے آزادی کے نعرے سے اتنے خوف زدہ نہیں تھے جتنے گرم دل کی انقلابی اسکیموں سے گھبرا گئے تھے۔ آدمی پڑھے لکھے تھے اور فرانس اور روس وغیرہ کے انقلابوں سے واقف تھے۔ اس لئے ۴۲ء ہی میں انھیں اپنی زمینداری بھی خطرے میں نظر آ گئی تھی۔ اس خطرے کو پہچان کر انھوں نے کھیتی باڑی اور تجارت کی طرف توجہ کی تھی؛ اور اِس دھندے کو آڑ بنا کر خام اور شکمی کاشت کاروں کے پاس جتنی زمینیں تھیں، انھیں اپنی خود کاشت میں لے لیا تھا۔ چنانچہ جب یوپی کی آزاد سرکار نے زمینداری کے خاتمے کا قانون جاری کیا تو ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ کے پاس بہت کچھ کھو دینے کے بعد بھی کئی ہزار ایکڑ زمین بچ رہی تھی، جو خود ان کی اپنی جوت کے اندر تھی ۔

اقتدار کا لالچ چوری کے لالچ سے کم شدید نہیں ہوتا۔ ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ نے زمینداری ختم ہونے کے بعد جب دیکھ لیا کہ اب حُکم چلا کر اپنا سکّہ بٹھانے کے دن بیت گئے تو سوچا کہ اب اخلاق اور سیوا کے میدان میں مورچہ جمانا چاہئے۔ اتفاق سے بانس بازار میں جب ڈیولیپ منٹ بلاک قائم ہوا اور کھپرا ڈیہہ اُس میں شامل ہوا تو انھیں راستہ بھی تریٹ مل گیا۔ ڈیولیپ منٹ افسر ابھی کم عمر ہی تھا، اس لئے اُس نے بھی دیکھا کہ ایک پڑھا لکھا سا، وضعدار اور با اثر بزرگ مل رہا ہے، کیوں نہ اُس سے مل کر اپنا کام ہلکا کیا جائے، چنانچہ اگرچہ بانس بازار سے کھپرا ڈیہہ تک آنے جانے کے لئے جیپ وغیرہ کا کوئی معقول راستہ نہیں تھا، پھر بھی وہ زیادہ تر ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ کے گھر ہی پڑا رہتا۔ گاؤں والوں کو اور کیا چاہئے تھا! انھوں نے دیکھا کہ ڈیولیپ منٹ افسر ٹھاکر صاحب کا دھرم پتھر بنا ہوا ہے، اور وہ جس کسی کا کچھ بھلا کرنا چاہتے ہیں، افسر بے چون و چرا اس کا کام کر دیتا ہے، تو ان کے نزدیک ٹھاکر صاحب

کی دیوتائیت میں کیا کمی ہو سکتی تھی! ٹھاکر صاحب نے مورچہ سر کر لیا تھا، اور اب کھیرا ڈیہہ گاؤں کے دیوتا بن چکے تھے۔

اسی زمانے میں بھودان کے نعرے کی آوازیں بھی کانوں میں پڑنے لگی تھیں۔ ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ نے دیکھا کہ ایک حادثے سے تو معمولی چوٹ کھا کر بچ نکلے تھے، اب یہ دوسری مصیبت آنے والی ہے، اور یہ وہ مصیبت تھی جو قانون کو چونا لگانے سے بھی نہیں ٹل سکتی تھی۔ بھودانیوں نے گاندھی جی کے سیاسی اکھاڑے میں تربیت پائی تھی۔ انھوں نے دیکھا کہ خاتمۂ زمینداری کا قانون ابھی ماں کے پیٹ ہی میں تھا کہ اُسے چونا لگانے والے پیدا ہو کر جوان ہو چکے تھے۔ انھوں نے طے کیا کہ وہ ہتھیار ہی نہ اٹھاؤ جسے کند کیا جا سکے۔ ایسا حربہ اختیار کرو کہ اُسے کُند کرنے والا خود ہی کُند ہو کر رہ جائے۔

ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ نے اس تحریک کا بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا، اور اس کے اتنے والہ و شیدا ہوئے کہ بانس بازار کے علاقے میں سب سے پہلے جس شخص نے بھودانیوں کی سنگت اختیار کی، وہ یہی تھے۔ ذہین تھے ہی، اس کے ساتھ بااثر بھی تھے۔ تحریک میں شامل ہوتے ہی ایسے مقبول ہوئے کہ بانس بازار کا علاقہ ان ہی کے سپرد کر دیا گیا بانس بازار ہی نہیں پورے صوبے کے معاملے میں اُن کی یہ دلیل تھی کہ لوگ پڑھے لکھے نہیں ہیں، اس لئے بھودان کے فلسفے کو فی الفور قبول نہیں کریں گے۔ لہٰذا انھیں پہلے دان کے آدرش کی مشق چھوٹے چھوٹے منصوبوں کے ذریعے کرانی پڑے گی۔ وہ اپنی جہالت کے سبب خود غرضی کی لعنت میں مبتلا ہیں۔ کوئی ایسی ترکیب ہونی چاہئے کہ ان کے اندر اجتماعی فلاح کے لئے قربانی کرنے کا جذبہ پیدا ہو، اُن کی روح اونچے قسم کے آدرش اسی وقت قبول کر سکتی ہے جب وہ اس قسم کی آلائشوں سے پاک ہو چکی ہو۔ حالات و واقعات کی اس سے زیادہ منطقیانہ تحلیل اور کیا ہو سکتی تھی! ..........

...... اور جب انھوں نے کھیرا ڈیہہ بانس بازار روڈ کی تعمیر کے لئے "شرم دان" کی تحریک کا بھودانی بابا سے افتتاح کرایا اور بابا نے اس کے لئے گاؤں والوں کا جوش و خروش دیکھا تو وہ بھی ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ کی دور اندیشی کے قائل ہو گئے تھے۔ پھر تو یہ تحریک ایسی چلی کہ شرم دان کے آگے بھودان کا نعرہ دب کر رہ گیا اور اس کا سیلاب جو بڑی تیزی سے اُمنڈتا ہوا اس علاقے کی طرف بڑھ رہا تھا، چپ چاپ اپنا رخ بدل کر دوسری طرف کو مڑ گیا۔

* * * * * * * * *

"تو آخر ٹھاکر صاحب کے یہاں سے واپس کیوں چلی آئی سُگیا، کسی نے کچھ کہہ تو نہیں دیا!" الگو کچھ عجیب کشمکش میں پڑ گیا تھا، وہ شرم دان کی تحریک کے معاملے میں سُگیا کے طرزِ عمل سے واقف ضرور تھا لیکن اس میں اتنی شدت آج ہی محسوس کی تھی۔ پھر سُگیا کا ٹھاکر صاحب کے یہاں سے اس قدر جلد واپس چلے آنا بھی کم معنی خیز بات نہ تھی۔ وہ اُٹھ بیٹھا گویا اسی دم اس معمے کو حل کر لینا چاہتا تھا۔

"کیا کرو گے یہ سب کچھ پوچھ کر، میں ٹھاکر صاحب کا نام لوں گی تو تمھیں غصہ آئے گا۔ بس لیٹے رہو چپ چاپ اور اسی طرح

لیٹے لیٹے سو جاؤ۔ میں گوبردھن بھیا کے گھر جاتی ہوں، جگّو کے لئے پاؤ بھر آدھ پاؤ دودھ تو مل ہی جائے گا۔ وہ جگّو کے لئے انکار نہیں کریں گے۔ وہ اُسے بہت پیار کرتے ہیں! اور وہ بھی دن بھر اُنھی کے پاس کھیلتا رہتا ہے۔" سگیا نے یہ کہا اور کٹورا لے کر تیر کی طرح گھر سے باہر تھی۔

"ٹھاکر صاحب نے کام دینے سے انکار کر دیا کیا!" اب الگو بھی سوچ میں پڑ گیا تھا۔" لیکن وہ ایسا کر نہیں سکتے۔ ضرور کوئی بات ہوگی، سُگیا ہی نے کوئی پاجی پن کیا ہوگا!! اس لئے کہ ابھی تک تو انھوں نے کبھی انکار کیا نہیں تھا!! اور انھیں تو غریبوں کی سیوا کر کے خوشی ہوتی ہے۔ یہ ایسا ہوا کیوں۔ کیوں!!"

"سُگیا، بات کیا ہوئی، آخر تو بتاتی کیوں نہیں!! ابھی تین ہی چار دن تو ہوئے، تو پسونی کر کے ان کے یہاں سے ڈھائی سیر بجھڑ لائی تھی۔ یہ آج کام کیوں نہیں ملا!"

"اب انھیں پسنہاریوں سے آٹا پسوانے میں دُکھ ہونے لگا ہے۔ انھوں نے اکٹھا ڈھائی من کی بوری بانس بازار کی چکّی سے پسوا کر منگوائی ہے، پسنہاریوں کو اب ان کے یہاں کام نہیں ملے گا۔ اُنھیں دُکھ ہوتا ہے، دیوتا جو ٹھہرے! سُن لیا کیا ہوا!!"

الگو کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ وہ گہری سوچ میں پڑ گیا۔ سُگیا بچّے کو دودھ پلانے لگی۔ مکمل خاموشی تھی، اتنے میں آواز آئی "سُگیا! ابھی سے سو گئے کیا تم لوگ! نہ چراغ نہ بتّی! یہ کیسا سنّاٹا ہے؟"

"کون، پارس بھیّا!!" الگو نے آواز پہچان لی، اور کھاٹ سے اُٹھ، پارس سے لپٹ گیا۔" تم کب آئے بھیّا، اسی بس سے اترے ہو گے نا! میں بھی تو وہیں تھا، پر تم کہیں نظر نہیں آئے۔"

"بھیّا!!" سُگیا نے بھائی کی آواز سنی تو غم کی مورت تو پہلے ہی سے بنی بیٹھی تھی، اُس کی چیخ نکل گئی اور پارس کے پاؤں سے لپٹ کر جو رونا شروع کیا ہے تو چپ ہونے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ پارس نے بہتیرا سمجھایا، پر اُس کی سسکیاں نہ رکیں۔ وہ تو کہو کہ گوبردھن نے آکر اُسے ٹوکا تب کہیں اس نے پارس کے پاؤں چھوڑے۔

گاؤں کی ریت ہے کہ کسی کے یہاں مہمان آتا ہے تو پاس پڑوس کے لوگ سلام دعا کے لئے آکر اس کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں، گوبردھن تو وہیں بغل ہی میں رہتا تھا وہ سب سے پہلے آ گیا تھا، اس کے بعد ایک ایک کر کے دھنّو، گھورے، چھنّو خاں اور دوسرے بہت سے لوگ بھی آ گئے۔ الگو تمبا کو لینے کے بہانے سُگیا سے مل کر میزبانی کے اس نئے مسئلے کو سُلجھانے کی غرض سے اندر چلا گیا تھا۔ بڑا سالا آیا تھا آخر، اور ابھی کھانے کا وقت گذرا نہیں تھا۔

سُگیا نے اپنے ہاتھ اور پاؤں کے کڑے پہلے ہی سے اُتار لئے تھے۔ الگو جو پہنچا تو زیور اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بولی "ابھی سونا مل ساہو کی دُکان بند نہیں ہوئی ہوگی، لپک کر جاؤ اور آٹا دال اور چاول لیتے آؤ، جگو سو رہا ہے، میں چولہے میں آگ جلاتی ہوں، بھیّا بھوکے ہوں گے۔"

"آج کل تو آپ لوگوں کی چاندی ہی چاندی ہو گی دھنّو کاکا، بڑی بہار آ رہی ہے گاؤں میں! مجھے تو اس نئی سڑک سے بڑی خوشی ہوئی، یہ نہ ہوتی تو کل کہیں دوپہر تک گرتا پڑتا یہاں تک پہنچتا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"بھگوان کی دیا ہے بیٹا، اس سڑک سے سچ مچ بڑا فائدہ ہو گیا، کچیا میں تو بیلوں کی مرن ہو جاتی تھی ۔ ۔ ۔"

"ہاں، ان کو تو فائدہ ہی فائدہ ہے پارس بھیّا" چھنّو خاں نے بات کاٹی۔ "لیکن ان کو چراغ کی روشنی تو نظر آتی ہے، پر اس کے تلے کا اندھیرا انھوں نے شاید نہیں دیکھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"چپ رہ بدتمیز کہیں کا!" دھنّو نے اپنے اوپر چھینٹا پڑتے دیکھا تو اس سے رہا نہیں گیا۔

"چپ کیوں رہوں دھنّو کاکا! جھوٹ بولوں تو زبان کاٹ لو۔ سچ بولنے میں کیوں چوکوں! یہیں بغل ہی میں تو رہتے ہوا الگو کے۔ پورے دو دو دن فاقہ کرتے ہو گئے غریب کو، کبھی آ کے خبر! جب سڑک بننے کے لئے شرم دان ہو رہا تھا تب تو، ٹھاکر صاحب، سونا مل، تم کسی نہ کسی بہانے روز ہی ہم لوگوں کی خیریت پوچھنے آ جاتے تھے۔ لیکن جب سے سڑک کا کام ختم ہوا، کسی نے جھانکا تک نہیں۔ جب تک سڑک نہیں تھی، ہم غریبوں کو اور کچھ نہیں تو بانس بازار سے موٹر کے مسافروں کا سامان ڈھونے کا کام ہی مل جاتا تھا، تنگی ترشی سے گذر ہو جاتا تھا۔ اب جب سے موٹر یہاں تک آنے لگی، یہ سہارا بھی جاتا رہا۔"

دھنّو کاکا کچھ کہنے ہی کو تھے کہ گوبردھن نے بیچ ہی میں بات کاٹ دی اور بولا "غلط کیا کہتا ہے چھنّو، دھنّو کاکا، میری آنکھوں دیکھی بات ہے، آج سونا مل ساہو کے یہاں نہ جانے کب سے گڑگڑا رہا تھا، دو دن کے فاقے کی دہائی دی، بھگوان کا واسطہ دیا، پر سونا مل پگھل کر نہیں دیئے۔ زیادہ بھی کچھ نہیں، کُل دو سیر بھیڑ اُدھار مانگ رہا تھا، پر اس بے دردنے اسے دھتکار دیا۔ اپنا سا منھ لے کر چلا آیا۔ نہ جانے بے چارے نے کچھ کھایا پیا یا نہیں۔ وہی تو ہیں سونا مل ساہو، جب تک سڑک نہیں بنی تھی، یہیں گھر پہ ایک کوٹھری میں چھوٹی سی دکان لئے مکھیاں مارا کرتے تھے۔ اب، بانس بازار میں بڑی سی سجی سجائی دکان ہے، روزانہ ہزاروں کے وارے نیارے کرتے ہیں اور دولت بٹور کر رات گئے گھر لوٹتے ہیں۔"

"یہ الگو چپکے سے کہاں سرک گیا!" پارس نے مجلس سے اُسے غیر حاضر پا کر دریافت کیا۔

"آج مُنگیا میں اور اس میں کچھ کہا سُنی ہو گئی تھی" گوبردھن بولا۔ "جگو بیمار تھا، شاید اس نے کچھ بنایا ونایا نہیں تھا۔"

"عورت ذات، وہ کہاں سے کچھ بناتی گوبردھن بھیّا" الگو گھر میں سے نکلتے ہوئے بولا، "میرے ہاتھ کچھ لگا نہیں، وہ ٹھاکر صاحب کے یہاں پسونی کر کے سیر آدھ سیر اناج لاتی تھی، آج اُسے بھی کام سے ہاتھ دھونا پڑا۔ ٹھاکر صاحب نے جواب دے دیا، کہنے لگے، "عورتوں کا میرے گھر کا آٹا پیسنا مجھ سے نہیں دیکھا جاتا، میں نے بانس بازار کی چکّی پر ڈھائی من کی بوری اکٹھا پسوا کر منگا لی ہے۔"

"ہاں صاحب، پہلے ایک چھوڑ تین تین چار چار سینہاریاں لگی رہتی تھیں، تب ٹھاکر صاحب کو ڈکہ نہیں ہوتا تھا، اب ٹرک ہے، جیپ ہے، وہ تو ڈھائی من بھی پسوا کر انھوں نے غلطی کی۔ آٹے میں سُرسُری لگ جائے گی۔ چاہیں تو دونوں وقت تازہ آٹا پسوائیں اور تازے آٹے کی روٹی کھائیں" چھنّو خاں کی بھوک کو آج معلوم ہوتا تھا، خدا نے زبان عطا کر دی تھی۔ "مجھے تو اچنبھا اس بات کا ہے کہ انھوں نے سواری کے لئے جیپ ہی کیوں منگوائی؟ ابھی گنے کی فصل میں خدا جھوٹ نہ بلوائے، تو کچھ نہیں تو ٹرک کے دس دس بارہ بارہ پھیرے ہوتے تھے۔ اب بانس بازار کی دھن کٹی مشین کے لئے دھان لد لد کر جا رہا ہے۔ پارس بھیّا نے تو چاندی کی بات کہی تھی، میں کہتا ہوں اُن کے اور سونا مل ساہو کے یہاں سونا برس رہا ہے۔ یہ لوگ چاہیں تو سواری کے لئے ہوائی جہاز خرید لیں"؟

"ہوائی جہاز بھی آ جائے گا چھنّو، مگر اس سے پہلے ہوائی اڈّہ بنوانے کے لئے شرم وان کی ضرورت ہے"۔ گوبردھن نے چٹکی لی

"ہاں الگو اور چھنّو خاں کندھے پر پھاوڑا رکھے اور ٹھاکر صاحب کی جے بولتے آگے آگے چلیں گے"۔ گھورے نے رنگ جمایا۔

"پارس بھیّا کھانا تیار ہے، اٹھو ہاتھ دھو لو" چھنّو خاں نے پارس سے دل لگی اور طنز کے ملے جلے لہجے میں کہا "جاؤ پارس بھیّا، بہن کے زیوروں سے خریدا ہوا کھانا کھا لو!" چھنّو خاں اپنے دوست پر نہیں تو کیا ٹھاکر رکھو ناتھ سنگھ پر وار کرتا!

× × × × ×

"الگو یہ لو روپئے، جا کر بہن کے زیور چھڑا لاؤ، اور چلو میرے ساتھ کلکتہ۔ جب سے باپو سورگ کو سدھارے میرا بھی وہاں اکیلے جی نہیں لگتا"، پارس الگو کے ہاتھ میں نوٹوں کی ایک گڈّی دیتے ہوئے بولا "اس سے بہن بہنوئی کی مصیبت دیکھی نہیں گئی،

"پر بھیّا باپ دادا کا گھر کیا اُجاڑ دوں؟" الگو کے لہجے میں غیرت، مجبوری اور حسرت کے جذبات نے باہم ترکیب پا کر عجیب درد ناک کیفیت پیدا کر دی تھی۔ پارس کے بچپن اور جوانی دونوں نے شہر کی فضا میں پرورش پائی تھی، وہ الگو کی کیفیت کو اچھی طرح سمجھتا تھا، لیکن اس کہانی کا پلاٹ صرف الگو کی ذات تک تو محدود نہیں تھا، پارس کے نزدیک اُس میں سُگیا کا پارٹ زیادہ اہم تھا، بولا "میں اب ہرگز تم کو کھپرا ڈیہہ میں نہیں رہنے دوں گا۔ آدمی ہے تو گھر بھی ہے الگو، پاگل مت بنو، جاؤ جلدی کرو۔ اور سُگیا تو بھی اپنے کپڑے لتّے سنبھال لے، بس کے روانہ ہونے میں بس گھنٹے ہی ڈیڑھ گھنٹے کی دیر ہے"۔

"پارس بھیّا، اور کیا مجھے یہیں اکیلا چھوڑ دو گے! الگو ہی کے ساتھ تو ذرا دل لگتا تھا، ورنہ اب یہاں کیا رکھا ہے؟"

"لیکن بھیّا، کیا کلکتہ جاتے ہی کام مل جائے گا؟" الگو کھڑا ہوتے ہوتے پھر بیٹھ گیا۔

پارس کو الگو کی اس بات سے تکلیف ہوئی "الگو کیا تو مجھے بڑا بھائی نہیں سمجھتا!" اُس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ چھنّو نے پارس کی بھیگی ہوئی آنکھیں دیکھیں تو الگو کو بازو سے پکڑ لیا، اور گویا گھسیٹتا ہوا سونا مل کے یہاں لے گیا۔

تھوڑی دیر میں بس کنڈکٹر نے سیٹی دی اور کھپرا ڈیہہ بانس بازار بس دو خاندانوں کو اپنی آغوش میں لئے نئی سڑک پر ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

## رفتارِ کارواں

# سوشل ایجوکیشن، ابتدائی تعلیم کے بعد سب سے زیادہ اہم

## یونیسکو کا ایشیائی سیمنار

کسی بھی ملک کے تعلیمی منصوبے میں بچوں کی ابتدائی تعلیم کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اس کے بعد دوسرا نمبر بالغوں کی تعلیم کا آتا ہے۔ تعلیم کی ہمہ گیر منصوبہ بندی کے موضوع پر یونیسکو کے ایشیائی سیمنار نے جو فروری میں نئی دہلی میں منعقد ہوا تھا اپنی رپورٹ میں تعلیم بالغان کو کسی ملک کی نظام تعلیم کا ایک اہم اور لازمی پہلو تسلیم کرنے کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیا ہے۔ اس سمپوزیم میں ایشیا کے ۱۷ ملکوں کے نمائندوں اور مختلف بین الاقوامی اور علاقائی تعلیمی اداروں کے نمائندوں نے شرکت کی تھی۔

## کامن ویلتھ کے ملکوں میں سوشل ایجوکیشن کے لئے اشتراک و تعاون

کامن ویلتھ کے ملکوں کی تعلیمی کانفرنس میں جو جنوری میں نئی دہلی میں منعقد ہوئی تھی، سوشل ایجوکیشن کے موضوع پر پہلی بار غور و خوض کیا۔ سوشل ایجوکیشن کے اغراض و مقاصد اور لائحہ عمل کی تفصیلات طے کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی۔

کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں سوشل ایجوکیشن کو ایک غیر رسمی تعلیم قرار دیا ہے جو کمیونٹی کے لوگوں کو انفرادی اور کمیونٹی کے رکن کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے لئے تیار کرتی ہے۔

سوشل ایجوکیشن کو خاص طور سے ان ملکوں کے تعلیمی نظام میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہونی چاہئے جہاں آبادی کے ایک بڑے حصے کو اسکولوں میں جا کر باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے کی سہولتیں حاصل نہیں ہیں۔ پھر اسکولی تعلیم کے علاوہ بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ تعلیم کا سلسلہ بعد کی زندگی میں بھی جاری رہے اور یہ کام اڈلٹ ایجوکیشن کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے۔ کمیٹی نے ترقیاتی منصوبہ بندی میں سماجی اور اقتصادی ترقی میں توازن قائم رکھنے کے لئے سوشل ایجوکیشن کے پروگرام میں تیزی لانے کی سفارش کی ہے اس نے کامن ویلتھ کے ملکوں کی حکومتوں سے سوشل ایجوکیشن کے لئے سرمایہ اور وسائل فراہم کرنے کی درخواست کی ہے اور اس کام میں تعلیمی اور رضاکار اداروں سے تعاون کرنے کی اپیل کی ہے۔

سوشل ایجوکیشن کے میدان میں ایسے تجربہ کار لوگوں کی بہت کمی ہے جنہیں اس کام کی مناسب ٹریننگ بھی مل چکی ہو۔ کامن ویلتھ کے ملک اس سلسلے میں ایک دوسرے کا تعاون کر سکتے ہیں۔

ادارۂ تعلیم و ترقی، جامعہ نگر، نئی دہلی

ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

# تعلیم و ترقی

جلد ۱۳ — اپریل ۱۹۶۲ء — شمارہ نمبر ۴

## خاص نمبر

بعنوان

## خواندگی نمبر

بانی: شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر:

پروفیسر محمد مجیب
برکت علی فراقؔ
رفیق محمد شاستری

دفتر ماہنامہ تعلیم و ترقی، جامعہ ملیہ، جامعہ نگر۔ نئی دہلی

قیمت سالانہ چار روپے - فی پرچہ ۳۵ نئے پیسے - اس نمبر کی قیمت ۷۵ نئے پیسے - ٹیلیفون: ۴۴۲۶۴

# ترتیب

## اشارات



# خواندگی کا مسئلہ

## الف: بحث کی کچھ بنیادیں



## ب: خیالات اور رائیں

# امید کی کرن

دلی کے نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر میں سوشل ایجوکیشن کے ریاستی افسرانِ اعلیٰ کا ایک سیمنار ہو رہا ہے جو ۲۶ راپریل ۱۹۶۲ء تک جاری رہے گا۔ سیمنار کا موضوع بحث ہے "بالغوں کی خواندگی"۔ معلوم ہوا ہے کہ اب تک (۲۰ راپریل ۱۹۶۲ء تک) ۱۴ ریاستوں کے افسران آچکے ہیں اور جو نہیں آئے ہیں، وہ بھی آئیں گے۔ ایک ایسی گفتگو میں جس کا موضوع بالغوں کی خواندگی ہو، ان افسروں کی شرکت مسئلہ خواندگی کے حق میں بڑا نیک شگون ہے اور امید بندھتی ہے کہ شاید اب یہ پیچیدہ گتھی سلجھ جائے۔ اس امید کی بنیاد یہ ہے کہ یہ افسران پوری آمادگی اور ذوق و شوق کے ساتھ اس گفتگو میں شرکت کے لئے آئے ہیں ورنہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ جو ریاستیں اور افسران خواندگی کو عوام کی اصلاح و ترقی کے پروگرام کا غیر ضروری جزو سمجھتے ہیں وہ اس کے بارے میں ہونے والی گفتگو کو بھی بے نتیجہ سمجھ کر شرکت ہی سے انکار کر دیتے اس لئے کہ نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کا بلاوا ان کے لئے حکم کی حیثیت تو رکھتا ہی نہیں تھا کہ اس کی پابندی لازمی تھی۔ اب تو اس سیمنار میں جو گفتگو ہوگی، جو نتائج نکالے جائیں گے اور جو سفارشیں منظور کی جائیں گی ان کے پیچھے اگر "اتفاق رائے" نہیں تو "کثرت رائے" تو ہوگی ہی اور اگر یہ نتائج اور سفارشیں خواندگی کے حق میں ہوئیں ـــ جیسی کہ امید ہے، حق ہی میں ہوں گی، تو ان کے مطابق عمل کرنا ان افسروں کا قانونی نہیں تو، اخلاقی فرض تو ہوگا ہی اور اخلاق کا مطالبہ بعض اوقات قانون کے مطالبے سے زیادہ سخت گیر ہوتا ہے۔

کوئی بارہ سال ہوئے انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے اہتمام میں اسی موضوع پر جبل پور میں نیشنل سیمنار منعقد ہوا تھا جس کی مکمل و مفصل رپورٹ اور سفارشیں مطبوعہ شکل میں انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے دفتر میں موجود ہوں گی۔ ان سفارشات کے اوپر جہاں تک ہمیں معلوم ہے سوائے دلی کی ایک نامکمل کوشش کے اور کوئی تجربہ اب تک نہیں ہوا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ ۱۹۵۰ء میں اور اس کے بعد کچھ عرصے تک حالات اس تجربے کی موافقت میں نہیں تھے لیکن اب جب کہ ملک میں قریب قریب ہر جگہ پنچایتی راج کی اسکیم کے ماتحت پنچایتوں اور پنچایت سمیتیوں کی شکل میں عوام کے مقامی "با اختیار" ادارے قائم ہو چکے ہیں، ملک سے ناخواندگی کی لعنت کو ختم کرنے کی فضا تیار ہو گئی ہے۔ اس صورتِ حال کے پیش نظر ضرورت تھی کہ عوام کی اصلاح و ترقی سے متعلق فیصلہ کرنے کا اختیار رکھنے والے حاکم اور افسر ایک بار پھر سر جوڑ کر بیٹھتے اور اس اسکیم کی تفصیلات طے کرتے۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو اس مرکزی تعلیمی ادارے (نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر) کی یہ کوشش بہت بروقت اور نیک ہے اور ہماری تمنا ہے کہ اس کی یہ کوشش کامیاب اور نتیجہ بخش رہے۔

سیمنار کے فاضل ڈائرکٹر شری سوہن سنگھ نے (جو نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کے بھی ڈائرکٹر ہیں) بحث کے عنوانات کا جو خاکہ (ورکنگ پیپر) مرتب کیا ہے اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اس کے لائق مصنف کے ذہن میں بھی یہی خیال کارفرما ہے کہ اب وہ وقت آگیا ہے جب جبل پور سیمنار کی سفارشات پر بھروسے کے ساتھ عمل کیا جا سکتا ہے چنانچہ انھوں نے سیمنار کے غور و خوض کے لئے جو سوالات اٹھائے ہیں ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کا منشا یہ سوچنا ہو کہ آیا خواندگی یا خاتمۂ ناخواندگی کی مہم کارآمد ہوگی یا نہیں۔ اس کے برعکس انھوں نے خواندگی یا خاتمۂ ناخواندگی کی ضرورت کو مسلّے کی حیثیت سے تسلیم کر کے صرف ایسے سوالات اٹھائے ہیں جو ان مہموں کی تفصیلات سے متعلق ہیں۔ اگرچہ یہ تفصیلات بھی جبل پور سیمنار کی سفارشات میں طے کر دی گئی تھیں لیکن ۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۲ء کے بیچ کے ان ۱۲ برسوں میں حالات بہت کچھ بدل گئے ہیں اور ضرورت تھی کہ یہ تفصیلات ان بدلے ہوئے حالات میں طے کی جائیں۔

ان بدلے ہوئے حالات کے ایک پہلو کا ذکر یہاں فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

تیسرے پنجسالہ پلان کے مصنفوں نے بالغوں کی لٹریسی کے بارے میں ایک گول مول فیصلہ یہ کیا ہے کہ "اگر کسی جگہ کسی وقت ان پڑھ بالغوں کی ایک تعداد خواندگی کی تعلیم حاصل کرنا چاہے تو حکومت اپنے مقامی اداروں کے توسط سے اُسے سرمایہ اور سامان، دونوں شکلوں میں امداد دے گی"۔ اس فیصلے پر غور کیجئے تو وہی نو من تیل اور رادھا کے ناچ والی مثل صادق آئے گی کہ نہ اَن پڑھ بالغ ایک خاص تعداد میں پڑھنے لکھنے کے لئے تیار ہوں گے نہ انھیں امداد و سہارا دینے کا دردِ سر مول لینا پڑے گا۔ لیکن اگر کسی ریاستی افسر کی رہنمائی میں ریاست کے علاقوں سے یکے بعد دیگرے ناخواندگی کو ختم کرنے کی مہم چلانے کا فیصلہ ہو جائے اور گاؤں کی پنچایتوں یا محلّوں کی انجمنوں کے توسط سے بستی کے تمام ان پڑھ مردوں اور عورتوں کو خواندگی کی تعلیم حاصل کرنے پر راضی کر لیا جائے تو پلان کا مذکورہ بالا فیصلہ اپنے آپ حرکت میں آجائے گا اور مہم کے سپاہیوں کو صرف تبلیغ اور پروپیگنڈا ہی کا خرچ اٹھانا پڑے گا۔

ہمیں امید ہے کہ ریاستی افسروں کا یہ سیمنار معاملے کے اس پہلو پر بطورِ خاص توجہ دے گا اور ہر افسر یہاں سے واپس جانے کے بعد اپنی ریاست سے ناخواندگی کے بدنما داغ کو دھونے میں پہل کر کے دوسری ریاستوں کے لئے نمونہ قائم کرے گا۔

# خواندگی یا ناخواندگی کا خاتمہ؟

## چند اشارے

شفیق صاحب مرحوم نے بالغوں کی تعلیم میں جس قدر تجربے کئے تھے، اسی مناسبت سے انھوں نے لکھا بھی ہوتا تو غالباً تعلیم بالغان کی تحریک کی فلسفیانہ بنیاد بہت کچھ مضبوط ہوگئی ہوتی۔ وہ اپنے خیالات اور تجربات کو ضبطِ تحریر میں لانے سے بہت کتراتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ۱۹۳۸ء اور ۱۹۵۳ء کے درمیان کی اس پندرہ سال کی مدت کا کل حاصل دو تین نہایت مختصر مضامین، ایک خطبۂ صدارت اور اپنے کام کے سلسلے کی چار چھ تجاویز ہیں اور بس۔

البتہ وہ بلند آواز میں سوچنے کے بہت عادی تھے اور باتوں ہی باتوں میں ان کے ساتھیوں کے لئے بڑے بڑے پروگرام مرتب ہوجاتے تھے۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ ایک موقع پر اُن سے ہندوستان میں ڈنمارک کے فوک ہائی اسکولوں کا تجربہ کرنے کا ذکر آگیا۔ مسلسل دو ڈھائی گھنٹے تک باتیں ہوتی رہیں۔ آخر میں فرمایا "اگر ان باتوں کا خلاصہ تمہارے ذہن میں محفوظ ہو تو اُسے لکھ لو اور دیکھو کہ یہ باتیں کچھ کام کی تھیں یا یوں ہی گپ ہی گپ میں دو ڈھائی گھنٹے ضائع ہوگئے"۔ میں فوراً قلم لے کر بیٹھ گیا اور تین چار گھنٹے میں ایک خلاصہ تیار کرلیا۔ دوسرے دن جب انھوں نے اُسے دیکھا تو کہنے لگے "بھئی باتیں تو معلوم نہیں ایسی ہوئی تھیں یا نہیں مگر یہ تو اچھی خاصی اسکیم بن گئی!"

مرحوم کا زیرِ نظر مضمون جو ناخواندگی کے انسداد سے متعلق ہے، انھوں نے خود اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اور اسی کی بنیاد پر اپنے ایک عزیز ترین دوست سے کئی گھنٹے باتیں کی تھیں۔ مجھے معلوم ہے کہ یہی باتیں انگریزی کا لباس پہن کر پہلے نیشنل سیمنار (جبل پور) کا ورکنگ پیپر بن گئی تھیں چنانچہ اس

سیمنار کی سفارشات (جن کا خلاصہ اسی شمارے میں شریک اشاعت کیا جا رہا ہے) کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ وہ انھی چند اشاروں کی تفصیلات ہیں۔ (برکت علی فراقؔ)

# حصہ اوّل

## چند تمہیدی باتیں

۱۔ باوجود ہر قسم کی سرکاری اور غیر سرکاری، نجی اور سماج سیوا کی سنستھاؤں کی کوششوں کے لئے لٹریسی کے کام میں کوئی نمایاں فرق اور ترقی نظر نہیں آتی۔

۲۔ لٹریسی کے کام میں بھی ہندوستان کی ۷۰ فی صدی آبادی کا مسئلہ ہے۔ ابتدائی تعلیم چونکہ ابھی جبریہ اور لازمی نہیں ہے، اس لئے 'اِل لٹریٹس' کی تعداد میں مجموعی حیثیت سے دن بہ دن اور سال بہ سال اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔

۳۔ تجربات شاہد ہیں کہ بالغوں کو لٹریٹ بنانے کے لئے زیادہ مدت درکار نہیں ہوگی۔ اگر بالغ پڑھنا سیکھنے کے لئے آمادہ ہو جائیں تو صرف بیس اکیس دن میں اُن کو لٹریٹ بنایا جا سکتا ہے۔

۴۔ اسی وجہ سے لٹریسی کا کام ایک وقتی اور عارضی حیثیت کا کام ہے؛ جب اور جس پیمانے پر یہ مہم شروع ہو، ایک مدت مقررہ کے اندر ختم ہو جانی چاہیئے۔ اس کے بعد پھر سلسلۂ تعلیم زندگی بھر جاری رکھنے کا کام ہے لیکن اس کو لٹریسی کے کام سے الگ رکھنا چاہیئے۔

۵۔ بالغوں کو لٹریسی کے لئے آمادہ کرنے کے دو ہی قوی محرکات ہو سکتے ہیں

(۱) وہ خود لٹریسی کی ضرورت محسوس کریں۔ (۲) اِل لٹریسی کو باعث ذلت سمجھیں۔ یہ دونوں محرکات اس وقت مفقود ہیں۔

۶۔ جہاں تک کارکنوں کا تعلق ہے، باوجود اخلاص اور محنت، شوق اور انہماک کے، ان کی کوششیں زیادہ کامیاب اس لئے نہیں ہوتیں کہ

(۱) اتنے بڑے کام میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اس کام کی دشواریوں کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاتا۔

(۲) بالغوں کی لٹریسی کی تنظیم بھی بچوں کی ابتدائی تعلیم کے اصولوں اور اسی نمونے پر عموماً کی جاتی ہے اور "مدرسہ"

"مدرس" اور "درسیات" کی ذہنیت اس کی تنظیم میں کارفرما رہتی ہے (حالانکہ اس وقتی مہم کے لئے نہ مستقل مدارس شبینہ کی ضرورت ہے، نہ ٹرینڈ مدرسوں کی، نہ مروجہ طرز کی درسیات سے کام چل سکتا ہے)

(۳) بالغوں کی تعلیم کا بنیادی اصول "خود پڑھنا" اور "خود سیکھنا" ہے۔ اس کے لئے سہولتیں اور مواد فراہم کرنا کارکنان تعلیم بالغان کا کام ہے۔ لیکن لٹریسی کی تمام کوششوں کے ساتھ لٹریسی کی مشق اور لٹریسی کی قابلیت کو مستحکم کرنے اور اس قابلیت سے فائدہ اٹھانے کے لئے فراوانی کے ساتھ مناسب اور موزوں، اچھے اور دلچسپ لٹریچر کی فراہمی کا کوئی انتظام نہیں کیا جاتا۔

۷۔ لٹریسی کا کام بالعموم (EXTENSIVE) طریقے پر کیا جاتا ہے اس لئے باوجود اس کے کہ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں لٹریٹ بنائے گئے ہیں، لیکن پھر بھی چونکہ یہ نتائج منتشر ہیں، مرکوز نہیں ہیں اس لئے لٹریسی کی تحریک میں اب تک کوئی قوت اور حرکت (MOMENTUM) نہیں پیدا ہو سکا، اور لٹریسی کی تحریک میں جمود جوں کا توں قائم ہے۔

## حصہ دوم

## لٹریسی کی مہم

۱۔ لٹریسی کی مہم منصوبہ بندی اور اہتمام کے ساتھ شروع کی جائے، اس مقصد کو سامنے رکھ کر کی جائے کہ ایک مقررہ علاقے یا آبادی میں ہر بالغ کو ایک مقررہ مدت کے اندر لٹریٹ بنا دیا جائے گا — COMPLETE ERADICATION OF ILLITERACY

۲۔ اس علاقے میں زمین ہموار کرنے کے لئے کچھ سوشل ایجوکیشن کا کام اور تیاری لٹریسی کی مہم سے پہلے شروع کرنی ہوگی مثلاً

(۱) وسائل کو ملحوظ رکھ کر لٹریسی کی مہم کے لئے علاقے کی حد بندی۔

(۲) اس علاقے میں بچوں کے لئے لازمی جبری تعلیم کا انتظام

(۳) علاقے میں کسی مرکزی جگہ پر سوشل ایجوکیشن سنٹر یا ایک سبھا کا قیام

(۴) علاقے کا ایک تعلیمی جائزہ

(۵) لٹریسی کی مہم کے لئے کارکنوں اور رضاکاروں کا انتظام

(۶) ضروری سامانِ تعلیم کا انتظام
(۷) سازگار فضا کی تیاری۔

## لٹریسی کی مہم کی ابتدا

(۱) اگر وسائل کافی ہوں تو پورے علاقے کی پوری بالغ اِل لٹریٹ آبادی کی جماعت بندی ایک ساتھ کی جائے (فی جماعت ۲۵ طلبا کے حساب سے) ورنہ وسائل کے مطابق پہلے بستی کے ایک حصہ آبادی کو لیا جائے اور پھر دوسرے حصے کو۔
(۲) چھپے ہوئے اسباق روزانہ طلبا کو تقسیم کئے جائیں اور انہی اسباق کے پوسٹر گلی کوچے میں لگائے جائیں۔ اور بچوں کو بھی اسباق روز تقسیم کئے جائیں تاکہ وہ اپنے اپنے گھروں پر اس کا چرچا کریں۔
(۳) لٹریسی کی مہم کے زمانے میں سوشل ایجوکیشن کا عام پروگرام سنٹر کے ذریعے جاری رکھا جائے بالخصوص جرا اخبار، سوشل ایجوکیشن کے کاروان کا گشت، تفریحی پروگرام وغیرہ۔
(۴) لٹریسی کی مہم کی مدت کے ختم پر ایک مطبوعہ سند مرکز کی طرف سے لٹریٹ کو دی جائے اور لٹریٹ کی طرف سے ایک دستخطی سند بطور نشان مرکز کے لئے حاصل کی جائے۔
(۵) "اس گھر میں اب کوئی ان پڑھ نہیں رہا" "اس گلی میں اب کوئی ان پڑھ نہیں رہا" "اس بستی میں اب کوئی ان پڑھ نہیں رہا"۔ یہ مطبوعہ اعلان ہر گھر اور ہر گلی میں لگایا جائے اور بستی کے متعلق یہ اعلان اخبارات میں کیا جائے۔ چاروں طرف ڈھنڈورا پیٹا جائے۔

## مہم کے بعد

۱۔ کم از کم دو مہینے تک مسلسل روزانہ سادہ اور سہل زبان میں مشاہیر کی طرف سے خطوط، اچھے اچھے مضامین، کام کی باتیں، خبروں کے بلیٹن ہر لٹریٹ کو نام بنام تقسیم کئے جائیں۔
۲۔ سوشل ایجوکیشن سنٹر ریڈنگ روم کا اچھا انتظام کرے اور لائبریری کی طرف سے مناسب اور موزوں کتابوں کی تقسیم کا بھی معقول انتظام کرے۔
۳۔ سنٹر کی طرف سے شائقین کے لئے یکے بعد دیگرے درسی حلقے قائم کئے جائیں:

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

# خواندگی: تعریف اور تنظیم

ہندوستانی اڈلٹ ایجوکیشن کی تاریخ میں خواندگی کے موضوع پر منظم سوچ بچار پہلی مرتبہ نومبر دسمبر ۱۹۴۹ء میں یونیسکو کے زیر اہتمام میسور کے ایشیائی سیمنار میں ہوا تھا۔ اس اہم تعلیمی اجتماع میں جس کے اجلاس پورے ایک مہینے تک مسلسل ہوتے رہے تھے دنیا کے ۱۱ ملکوں نے شرکت کی تھی اور یورپی، ایشیائی اور امریکی ماہرین تعلیم نے غور و مطالعہ کرنے کے بعد ایک نہایت کارآمد رپورٹ مرتب کی تھی۔

ہم ناظرین تعلیم و ترقی اور بالخصوص دہلی سیمنار (جو نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کے اہتمام میں ۱۹ اپریل ۱۹۶۲ء سے شروع ہے) کے نمائندوں کی دلچسپی اور مطالعے کے لئے اس ایشیائی سیمنار کی رپورٹ کے ایک حصے سے جو خالصۃً خواندگی سے متعلق ہے کچھ اقتباسات نقل کر رہے ہیں، جو ہمیں امید ہے دہلی سیمنار کے لئے مستند مواد حوالہ (SOURCE MATERIAL) کا کام دیں گے۔

——ایڈیٹر

(اشارہ: عبارت میں جہاں "گروپ" کا لفظ آیا ہے اس سے سیمنار کے نمائندوں کا وہ گروپ مراد ہے جس نے تعلیم بالغان اور خواندگی کے موضوع پر غور و مطالعہ کیا تھا اور اپنی سیمنار کو اپنی گروپ رپورٹ پیش کی تھی)

## ۱۔ خواندگی کی تعریف اور اس کا مقصد

اس سلسلے میں گروپ نے ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مولفین کے نقطۂ نظر پر غور کیا جو یہ ہے:

خواندگی سے مراد ایک سہل اور سادہ عبارت کو لکھ اور پڑھ سکنے کی صلاحیت ہے

اس کے متعلق یہ رائے ہوئی کہ اگرچہ مردم شماری کے اعداد و شمار کے لحاظ سے یہ تعریف مناسب ہے مگر تعلیمی نقطۂ نظر سے یہ تعریف صحیح مفہوم ادا نہیں کرتی، چنانچہ اس سلسلے میں دوسری اور تعریفات پر غور و بحث کرنے کے بعد گروپ حسب ذیل نتیجے پر پہنچا "اگرچہ خواندگی کی وہ تعریف جو ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مولفوں نے متعین کی ہے مناسب ہے مگر تعلیمی مقاصد کے لئے اس میں حسب ذیل اضافے ضروری ہیں۔

' خواندگی سے مراد ایک سہل اور سادہ عبارت کو سمجھ کر اور آسانی کے ساتھ لکھ اور پڑھ سکنے کی صلاحیت ہے اور اس کے مقاصد یہ ہونے چاہئیں کہ ایک خواندہ شخص۔

(ا) اپنی زبان صفائی اور آسانی کے ساتھ بول اور سمجھ سکے۔

(ب) اپنی روزمرہ کی زندگی سے متعلق لکھی ہوئی عبارت کو ٹھیک طریقے سے پڑھ اور سمجھ سکے۔

(ج) اپنے خیالات کو تحریر کے ذریعے ظاہر کر سکے۔

(د) سادہ حسابی مسائل کو حل کر سکے۔

(ہ) اپنی بستی اور اپنے ملک کی سماجی روایات، تمدن اور تاریخ کی تھوڑی سی معلومات ہو۔

(و) انسانوں کی عالمگیر برادری سے اپنے رشتے کا کچھ شعور ہو۔

خواندگی سے متعلق ایک مشہور مصنف ڈاکٹر جولین ہکسلے کا ایک قول ہے جسے گروپ نے خواندگی کے متعدد مقاصد کے خلاصے کے طور پر تسلیم کیا۔ قول یہ ہے:

"خواندگی، طبیعاتی اور فنی ترقی، عمدہ صحت، نفع بخش کھیتی، اور بڑھنے والی صنعت، جمہوری اور قومی ارتقاء، بین الاقوامی شعور اور دوسرے ملکوں کی معلومات کے حصول کے لئے پہلی شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔"

## ۲۔ ناخواندگی کے اسباب (تعلیمی نقائص)

گروپ نے ناخواندگی کے متعدد سبب قرار دیئے تھے مثلاً (۱) سماجی اور جغرافیائی اسباب (۲) معاشی اسباب (۳) سیاسی اسباب اور (۴) تعلیمی نقائص۔ ہمیں یہاں ناخواندگی کے ان اسباب سے بحث ہے جو گروپ کی رائے میں تعلیمی نظام کے نقائص سے پیدا ہوئے ہیں۔

(۱) لازمی ابتدائی تعلیم کی عدم موجودگی۔

(۲) ٹریننگ کی سہولتوں، ٹریننگ پائے ہوئے استادوں اور کارکنوں کا قحط۔

(۳) تعلیم بالغان کے معقول اور منظم پروگرام کی عدم موجودگی۔
(۴) اداروں کی کمی جو اسکول جانے والی آبادی کو کھپا سکیں۔
(۵) استادوں کی غیر مناسب یافت۔
(۶) استادوں کے سماجی مرتبے کی پستی۔
(۷) اسکولوں میں سامانِ تعلیم اور آلات کی کمی،
(۸) مشقی موادِ تعلیم کی کمی۔

## ۲۔ خواندگی کی مہموں کی تنظیم

گروپ میں شامل ملکوں میں خواندگی کی مہموں کی تنظیم کے مختلف طریقوں کا جائزہ لینے کے بعد طے کیا گیا کہ خواندگی کی مہیں ریاست کی طرف سے حسب ذیل طریقوں پر منظم کی جانی چاہئیں۔

**ا۔ سرکاری قانون**

(۱) عالمگیر لازمی ابتدائی تعلیم کے تبدریج نفاذ کے لئے۔
(۲) تعلیم بالغان کا پروگرام بذریعہ ضابطہ چلانے کے لئے۔

**ب۔ حسب ذیل طریقوں پر تحقیق اور ریسیرچ کی تنظیم**

(۱) معتبر اعداد و شمار کی تحقیق تاکہ مسئلے کی اصل نوعیت سامنے آجائے اور اسے بحث کی تعین میں بنیاد کے طور پر سامنے رکھا جاسکے۔
(۲) ایسے طریقہ ہائے تعلیم کی کھوج جو مقامی ضروریات کے حسب حال ہوں۔
(۳) یونیورسٹیوں کے زیر اہتمام بالغوں کی نفسیات اور زبان سیکھنے کے عمل کا مطالعہ اور تحقیق۔
(۴) بالغوں کے نقطۂ نظر سے موزوں موادِ مطالعہ کی تالیف و تصنیف۔
(۵) ایسے موضوعات اور مواد کا انتخاب جو بالغ کی دلچسپی کو اُبھارنے اور اُسے قائم رکھنے میں ممد ثابت ہوں۔
(۶) مختلف مستعمل لپیوں کے سکھانے کے کام کو سامنے رکھتے ہوئے لسانیاتی مسائل اور الجھاؤں کا تجزیہ اور حل۔

**ج۔ رائے عامہ پیدا کرنا**

گروپ نے فیصلہ کیا کہ تعلیم بالغان کا کوئی پروگرام اُس وقت تک موثر نہیں ہو سکتا جب تک اس کی موافقت میں ایک خدید قسم کی رائے عامہ نہ پیدا کی جائے۔ یہ کام حسب ذیل طریقوں پر ہو سکتا ہے۔

(۱) سرکاری اور غیر سرکاری ایجنسیوں کی جانب سے تبلیغ اور پبلسٹی کے ذریعے۔

(۲) مذہبی جلسوں اور تقریبوں کے ذریعے

(۳) پریس، فلم اور ریڈیو کے ذریعے۔

(۴) تیوہار، میلے، اور "یوم" اور "ہفتے" منا کر۔

**د۔ تعلیمی اور دوسری جماعتوں کا تعاون**

گروپ نے طے کیا کہ خواندگی کی مہموں میں حسب ذیل جماعتیں اور ادارے نہایت مفید خدمات پیش کر سکتے ہیں۔

(۱) یونیورسٹیاں: جو توسیعی لکچروں اور طلبا کی جماعتوں کے توسط سے مدد دے سکتی ہیں۔

(۲) اسکولوں کا بندوبست کرنے والے ادارے: اپنے اسکولوں کی عمارتوں کے استعمال اور استادوں سے کام لینے کی اجازت دے کر۔

(۳) پولیس اور فوج کے محکمے اپنے اپنے حلقوں میں خواندگی کی مہمیں چلا کر۔

(۴) مزدور سبھائیں اپنے ممبروں کی کوشش خواندگی میں ان کی مدد کر کے۔

(۵) تاجروں اور کارخانے داروں کی سبھائیں۔ اپنے مزدوروں اور ملازموں کو خواندہ بننے کے لئے سہولتیں اور رعایتیں دے کر۔

(۶) کتب خانے: منتقی رسالے اور کتابچے فراہم کر کے اور عجائب خانے اِس طرح کہ وہ انسانوں کی تاریخ اور اُن کی معاشی اور سماجی زندگی سے متعلق اپنی اشیائے نمائش کو اس طرح منظم کریں کہ ان تک نوخواندہ اور کم پڑھے لکھے بالغ آسانی سے پہنچ سکیں اور ان کو دیکھ کر ان کے متعلقات کو سمجھ سکیں۔

(۷) امداد باہمی کی تحریکیں: اس طرح کہ وہ اپنے اہتمام میں ایسی سہولتیں بہم پہنچائیں اور ایسے شوق اور حوصلہ دلانے والے پروگرام چلائیں جو ان کے ممبروں کو خواندہ بننے کے لئے اُبھار سکیں۔

(۸) جیل خانے: اپنے یہاں کے قیدیوں کے لئے خواندگی کی کلاسیں کھول کر۔

(۹) سُدھار سبھائیں: اس طرح کہ وہ اپنے ممبروں کو خواندگی کی تحریک کو تقویت پہنچانے میں سرگرمی کے ساتھ حصّہ لینے کے لئے بھرتی کریں۔

## ۴۔ خواندگی کی تعلیم کے طریقے

بالغوں کو پڑھانے کا طریقہ اس گروپ کے کام کا نہایت اہم حصّہ تھا۔ چنانچہ گروپ نے ہندوستان میں اور بعض دوسرے ملکوں میں

برتے جانے والے چند طریقوں کا نہایت تفصیل سے جائزہ لیا۔ جن طریقوں پر غور و بحث کیا گیا وہ حسب ذیل ہیں:۔

(الف) لاوباخ کا طریقہ

(ب) افادی طریقہ

(ج) گیت کا طریقہ

(د) بنیادی لفظ کا طریقہ

(ﮦ) انفرادی طریقہ

(و) لفظ اور فقرے کا طریقہ

(ز) عبارتی طریقہ

## الف۔ لاوباخ کا طریقہ

ڈاکٹر جی۔ پی۔ برائس نے جو اندور سے آبزرور کی حیثیت میں شریک تھے فرمایا کہ اصل میں 'لاوباخ کا طریقہ' کے نام سے کوئی مخصوص طریقہ نہیں ہے بلکہ ڈاکٹر لاوباخ نے ان پڑھوں کو پڑھانے کے لئے متعدد طریقے استعمال کئے ہیں اور وہی 'لاوباخ کا طریقہ' کے نام سے مشہور ہو گئے ہیں۔ برائس نے گروپ کے ممبروں کو جماعت مان کر اپنے طریقے کا مظاہرہ کیا جو وہ اپنی ہندی پر الجرسی کے دوران میں استعمال کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد حسب ذیل اصول اور مشاہدات کا ذکر کیا جو ان کے طریقے کے سلسلے میں سامنے آئے تھے:

(۱) بالغ مبتدی ایک احساس کمتری میں مبتلا ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ان پڑھ ہے اور اب اس کی اتنی عمر ہو گئی ہے کہ پڑھنا اس کے لئے ناممکن ہے۔

(۲) وہ خواندگی کے فوائد سے ناواقف ہوتا ہے اور خواندہ ہونے کے بعد خواندگی کے فوائد کا اسے یقین نہیں ہوتا۔

(۳) وہ ضرورت سے زیادہ حساس ہوتا ہے اور اس وجہ سے انفرادی توجہ اور اپنی تعریف سننے کا محتاج ہوتا ہے۔

(۴) وہ اپنی مرضی سے طالب علم بنتا ہے۔

(۵) چونکہ حاضری میں باقاعدگی نہیں برت سکتا اس لئے انفرادی توجہ کا حاجت مند ہوتا ہے۔

(۶) بالغ استدلال کی قوت رکھتا ہے اور بچے کی طرح محض رٹ کر نہیں سیکھتا۔ اس میں سیکھنے کی صلاحیت بچے کی بہ نسبت زیادہ ہوتی ہے۔

(۷) بالغ ہونے کی وجہ سے اُسے زندگی کا تجربہ ہوتا ہے۔ بچے کی بہ نسبت اس کا ذخیرۂ الفاظ زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ اس کی دلچسپی کی نوعیت زیادہ تر معاشی یا افادی ہوتی ہے۔ اُسے شعر یا ضرب الامثال سے نسبتاً زیادہ دلچسپی ہو سکتی ہے اور

اس کے اوپر روایات کا زیادہ اثر پڑتا ہے۔

(۸) اس کی کتاب کا مواد اس کے ذخیرۂ الفاظ کی حدود کے اندر ہی اندر رہنا چاہیئے۔

(۹) اگر بالغوں کو ایک ایک کرکے یا پھر بہت چھوٹی ٹولی میں رکھ کر پڑھایا جائے تو زیادہ اچھا رہتا ہے۔

(۱۰) اُستاد کو غیر ضروری لفظوں کے استعمال سے بچنا چاہیئے اور اپنی آواز پر قابو رکھنا چاہیئے۔

مختصر یہ کہ لاوباخی طریقہ، جیسا کہ اس کے مظاہرے سے ظاہر ہوا، تصویر سے شروع ہو کر لفظ پر ختم ہوتا ہے۔ آگے چل کر اس لفظ کا آوازوں میں تجزیہ کیا جاتا ہے اور پھر ان آوازوں کو ملا کر ان سے نئے نئے لفظ اور جملے بنائے جاتے ہیں۔

## ب۔ افادی طریقہ

افادی طریقہ، جیسا کہ مشرقی پنجاب کے آبزرور شری ہال نے واضح کیا، حسب ذیل اُصول پر مبنی ہے:

(۱) بالغ کے ساتھ بچے سے مختلف قسم کا برتاؤ ہونا چاہیئے۔

(۲) بالغ کے پاس پڑھنا شروع کرنے سے پہلے ہی ایک ذخیرۂ الفاظ ہوتا ہے جس سے آسانی سے کام لیا جاسکتا ہے۔

اس طریقے کے مظاہرے سے کچھ ایسا محسوس ہوا کہ اس میں الفاظ بنانے کے لئے حروف تہجی کے نشانات کا استعمال ہوتا ہے۔

## ج۔ گیت کا طریقہ

گیت کے طریقے کا تعارف یو۔ پی کے ایک صاحب شری مانڈے نے کرایا جس کی بنیاد حسب ذیل اصولوں پر تھی:

(۱) اس طریقے میں ایسے گیتوں سے کام لیا جاتا ہے جو عام طور سے بالغوں کو پسند ہوتے ہیں۔

(۲) یہ طریقہ اجتماعی قسم کا ہے جس میں جماعت کے ممبر ایک ساتھ مل کر گیت گاتے ہیں۔

شری مانڈے کا خیال ہے کہ مل کر گانے سے بالغوں میں ایک طرح کا جو حجاب ہوتا ہے، وہ جاتا رہتا ہے اور تھکن نہیں محسوس ہوتی۔ اس کے علاوہ اپنے من بھاتے گیت کے ذریعے وہ لفظوں کو زیادہ جلدی سیکھتا ہے اور پڑھائی اور سمجھ میں باہم ربط رہتا ہے۔

## د۔ بنیادی لفظ کا طریقہ

یہ طریقہ یو۔ پی کے آبزرور شری شالگ رام تھپک نے سمجھایا، ان کا یہ طریقہ جن اصولوں پر مبنی ہے وہ یہ ہیں:

(۱) الفاظ کا تجزیہ حرفوں میں کیا جاتا ہے۔

(۲) اس کے بعد انہی حرفوں سے نئے لفظ سکھائے جاتے ہیں۔

(۳) ان لفظوں سے پھر فقرے بنائے جاتے ہیں۔

(۴) لکھنا سکھانے سے پہلے پڑھنا سکھایا جاتا ہے کیونکہ لکھنا پڑھنے کی بہ نسبت زیادہ مشکل ہوتا ہے اور لکھنے کی روزانہ کی زندگی میں کوئی خاص ضرورت بھی نہیں ہوتی۔

(۵) تلفظ کی معمولی معمولی غلطیوں کو درست کرنے پر اُستاد کو زیادہ زور نہیں دینا چاہئے۔

تھمک صاحب نے پہلا بنیادی لفظ "قلم" لیا تھا اور اسی کی تکرار کر کے ایک گیت تصنیف کیا تھا۔ آگے چل کر دوسرے بنیادی لفظ لئے گئے اور ان کے ساتھ بھی وہی طریقہ کار اختیار کیا گیا تھا۔

## ۸۔ انفرادی طریقہ

یہ طریقہ انڈونیشیا کے ڈپٹی گیت ماسٹر سلی ٹونگا نے سمجھایا تھا اور جن اصولوں پر اس کی بنیاد ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) اس طریقے کا مقصد یہ ہے کہ ان پڑھ بالغ کم سے کم مدت میں لکھنے پڑھنے کے قابل ہو جائیں۔

(۲) اس میں کسانوں کے ہاتھوں اور آنکھوں کی مختلف صلاحیتوں کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

(۳) بالغوں کے اندر دلچسپی پیدا کرنے کے لئے پہلے ایک تصویر رکھی جاتی ہے اور جس چیز کی تصویر ہوتی ہے، وہ لفظ بتایا جاتا ہے۔ اب اس لفظ کے صوتی حصے کئے جاتے ہیں اور ان صوتی حصوں سے پھر نئے الفاظ پڑھائے جاتے ہیں۔

(۴) ایک ہی بات کو بار بار کہلوانے کی اہمیت پیش نظر رکھی جاتی ہے۔

(۵) لکھائی کی باری اس وقت آتی ہے جب بالغ مبتدی دس سبق زبانی پڑھ چکتا ہے یہ دس سبق "دیکھو اور بولو" کے اصول پر ہوتے ہیں۔

(۶) مبتدی کو ہر سبق کے خاتمے پر یہ احساس ہونا چاہئے کہ اس نے سبق پکا کر لیا ہے۔

## ۹۔ لفظ اور فقرے کا طریقہ

یہ طریقہ جو تھے گرد کے چیرمین پروفیسر اے۔ این۔ باسو نے سمجھایا۔ اس کی بنیاد حسب ذیل اصول پر ہے:

(۱) ابتدا میں جملوں اور فقروں میں پوری بات بتائی جاتی ہے۔

(۲) اس کے بعد پہلے لفظ سکھائے جاتے ہیں اور ان لفظوں کا حرفوں میں تجزیہ کیا جاتا ہے۔

(۳) یہ الفاظ اور فقرے مبتدیوں کی روزانہ زندگی سے لئے جاتے ہیں۔

(۴) لکھائی اور پڑھائی ساتھ ساتھ چلتی ہے۔

(۵) سیکھی ہوئی بات کو پورے طور پر ہضم کرنے کے لئے بار بار دہرانے کا عمل برابر کیا جاتا ہے مگر اس طرح نہیں جیسے مشین چلتی ہے۔

## ۳ - عبارتی طریقہ

اس طریقے کی بنیاد جیسا کہ ڈاکٹر باؤنے سمجھایا حسب ذیل اصولوں پر ہے:

(۱) لوگ پہلے کل کا ادراک کرتے ہیں حصوں میں اس کا تجزیہ بعد میں کرتے ہیں۔ بالغ کا تجزیہ چونکہ زیادہ ہوتا ہے اور وہ زیادہ معلومات رکھتا ہے اس لئے بچوں کی بہ نسبت وہ تجزیہ زیادہ تیزی سے کر سکتا ہے۔

(۲) تجربے سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بالغوں کی نظر کا پھیلاؤ زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس کے لئے حرفوں اور لفظوں کی بہ نسبت فقرے اور جملے پڑھنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔

(۳) یہ بات بھی واضح ہے کہ اگر پڑھی جانے والی چیز بامعنی ہوتی ہے تو اس کا سیکھنا مبتدی کے لئے نسبتاً زیادہ آسان ہوتا ہے۔

(۴) بامعنی فقروں کے ذریعے پڑھانے سے پڑھنے کی رفتار تیز ہوتی ہے اور پڑھنے کی رفتار جتنی تیز تر ہوتی ہے اسی نسبت سے سمجھنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ بات تجربے سے ثابت ہو چکی ہے کہ پڑھنے کی رفتار جتنی ہی تیز ہوگی اسی نسبت سے سمجھنے کی صلاحیت اونچی ہوگی۔

(۵) سمجھ کر تیزی سے پڑھنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مبتدی کو دلچسپی ہوتی ہے اور دیر تک قائم رہتی ہے۔

(۶) بالغ کے سامنے پڑھنے لکھنے کا پروگرام واحد پروگرام کی حیثیت سے نہیں آنا چاہیے بلکہ اسے تعلیم بالغان کے ایک مکمل پروگرام سے منسلک ہونا چاہئے اور پروگرام ایسا ہو جس کے اندر بالغ کی زندگی سے تعلق رکھنے والی اور اس کی دلچسپی کی تمام باتیں آجائیں۔

# گروپ کا فیصلہ

گروپ نے ان مختلف طریقوں کو جانچنے اور پرکھنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اگرچہ چند ملکوں اور صوبوں نے اپنے بالغوں کو پڑھانے کے لئے بڑی محنت اور جانفشانی سے طریقے ایجاد کئے ہیں، تاہم مناسب یہ ہے کہ سب ملکوں کے لئے کسی ایک مخصوص طریقے کی سفارش نہ کی جائے بلکہ زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ ہر ملک اپنے ملک کی ضروریات کو سامنے رکھ کر ایک یا کئی طریقوں کا استعمال کرے۔ البتہ نیچے لکھے ہوئے چند بنیادی اصولوں کو اس سلسلے میں سامنے رکھنا چاہئے جو ہر زبان اور ہر طریقے کے لئے یکساں قابل عمل ہیں۔

(۱) ہر سبق کی ابتدا ایسی بات سے ہونی چاہئے جس سے خود مبتدی کو دلچسپی ہو نہ کہ کوئی ایسی بات جو استاد کہنا چاہے۔

(۲) بالغ چونکہ پہلے "کل" کا ادراک کرتا ہے اور اس کے بعد اس کا حصوں میں تجزیہ کرتا ہے اس لئے پڑھنا سکھانے کا عمل "پوری بات" کے ذریعے ہونا چاہئے۔

(۳) الفاظ کا بار کم سے کم ہونا چاہیے۔ کسی ریڈر کے ایک صفحے میں بہت زیادہ لفظ نہ دیئے جائیں۔

(۴) توجہ قائم کرنے کی غرض سے اُستاد کو چاہیئے کہ وہ نئے نئے جملوں میں استعمال کرکے اس کا اعادہ کرائے۔

(۵) نفسیاتی پہلو شلاً دیکھنے اور سننے کی صلاحیت کے مختلف درجے ضرور پیش نظر رہنا چاہئیں۔

(۶) اُستاد کو پڑھانے یا تعلیم دینے کے کسی مخصوص طریقے کا پابند نہیں ہونا چاہیئے بلکہ مختلف ماحول کی مختلف ضروریات سے اپنے آپ کو ہم آہنگ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

گروپ کی شدت سے یہ رائے ہے کہ خواندگی سے متعلق مختلف مسائل — لسانی، سماجی، معاشی اور دیگر — کا ہر زبان کے بارے میں گہرائی کے ساتھ مطالعہ ہونا چاہیئے اس قسم کے مطالعہ و تحقیق کی تحریک تنظیم حکومتوں کی طرف سے ہونی چاہیئے اور اس کا پہلا مقصد کسی خاص طریقۂ تعلیم کی ایجاد ہونا چاہیئے۔

## ۵۔ خواندگی کی تعلیم کے لئے اُستادوں کی ٹریننگ

۱۔ ایک اچھے اُستاد کے بنیادی اوصاف پر غور و بحث کرنے کے بعد گروپ نے طے کیا کہ اس کے اندر یہ خوبیاں ہونی چاہئیں:

(الف) سماجی خدمت کا جذبہ۔

(ب) اپنے کام سے دلچسپی اور عقیدت۔

(ج) بالغوں سے برتاؤ کرنے کا تجربہ۔

(د) اپنے شاگردوں کا احترام۔

(ہ) اپنے شاگردوں کی مشکلات کی پرکھ۔

(و) زندہ دلی اور بذلہ سنجی۔

(ز) مواقع اور ذرائع سے کام لینے کی صلاحیت۔

۲۔ خواندگی کا مسئلہ جو اس وقت ایشیا کے بیشتر ملکوں کے سامنے ہے، اس کی شدت کے پیش نظر سب سے پہلی اور اہم ضرورت اس بات کی ہے کہ خالصۃً خواندگی کے کام کے لئے اُستادوں کو جلد سے جلد ٹریننگ دی جائے۔ اس ٹریننگ کی مدت تین ماہ سے زیادہ نہیں ہونی چاہیئے۔ اُستاد ٹریننگ لینے کے بعد ہی ناخواندگی کے مسئلے کو حل کرسکیں گے۔ خواندگی کی تعلیم کی ٹریننگ کے علاوہ انہیں تدریج ایسی ٹریننگ بھی دی جانی چاہیئے جو انہیں دیہی تعلیم بالغان کے وسیع تر کام کی ذمے داری سنبھالنے کا اہل بنا سکے۔

قبل اس کے کہ ٹریننگ کا کام ہاتھ میں لیا جائے یہ طے کرلینا ضروری ہوگا کہ طریقہ تعلیم کے سلسلے میں جو اصول بیان کئے گئے ہیں ان کی

روشنی میں کون سا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔

اس نوعیت کی ٹریننگ پر موٹے حساب سے حسب ذیل مدوں کے تحت خرچ آئے گا۔

(الف) ٹریننگ کے اداروں کے لئے عمارتوں کی تعمیر اور ان کا رکھ رکھاؤ۔

(ب) ٹریننگ دینے والے اساتذہ کی تنخواہیں۔

(ج) ٹریننگ کے دوران میں طالب علموں کے وظیفے۔

(د) ٹریننگ لینے کے بعد خواندگی کے اساتذہ کی تنخواہیں۔

ایک مدت کے بعد جب ناخواندگی کا خاتمہ ہو جائے گا تو ٹریننگ کے یہ ادارے خواندگی کی مہموں کے مرکز کی حیثیت تبدیل کر کے دیہی تعلیم بالغان کے مطالعہ و تحقیق کے ادارے کی شکل اختیار کر لیں گے۔

خواندگی کی تعلیم کی ٹریننگ لینے والوں کے تعلیمی معیار کے باب میں گروپ نے طے کیا کہ انہیں اسکولی تعلیم کی کم سے کم ۸ جماعتوں تک پڑھا لکھا ہونا چاہئے یا کم سے کم اتنی ہی صلاحیت کا حامل ہونا چاہئے۔

نصاب تعلیم کے سلسلے میں گروپ نے سفارش کی کہ جہاں تک ہو سکے طلبا کو حسب ذیل مضامین میں ٹریننگ دی جانی چاہئے۔

(الف) خواندگی کا مفہوم اور حدود۔

(ب) نفسیات کے ابتدائی اصول جو ان پڑھ بالغوں کے سیکھنے کے عمل سے متعلق ہوں۔

(ج) بالغوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے کا فن۔

(د) دیہی سماجی زندگی کی کچھ واقفیت۔

(ہ) برادری میں رہ کر زندگی گزارنے کے مسائل۔

(و) مقامی آرٹ، حرفہ جات اور پیشوں کی واقفیت۔

(ز) مقامی تفریحات اور کھیلوں کا علم۔

## ۲۔ بالغوں کے لئے بنیادی، مددگار اور عام ادب کی تیاری

بالغ مبتدیوں کے پڑھنے کے لئے جس قسم کے ادب کی ضرورت ہے اس پر غور و بحث کرنے کے بعد گروپ نے فیصلہ کیا کہ اس کی ترتیب و تالیف میں ان پہلوؤں کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے جو خواندگی اور تعلیم بالغان کے "مقصد اور حدود" کے باب میں بیان کئے گئے ہیں۔

اس ادب کی اقسام اور ان کی خصوصیات کے سلسلے میں حسب ذیل سمجھا دیئے گئے :

## الف۔ درسی کتابیں

(۱) درسی کتاب کے لئے ضروری ہے کہ وہ سادہ، واضح اور مختصر ہو اور اس میں جو الفاظ آئیں وہ ایسے ہوں جو پڑھنے والا پہلے سے جانتا اور سمجھتا ہو۔

(۲) اس کے اسباق مختصر اور اس میں دی ہوئی معلومات بالکل صحیح ہو۔

(۳) اس ڈھنگ پر مرتب ہونی چاہئے جس سے پڑھنے والے کو اپنی جسمانی، ذہنی اور جذباتی زندگی سے متعلق ہر چیز سے دلچسپی اور شوق پیدا ہو جائے اور قائم رہے۔

(۴) اس کا سائز دستی ہونا چاہئے تاکہ پڑھنے والا اسے ہر وقت اپنے پاس رکھ سکے۔ اس کی چھپائی موٹے اور خوشخط حروف میں ہونی چاہئے اور سطروں کے درمیان کافی فاصلہ ہونا چاہئے تاکہ اس کے پڑھنے سے اسے تکان نہ محسوس ہو۔

(۵) اس کے شروع میں اسباق کی فہرست اور ہر سبق کے آخر میں سوال جواب کی شکل میں کچھ باتیں ہونی چاہئیں۔

(۶) اس کے اندر تصویریں، گراف اور خاکے کافی تعداد میں ہونے چاہئیں۔

(۷) اس کے اوپر ایک نہایت خوبصورت اور جاذب نظر ٹائٹل ہونا چاہئے جو بہت اچھے قسم کے کاغذ پر چھپا ہو۔

<u>کتاب کے معنف کے لئے ضروری ہے کہ</u>

(۱) جن لوگوں کے لئے کتاب لکھی جاتی ہے، ان کی نوعیت کے بارے میں اس کا ذہن صاف ہو۔

(۲) کتاب جس مقصد کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے، اُسے وہ نہایت صفائی کے ساتھ سمجھا دے۔

(۳) کتاب میں مشکل، فنی اور علمی اصطلاحات لانے سے گریز کرے اور اگر یہ اصطلاحات ضروری ہوں تو وہ انھیں آسان زبان میں واضح کر دے۔

(۴) کتاب میں پھیکا پن نہ آنے دے بلکہ جگہ جگہ دلچسپی کی باتیں، قصے کہانیاں، چٹکلے اور نظمیں دیتا جائے۔

## ب۔ غیر درسی ادب

<u>۱۔ خواندگی کے بعد آگے کے مطالعے کی کتابیں</u>

ڈاکٹر روڈنک باؤنے بالغوں کے ادب کی تالیف کے عنوان سے سیمنار کے سامنے ایک یادداشت پیش کی تھی مگر چونکہ اس

یادداشت کی سفارشات کو تسلیم کیا۔ ان سفارشات کا خلاصہ یہ ہے:

(الف) نو سکھیے بالغوں کے پڑھنے کے لئے جو کتابیں تیار کی جائیں، ان کو موٹے حروف میں چھپنا چاہیئے۔

(ب) ان مطبوعات کی بنیاد پڑھنے والے کے تجربات، دلچسپیوں اور ضروریات پر ہونی چاہیئے۔

(ج) مطبوعات میں ایسے مضامین ہونا چاہئیں جو پڑھنے والے کے اشتیاق کو ابھار دیں۔ چند مباحث جو بالغوں کی دلچسپی اور شوق کی چیزیں ثابت ہوئی ہیں، یہ ہیں: بھائی چارہ، دوستوں کی محبت، خاندان کی محبت، جانوروں اور قدرتی مناظر سے محبت، اخلاق اور مہمان نوازی، صفائی ستھرائی، ذمہ داری کا احساس، وطن کی محبت، مذہبی اور سماجی احساس وغیرہ۔

(د) ان مطبوعات میں نسلی، سماجی اور مذہبی تعصبات یا سیاسی اور معاشی طرف داری کے مضامین سے گریز کرنا چاہیئے۔

(ہ) پوری کتاب کہانی کے انداز پر لکھی جانی چاہیئے اور کہانی کے کردار تین سے زیادہ نہیں ہونا چاہئیں۔

(و) نئے الفاظ اور خیالات اندھا دھند نہیں آنا چاہئیں، بلکہ ان کا تعارف بتدریج ہونا چاہیئے۔ نئے الفاظ کے انتخاب میں بھی احتیاط برتنی چاہیئے اور زبان میں جو الفاظ اکثر و بیشتر استعمال میں آتے ہوں ان کی پہلے سے ایک باقاعدہ فہرست بنا لینی چاہیئے۔

۲۔ اخبارات اور رسالے

اخباروں اور رسالوں کا خاص مقصد یہ ہے کہ نوسکھیا بالغ رفتہ رفتہ تنقیدی قسم کا اخبار بیں بن جائے۔ اس مقصد کے پیش نظر اخبارات حسب ذیل تین قسم کے ہونے چاہئیں:

(الف) ان بالغوں کے لئے جنھوں نے ابھی حال میں پڑھنا سیکھا ہے۔

(ب) ان بالغوں کے لئے جن کی معلومات کسی قدر ترقی یافتہ ہے۔

(ج) ایک ایسا اخبار جو بالغ کو عام اخبارات اور رسائل پابندی سے پڑھنے کا عادی بنا دے۔

# خواندگی کا مسئلہ اور اس کا حل
# جبل پور نیشنل سیمنار کی روشنی میں

دہلی میں نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کے اہتمام میں خواندگی کے موضوع پر ۱۹ مارچ ۱۹۶۲ء سے ایک سیمنار ہو رہا ہے۔ اس میں سوشل ایجوکیشن سے متعلق تمام صوبوں کے ریاستی افسران اعلیٰ شریک ہیں۔ اس سیمنار سے کچھ اوپر ۱۲ سال پہلے دسمبر ۱۹۵۰ء میں خواندگی ہی کے موضوع پر جبل پور میں انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کا پہلا نیشنل سیمنار منعقد ہوا تھا۔ اس سیمنار میں جو سفارشات مرتب کی گئی تھیں وہ بھی قریب قریب انہی سوالات کی بنیاد پر مرتب کی گئی تھیں جو دہلی کے اس سیمنار میں اٹھائے گئے ہیں۔

اس اعتبار سے ہمارا خیال ہے کہ اس مجوزہ سیمنار میں زیرِ غور سوالات پر بحث کرتے وقت اگر جبل پور کی سفارشات کو سامنے رکھا جائے تو اس سے صحیح نتائج پر پہنچنے میں بڑی مدد ملے گی۔ اس مطالعے میں آسانی پیدا کرنے کے لئے ہم دہلی سیمنار کے سوالات اور ان سے متعلق جبل پور کی سفارشات کو پہلو بہ پہلو مرتب کئے دے رہے ہیں۔

جو سوالات جبل پور کی سفارشات کے احاطے میں نہیں آتے ان میں سے بعض سوالات کے بارے میں اس مضمون کے ایڈیٹر کے اپنے خیالات پیش کر دیئے گئے ہیں۔

——— ایڈیٹر

(اشارہ۔ مضمون میں پہلے دہلی سیمنار کا سوال اٹھایا گیا ہے۔ اس کے بعد اس کے نیچے جبل پور سیمنار کی متعلقہ تجویز اس کے جواب کے طور پر لکھ دی گئی ہے۔ "دہلی سیمنار" سے یہی نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کا سیمنار مراد ہے)

## دہلی سیمینار: ۱۹ اپریل ۱۹۶۲ء کا اجلاس

کیا خواندگی کی اتنی اہمیت ہے کہ اس کے لئے جم کر کوشش کی جائے؟
ملک کی سماجی اور اقتصادی ترقی اور اس کے سیاسی استحکام میں خواندگی کیا کام دے سکتی ہے؟

## جبل پور سیمنار

**الف:** جمہوریت اور خواندگی

۱۔ جمہوریت ایک ایسے سماج میں جہاں عوام کی اکثریت جاہل ہو اور آزادی سے فیصلہ کرنے کی اہلیت نہ رکھتی ہو نہیں پنپ سکتی۔ اس حقیقت کے پیش نظر جہالت کا انسداد اور ناخواندگی کی بیخ کنی تعلیم بالغان یا سماجی تعلیم کے نہایت بامعنی اور ضروری پہلو ہیں۔ اس لئے جہاں تک سرمایہ، کارکنوں کی تعداد اور تنظیمی قابلیت کی مقدار اجازت دے ناخواندگی کو ختم کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کو کام میں لانا چاہیئے۔ تعلیم بالغان کی کوئی اسکیم یا منصوبہ ہو اس میں خواندگی کی اہمیت کو کسی حالت میں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا بلکہ اسے اس کے ایک نہایت اہم اور ضروری پہلو کی حیثیت سے اس میں شامل کرنا چاہیئے اس لئے کہ خواندگی کی بدولت فرد کو اپنی تعلیم کے عمل میں زمانے کے سب سے نتیجہ بخش ذریعے۔ لکھی یا چھپی ہوئی تحریر سے فائدہ اٹھانے کا موقع ہاتھ آتا ہے۔ غرض خواندگی کا کام دیسے سے وسیع تر پیمانے پر کرنا ہوگا تا آنکہ ہندوستان میں ایک شخص بھی ان پڑھ یا ناخواندہ نہ رہ جائے۔

**ب:** خواندگی کے فوائد

۱۔ تعلیم بالغان کا میدان عمل جتنا متنوع ہے اتنا ہی وسیع بھی ہے۔ ایک بیدار اور ترقی پسند ریاست میں ہر شہری کو اس کی ضروریات اور مذاق کے حسب حال تعلیم کے مواقع سے فائدہ اٹھانے کا اس وقت تک حق حاصل ہوتا ہے جب تک اس میں تعلیم حاصل کرنے کی صلاحیت باقی رہتی ہے اور حصول تعلیم کا یہ حق صرف انھی لوگوں کو نہیں ہے جو جاہل اور ناخواندہ ہیں بلکہ ان لوگوں کو بھی حاصل ہوتا ہے جنھیں اسکولوں اور کالجوں کی تعلیم مل چکی ہے۔ کھیتوں میں کام کرنے والے کسان ہوں یا کارخانوں کے مزدور، دوکانوں میں کام کرنے والے لوگ ہوں یا دفتروں میں نوکری کرنے والے کلرک غرض زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو تعلیم کی ضرورت ہے اور یہ تعلیم انھیں ملنی چاہیئے۔ اس تعلیم کا اثر اور نتیجہ صرف یہی نہیں ہوگا کہ وہ اپنا کام زیادہ مستعدی اور محنت سے کرنے کے قابل ہوں گے بلکہ یہ بھی ہوگا کہ انھیں اپنے کام سے مسرت ہوگی۔ قومی کارکردگی اور معاشی پیداواری کا معیار اس وقت تک بلند نہیں ہو سکتا

جب تک لوگوں کو اپنے کام سے لطف اندوز ہونے اور اسے زیادہ جانفشانی سے انجام دینے کا گُر نہیں آئے گا۔ اس تصور کے پیش نظر تعلیم بالغان ایک ہمہ گیر تعلیم ہے جو سب کے لئے ضروری ہے قطع نظر اس سے کہ انھیں اسکولوں کی تعلیم ملی ہو یا نہ ملی ہو۔

## دہلی سیمنار: ۱۹ر اپریل ۱۹۶۲ء کا اجلاس

### خواندگی کے مسائل کا حل کہاں کیا جائے: پرائمری اسکولوں میں یا بالغ اسکولوں میں؟

### ایڈیٹر:

خواندگی کے بارے میں یہ سوال اُس حالت میں پیدا ہوتا ہے جب یہ مان لیا جائے کہ خواندگی تعلیم کی ایک مستقل اور دوامی شاخ ہے۔ ہمارے نزدیک بالغوں کی خواندگی نہ عام تعلیم کی کوئی مستقل اور دوامی شاخ ہے نہ تعلیم بالغان کی۔ یہ ایک عارضی کام ہے جو ناخواندگی کی جڑ کٹ جانے کے بعد ختم ہو جائے گا۔ رہا ناخواندگی کی جڑ کاٹنے کا کام تو اس کے لئے کسی ایک ادارے کو مرکز نہیں بنایا جا سکتا بلکہ اس میں تعلیم کے ساتھ ساتھ سماجی بہبود کے اداروں سے بھی کام لینا چاہیئے؛ اس لئے کہ یہ کام ایک مہم کی شکل میں ہوگا جس کا مقصد "خواندگی پھیلانا نہیں" بلکہ "ناخواندگی کو ختم کرنا" ہوگا۔

ہمارے اس خیال کی تائید جبل پور سیمنار کی سفارشات سے بھی ہوتی ہے۔ جو حسب ذیل ہیں:

### جبل پور سیمنار

### الف۔ خواندگی پھیلانا نہیں ہے، ناخواندگی کا خاتمہ کرنا ہے۔

بالغوں کی خواندگی کے سلسلے میں مختلف ریاستوں میں جو کام ہوا ہے اور غیر سرکاری اداروں نے جو کچھ کوششیں کی ہیں ان کی رپورٹوں کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ اب وہ منزل آگئی ہے جب "ناخواندگی کا خاتمہ" ملک کی سب سے بڑی ضرورت ہو جاتی ہے۔ اس ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے اور اس بات کے پیش نظر کہ ہمارے پاس قوت اور سرمائے کی کمی ہے مگر اس کے باوجود ہمیں عالمگیر خواندگی کی منزل پر جلد از جلد پہنچنا ہے، ہمیں سوچنا ہوگا کہ ہم خواندگی کی مہمیں اُسی طرح پورے علاقے میں پھیلا کر منظم کرتے رہیں یا اسے منتخب علاقوں میں سمیٹ سمیٹ کر منظم کرنا ہوگا تاکہ جس علاقے میں یہ منظم کی جائے وہاں سے ناخواندگی کی جڑ کٹ جائے۔

تجربے نے ہمیں بتایا ہے کہ بغیر کسی تنظیم یا منصوبہ بندی کے ملک بھر میں خواندگی کے درجے کھولنے سے وہ نتائج برآمد نہیں ہوں گے جو سرمایہ اور محنت کی اتنی مقدار صرف کرنے کے بعد برآمد ہونا چاہیئیں اس لئے

ضروری ہے کہ اس مہم کو نتیجہ بخش طور چلانے کے لئے اس طرح کا منصوبہ بنایا جائے کہ ہمارے پاس جو محدود وسائل موجود ہیں ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکے، اور اس سلسلے کی انتظامی دشواریوں کو کم سے کم کیا جا سکے۔

ب۔ اس مہم کا ایک اور فائدہ ـــ دیئے سے دیئے کا جلنا۔

اس مہم کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب ایسے احاطہ بند کسی علاقے میں جم کر کام ہوگا تو اس سے اِدھر اُدھر کے بکھرے ہوئے گاؤں میں جو احاطہ بند علاقے میں نہیں آتے، اپنے اپنے یہاں بھی اس طرح کی مہم چلانے کا شوق پیدا ہوگا۔ چُنے ہوئے احاطہ بند گاؤں کو باہم دوستانہ اور صحت مند مقابلہ کرنے کی دعوت بھی دینا چاہیئے (یعنی یہ کہ ہر گاؤں اس بات میں مقابلہ کرے کہ دیکھیں ناخواندگی کس کے یہاں پہلے ختم ہوتی ہے) ان کوششوں اور مقابلوں کا ایک صحت مند نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ آس پاس کے دوسرے گاؤں میں بھی اپنے پڑوسیوں کی دیکھا دیکھی جوش پیدا ہو جائے گا۔

ج۔ خواندگی کا کام غیر محدود مدت تک جاری نہیں رہے گا۔

اس مرکوز کوشش کے لئے ایک وقت میں ایک ہی علاقہ رکھا جائے۔ مہم کے اس مخصوص رقبے میں خواندگی کا کام غیر محدود مدت تک جاری نہیں رہے گا بلکہ اس وقت تک رہے گا جب تک خرچ کے تخمینے کے مطابق اس رقبے کے ناخواندہ لوگ خواندہ نہ ہو جائیں جس وقت یہ منزل آجائے گی اس کے بعد وہ محدود و مخصوص رقبہ مرکوز کوشش کا رقبہ نہیں ہوگا بلکہ مقامی لیڈروں کی مدد سے وہاں ان نوسکھوں کی مزید تعلیم کے متعلق پروگرام چلیں گے جیسے کتب خانہ، آگے کی تعلیم کی کلاسیں وغیرہ۔

## دہلی سیمینار: ۲۰ اپریل ۱۹۶۲ء کا اجلاس

خواندگی کی کیا اہمیت اور حیثیت ہے؟

### ایڈیٹر

اس سوال کا جواب ۱۹ اپریل کے سیشن کے سوال نمبر ایک کے ذیل میں دیا جا چکا ہے۔

۲۔ کن لوگوں کو پڑھایا جائے؟ اس مہم میں کن لوگوں کو پہلے لیا جائے؟

### جبل پور سیمینار

ناخواندگی کے خاتمے کا مطلب تو اگرچہ یہ ہے کہ زیر مہم علاقے میں ایک شخص بھی ان پڑھ نہ رہ جائے چاہے

اس کی عمر کچھ بھی ہو مگر اس مفہوم کے باوجود فی الحال ۱۴ سے ۴۵ سال تک کے لوگوں تک محدود رکھنا چاہئے لیکن پھر بھی ۴۵ سال سے اوپر کی عمر کا اگر کوئی شخص اپنے شوق سے شامل ہونا چاہے تو اُسے روکنا نہیں چاہئے۔ البتہ ۱۴ سال سے کم عمر کے بچوں کو بالغوں کی کلاسوں میں نہیں آنے دینا چاہئے بشرطیکہ علاقے میں ابتدائی تعلیم کا معقول بندوبست پہلے سے موجود ہو۔ اسی طرح اگر کسی علاقے میں ۱۴ سے ۲۱ سال کی عمر کے لوگوں کی تعداد اتنی ہو کہ ان کی الگ سے ایک جماعت بن جائے تو وہاں بھی اس عمر کے طلبا کو ان سے اونچی عمر کے طلباء کی جماعت میں شامل نہیں کرنا چاہئے۔

۲۔ خواندگی کا کیا معیار ہونا چاہئے؟ کار آمد خواندگی (فنکشنل لٹریسی) کا کیا مفہوم ہے۔

## جبل پور سیمنار

اس سے پہلے "اڈلٹ ایجوکیشن میں خواندگی کا مقام" والے باب میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ محض حروف اور چند سادے الفاظ کا پڑھنا اور لکھنا جان جانے سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ اگر خواندگی کی صلاحیت کو کام کی چیز بنانا ہے تو توجہ اس بات کی طرف ہونی چاہئے کہ ان پڑھ بالغ اپنی مادری زبان میں لکھی ہوئی صاف اور سلیس عبارت کو روانی اور سمجھ کے ساتھ پڑھنا سیکھ جائے یعنی یہ کہ اُسے اتنی صلاحیت ہونی چاہئے کہ وہ کم سے کم پہلی کتاب، اخباروں کی سرخیاں، اور آسان زبان میں صاف صاف لکھی ہوئی عبارت کو سمجھ کر اور روانی کے ساتھ پڑھ لے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اُسے حروفِ صحیح اور حروفِ علت کے جوڑوں کا پورا پورا علم ہو۔ ممکن ہے لکھنے کی صلاحیت کا معیار کسی قدر پست ہو لیکن اتنا تو ہونا چاہئے کہ وہ اپنا نام صاف صاف اور ٹھیک ٹھیک لکھ لے اور وقت پڑنے پر معمولی خطوط یا رقعے لکھ لے بالغ دماغ میں اعداد کا شعور پہلے سے موجود ہو جاتا ہے۔ تعلیم حاصل کرکے اسے اس قابل ہونا چاہئے کہ ایک سے سو تک کی گنتی گن لے، پڑھ لے اور لکھ لے پچاس تک جوڑنا اور گھٹانا سیکھ لے اور معمولی ضرب تقسیم کر سکے۔ اسے معمولی طریقے پر روپے پیسے کا حساب کتاب رکھنا آجائے اور ہزار دس ہزار اور لاکھ کی گنتیوں کو سمجھ سکے۔ اُسے پیسوں اور نوٹوں کی پہچان اور بازار میں رائج ناپ تول کے باٹوں اور روزمرہ کی زندگی میں ان کے حساب کتاب جوڑنے کی جو ضرورت ہوتی ہے ان کا معمولی علم ہونا چاہئے۔

## دہلی سیمنار ۱۲ اپریل ۱۹۶۲ء کا اجلاس

لوگوں کو خواندگی کے لئے کس طرح ابھارا جائے؟ سماجی حرکات (ڈائنامکس) کے اصولوں کا استعمال خواندگی کے

کام کا دائرہ بڑھایا جائے؛ نگرانی؛ تنظیم؛ مقابلے؛ عوام کی شرکت؛ کارکنوں کی حوصلہ افزائی وغیرہ۔

## جبل پور سیمنار

الف۔ تبلیغ اور پروپگنڈا

مہم کی تفصیلات اس لحاظ سے حسب ذیل کاموں کی شکل میں ہو سکتی ہیں:۔

بالغوں میں لکھنا پڑھنا سیکھنے کا جوش و ولولہ پیدا کرنے اور پڑھنے پڑھانے کا ماحول پیدا کرنے کے لئے پوری شدومد سے کام کرنا۔ اس مقصد کو دھیان میں رکھ کر زیر مہم علاقے میں زور و شور سے پروپگنڈا کیا جائے اور اس کے لئے جلوسوں، بھجنوں یا کتھا گانوں، کتھا کلی، لوک گیت وغیرہ سے کام لیا جائے۔ ان کے علاوہ دیواری اخبار، سائن بورڈ، کارٹون وغیرہ بھی آویزاں کئے جا سکتے ہیں اور جہاں کہیں ممکن ہوں اور میسر آ سکیں وہاں پروپگنڈا کرنے والے دستے اور گاڑیاں بھی استعمال کی جا سکتی ہیں۔

ب۔ مقامی اڈلٹ ایجوکیشن کی تنظیم

علاقے کے پڑھے لکھے لوگوں اور مہم سے ہمدردی رکھنے والوں کو بھی جن میں وہاں کے با اثر مرد اور عورتیں بھی شامل ہوں، اس بات کے لئے آمادہ کرنا کہ وہ آپس میں مل کر علاقے کے لئے ایک سوشل (اڈلٹ) ایجوکیشن ایسوسی ایشن بنائیں۔ جب ایسوسی ایشن بن جائے تو اس کی ایک انتظامی کمیٹی بنائی جائے جس میں علاقے کے سب با اثر لوگ اور دیش پریمی شامل ہوں جیسے پنچایت کے پردھان یا گاؤں کے مکھیا، بھجن منڈلیوں کے نمایندے اور دوسرے سماجی کارکن۔

انتظامی کمیٹی کے کام حسب ذیل ہو سکتے ہیں:۔

(۱) پورے علاقے کا سروے کرے اور اپنے یہاں علاقے کی مردم شماری کا ایک رجسٹر رکھے جس میں تازہ ترین معلومات موجود رہیں۔

(۲) مختلف محلوں یا بستیوں میں تعلیمی مرکز قائم کرے جہاں خواندگی کی کلاسیں بھی ہوں۔

(۳) یہی تعلیمی مرکز گاؤں کے کلب اور کمیونٹی سنٹر بھی ہوں گے اور اگر ان کے اپنے گھروں کی کوئی جگہ دستیاب نہ ہو تو اسکولوں کی عمارتوں میں قائم ہوں گے۔

(۴) ہر خواندہ اور پڑھے لکھے شخص سے یہ کمیٹی عہد نامے لکھوائے کہ وہ سال میں کم سے کم ایک ناخواندہ شخص کو خواندہ بنا دے گا۔ کمیٹی کو چاہئے کہ عہد کو پورا کرنے میں عہد کرنے والوں کی بھی مدد کرے۔

(۵) مرکز کو کامیابی کے ساتھ چلانے میں تعلیمی مرکز کے انچارج کی مدد کرے جو اس طرح ہو سکتی ہے کہ بستی کے ان پڑھوں کو خواندگی کے درجے میں داخل کرائے اور انھیں کلاس میں پابندی سے حاضر ہونے کی تاکید کرتی رہے۔

(۶) بستی کے نوجوانوں کی بھرتی کرے اور انھیں اس مہم کو تیزی سے چلانے کی غرض سے پیدل کے طور پر استعمال کرے۔ ان کا پروپیگنڈا دستہ بنائے اور اس سے پروپیگنڈا کا کام لے۔

(۷) بستی میں جو زندہ دل اور کلاکار لوگ ہوں ان کو منظم کر کے بستی میں تفریحی اور تہذیبی پروگرام منعقد کرنے کے لئے تیار کرے۔

(۸) ہر علاقے میں سرکار کی طرف سے قومی ترقی کے کچھ محکمے کام کرتے ہیں کمیٹی ایسا بندوبست کرے کہ ان محکموں کا تعاون اور سہوگ حاصل کیا جا سکے تاکہ اس کے وسیلے سے گاؤں یا بستی کی معاشی حالت بہتر ہو۔

(۹) لٹریسی کلاس میں داخلے کے لئے ان پڑھوں کی تصدیق کرے نوسکھوں کو خواندگی کے امتحان میں شریک کرے اور انھیں سندیں اور انعامات دینے کے لئے پبلک جلسہ منعقد کرے۔

(۱۰) تعلیمی مرکزوں کے لئے کام اور پڑھائی کے اوقات مقرر کرے اور ایک تعطیل نامہ مرتب کرے۔

(۱۱) میلے ٹھیلے اور تہواروں کے موقعوں پر خواندگی کے لئے پروپیگنڈا کرے۔

(۱۲) گھریلو صنعتوں اور دست کاریوں کو ترقی دینے کے لئے صلاح مشورہ حاصل کرنے اور ان کے لئے مظاہرے کرانے کا بندوبست کرے۔

(۱۳) مہم کو خوبی اور کامیابی سے چلانے کی غرض سے سوشل ایجوکیشن فنڈ کے نام سے چندہ اکٹھا کرے اور اس کو خرچ کرے۔

(۱۴) خواندگی کے "دن" اور "ہفتے" منانے کا انتظام کرے۔

(۱۵) "اپنے گھر سے ناخواندگی کی لعنت دور کرو" کا نعرہ لگائے اور اسے کامیاب کرنے کی تدبیریں کرے۔

(۱۶) پورے گاؤں یا بستی کے پڑھ لکھ جانے کے لئے ایک تاریخ مقرر کرے۔ اور اس بات کی ہر ممکن کوشش کرے کہ وہ تاریخ ٹلنے نہ پائے۔

(۱۷) گاؤں یا بستی کے کتب خانے کو لوگوں میں اس قدر مقبول بنائے کہ ہر نوسکھ یا تعلیم یافتہ کے ہاتھ میں

ایک کتاب ہو اور کوئی کتاب ایسی نہ رہے جو ایک نہ ایک بار پڑھی نہ گئی ہو۔

(۱۸) ہر مکان کے سامنے موٹے حرفوں میں صاحب خانہ کے نام کا سائن بورڈ لگائے اور اس مکان کے سامنے کھلی جگہ پر جو گندی یا صاف ستھری چیزیں ہوں ان کے اوپر بھی ان کے نام لکھ کر لگائے (اس سے مقصد یہ ہے کہ اگر گندی چیزیں ہوں گی تو اس مکان کے رہنے والے لحاظ کے مارے انھیں دور کریں گے اور صاف چیزیں ہوں گی تو اُن سے ان کا نام ہوگا اور دوسرے مکان والوں کو بھی شوق ہوگا کہ ان کے مکان کے سامنے بھی اچھی اور صاف چیزوں کے سائن بورڈ لگ جائیں۔)

(۱۹) "اس مکان میں اب کوئی ان پڑھ نہیں رہا" "اس گلی میں اب کوئی ان پڑھ نہیں رہا" "اس گاؤں میں اب کوئی ان پڑھ نہیں رہا" ان الفاظ کے موٹے موٹے حرفوں میں بورڈ بنوا کر رکھ لے اور جہاں جس بورڈ کا موقع ہو آویزاں کر دے۔ اور اس واقعے کا اخباروں میں پروپیگنڈا کرے۔

(۲۰) جن رضا کاروں نے اس مہم میں کارنامے انجام دیئے ہوں ان کے ناموں کا بھی اخباروں میں اشتہار کرے۔

(۲۱) کارنامے انجام دینے والوں کا ایک (آنریہ) بورڈ بنوا کر ایسوسی ایشن کے دفتر میں کسی نمایاں جگہ پر آویزاں کرے اور جن رضا کاروں نے کارنامے انجام دیئے ہوں ان کے نام اس بورڈ پر لکھواتی رہے۔

(۲۲) عام گذر گاہوں اور کھیتوں کھلیانوں پر خواندگی کے چارٹ کے بڑے بڑے پوسٹر لگوائے تاکہ آتے جاتے چلتے پھرتے ان کے اوپر بالغ طالب علموں کی نظر پڑے اور وہ اس طرح اپنا اپنا سبق دہراتے رہیں۔ اس کے علاوہ اس چارٹ کے چھوٹے چھوٹے ایڈیشن چھپوا کر بچوں کے ذریعے گھروں پر تقسیم کرائے تاکہ پڑھنے والے بالغوں کے دماغ ہمہ وقت خواندگی میں مصروف رہیں۔

(۲۳) بالغوں کے پڑھانے کے طریقوں کے جگہ جگہ مظاہرے کرائے تاکہ خواندہ لوگ اس طریقے سے ان پڑھ بالغوں کو پڑھانے کے فن سے واقف ہو جائیں۔

(۲۴) پڑھے لکھے لوگوں کو آمادہ کرے کہ وہ ایک ان پڑھ کو پڑھا دیں اور ان پڑھوں کو اس بات کے لئے تیار کرے کہ وہ اپنے پڑوس کے پڑھے لکھے کسی شخص سے پڑھنا لکھنا سیکھ لیں۔

(۲۵) تعلیمی مرکز کی آرائش کا انتظام کرنا تاکہ بالغوں کے لئے اس میں کشش پیدا ہو۔

(۲۶) مرکز میں اچھی روشنی کا انتظام کرنا۔

(۲۷) خواندگی کے "دن" اور "ہفتے" منانے کا بندوبست کرنا۔

(۲۸) خواندگی کے مرکزوں میں آنے والے بالغوں کو مفت کاپیاں اور پنسلیں فراہم کرنا۔

(۲۹) تفریحی اور تہذیبی پروگرام منعقد کرنا۔

(۳۰) ان کاموں کے علاوہ اور کوئی کام جس کا اس خواندگی کی مہم سے تعلق ہو اور جس کی اس مہم کا افسر اعلیٰ (یعنی سوشل ایجوکیشن افسر) سفارش کرے۔

## دہلی سیمنار: ۲۲ر اپریل ۱۹۶۲ء کا اجلاس

۱۔ جن بالغوں کو خواندہ بنانا مقصود ہے، انھیں خواندگی کے درجوں میں آنے کے لئے اور آکر پابندی سے حاضر رہنے کے لئے کس طرح آمادہ کیا جائے

## ایڈیٹر

اس سوال کا مفصل جواب ۲۱ر اپریل کے سیشن کے سوال کے ذیل میں دیا جا چکا ہے۔

۲۔ خواندگی کی کلاس ہفتے میں کتنے دن منعقد ہو؟ کلاس کہاں اور کس وقت منعقد ہو اور کتنی دیر تک رہے؟

۳۔ کلاس کا پروگرام کیا ہو؟

۴۔ کلاس کی تنظیم کیا ہو۔

۵۔ طریقہ تعلیم کیا ہو؟

## جبل پور سیمنار

(سوال نمبر ۲ کے جواب میں)

لوگوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے اور انھیں سماجی تعلیم دینے کے لئے کتنا وقت دیا جانا چاہیے۔ اس بارے میں کوئی بندھا ٹکا اصول نہیں پیش کیا جا سکتا۔ یہ بات بہت کچھ مخصوص حالات اور ضروریات پر منحصر ہو گی۔ مگر اپنی آسانی کے لئے ہم اپنے سامنے ایک یہ اندازہ رکھ سکتے ہیں کہ نصف وقت پڑھنا لکھنا سکھانے کے کام پر صرف کیا جائے اور نصف وقت سماجی تعلیم کے لئے۔ اس میں عام طور پر پڑھنا لکھنا سکھانے کا کام درمیانی وقت میں ہو۔ یعنی پڑھائی سے پہلے اور بعد کے اوقات میں سماجی تعلیم کا پروگرام چلے۔ کورس کتنی مدت کا ہو اور کتنے سیشنوں میں مشتمل ہو اس کا فیصلہ بھی بہت سوچ سمجھ کر کرنا ہوگا۔

اس میں سب سے زیادہ قابلِ لحاظ بات یہ ہوگی کہ علاقے کی ضرورت اور وہاں کے حالات کیا ہیں کھیتی کسانی کے کام میں مصروفیت اور شدید موسم کے ایام بہر حال پڑھائی کی مدت میں نہیں شامل کئے جانے چاہئیں۔

یہ تو صحیح ہے کہ مدت تعلیم سے متعلق بھی کوئی قطعی فیصلہ کرنا ناممکن ہے جو ہر علاقے پر یکساں طریقے پر لاگو کیا سکے مگر اس کے باوجود تجربہ یہ بتاتا ہے کہ بالغوں کی تعلیم کے لئے کلاس کی مدت چار مہینے سے کم نہیں ہونی چاہئے۔ یہ بات اس لئے بھی ضروری ہے کہ ایک بالغ انسان کے لئے کلاس میں پابندی کے ساتھ آنا ایک خاصا مشکل کام ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ایک ذہین اور محنتی، اُستاد مجوزہ نصاب، کو کم سے کم مدت میں بھی پورا کرا دے۔ مگر مدت تعلیم طے کرنے میں ہمیں عام اُستادوں کی صلاحیتوں، اُن کی کمزوریوں اور مجبوریوں اور اس سارے ذہنی اور مادی ماحول کو بھی مدِ نظر رکھنے کی ضرورت ہوگی جس میں اُستاد اور بالغ طالب علموں کو کام کرنا ہوتا ہے۔ پڑھائی کا وقت روزانہ ایک سے ڈیڑھ گھنٹے تک ہو سکتا ہے اور یہ وقت اُس زمانے میں جب کہ ساری بستی کے لوگوں کو فرصت ہو مزید پڑھایا جا سکتا ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی پہلے سے طے نہیں کی جا سکتی کہ تمام کلاسوں کو ایک مقررہ تاریخ اور وقت میں ہی شروع کیا جائے یہ بات حالانکہ صحیح ہے کہ کسی علاقے میں تمام کلاسیں ایک ساتھ شروع کی جائیں تو اس سے انتظام میں سہولت ہوتی ہے مگر اس کے باوجود اس اصول کی ہمہ وقت پابندی نہیں کی جا سکتی۔ طالب علموں کی ایک قابلِ لحاظ تعداد مل جانے پر یہ کلاس اُسی وقت یا جلد سے جلد جب بھی ممکن ہو شروع کی جا سکتی ہے۔ اس طرح کی کلاسوں سے مختلف مدت کے اعداد و شمار متعلقہ ادارے کے پاس پہنچتے رہنے چاہئیں جس سے کام کی رفتار اور ترقی کا صحیح اندازہ ہوتا رہے اور ان کی نگرانی اور رہنمائی کا مناسب اور معقول انتظام کیا جا سکے۔

جہاں تک مکمل نصابِ تعلیم کو مختلف چھوٹے چھوٹے کورسوں میں تقسیم کرنے کا سوال ہے، اس سلسلے کوئی قطعی رائے اس وقت تک نہیں قائم کی جا سکتی جب تک کہ کچھ علاقوں میں اس پر تجربہ کر کے دیکھ نہ لیا جائے سیمنار نے بہر حال یہ اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ نصاب تعلیم کو مختلف چھوٹے چھوٹے کورسوں میں تقسیم کر دینے سے پڑھائی کے تسلسل میں خلل واقع ہو سکتا ہے اور اس بات کا ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں بالغ ایک مختصر کورس ختم

ہونے کے بعد پڑھنا چھوڑ نہ دیں۔ اس لئے زیادہ بہتر یہی ہوگا کہ ایک مسلسل کورس میں سارا نصاب پڑھا دیا جائے۔

سوال نمبر ۳ کے جواب میں

سیمنار کی رائے میں اڈلٹ ایجوکیشن کے پروگرام کو سماجی تعلیم سے علیحدہ نہیں رکھا جانا چاہیئے یہاں تک کہ لوگوں کو پڑھنا لکھنا اور معمولی حساب کتاب سکھانے میں بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ اس میں ان کی سماجی زندگی سے متعلق مضامین بھی شامل ہو جائیں۔ مثال کے لئے صحت و صفائی کے بنیادی اصول، عام معلومات، شہریت، تاریخ کے اہم واقعات، لوک کہانیاں، ابتدائی جغرافیہ، روزمرہ کی سائنس، امداد باہمی کے اصول اور اس کی اہمیت، زراعت کے ترقی یافتہ طریقے (خاص طور سے دیہی علاقوں میں) اور نئی نئی دست کاریوں اور دھندوں سے متعلق معلومات بھی اس کے ذریعے لوگوں کو دی جا سکے۔ صحت و صفائی کی تعلیم میں (MOTHER CRAFT) اور بچوں کی نگہداشت و بہبود پر خاص توجہ دی جانی چاہیئے مندرجہ بالا مضامین بڑی آسانی کے ساتھ تفریحی سرگرمیوں کے ساتھ مربوط کر کے پڑھائے جا سکتے ہیں۔

اس ضمن میں سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہوگی کہ اچھی درسی کتابیں اور استادوں کی رہنمائی کے لئے ہینڈ بک وغیرہ تیار کی جائیں جن کی مدد سے اُستاد زیادہ موثر طریقے پر پڑھا سکے۔

سوال نمبر ۴ کے جواب میں

موجودہ حالات میں ہم نے بالغوں کی خواندگی کی مہم کے لئے ۱۴ سے ۵۰ سال تک کے لوگوں کو ہی بیاہی عمر کے لحاظ سے اس گروپ کے اندر آنے والے لوگوں کو نفسیاتی نقطۂ نظر سے مختلف گروپوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے لئے، ۱۸ سال سے کم عمر والوں اور ۱۸ سے ۲۰ یا ۲۵ سال کے نوجوانوں کا علیحدہ علیحدہ گروپ بن سکتا ہے اسی طرح سے ۲۵ سے ۳۵ سال والوں کا اور ۳۵ سال سے اوپر کی عمر کے لوگوں کا علیحدہ علیحدہ گروپ بنایا جا سکتا ہے۔ موجودہ حالات میں ہمارے ذرائع اتنے محدود ہیں کہ ہم اتنی تفصیل کے ساتھ یہ تقسیم نہیں کر سکتے ہیں پھر بھی، ۲۰ سال سے اوپر اور ۲۰ سال سے کم عمر کے لوگوں کو دو گروپ میں تقسیم کرنا بہت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ بات بالکل ممکن ہے کہ کچھ خاص حالات میں ۱۸ سال سے کم عمر کا ایک لڑکا اور ۴۰ سال کا ایک بوڑھا آدمی ایک ساتھ بیٹھ کر پڑھنا لکھنا خوشی سے پسند کریں۔ اسی لئے یہ بات زیادہ ضروری ہے کہ اس تقسیم میں لوگوں کی عمر سے زیادہ ان کے مزاج اور انفرادی خصوصیات پر توجہ دی جائے۔

موجودہ صورت حال میں پڑھائی کے مختلف مراحل کے لحاظ سے درجہ وار تقسیم شاید زیادہ مناسب

ہوگی۔ ایک بالغ انسان اپنی مرضی کا مالک ہوتا ہے۔ وہ زبردستی لکھنا پڑھنا نہیں سیکھ سکتا۔ وہ کلاس میں پابندی سے حاضر نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے ضرورت ہوگی کہ اس پر انفرادی توجہ دی جائے۔ اگر پڑھائی کے معیار کے لحاظ سے تقسیم کی جائے تو اس سے اس کام میں بہت مدد لی جا سکتی ہے۔ بالغوں کی ذہنی اور طبعی افتاد سے متعلق بہت سی باتیں پہلے سے معلوم ہیں۔ وہ اکثر احساس کمتری کا شکار ہوتا ہے۔ اسے ہر دم یہ احساس رہتا ہے کہ وہ جاہل اور ناخواندہ ہے اور اب اس کی عمر پڑھنے لکھنے کی نہیں رہی۔ وہ بہت حساس ہوتا ہے۔ اسی لئے ضرورت ہوتی ہے کہ برابر اس کی ہمت افزائی کی جاتی رہے۔ ایک اُستاد کو اپنی کلاس میں ہر وقت ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔

سوال نمبر ۵ کے جواب میں

بچوں کے مقابلے میں بالغ انسان کو زندگی کا تجربہ زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے الفاظ کا خزانہ بہت وسیع ہوتا ہے۔ اُس کی قوتِ استدلال نکھر چکی ہوتی ہے۔ وہ ہر بات کو عملی نقطۂ نظر سے دیکھنے کا عادی ہوتا ہے۔ اس میں کچھ حاصل کرنے کی زبردست بھوک ہوتی ہے وہ ہر کام کی قدر و قیمت کو اس کے ٹھوس نتائج کی شکل میں آنکنا چاہتا ہے وہ اپنی روزی کے لئے دن بھر کام کرتا ہے اور عموماً تھکا ماندہ اور تفکرات سے گھرا ہوتا ہے۔ اسے تفریح اور دل بہلانے کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ ان تمام باتوں میں ایک بالغ انسان بچے سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اسی لئے بالغوں کے درمیان کام کرنے کا طریقہ بچوں کے درمیان کام کرنے سے مختلف ہونا چاہیئے۔

بغیر کسی تیاری کے بالغوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے کی طرف ہم براہِ راست نہیں بڑھ سکتے۔ سینٹر کھولنے سے پہلے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اُستاد کو بستی کے لوگوں کے بارے میں واقفیت ہو۔ یہ کام وہ مختلف طریقوں سے کر سکتا ہے۔ سینٹر کھولنے سے پہلے علاقے کی مردم شماری کرنی ہوتی ہے اور سینٹر کے کاموں کے لئے پروپیگنڈا کرنا ہوتا ہے۔ اُستاد ان موقعوں سے فائدہ اُٹھا کر بستی کے لوگوں سے واقفیت حاصل کر سکتا ہے۔ یہ کام سینٹر شروع ہونے سے پہلے ہی ختم نہیں ہو جاتا ہے بلکہ باقاعدہ کلاسوں کے شروع ہونے پر بھی جاری رہتا ہے۔ اُستاد کو چاہیئے کہ کلاس میں پڑھائی شروع کرنے سے پہلے وہ کچھ وقت اس بات پر صرف کرے کہ اس کے شاگرد اپنے آپ کو لکھنے پڑھنے کے لئے تیار کر سکیں اور اپنی دن بھر کی تکان اور تفکرات کو بھول کر پڑھنے لکھنے میں دل لگا سکیں۔ اس مقصد کے لئے گانے بجانے، بھجن، کیرتن، ہلکے پھلکے تفریحی اور کلچرل پروگراموں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

بالغوں کو پڑھانے کا طریقہ ایسا ہونا چاہیئے جو ان کی زندگی سے مربوط ہو۔ ایک سپاٹ اور بے رنگ طریقۂ تعلیم جو ان کی زندگی اور ان کے مسائل سے میل نہ کھاتا ہو ان کی دلچسپی قائم رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

یہ توصحیح ہے کہ بالغوں کی تعلیم کے طریق کار اور اصول فن فیلڈ میں کام کرنے والے کارکنوں کے تجربات کی بنیاد پر آہستہ آہستہ متعین ہوں گے۔ مگر پھر بھی بالغوں کی تعلیم سے متعلق کچھ عام باتوں کی طرف یہاں اشارہ کیا جاتا ہے۔ اس میں مخصوص حالات، تعلیم کے مقاصد اور افراد کی خصوصیات کے اعتبار سے کچھ فرق ہو سکتا ہے۔

یہ بات عام طور پر دیکھنے میں آتی ہے کہ پڑھنے والے بالغ افراد کلاس میں دیر سے پہنچتے ہیں۔ اُستاد کو چاہیئے کہ وہ صبر کے ساتھ آنے والوں کا انتظار کرے۔ اُسے کچھ تھوڑے سے طالب علموں سے کلاس شروع کر دینی چاہئیے پڑھائی شروع کرنے سے پہلے اگر اُستاد ان سے بے تکلف انداز میں گفتگو کرے اور ان سے تعلقات بڑھائے تو یہ بات ان کے کام میں مددگار ثابت ہوگی۔ شروع میں وہ اُن کی گھر گرہستی کی زندگی اور کام کاج سے متعلق بات چیت کرے۔ بچوں کی خیریت اور صحت معلوم کرے۔ کھیت یا کارخانے میں کام کیسا چل رہا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

سبق کا تعارفی حصہ بالغوں کے اپنے تجربات اور مشاہدات پر مبنی ہونا چاہیئے اس میں حقیقت کا سا رنگ روپ لانے کے لئے جہاں تک ممکن ہو اُسے ان کی زندگی کے گرد و پیش کے ماحول سے مربوط بھی ہونا چاہئیے۔ سبق کے دوران میں بھی اُن کی روزمرہ کی زندگی کی مثالیں پیش کرنا مفید ثابت ہوگا جیسے ارتھمیٹک سکھاتے وقت مقامی بازار کے نرخوں سے مثال پیش کرنا، اسی طرح جغرافیہ پڑھاتے وقت اس گاؤں کی مصنوعات اور شہریت سے متعلق سبق میں گاؤں کے معاملات یا شہر کی زندگی کے کسی واقعے سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ غرض سبق کا تعارفی حصہ اور جہاں تک ممکن ہو سارا کا سارا سبق بالغوں کی زندگی اور ماحول سے براہ راست متعلق ہونا چاہیئے۔

دہلی سیمینار کے ۲۳، ۲۴، ۲۵ اور ۲۶ اپریل کے اجلاسوں کے لئے ورکنگ پیپر میں جو سوالات اٹھائے گئے ہیں، ان کا تعلق بیشتر سوشل ایجوکیشن کے سرکاری محکموں اور اداروں سے ہے۔ جبل پور سیمینار کی سفارشات غالباً یہ فرض کر کے مرتب کی گئی تھیں کہ عوام کی تعلیم کا کام غیر سرکاری طور پر خود عوام کے نمائندے اور ادارے کریں گے اور حکومت اس کام میں بالواسطہ طور پر شرکت کرے گی یعنی ان نمائندوں اور اداروں کو مالی امداد اور دوسرے ذرائع سے سہارا دے گی تاکہ ان کا حوصلہ ٹوٹنے نہ پائے۔ چنانچہ سیمینار کے سامنے سرکاری محکمے اور ادارے نہیں بلکہ عوام کے ہی ادارے اور نمائندے تھے۔ جن کے یہاں کسی کام کے سلسلے میں نظام مراتب (ہیرار کی) کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، انتظام کی نوعیت بھی بیشتر سیدھی سادی اور براہ راست ہوتی ہے۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ جبل پور سیمینار کی سفارشات ان سوالات کا جو مہم کی تنظیم اور انتظام کے معاملے میں

بشیتر سرکاری طرز کے ہیں، احاطہ نہیں کر سکتی تھیں، پھر جبل پور سیمینار سنہ ۱۹۵۱ء میں یعنی اب سے کچھ اوپر بارہ سال پہلے منعقد ہوا تھا، اُس وقت حکومت نے سوشل ایجوکیشن کا پروگرام اپنے انتظام میں ابھی لیا ہی لیا تھا، اس کی ضرورتوں، تقاضوں اور تفصیلات سے وہ واقف نہیں تھی۔ یہ سوالات ۱۲ سال کے اسی تجربی دور کی پیداوار ہیں جو اُس وقت سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کے سامنے نہیں تھے اور اب بھی ان میں سے اکثر ایسے ہیں جن کا کوئی اطمینان بخش حل نہیں نکلا ہے۔ اس اعتبار سے ان سوالات کی بھی بڑی اہمیت ہے اور دہلی سیمینار کا بہت بڑا کارنامہ ہوگا اگر ان کا کوئی عملی اور اطمینان بخش حل سوچ لیا جائے۔

---

(بقیہ صفحہ ۳)

(۱) مزید توسیعی تعلیم کے لئے۔

(۲) صرف لکھنا سکھانے کے لئے۔

(۳) معمولی حساب کتاب کے لئے۔

(۴) مذہبی کتابیں پڑھانے کے لئے۔

وغیرہ وغیرہ، جو کچھ لوگ پڑھنا چاہیں یا سیکھنا چاہیں، اس کا انتظام کیا جائے مگر ان درسی حلقوں کا نصاب بہت مختصر رکھا جائے، مدت تعلیم کم سے کم ہو۔

لٹریسی کی مہم کے بعد درسی حلقوں کی نئی مانگ ہوگی۔ اسی پر تعلیمی مرکز کی تعلیمی خدمات اور تعلیمی ترقی کا انحصار ہے۔

فرینک سی۔ لاباخ

ترجمہ:۔ حسین حسان ندوی جامعی

# اَن پڑھ بالغ کو کیسے پڑھائیں

اگر کوئی ناتربیت یافتہ یا اَن ٹرینڈ اُستاد اس کتاب میں بتائے ہوئے سبق پڑھائے تو لازماً بہترین نتائج حاصل کرے گا۔ البتہ ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ شاگرد ایک ہو یا زیادہ سے زیادہ چار۔ (بچّوں اور بڑوں کی ملی جلی کلاس ہرگز نہ ہو) تعداد اس سے زیادہ ہو تب بھی سبق صرف ایک شاگرد سے پڑھوایا جائے باقی لوگ خاموشی سے سنتے رہیں۔ اس استاد کی حیثیت گویا ٹیوٹر کی ہو۔ ٹیوٹر کو اسی جگہ بیٹھنا چاہیے جہاں شاگرد بیٹھے ہوں۔ ان کے سر پر کھڑا نہ ہونا چاہیے۔ اس کی آواز بھی بہت صاف اور اونچی ہونی چاہیے کہ سب لوگ آسانی سے سُن سکیں لفظوں کے استعمال میں بھی بہت احتیاط برتنی چاہیے۔ بے ضرورت ایک جملہ بھی نہ بولنا چاہیے۔

نارمل اسکول کے ٹرینڈ اُستاد بڑے کلاس کو بھی سنبھال سکتے ہیں لیکن ان کے لئے بہتر صورت یہ ہوگی کہ ایک ہوشیار طالب علم کو چن لیں اور اسی سے سبق پڑھوائیں، درجے کے باقی لوگ خاموشی سے سُنتے اور دیکھتے رہیں۔ پڑھانے کے بعد اُستاد اسی شاگرد سے کہے کہ اس نے ابھی جو کچھ سیکھا ہے وہ اپنے دوسرے ساتھی کو سکھادے۔ بالغوں میں اپنے اوپر اعتماد اور بھروسہ پیدا کرنے کا اور احساس کمتری دور کرنے کا یہ بہت ہی کامیاب اور فوری گُر ہے اگر ایک ٹرینڈ یا تربیت یافتہ اُستاد "سیکھو اور سکھاؤ" (EACH ONE TEACH ONE) کے طریقے پر پڑھائے تو اگر کلاس شاگردوں سے بھرا ہوا ہو تب بھی کوئی حرج نہیں۔

بچّوں کا کوئی اُستاد اگر بڑوں کو پڑھانے کا کام کرتا ہو تو اُسے بالکل نئی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بچّوں کو پڑھاتے پڑھاتے وہ جن جن طریقوں کا عادی ہو گیا ہے ان میں سے بہت سے اُسے چھوڑنا پڑیں گے۔ بلکہ بعض صورتوں میں اس کے برعکس طریقے اختیار کرنے پڑیں گے۔ ان پڑھ بالغوں کے ساتھ اس کا برتاؤ بالکل مختلف ہوگا۔ ان کے ساتھ بہت نرمی اور شائستگی کے ساتھ پیش آنا ہوگا۔ بالکل ایسے جیسے وہ اپنے افسروں سے پیش آتا ہے۔

اس بات کا ذرا بھی احساس کہ اُستاد بالغ شاگرد سے اپنے کو اُونچا اور برتر سمجھتا ہے۔ پڑھائی کے سارے منصوبے کو خاک میں ملا سکتا ہے۔ بالغ بہت زیادہ حساس ہوتا ہے۔ اس میں کمتری کا بھی احساس ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ شیخی بگھارتا ہے اور بڑی بڑی باتیں کرتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ ایسی باتیں احساس کمتری کو چھپانے کے لئے کرتا ہے۔

بالغ ان پڑھ کی ہمت توڑنا یا ہمت شکنی کرنا بہت آسان ہے۔ اگر ہم اس سے ایک یا دو بار "نہیں" کہیں تو کوئی عجب نہیں کہ تیسری بار وہ پڑھنے سے انکار کر دے۔ اس لئے بالغ کو پڑھاتے وقت "نہیں" کا لفظ بھول کر بھی استعمال کرنا چاہیئے۔ یہاں تک کہ جہاں ہمیں "نہیں" کہنا ہے وہاں "ہاں" کہنا چاہیئے۔ چھوٹی موٹی غلطیوں کی طرف تو دھیان بھی نہیں دینا چاہیئے۔ کوئی فاش غلطی ہو تو بالواسطہ طریقے سے اُسے آگاہ کر دینا چاہیے۔ مثلاً ٹوپی کا لفظ وہ غلط ادا کر رہا ہے تو اس سے کہئے کہ "بھئی واہ آج آپ ٹوپی تو بہت بانکی اوڑھ کر آئے ہیں" اور اس طرح تعریف کے پردے میں اسے غلطی کا دھیان دلایئے۔

اپنے شاگرد سے اس طرح پیش آیئے جس طرح بادشاہ سے پیش آتے ہیں۔ بادشاہ کوئی لفظ غلط بول جائے تو آپ اس سے یہ نہ کہیں گے کہ بادشاہ سلامت آپ فلاں لفظ غلط بول گئے۔

بعض بعض اُستاد شاگرد کی ذرا ذرا سی غلطیوں پہ کان لگائے رکھتے ہیں اور شاگرد پر اس طرح جھپٹتے ہیں جس طرح شکرا اپنی نوکیلی چونچ اور خطرناک پنجوں کے ساتھ مرغی کے چوزے پر جھپٹتا ہے۔ درجے کا کمرہ لڑائی کا میدان بن جاتا ہے۔ اور ایک اچھے کام کے لئے باہمی امداد و اشتراک کی جگہ کج بحثی اور "تو، تو، میں، میں" کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ میں نے اپنی عمر میں ایسے تین انتہائی سنگ دل اور سخت بے رحم شکرے دیکھے ہیں۔ یہ ایک اسٹیٹ (ریاستی) ٹیچرس کالج کے اُستاد تھے۔ چالیس برس گزر چکے ہیں مگر اب بھی اُن کا خیال آجاتا ہے تو میں کانپ اٹھتا ہوں۔ بہت سے ہونہار بچے ان کے مظالم کی بدولت بجھ کر رہ جاتے ہیں۔ اس ہیبت ناک پڑھائی سے اُن کا حافظہ ان کی ذہانت، اُن کی عقل سب ماند پڑ جاتی ہے۔

تاہم بچوں کو سخت سزائیں بھگتنے پر بھی اسکول میں پڑھنا ہے۔ ان کے مقابلے میں ان پڑھ بالغ کا معاملہ بالکل دوسرا ہے۔ وہ تو ذرا بھی بدمزہ ہوا تو کلاس چھوڑ کر چل دے گا اور جس سے بھی ملے گا لٹریسی یا بالغوں کی پڑھائی کی مذمت کرے گا۔ وہ تو اپنی پڑھائی کا سلسلہ جبھی جاری رکھے گا جب آپ محبت اور خلوص سے پڑھائیں گے۔ ساتھ ہی اس کی پڑھائی کی رفتار تیزی سے آگے بڑھتی رہے گی۔

دنیا میں ہر انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس میں کوئی خوبی ہو اس کے اندر کوئی جوہر چھپا ہوا ہو۔ چنانچہ آپ اگر کسی ان پڑھ بالغ سے یہ کہیں گے کہ آپ تو سچ مچ بہت ذہین اور ہوشیار ہیں تو وہ ہکا بکا رہ جائے گا اور سر سے پیر تک کانپنے لگے گا۔ میں نے ایسے موقعوں پہ بہت سے لوگوں کی آنکھوں میں آنسو دیکھے ہیں۔ محبت کے آنسو، نئی نئی امیدوں کے آنسو، اُمنگوں کے آنسو۔

## بالغوں سے محبت کیجئے

کسی بالغ کو آپ پسند نہ کرتے ہوں تو اُسے ہرگز نہ پڑھایئے۔ ان پڑھ بالغ کتابیں نہیں پڑھ سکتا لیکن انسانی فطرت کو خوب پڑھ لیتا ہے۔ وہ ایک سکنڈ میں بھانپ لیتا ہے کہ آپ کی مسکراہٹ میں محبت اور خلوص کو دخل ہے یا آپ بناوٹ اور تصنع سے کام لے رہے ہیں۔ آپ ان

لوگوں سے محبت اور ہمدردی کرنا سیکھئے۔ ان کی موجودہ حالت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس بنیاد پر کہ آپ کو ان کی مدد کرنا ہے محبت اور خلوص کے جذبے سے مدد کرنا ہے۔ آپ جو کچھ جانتے ہیں وہ انھیں سکھانے میں مدد کرنا ہے۔ ذاتی طور پر تو میں اپنے شاگردوں کے لیے بہت خواب دیکھا کرتا ہوں۔ سوچتا ہوں کہ اگر اسے موقع ملا ہوتا تو وہ نہ جانے کیا سے کیا بن گیا ہوتا۔ میں چپکے ہی چپکے دل میں دعا کرتا ہوں کہ خداوندا تو اس کی زندگی کی اہم ترین گھڑی لانے میں اور اس کی بھلائی کے لئے تو اس سے جو توقع رکھتا ہے اس کی ابتدا کرنے میں میری مدد کر۔

نہ جانے دلی خلوص کا اثر یا آپکے ہونٹوں کی نرم نرم مسکراہٹ کا اثر بالغ کے دل تک پہنچتا ہے یا نہیں لیکن چاہے کچھ بھی ہو وہ آپ کی تعریف اور آپ کی ہمت افزائی کا اپنی آنکھوں میں نئی چمک اور اپنی آواز میں اعتماد کی ایک نئی لہر کے ساتھ خیر مقدم کرتا ہے وہ اپنے کندھے ہلاتا ہے۔ مارے خوشی کے خوب ہنستا ہے اور یہ خوشی، یہ مسرت، یہ جوش پہلی بار اس کے دل کی گہرائیوں تک پہنچ جاتا ہے۔ یقین جانئے اپنے پاس بیٹھے ہوئے سینکڑوں ان پڑھ بالغوں کی بیداری کو محسوس کر کے میں اپنے دل کو ٹٹولتا ہوں تو مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میری خوشی اور مسرت کا یہی سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان پڑھوں کو پڑھانا پڑھے لکھوں کا فرض ہے۔ میرے نزدیک تو یہ زندگی کی بہترین مسرتوں کا ذریعہ ہے۔

اس طرح کی رضاکارانہ خدمت کی مہم کی ایک دلکش شکل وہ خوشگوار تجربہ ہے جو لوگ دوسروں کو سکھا کر بلکہ (سکھاتے وقت) خود سیکھنے سے حاصل کرتے ہیں۔ ہم جس قدر زیادہ سے زیادہ لوگوں کو رضاکارانہ طور پر ایک دوسرے کی مدد کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ اسی قدر ہم صحیح معنوں میں مقدس انسانی سماج کے زیادہ قریب پہنچتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں دنیا میں خالی تقریروں اور وعظوں سے کام نہیں چلتا اسی لئے لوگوں کو ہم برادرانہ اور پر خلوص امدادی تحریکوں میں شامل ہونے کی ترغیب دیتے ہیں نہ صرف ترغیب دیتے ہیں بلکہ شامل ہونے میں ان کی مدد کرتے ہیں، مثلاً سیکھو اور سکھاؤ (EACH ONE TEACHONE) کی تحریک یا امداد باہمی کی تحریکیں ہیں۔ ان تحریکوں میں شامل ہو کر وہ عملی طور پر آپس میں محبت کرنا سیکھتے ہیں۔ "عمل سے سیکھنا" یا "کر کے سیکھنا" موجودہ یا جدید طرز تعلیم کا بنیادی اصول ہے۔

ایک غلطی جو بہت سے استاد کرتے ہیں وہ پوائنٹر کے بجائے انگلیوں کا غلط استعمال ہے۔ استاد کی انگلی صحیح لفظ کی تلاش میں گھبراہٹ کے ساتھ اِدھر اُدھر نہیں گھومنی چاہیئے۔ اس لئے کہ شاگرد کی نگاہیں بھی استاد کی انگلی کے ساتھ ساتھ چاروں طرف گھومتی ہیں اور الجھن میں پڑ جاتی ہیں۔ آپ پہلے اپنے طور پر طے کر لیجئے کہ شاگرد کی نگاہ کو کس طرف پھیرنا چاہتے ہیں۔ اور پھر اپنی انگلی دھیرے دھیرے گھمائیے تاکہ نگاہیں آسانی سے آپ کی انگلی کا تعاقب یا پیچھا کر سکیں آپ کی انگلی جس خوش اسلوبی سے مڑے گی اتنا ہی اچھا ہوگا۔

بعض استادوں کے تو دونوں ہاتھ باندھ دیئے جائیں تو وہ بہت اچھا پڑھا ئیں گے یہ حضرات تو اس تاک میں رہتے ہیں کہ پڑھانے میں جونہی موقع ملے اپنی والی لمبی انگلیاں گھمانا شروع کر دیں۔ ان کے نزدیک اچھی تعلیم کا مطلب ہی یہ ثابت کرنا ہے کہ شاگرد کے مقابلے میں

وہ کتنے ذہین، تیز اور ہوشیار ہیں۔ مگر یہ بات بالکل غلط ہے۔ جیسی تو بالغ شاگرد کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ بہت ذہین اور ہوشیار ہے اپنی برتری نہیں جتاتا ہے۔

## بہت زیادہ لفظوں کا استعمال وقت ضائع کرتا ہے

ایک اور غلطی کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ شاگرد ایک لفظ کہہ چکے تو اُسے دُہرائیے نہیں۔ مثلاً اُس نے پھُول کا لفظ ٹھیک ادا کیا تو پھر آپ اِس لفظ کو دُہرائیں نہیں اس سے سرپرستانہ انداز کا شبہہ ہوتا ہے اور ان پڑھ بالغ میں اس سے بے دلی پیدا ہو سکتی ہے، پھر وقت بھی ضائع ہوتا ہے۔ قریب قریب ہر اُستاد اس مشورے کی خلاف ورزی کرتا ہے اور اس کی اہمیت کو محسوس نہیں کرتا۔ آپ اپنے کسی ساتھی سے کہئے کہ جب آپ شاگرد کے کہے ہوئے لفظ کو طوطے کی طرح دہرانے لگیں تو وہ ٹوک دے۔ آپ کی یہ عادت چھوٹ گئی تو آپ دیکھیں گے کہ آپ کی پڑھائی کی رفتار زیادہ تیز اور زیادہ خوشگوار ہو جائے گی۔

ایک لفظ، ایک لمحہ، یا ایک سکنڈ بھی ضائع نہ کیجئے۔ بالغوں کی پڑھائی میں پہلے پندرہ منٹ بہت قیمتی ہوتے ہیں۔ سبق جتنی تیزی سے پڑھایا جائے اتنا ہی بہتر ہو گا۔ یہاں تک کہ سبق ختم ہوتے وقت بالغ یہ محسوس کرے کہ ارے ابھی تو یہ شروع ہی ہوا ہے۔ اور پھر اُس وقت وہ یہ کہتا ہوا اٹھے گا کہ "واہ بھئی یہ تو بہت ہی آسان بات ہے"۔ آپ اس وقت اُسے کیا جواب دیں گے؟ آپ کہیں گے: "ہاں بھئی یہ بس آپ کے لئے آسان ہے۔ اس لئے کہ آپ اس قدر ہوشیار اس قدر ذہین ہیں"۔

سبق پڑھانے سے پہلے (شاگرد کو ترغیب دینے کے لئے) تقریر کی خواہش کو دبایئے اگر آپ ایک منٹ بھی ٹھیک طریقے پر صرف کریں گے تو ہر بالغ طالب علم میں پڑھنے لکھنے کی خواہش پیدا ہو گی۔ اس کا دماغ اور باتوں کی وجہ سے پریشان ہو تو دوسری بات ہے ورنہ کتاب کی تصویروں کی دلکشی اور پڑھائی کی رفتار کی تیزی اس کے شوق کو نہ صرف برقرار رکھے گی بلکہ آگے بڑھائے گی دماغی تھکن محسوس کرنے سے پہلے اور سبق ختم کرنے کی خواہش سے پہلے ہی اس کا سبق ختم ہو جائے گا۔

بچوں کے کچھ اُستاد بار بار کی مشق تکرار یا ڈرِل کو بہت اہمیت دیتے ہیں مگر یہ ناپسندیدہ چیز ہے بعض وقت تکلیف دہ بھی۔ ڈرِل کا مطلب ہے ایک حلقے میں چکر پہ چکر لگانا۔ یہ جلد اکتا دینے والی چیز ہے جیسے کوئی ڈاکٹر آپ کے خراب دانت میں دوا بھرنے کے بجائے اس میں سوراخ کرے اور اس عمل کو دیر تک جاری رکھے۔ ہمارے اسباق میں ڈرِل نہیں ہے نہ ایک حلقے کے گرد بار بار گھومنا ہے نہ درد ہے نہ تکلیف ہے۔ ہاں ریویو ہے تبصرہ ہے۔ اپنی رائے کا اظہار ہے مگر یہ بھی صبر و تحمل کے ساتھ اور محبت کی فضا میں کرنا ہے اُستاد کو اِس بات پر اصرار نہ کرنا چاہیئے کہ دوسرا چارٹ یا دوسرا صفحہ شروع کرنے سے پہلے سابقہ چارٹ یا صفحے کی تمام جزئیات تمام تفصیلات معلوم ہوں۔

ان پڑھ بالغوں میں قدرتاً یہ خواہش ہوتی ہے کہ اُن کے قدم برابر آگے بڑھتے رہیں یہ ترقی جس قدر جلد ہو گی اتنا ہی اچھا ہو گا بالغ تھوڑے سے عرصے میں۔ اور کم سے کم محنت اور کوشش سے زیادہ سے زیادہ کامیابی حاصل کریں گے تو اُن میں جو شگفتگی اور امنگ پیدا ہو گی وہ انھیں دوسرے سبق کا شوق دلائے گی۔

طالب علم سے یہ سوال نہ کیجئے کہ وہ پہلے سے کیا جانتا ہے۔ دوسری طرف جو باتیں آپکے خیال میں وہ نہیں جانتا اُن کے بارے میں بھی سوال کر کے اسے گرفت میں لانے کی کوشش نہ کیجئے۔ اگر آپ کو ان باتوں کی جانچ کرنا ہے جن کے بارے میں آپ کو یقین ہو کہ طالب علم جانتا ہے تو جانچ اس طرح کیجئے کہ اُسے اپنے اوپر اور اعتماد بڑھے۔ ایک لمحے کے لئے بھی اُسے یہ سوچنے کا موقع نہ دیجئے کہ وہ فیل ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ ہر ناکامی کا احساس اُسے مایوسی اور ناکامی کی دلدل میں پھنسا دے گا جس سے آپ اُسے کھینچ کر نکالنا چاہتے ہیں۔

طالب کے کے ذہنی طور پر اٹکنے پر اُسے بتانے میں عجلت سے کام نہ لیجئے۔ ایسے موقعوں پر اس کے دماغ میں کوئی الجھن نہ پیدا ہونے دیجئے۔ طالب علم کچھ بھول گیا ہے تو نہ بھنویں تانئے۔ نہ آواز اونچی کیجئے، نہ ناپسندیدگی کا انداز اختیار کیجئے۔ بلکہ بہت دھیمی آواز اور نرم لہجے میں اس کی اصلاح کر دیجئے۔ اس سے اس طرح کا کوئی سوال نہ کیجئے کہ "کیوں صاحب آپ بھول کیوں گئے"؟

ایک سوال کو دو دو بار نہ پوچھئے۔ طالب علم کو جواب دینے کی جلدی ہو تو فوراً سوال پوچھ لیجئے۔ کوئی ایسی بات نہ کیجئے کہ طالب علم ایک لمحے کے لئے بھی شرمندگی، بے چینی یا بے آرامی محسوس کرے۔ یہ مسئلہ خوش اخلاقی اور سوجھ بوجھ سے بخوبی حل ہو سکتا ہے۔

ہزاروں تجربوں کے بعد یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ ایک بچّے کو پڑھانے میں جتنی مدّت درکار ہوتی ہے، بالغ اس مدت کے پانچویں حصّے میں سیکھ جاتا ہے۔ وجہ ظاہر ہے۔ بالغ بچّے کے مقابلے میں بے شمار الفاظ جانتا ہے۔ اسے تو بس یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ ان جانے بوجھے لفظوں کی شکل کیا ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں ایک عام بچّہ شروع شروع میں بہت کم الفاظ جانتا ہے اور دھیرے دھیرے اپنے ذخیرۂ الفاظ کو بڑھاتا ہے۔

یہ ممکن ہے کہ بچّے کے مقابلے میں بالغ کا حافظہ کمزور ہو لیکن اس میں عقل اور سوجھ بوجھ بچّے سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ اگر پڑھائی میں اور سبق میں ایسی باتیں زیادہ ہوں جن کا تعلق عقل اور سوجھ بوجھ سے زیادہ اور حافظے سے کم ہو تو بہت سے ان پڑھ بالغوں کی ترقی حیرت انگیز ہوتی ہے

شاگرد جمائیاں لینے لگیں تو سبق فوراً بند کر دیجئے اور اس سے لکھنے کے لئے کہئے۔ اگر وہ تھک گیا ہو تو اُسے پڑھانے کی کوشش بے فائدہ ہو گی۔ یہ صورت بار بار پیش آتی ہے تو سمجھ لیجئے کہ سبق دلچسپ نہیں ہے۔ اس کا بھی امکان ہے کہ اُستاد نے ضرورت سے زیادہ باتیں کی ہیں۔

بالغوں کی پڑھائی میں ساٹھ فی صدی کامیابی کا دار و مدار استاد کے عادات و اطوار اس کی اسپرٹ اس کے جذبے پر ہے۔ اور جب جذبے اور اسپرٹ کی اتنی اہمیت ہے تو استاد اگر تھکا ہوا ہو تو اُسے ہرگز نہ پڑھانا چاہئے۔ تھکے ہوئے آدمی میں ایک طرح کی بیزاری

اور اکتاہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ چاق و چوبند ہو کر چند گھنٹے بلکہ ایک ہی گھنٹہ پڑھانا تھکن کے احساس کے ساتھ کئی گھنٹے پڑھانے سے بہتر ہے۔

## ڈائرکٹر کی شخصیت

یہ بات خاص طور پر ضروری ہے کہ کسی مہم کا ڈائرکٹر اور نگراں لوگوں میں بھروسے اور اعتماد کی روح پیدا کرے مگر خود اس کے لئے بھی چند دن ایسے ہوں گے جو بُرے دن ہوں گے خراب دن ہوں گے۔ اگر وہ باہر سے بہت دیر کے بعد آیا ہو، سر میں درد ہو، پیٹ کی کوئی تکلیف ہو تو بہتر ہے کہ وہ روپوش ہو جائے، چھپ جائے اور خوب چاق چوبند ہونے کے بعد ہی گھر سے نکلے۔ ڈائرکٹر کی شخصیت کا، اُس کے آداب و اخلاق کا رضاکارانہ خدمت کرنے والے اُستادوں پر بہت اثر پڑتا ہے۔ وہ ان کے لئے گویا ایک مثال ایک نمونہ ہوتا ہے۔ اس لئے ڈائرکٹر کے انتخاب میں زیادہ سے زیادہ احتیاط برتی جائے۔ اُسے بڑے دل کا آدمی ہونا چاہیئے۔ ساتھ ہی جس جگہ وہ مہم چلانے والا ہو اس کے مزاج میں وہاں کی خوش اخلاقی اور رہنے بولنے کا طریقہ رچا ہوا ہونا چاہیئے۔ بالغوں کی تعلیم کی مہم میں تین چیزیں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ (۱) مضبوط عقیدہ یا محکم یقین (۲) امید (۳) اور محبت۔ ان تینوں میں محبت کی اہمیت سب سے زیادہ ہے یہ ناکام ہو گئی تو یوں سمجھئے کہ ہر چیز ناکام ہو گئی۔

سوہن سنگھ

# ناخواندگی کا تاوان

۱۹۷۱ء میں ہم نے اپنی مردم شماری کی تھی اور اپنے جیدا دصا کا جائزہ لیا تھا معلوم ہوا کہ ہمارا ایک وصف جو ہمارے منہ پر طمانچے لگاتا ہے یہ ہے کہ ہم ہندوستانیوں کے یہاں ناخواندگی کی افراط ہے. تھوڑی دیر کے لئے تو شرم سے ہماری گردنیں جھک گئیں ـــ اس لئے نہیں کہ ہمارا قومی امتیاز ناخواندگی ہے بلکہ اس لئے کہ گذشتہ دس سال میں جب کہ ہم نے مائیک مائل بہ ترقی قوم کی ایک تصویر خود بنائی تھی، اس میدان میں کچھ بہت زیادہ نہ کر سکے۔

مگر شرمندگی کے اس احساس سے ہم نے جلد ہی نجات بھی حاصل کر لی اور خیالات کے "چند روشن پہلوؤں" نے آکر ہمارے آنسو پونچھ دیئے. اس معاملے میں ہمیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہم نے سوچنا شروع کیا۔ آخر کیا سال کے سال ہم خوشحال سے خوشحال تر نہیں ہوتے جا رہے ہیں؟ یہی اصل چیز ہے! پہلے پنج سالہ پلان میں ہماری "اڑان" کی منزل آ کر رہے گی اور پھر جلد ہی ہم اپنا ناخواندگی کا ناپاک چولا اتار پھینکیں گے جیسے سانپ اپنی عمر کی ایک منزل طے کرنے کے بعد کینچلی ڈال دیتا ہے. پھر آج کی خوش حال قوموں نے بھی تو ایسا ہی کیا ہے۔ اور "اڑان" کے اپنے اس بھولے عقیدے پر قائم رہنے کا ہم نے ثبوت یہ دیا کہ تیسرے پنج سالہ پلان میں سوشل ایجوکیشن کی مد پر ڈیولپمنٹ کے کل بجٹ کا ۴ر۱ فی صدی سرمایہ منظور کیا حالانکہ دوسرے پنج سالہ پلان میں یہ اوسط ۹ر۱ فی صدی تھا۔

ہم میں سے کچھ لوگ مخمصے میں پڑ گئے. سوچنے لگے ایک یہ ملک ہے جس نے جمہوریت سے اپنا رشتہ جوڑا ہے. تعلیم آمریت پسند سماج کے مقابلے میں جمہوریت پسند سماج کے لئے زیادہ ضروری ہوتی ہے مگر اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ آمری نظام تو اپنے عوام سے ناخواندگی کے داغ کو دھو پھینکنے پر اس قدر آمادہ ہے اور ہماری اپنی جمہوریت اس کی طرف سے اس قدر بے فکر اور بے خبر!

لیکن ایسا ہے کیوں؟ جمہوری سماج میں اتنا ہی کافی نہیں ہوتا کہ اپنی رائے سے اختلاف کرنے والوں کے اختلاف پر صبر کیا جائے بلکہ یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ ان کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگ ناخواندگی کے اتنے زبردست مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے؟

ان لوگوں کا نقطۂ نظر کچھ اس طرح کا ہے:

(۱) ناخواندگی کو دور کرنے کا خرچ اتنا بڑا خرچ ہے کہ ہم اسے برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ روپوں میں اس خرچ کا حساب لگائیے تو پتہ چلے گا کہ اگر ہم ایک شخص کو خواندہ بنانے کا خرچ دس ہی روپیہ مان لیں جو بہت کفایت شعارانہ خرچ ہے تب بھی ۲۰ کروڑ ناخواندہ اشخاص کو خواندہ بنانے پر اتنا زبردست سرمایہ لگانا پڑے گا کہ اس کے تصور ہی سے خواندگی کے گرم مزاج سے گرم مزاج حامی کا جوش ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اس سے تو اچھا یہ ہوگا کہ اس رقم کو فولاد کے کسی کارخانے یا کسی باندھ کے اوپر لگایا جائے کسی شخص کو خواندہ بنانے کا مطلب اس کے دماغ میں "خوابوں اور خیالات" کی ایک دنیا پیدا کر دینا ہے' اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارا ملک جس کا پیٹ غریبی اور افلاس سے گلے تک بھرا ہوا ہے' اس میں جتنے آدمی خواندہ ہوں گے، اتنے ہی مایوس القلب افراد کا اور اضافہ ہو جائے گا۔ ہمیں ایسے راستے پر دوڑ لگانے سے پرہیز کرنا چاہئے جو ہمیں سماجی بے چینی کے جہنم میں لے جا کر جھونک دے۔

(۲) اور پھر خواندگی ہے بھی کس کام کی چیز! پہلی بات تو یہ ہے کہ ایسے کتنے لوگ ہیں جو اپنی خواندگی سے کام لیتے ہیں؟ دس فی صدی سے بھی کم! اور اس دس فی صدی میں جو اس سے کام لیتے بھی ہیں ایسے کتنے ہیں جنھیں اس استعمال سے کچھ حاصل ہوتا ہے؟ ان کی خواندگی انھیں اپنی جماعت سے اس سے زیادہ وابستہ اور متحد تو نہیں کرتی جتنے وہ پہلے سے ہیں۔ پھر تعلیم انسان کو نسبتاً زیادہ خود سر اور سرکش بنا دیتی ہے۔ صرف خواندگی انسان کو معاشی ارتقا کے راستے پر نہیں ڈالتی۔

(۳) واقعہ یہ ہے کہ اس وقت ہمیں جس چیز پر توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ معاشی ترقی ہے۔ اپنی قوتِ پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے ہمارے مزدوروں اور کسانوں کو خواندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ انھیں اپنے کام اور پیشے کے سلسلے میں نئی نئی معلومات کی ضرورت ہے اور اسی کے ساتھ نئے طرزِ فکر اور نئے طرزِ عمل کی بھی۔ لیکن انھیں یہ نئی معلومات اور نیا طرزِ فکر سماعی و بصری آلاتِ تعلیم اور اطلاعاتِ عامہ کے دوسرے وسائل سے نسبتاً زیادہ　　داموں سکھایا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ قومی دولت کے اوپر خرچ کا جو بار ہوتا ہے' خواندگی کی بدولت اس میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ ناخواندہ شخص کے مقابلے میں خواندہ انسان کو قابو میں رکھنا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ ناخواندہ آدمی تھوڑے میں بھی قناعت کر لیتا ہے۔ اس اعتبار سے خواندگی جتنی زیادہ ہوگی اسی قدر قومی بچت میں کمی واقع ہوگی اور اسی حساب سے ہماری معاشی ترقی کی رفتار سست ہوگی۔

میرا خیال ہے کہ خواندگی کی مخالفت میں خاص خاص دلائل یہی ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ ان دلائل کے پیچھے کس قدر [illegible] کارفرما ہے اور وہ انسانی وقار کے احترام کے جذبے سے کس قدر عاری ہیں! لیکن ہم اگر ایسا کہیں تو خواندگی کے مخالفین ہمیں اس کے جواب میں شاید یہ کہیں کہ انسانی وقار کے لئے احترام کا جذبہ رکھنا بجائے خود شیخی خوری ہے اس لئے کہ اس قسم کے جذبات دولت مند اور متمول سماجوں کو زیب دیتے ہیں۔ اچھا خیر، معاشی ترقی سے تو ہمیں بھی گہرا لگاؤ ہے اس لئے کہ یہ ایسی چیز ہے جس [illegible]

ہو ہی نہیں سکتیں۔ اس لئے ہمارے پاس اس کے سوا دوسرا راستہ نہیں ہے کہ خواندگی کے مخالفوں کو انہیں کی بولی میں جواب دیا جائے۔ یعنی یہ ثابت کیا جائے کہ خواندگی پر لگا ہوا روپیہ ایک نہایت محفوظ اور نفع بخش سرمایہ ہے۔

## تاریخ کی شہادت

خواندگی اور قومی یا شخصی آمدنی کا رشتۂ یگانگت (قطع نظر اس کے کہ ملک کے مادی وسائل کیا ہیں) اب ایک مانی ہوئی حقیقت ہے جسے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، اور یہ رشتہ کوئی انیسویں یا بیسویں صدی کی نئی دریافت نہیں ہے بلکہ یہ حقیقت تاریخ کے تمام ادوار میں اپنے آپ کو ظاہر کرتی رہی ہے۔ دریاؤں کی وادیوں کی تہذیبیں — یعنی مصر، سمیر اور وادیٔ سندھ کی تہذیبوں نے سب سے پہلے انسان کو معاشی ترقی کے راستے پر ڈالا تھا، اور یہی وہ تہذیبیں بھی تھیں جن کے یہاں خواندگی نے پہلی بار اپنا جلوہ دکھایا۔ چوتھی صدی کے ایتھنز میں مصر کی بہ نسبت زیادہ بڑے پیمانے پر خواندگی موجود تھی اور ایتھنز کے باشندے مصری فرعونوں کی رعایا کے مقابلے میں زیادہ خوشحال تھے۔ یونان میں جتنی شہری ریاستیں تھیں، ان میں ایتھنز سب سے زیادہ خوشحال ہی نہیں، سب سے زیادہ خواندہ بھی تھا اور سب سے زیادہ جمہوریت پسند بھی۔ عیسوی سال کی ابتدا اور اس کے آس پاس کے زمانے میں شہر اسکندریہ بھی اسی قدر خوشحال تھا جتنا ایتھنز اپنے زمانے میں تھا اور ؎ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اسکندریہ کے متوسط طبقے کے ۶۰ فی صدی مرد اور ۴۰ فی صدی عورتیں یونانی زبان لکھتی تھیں اور خود اسکندریہ کے باشندے جو خاصی بڑی تعداد میں تھے، اور صرف مصری زبان لکھتے تھے وہ ان کے علاوہ تھے۔

رالیس۔ ص ۵۱۴) جدید یورپ اور امریکہ کے اندر خواندگی اور قومی دولت میں جو شانہ بہ شانہ ترقی ہوئی، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ سچ پوچھئے تو اس معاملے میں یورپ کی کہانی بڑی سبق آموز کہانی ہے۔ پرتگال اور اسپین اور اسپین سے زیادہ پرتگال خواندگی میں یورپ کے دوسرے ملکوں سے پیچھے ہیں اور اسی طرح دولت مندی میں بھی اُن کا یورپ کے دوسرے ملکوں سے کوئی مقابلہ نہیں ہے اس سے بھی زیادہ دلچسپ اٹلی کا واقعہ ہے اور وہ یہ کہ ایک ہی ملک میں ایک حصہ یعنی شمالی اٹلی جنوبی اٹلی سے زیادہ خواندہ اور زیادہ خوشحال ہے۔

غرض خواندگی اور قومی دولت کا رشتۂ یگانگت ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے لیکن خواندگی کے مخالفین اس کے باوجود اطمینان اور خوشی کی زندگی گزار سکتے ہیں، اس لئے کہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ خواندگی اور قومی دولت کے اس رشتۂ یگانگت کے معنی یہ بھی تو ہو سکتے ہیں کہ جوں جوں ملک خوشحال ہوتا جائے گا، اُسی حساب سے وہ خواندہ بھی ہوتا جائے گا۔ لہٰذا اب ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ ملک خوشحال اُسی وقت ہوتا ہے جب وہ خواندہ ہو لیتا ہے یعنی یہ جتلانا ہے کہ خواندگی اور قومی دولت کے اِس رشتۂ یگانگت میں خواندگی کی حیثیت قومی دولت کی علت ہے اور اس اعتبار سے اُسے ترجیح اوّل حاصل ہے۔

اس معاملے میں تاریخ کی شہادت صاف اور شک و شبہے سے پاک ہے۔ آیئے چند واقعات کی روشنی میں اس کا مطالعہ کریں۔

## برطانیہ، جرمنی اور امریکہ

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ برطانیہ کو انیسویں صدی میں امریکہ اور یورپ کی دوسری قوموں کے اوپر سبقت حاصل ہو گئی تھی۔ لیکن اسی صدی کے وسط میں جرمنی اور امریکہ نہ صرف اس کے دوش بہ دوش آ گئے بلکہ اس سے آگے بھی نکل گئے۔ "جو حقیقتیں اس صورتِ حال کا سبب بنی تھیں ان کی تعداد بہت ہے اور ان میں سے سب کا ایک دوسرے سے تعلق تھا۔ ان حقیقتوں سے قطع نظر کر کے صرف ان باتوں کو لیا جائے جو "خالصتہً" اس صورت حال کا باعث ثابت ہوئیں تو ان سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ترقی کی اس جنگ میں جو بات فیصلہ کن ثابت ہوئی وہ یہ تھی کہ جرمنی اور امریکہ نے اپنے تعلیمی نظام کو اپنی قومی تعمیر کی کوششوں میں سب سے پہلی اور سب سے اونچی جگہ دی اور برطانیہ اس وقت اپنے عوام کی ابتدائی تعلیم کے معاملے میں ان سے پیچھے رہا۔ اگرچہ اعلیٰ تعلیم کے ادارے جو آبادی کے صرف چند لوگوں کے لئے تھے انھیں سب سے اونچا مرتبہ حاصل تھا۔ (اے۔ ص۔ ۲۸) ۱۸۵۰ء میں جس وقت برطانیہ میں ناخواندگی کا اوسط ۵۰ فی صدی تھا، اس وقت جرمنی ناخواندگی کے داغ کو قریب قریب دھو چکا تھا۔ جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے، نارٹن کے بقول "انیسویں صدی کے نصف اول میں امریکہ میں عالمگیر تعلیم کا اصول نہ صرف تسلیم کر لیا گیا تھا بلکہ اس کے اوپر کافی حد تک عمل بھی شروع ہو گیا تھا۔" نارٹن آگے چل کر کہتا ہے "راسٹاؤ کے ایک تجزیئے کے مطابق امریکہ میں معاشی "اڑان" کا زمانہ ۱۸۴۳ء اور ۱۸۶۰ء کا درمیانی زمانہ تھا۔ اس دور کے شروع ہونے سے پہلے ۱۸۱۲ء سے لے کر ۱۸۴۰ء تک کا دور وہ دور تھا جب امریکہ میں تعلیمی ترقی کی تحریک فیصلہ کن حد تک زور پکڑ گئی تھی۔" (این۔ ص۔ ۱۵)

## ڈنمارک

۱۰ر جنوری ۱۹۶۲ء کو دلی کے سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن میں مسٹر ہرڈل نے اس موضوع پر اپنے عالمانہ خطاب میں ڈنمارک کی ترقی سے متعلق جو قیمتی معلومات بہم پہنچائیں اور جس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں ـــــ وہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ انیسویں صدی کے وسط میں، مسٹر ہرڈل کا بیان ہے کہ ڈنمارک ایک "معمولی سا زراعتی ملک" تھا۔ اس وقت وہ ابھی جاگیردارانہ نظام کی قید سے آزاد ہی ہوا تھا کہ وہ امریکہ، روس اور دوسرے ملکوں کے مقابلہ کی وجہ سے "تباہی کے منہ" میں

پہنچ گیا تھا۔ مگر وہ بہر حال ان کے مقابلے پر ڈٹا رہا اور کامیاب ہوا۔ اس نے اپنی زراعت کو سہکار کے اصولوں کے مطابق منظم کیا اور اپنی زمین کے "بانجھ پن اور موسم کی سرد مہری" کے باوجود اس ذرا سے ملک نے اتنی کامیابی حاصل کر لی کہ زمانۂ جنگ کے اعداد کے مطابق) دنیا کی منڈی میں جتنا گوشت آتا ہے اس کا نصف، جتنا مکھن آتا ہے اس کا ۳۰ فی صدی اور جتنا انڈا آتا ہے اس کا ۲۰ فی صدی اس کے یہاں سے سپلائی ہونے لگا۔

یہ معجزہ کس طرح ظہور میں آیا؟ سہکار اور سائنسی معلومات کے استعمال کی بدولت! لیکن ان دونوں میں سے ایک بات بھی ممکن نہ ہوتی اگر ڈنمارک کے کاشت کار ناخواندہ ہوتے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے کاشت کار سہکار کے فوائد وانعامات کے معاملے میں کس قدر ٹھس واقع ہوئے ہیں۔ ڈنمارک کے کاشت کاروں کا یہ ٹھس پن تعلیم کے جادو سے توڑ دیا گیا تھا۔ اس کے یہاں ۱۸۱۴ء ہی میں ایک شاہی فرمان کے ذریعے "ابتدائی تعلیم تمام بچوں کے لئے لازمی قرار دے دی گئی تھی اور گاؤں گاؤں اور محلے محلے میں سرکاری اسکول قائم کر دیئے گئے تھے، اور یہی نہیں اس فرمان میں یہ بھی تاکید تھی کہ اگر کوئی سرپرست اپنے بچے کو اسکول میں پڑھنے کے لئے نہ بھیجے تو اس کے اوپر جرمانہ کر دیا جائے۔" (اے۔ ص۔ ۲۸) یہ واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جب ڈنمارک کی "اٹھان" کا دور شروع ہونے میں ابھی تیس چالیس سال باقی تھے۔

## جاپان

جاپان کا قصہ سب پر روشن ہے۔ انیسویں صدی کے وسط کے بعد ہی مغرب کی قوموں کے ہاتھوں وہ تباہ و برباد ہو گیا تھا جس کا سبب خود اس کی اپنی غفلت اور گوشہ نشینی تھی۔ اس موقعے پر اس کے عقل مند حکمرانوں نے پہلا کام جو کیا وہ تھا عام اور ٹیکنیکل تعلیم کے ایک نظام کی تعمیر جو عالمگیر خواندگی کی مضبوط بنیاد پر اٹھائی گئی تھی۔ ایک ممتاز مصنف کا بیان ہے کہ "یہ چیز جاپان کی صنعتی ترقی کے لئے بنیاد کا حکم رکھتی ہے۔ قوم کو جتنا گرانقدر منافع اس سے حاصل ہوا ہے اتنا ریاست کی کسی اور کوشش سے حاصل نہیں ہوا۔" ایک دوسرا مصنف لکھتا ہے ـــــ اور اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اس نے ہمارے اوپر فقرہ چست کیا ہے۔ کہ "جاپان نے فولاد کی ملوں سے اپنی قومی تعمیر کی بسم اللہ نہیں کی؛ بلکہ اپنی معاشی ترقی کے لئے عام تعلیم کے ایک ملک گیر نظام کو بنیاد بنایا تھا۔" (ایچ۔ ص۔ ۱۷۰)

## روس

روسی انقلاب کے لیڈروں نے بھی برسر اقتدار آنے کے بعد یہی کچھ کیا۔ سچ پوچھئے تو روس کی مثال تعلیم کی تاریخ میں سب سے

زیادہ سبق آموز مثال ہے اور جمہوریت میں جن لوگوں کا ایمان پہاڑ کی طرح مضبوط و مستحکم ہے، انھوں نے بھی گلا پھاڑ پھاڑ کر اس کی تعریف کی ہے بسنہ ۱۹۲۶ء میں روس میں ناخواندگی کا اوسط ۴۳ء ۴۳ فی صدی تھا لیکن دس ہی سال کے اندر اندر خواندگی کے اس مردم خور بھوت کی کمر ہمیشہ کے لئے توڑ دی گئی۔ اس مثال کے بارے میں یہ بڑی آسانی سے کہا جا سکتا ہے اور اکثر و بیشتر کہا بھی جاتا ہے کہ یہ کام روسی ہی کر سکتے تھے اس لئے کہ ان کا نظام حکومت اشتراکی تھا۔ کوئی جمہوری ملک اپنے عوام کو اس طرح کی قربانی کرنے اور ایسے مصائب بھوگنے کے لئے مجبور نہیں کر سکتا۔ ایسا تو بس اشتراکی نظام ہی کر سکتا ہے "میں یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ روسیوں نے جو کچھ کیا وہ جمہوریت کے منافی تھا، یہ میرے خیال میں ایک عذر لنگ ہے جو ہم نے اپنی کاہلی یا حماقت کے جواز کے لئے گھڑ لیا ہے۔ روسیوں نے عوام کو خواندہ بنانے کی مہم میں کوئی ناشائستہ یا جمہوریت کش طرزِ عمل اختیار نہیں کیا تھا۔ جن لوگوں نے خواندگی کی روسی مہم کی تاریخ پڑھی ہے، وہ جانتے ہیں کہ یہ ایک عوامی تحریک تھی جس نے عوام کے اندر جوش و خروش کا طوفان برپا کر دیا تھا۔ جہاں تک اُن کا تعلق ہے وہ تو لاکھوں کی تعداد میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے ہی تھے، خود انقلابی حکمراں آبادی کے دوسرے طبقے کے پرجوش اشتراک و تعاون سے ناخواندگی کے اوپر فتح حاصل کرنے میں عوام کے جوش اور ولولے کو برابر تیز کرتے رہے تھے اور "مالی" مصلحتوں کو عوام کے جوش و خروش کی اس آگ پر پانی ڈالنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

## جرمنی اور جاپان کی مثال کا اعادہ

اپنے کیس کی حمایت میں میں جرمنی اور جاپان کی مثال ایک مرتبہ اور دہراؤں گا۔ ان ملکوں کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ دوسری جنگ عظیم میں ہار گئے تھے جنگ کے اختتام پر ان کی جو حالت ہو گئی تھی، اس کے پیش نظر ان کی دلداری کرنا ہے۔ ورنہ اصلیت یہ ہے کہ بمبار جہازوں اور ایٹم بموں کی بدولت اس کی معیشت کی دھجیاں اُڑ گئی تھیں اور اس کی حالت پر رحم آنے لگا تھا مگر اس کے باوجود وہ اپنی شکست کے بعد دس سال کے اندر اندر نہ صرف یہ کہ اپنے پیروں پر پھر کھڑے ہو گئے بلکہ اپنے معاشی ابھار کا وہ معجزہ کر دکھایا کہ پوری دنیا عش عش کرنے لگی اور بعض ممالک ان سے حسد کرنے لگے۔ دنیا کی کوئی قوم خواندگی کے بغیر یہ معجزہ کر دکھانے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔

غرض ہم پورے بھروسے کے ساتھ ہوریس مان کی اس آواز سے آواز ملا کر کہہ سکتے ہیں ــــ جو اس نے اس وقت کہا تھا جب امریکہ ابھی اپنی "اڑان" کے دور میں داخل بھی نہیں ہوا تھا ــــ کہ "تعلیم کو طاقتوں اور امکانات کی شکل میں بھی اسی طرح بھنایا جا سکتا ہے جس طرح طاقت اور نیکی کی شکل میں!"

# خواندگی: معاشی ترقی کی شرطِ اوّل

اگر کوئی چاہے تو اس بات کا سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ خواندگی کو معاشی ترقی کے باب میں اتنی زبردست اہمیت کیوں حاصل ہے۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ معاشی ترقی کے لئے جس علم اور مہارت کی ضرورت ہے اُسے حاصل کرنے کے لئے خواندگی بنیادی شرط کا درجہ رکھتی ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ریڈیو اور فلم کی شکل میں ہمارے ہاتھ ایسے آلات و وسائل لگ گئے ہیں کہ ان کے بل پر ہم ناخواندگی کی رکاوٹ سے بے پروا ہو کر آگے کو بڑھ سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اطلاعات عامّہ کے اِن وسائل پر ہمیں جو بھروسہ پیدا ہو گیا ہے، وہ اگر ابھی تک نہیں ٹوٹا ہے، تو اب اُسے ٹوٹ جانا چاہئے۔ یہ سماعی بصری وسائل ہمیں ان حقائق اور معلومات کا پابند بنا دیتے ہیں جن کا تعلق حواس (دیکھنے، سننے، چھونے، سونگھنے اور چکھنے کی قوتوں) سے ہوتا ہے حالانکہ نئے طریقے اور ڈھنگ اختیار کرنے کے لئے ضرورت ہوتی ہے کہ حواس کی قیدوں کو توڑ کر انسان "خیالات اور تصوّرات" کی دنیا میں قدم رکھے جو خود اپنے دماغ کی بسائی ہوئی ہوتی ہے۔ انسان نے اپنے ہم جنسوں کو حواس کے طفیل میں ملی ہوئی معلومات کی قید سے آزاد کرنے اور خیالات و تصوّرات کی دنیا میں پرواز کرنے کی غرض سے جو ایجادیں کی ہیں ان میں سے فنِ تحریر جتنی موثر اور کارگر ایجاد ہے اتنی اور کوئی ایجاد نہیں ہے۔

دوسری بات، معاشی ترقی کا انحصار اس بات پر بھی ہوتا ہے کہ اس کے لئے کوئی محرّک موجود ہو یا یوں کہئے مزاج تحریک پذیر ہو جائے۔ مزاج کی یہ تحریک پذیری خواندگی کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایسی مثالیں بھی ہیں جن میں خواندگی موجود ہوتی ہے مگر پھر بھی معاشی ترقی کے لئے تحریک دلانے والی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ لیکن ان مثالوں کے باب میں خواندگی "موجود ہوتی ہے" کے بجائے خواندگی "موجود تھی" کہنا زیادہ صحیح ہوگا اس لئے کہ ماضی میں تو ایسا ممکن ہو سکتا تھا مگر آج کی دنیا میں خواندگی اور ترقی کی تحریک دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

خواندگی اور پیدا آوری کے درمیان جو رشتہ ہے، اس کے بارے میں کوئی ایسی تحقیق نہیں ملتی جس میں مسئلہ زیرِ تحقیق کے باریک سے باریک پہلو کو نظر میں رکھا گیا ہو لیکن جتنی کچھ شہادت ملتی ہے اُس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خواندہ کسان یا مزدور اپنے ناخواندہ بھائی کے مقابلے میں معاشی اعتبار سے پیدا آوری کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہے خواہ دوسرے معاملات میں دونوں برابر ہوں۔

یہ بات عورتوں کے معاملے میں بھی یکساں طور پر صادق آتی ہے۔ خواندگی جس طرح مردوں کے معاملے میں سرمایہ لگانے کے ہم معنی ہے اسی طرح عورتوں کے معاملے میں بھی ہے۔ ہمارے یہاں جو "بچوں کی کھیتی" زوروں پر ہے، اس پر ہمیں جتنی بھی تشویش ہو بجا ہے اور ہمارے اوپر بات [illegible] الزام نہیں لگے گا۔ اگر ہم یہ کہیں کہ ہماری اولاد کشی کی صلاحیت ہماری [illegible] میں کمی ہے۔ [illegible]

ہمارے اوپر ماتم کرے گی اگر ہم یہ سمجھ لیں کہ ہماری ناخواندہ عورتیں اتنی تعداد میں فیملی پلاننگ کی عادی ہو جائیں گی کہ اس سے ہماری شرح پیدائش میں قابلِ ذکر کمی واقع ہو جائے گی۔ اس موضوع پر پورٹوریکو میں ۱۹۱۶ء میں ایک جائزہ لیا گیا تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتیں جتنی ہی پڑھی لکھی ہوں گی اسی مقدار میں بچوں کی شرح پیدائش کم ہو گی۔ وہاں جو مائیں تعلیم سے بے بہرہ تھیں ان کے یہاں زندہ بچوں کا اوسط ۱۰۶ تھا۔ ان کے مقابلے میں جو عورتیں ہائی اسکول یا اس سے اوپر کی تعلیم پائے ہوئے تھیں ان کے یہاں یہ اوسط صرف ۲ء۴ تھا اور جوں جوں تعلیم کی مقدار گھٹتی گئی اولاد کا یہ اوسط اوپر کو بڑھتا گیا۔ (ای۔ ص۔ ۱۰۳) جھریا اور رانی گنج کی کوئلے کی کانوں میں کام کرنے والی خواندہ اور ناخواندہ عورتوں کا فرق میں نے خود بھی دیکھا ہے۔ ناخواندہ عورتیں حمل اور وضعِ حمل کی مصیبتوں سے بالکل نہیں گھبراتیں۔ ان کے مقابلے میں خواندہ عورتیں ہیں جو اس کے تصور ہی سے کانپ اٹھتی ہیں ــــ اور ان کا یہ خوف اور لرزہ ملک کے لئے شگونِ نیک بھی ہے۔

کیا معاشیات کے کسی عالم نے کبھی یہ موازنہ کیا ہے کہ آیا وہ رقم زیادہ ہے جو سرپرستوں کو اپنے غیر مطلوب بچوں کی پرورش پر خرچ کرنی پڑتی ہے یا وہ جو ماؤں کی تعلیم پر خرچ ہو سکتی ہے؟

## خواندگی اور جمہوریت کا رشتہ

آیئے اب یہ دیکھیں کہ خواندگی کے اوپر لگایا ہوا سرمایہ ہمارے جمہوری سماج کے لئے کتنا نفع بخش ہے۔ کچھ لوگ ہیں جو جمہوریت کی حمایت میں بڑا جوش دکھاتے ہیں یا اس وجہ سے ہے کہ ان کو جمہوریت اور ان کی اپنی خوشحالی کے درمیان کوئی فرق نظر نہیں آتا بنی نوع کی اس ذات کی رائے میں تعلیم اور عالمگیر خواندگی کو ملتوی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ہر ملک میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کا پختہ ایمان ہے کہ انسانی روح کی بالیدگی کے لئے جمہوریت جو راہیں کھولتی ہے وہ کسی آمریت پسند سماج سے ممکن نہیں ہے۔ ان مفکرین میں کسی اور معاملے میں اتنا اتحادِ خیال نہیں ملتا جتنا اس معاملے میں کہ عالمگیر خواندگی جمہوریت کے لئے ایک مستحکم بنیاد بن سکتی ہے۔ جیفرسن کا یہ قول ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا ہے کہ "اگر کوئی قوم یہ امید کرتی ہے کہ وہ جاہل رہ کر بھی مہذب دنیا میں آزاد رہ سکتی ہے تو وہ ایک ایسی شے کی امید کر رہی ہے جس کا نہ ماضی میں کبھی وجود تھا نہ مستقبل میں ہو سکتا ہے۔"

لیکن آیئے تاریخ کے آئینے میں بھی اس حقیقت کو دیکھ لیں۔ ہم نے یہ تو دیکھ لیا کہ امریکہ نے کس طرح اپنی قوم کے تمام بچوں کے لئے اسکول کھولنے میں پہل کی تھی۔ مگر اس کوشش میں ایسا نہیں تھا کہ اُسے مخالفت کا مقابلہ نہ کرنا پڑا ہو۔ عالمگیر خواندگی کے حامیوں کو اس مخالفت کے اوپر فتح کہیں جا کر ۱۸۲۰ء کے بعد حاصل ہوئی! جب کہ امریکہ میں عالمگیر رائے دہندگی کا اصول نافذ تھا۔ امریکہ کے چالاک زمینداروں نے بھانپ لیا تھا کہ سیاسی امن و سکون اور خواندگی کے درمیان کیا رشتہ ہوتا ہے۔ امریکہ کی

بیسویں صدی کی جن ہڑتالوں میں غم و غصے کی انتہا نہیں رہتی، وہ، وہ ہڑتالیں ہوتی ہیں جو ناخواندگی کے خلاف منظم کی جاتی ہیں۔ (رایس۔ ص۔ ۵۲۲)

انگلینڈ میں بھی اگرچہ عوام کی عالمگیر تعلیم کے لئے انسان دوست طبقہ ایک مدت سے شور مچاتا رہا تھا لیکن ناخواندگی کے انسداد کی تحریک میں تیزی کہیں ۱۸۳۹ء کے بعد آپائی، جب وہاں مزدوروں کے چند نکاتی حقوق کے سلسلے میں فسادات ہوئے تھے یہاں عالمگیر تعلیم کی مخالفت امریکہ کی بہ نسبت زیادہ شدید تھی۔ اور جس دلیل نے اس مخالفت پر عالمگیر خواندگی کے حق میں آخری بار اور ہمیشہ کے لئے فتح پائی وہ یہ تھی کہ "اگر مزدور طبقے کو اپنے غم و غصے پہ قابو رکھنا سکھانا ہے، تو اس کا بہترین وسیلہ خواندگی ہے۔" (رایس۔ ص۔ ۵۱۸)

اسی سلسلے میں ہیلن سُلیوان لکھتی ہے "خواندگی کے انیسویں صدی کے حامیوں نے اس کی تائید میں جو باتیں کہی تھیں، وہ ان دلائل کی روشنی میں جو انھوں نے اپنے نظریوں کے لئے پیش کئے تھے، خواہ کتنی ہی بے سروپا معلوم ہوں لیکن ان کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ سرے سے غلط تھیں رائے قائم کرنے میں جلد بازی کرنا ہے۔ زمانۂ حال میں جو دو بڑے انقلابات واقع ہوئے ہیں، وہ ایسے ملکوں میں ہوئے ہیں جہاں ناخواندگی کا اوسط بہت بھاری تھا اور وہاں کی انقلابی حکومتوں نے ناخواندگی کے انسداد کی جو تحریکیں چلائیں وہ غالباً اسی بنا پر تھا کہ وہ فنِ تحریر کے معاملے میں انسان کے فطری رجحان سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ فن تحریر کی واقفیت اُسے چاہے روایات پرستی کی طرف لے جائے یا جدّت پسندی کی طرف، بہرحال انسان کی فطری خواہش ہوتی ہے۔" (رایس۔ ص۔ ۵۲۳)

ہم خود اپنے ملک میں ہجوموں کے غم و غصے کے ہیبت ناک مناظر دیکھ چکے ہیں، جو آئے دن ہمارے سماج کے نام نہاد سکون میں خلل انداز ہوتا رہتا ہے۔ جبل پور اور علی گڈھ کے فسادات ابھی کل کی باتیں ہیں۔ فسادات علامتیں ہیں اس بیماری کی جسے جہالت کہتے ہیں اور اس کا سبب ہے ناخواندگی۔ واضح رہے کہ یو۔ پی اور مدھیہ پردیش وہ علاقے ہیں جہاں، ناخواندگی کا اوسط سب سے اونچا ہے۔

ابھی حال کی بات ہے کہ ہمارے پڑوسی ملک یکے بعد دیگرے ڈکٹیٹروں کے پنجے میں پھنستے چلے جا رہے ہیں۔ اس وقت تک ن کو چھوڑ کر — جہاں عجیب بات ہے کہ خواندگی کا اوسط اُس منطقے کے دوسرے ملکوں کے مقابلے میں سب سے نیچا ہے، مگر پھر بھی آمریت کا غلبہ نہیں ہو پایا — باقی ہمارے پڑوس کے تمام ملکوں کے اوپر ڈکٹیٹرشپ کے سیاہ بادل منڈلا رہے ہیں۔ اُدھر ایک طرف تو یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور اِدھر ہم ہیں کہ بجائے اس کے کہ اپنی تاریخ کی رحم دلی کا شکر ادا کرتے۔ اس خوش فہمی میں گم ہیں کہ ہمارے یہاں ایسا حادثہ واقع نہیں ہوگا۔ مگر یہ ایک فریب ہے۔ جو افتاد دوسری کے اُس پار کے لوگوں پر جو کل تک ہمارے اپنے بھائی بند تھے پڑ سکتی ہے وہ ہمارے اوپر بھی پڑ سکتی تھی اگر ہمیں ہماری خوش قسمتی سے وہ کرشمہ ساز لیڈر شپ نہ میسر ہوتی جو آمریت کی دشمن ہے۔ اس لیڈر

کے بارے میں یہ خوش فہمی کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہمارے سروں پر سایہ فگن رہے گی، ایسی حماقت ہے جس پر افسوس کے بجائے رحم آتا ہے۔ اور اس لیڈر شپ کی موجودگی میں بھی اگر ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ صحیح جمہوریت جس کا نام ہے، وہ ملک میں کہیں مشکل ہی سے دیکھنے میں آئے گی اس لئے کہ جمہوریت نام ہے اس کا کہ قوم کے معاملات میں زیادہ سے زیادہ لوگ شرکت کریں، اور شرکت کریں علم اور معلومات کی بنیاد پر نہ کہ افواہوں اور گپ بازی کی بنیاد پر! ہمارے حکمراں طبقے جن کے دلوں میں خواندگی کے لئے کوئی لگن نہیں ہے اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ وہ لاکھوں جاہل اور ان پڑھ انسانوں کے جوالا مکھی کے منہ پر بیٹھے ہوئے ہیں جو کسی وقت بھی بھڑک سکتا ہے۔

جمہوری سماج کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ قومی دولت معدودے چند آدمیوں کے ہاتھوں میں مجتمع نہیں ہونے پاتی۔ اس اعتبار سے بھی ہمارے سماج میں جمہوریت کا وہ رنگ نہیں ہے جو ہمارے سیاسی اداروں کے استحکام کے نتیجے کے طور پر ہونا چاہئے تھا۔ اس ڈرامے میں بھی رقیب (ولیین) کا پارٹ یہی ناخواندگی ادا کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی دیکھئے، دولت کی غیر مساوی تقسیم اور ناخواندگی دونوں ایک دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈالے نظر آئیں گی۔ متحدہ اقوام کی مجلس نے دنیا کے سماجی اعداد و شمار مرتب کرنے کے لئے جو کمیشن مقرر کیا تھا، اس کی ابتدائی رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ چار ممالک سیلون، ایل سالویڈر، پورٹوریکو، اور اٹلی ایسے ہیں جن کے یہاں ۱۹۵۰ء کے آس پاس کے زمانے میں ملک کی مجموعی آمدنی کا ایک تہائی سے زیادہ حصہ ملک کے سب سے دولت مند طبقے کی جیب میں جاتا تھا جو کل آبادی کے صرف دسویں حصے پر مشتمل تھا۔ ان کے مقابلے میں پانچ ملکوں کنیڈا، ڈنمارک، سویڈن، برطانیہ اور امریکہ کا جائزہ یہ بتاتا ہے کہ آبادی کے اس دسویں حصے کی جیب میں ۔۔ جسے سب سے دولت مند نہیں، صرف اونچے طبقے کے لوگ کہا جاتا ہے ۔۔ ملک کی کل آمدنی کا ایک تہائی سے بھی کم حصہ آتا تھا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اول الذکر چار ملکوں میں آخر الذکر پانچ ملکوں کے مقابلے میں ناخواندگی کی شرح بہت زیادہ اونچی ہے۔ اس کے علاوہ اونچی شرح خواندگی والے ملکوں مثلاً امریکہ اور برطانیہ میں عام رجحان یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ قومی دولت کا بڑا حصہ اونچے طبقوں کی جیب میں نہ جانے پائے حالانکہ اس سے پہلے ایک زمانے میں یہ رجحان نسبتاً بہت کمزور تھا۔ (ریو۔ ص۔ ۱۷۵)

ابھی اس بحث میں کہ خواندگی پر لگا ہوا روپیہ ایک محفوظ اور نفع بخش سرمایہ ہے میں نے "تعلیم" اور "خواندگی" کو مترادف الفاظ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اسی طرح میں نے بچوں اور بالغوں کی خواندگی کو ایک دوسرے سے الگ کر کے بیان نہیں کیا ہے۔ یہ میں نے اس وجہ سے کیا ہے کہ اوّل تو خواندگی وہ بنیاد ہے جس کے بغیر نظام تعلیم کی بالائی تعمیر ممکن ہی نہیں ہے اور دوسرے اس کے کوئی معنی نہیں ہیں کہ کوئی خواندگی کی صلاحیت حاصل کرنے کے بعد ہی ٹھپ ہو کر رہ جائے اور جدید علم و ٹکنالوجی کو ہضم کرنے کی غرض سے اُسے استعمال کرنے کے لئے آگے نہ بڑھے جب کہ جدید علم اور ٹکنالوجی کی ہمیں آج سب سے زیادہ

ضرورت ہے۔ جہاں تک اڈلٹ ایجوکیشن اور پرائمری ایجوکیشن کے مقابلے کا تعلق ہے تو میں پھر کہوں گا کہ یہ فرق مصلحت اندیشی کے اوپر منحصر ہے۔ بچوں کی تعلیم بہرحال قابلِ قدر چیز ہے اس لئے کہ آخر یہی بچے جب آگے چل کر بالغوں کا کردار ادا کریں گے تو ان کے دم سے اُن کا اپنا اور ملک کا بھلا ہوگا۔ اب سوال لے دے کے صرف اتنا رہ جاتا ہے کہ آیا ہم اُس وقت کا انتظار کریں جب اسکولوں کے ذریعے عالمگیر خواندگی کی منزل آئے گی یا ساتھ ہی ساتھ بالغوں کو بھی لینا ہوگا جن کے ہاتھوں میں اِس وقت ملک کا کاروبار ہے اور جو اگر اپنی صلاحیتِ خواندگی کا فوراً کے فوراً استعمال کریں تو اُس سے ہمارے سماج کا رنگ بہت جلد نکھر سکتا ہے۔ اگر کوئی ہمارے اِس احساسِ عجلت میں ہمارا ساتھ دیتا ہے۔ اگر کوئی ہمارے اس نظریئے کا حامی ہے کہ ہم جو اپنی ناعاقبت اندیشی اور ڈرپوک پن کی وجہ سے خواندگی کے اوپر سرمایہ لگانے سے پہلو بچا رہے ہیں تو اس سے صرف قوم کا بہت بڑا نقصان ہی نہیں ہو رہا ہے بلکہ اس کی دولت کی باڑھ بھی رک گئی ہے، اگر کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ خواندگی کے بغیر ہماری جمہوریت ایک حسین فریب ہے، تو وہ اس بات سے بھی اتفاق کرے گا کہ ناخواندگی کے خلاف مورچہ جمانے کا ایک کارگر نقطہ وہ مقام بھی ہے جہاں ناخواندہ بالغ کے ہاتھ میں زندگی کا کوئی نہ کوئی کاروبار ہے اور وہ اسے تہس نہس کئے دے رہا ہے۔

## حوالے


A. MYRDAL: THE ROLE OF TEACHER IN ECONOMIC DEVELOPMENT. ۱

B. BUCHANAN: APPROACHES TO ECONOMIC DEVELOPMENT. ۲

H. HANSEN: ECONOMIC ISSUES OF 1960 ۳

N. NORTON: EDUCATION AND ECONOMIC DEVELOPMENT. ۴

S. SULLIVAN (HELEN): LITERACY AND ILLITERACY ۵

U. UNESCO: WORLD ILLITERACY IN MID-CENTURY ۶

شری شانگ رام تیھک

# خواندگی میں مربوط طریقہ تعلیم کا استعمال

پچھلے ۴۰ سال کی زندگی کا تجربہ جو میں نے تعلیم اور بنیادی تعلیم کے میدان میں حاصل کیا ہے اُن نتائج پر میں پہنچا ہوں جو تحقیق میں نے کی ہے اور جو ایک بہت بڑی امید اور امکان میرے سامنے پیدا ہوا ہے' اس کی ایک جھلک آپنے پچھلے شمارے میں دیکھی' پڑھی' اس پر غور کرنے کی زحمت اٹھائی۔ چیز نئی بھی ہے' بڑی بھی' بہت کوشش کرنے پر ہی اس کی شکل نکل سکے گی' اس لئے اس کے لئے چار طرف سے "چوطرفہ" کوشش کر رہے ہیں (۱) عملی مظاہرہ جگہ جگہ پر (۲) مراسلاتی کورس کے ذریعہ' اس کا پورا علم' یہ کریسانڈس کورس سبھی زبانوں میں اور سبھی معیار کے لوگوں کے لئے ہوں گے (۳) ملک کے بڑے آدمیوں' حکومت کے لوگوں' پلاننگ کمیشن کے لوگوں سے اس پر بات چیت' تاکہ وہ سب لوگ اس میں دلچسپی لیں۔ سوچیں' سہولتیں دیں' منصوبہ بنے' کام ہو اور (۴) اس موقر جریدے میں بالغوں کی تعلیم اور خواندگی کی عملی شکل پر اور "سمگرنئی شکشا" میں نئی تعلیم کے اسکولی پہلو پر عملی اور اصولی بحث ہو۔

"ہم" سے مراد ہے مرحوم بابا راگھوداس جی کی قائم کی ہوئی اور ان کی یادگار اور ان کا مشن یعنی "آل انڈیا ماسل بچوکیشن سوسائٹی۔ گونڈہ یوپی اور (۲) باباجی کی طرح یہ ادارہ بھی سارا کام خود نہ کر کے سبھی اداروں کی مدد سے چلے گا۔ ہم کو اپریٹیو فارمنگ' اور' پولنگ آف لینڈ' ٹمک کی بات کرتے ہیں' اگر پہلے ہمارے اداروں کی پولنگ ہو!

شانگ رام تیھک

جو ایک امنگ اور حوصلہ' اعتماد اور سوجھ بوجھ میں نے حاصل کر لی ہے' تعلیم' سماجی تعلیم اور ناخواندگی کے خاتمے کے سوالوں کو بہت آسانی سے حل کر پانے کے واسطے: اُسے اب میں جلدی سے جلدی کسی بھی دو ایک ضلعے کے دو ایک سماجی تعلیم اور خواندگی کا دم بھرنے والے ضلعے کے کارکنوں یا افسروں کے دل میں سمو دینا چاہتا ہوں۔ یہ ہوگا ہمارا عمل نمبر ۱

● ۔ ان دنوں میں اسی عمل نمبر ۱ کی عملی شکل دینے کی تیاری کر رہا ہوں۔ جو یہ مضامین کا سلسلہ میں نے شروع کیا ہے سماجی تعلیم کے اس رسالے میں اور نئی تعلیم کے رسالے "سمگرنئی شکشا" میں' وہ اسی عمل نمبر ۱ کا پہلا قدم ہے۔ ہزاروں نے پڑھا ہوگا' چرچا ہوا' ہنسی ہوئی

خوشی ہوئی۔ سوالات آئے، خطوط آئے، کہاں ملا جائے! ضرور کچھ کیا جائے، یہاں تک بھی بات پہنچی۔

● - اب انہی مضمونوں کی کاپیاں لے کر کچھ سوچ و سمجھ صاحبِ فکر و عمل دوستوں کو چھیڑا ہے۔ اگھوری کی طرح دِلّی میں دھونی رما کر آ بیٹھا ہوں۔ سب طرح کے چھوٹے بڑوں میں اس اپنے خیال (سوجھ، اصول) کو سمجھا پانے کی تلاش میں۔

یہ ہوا، دوسرا قدم، عمل میں آیا۔

● - جس کرشمے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر میرے دل میں یہ حوصلہ پیدا ہوا ہے، وہی کرشمہ کسی جگہ ممکن کر سکوں اور وہاں آپ سب کو اور آپ سب کے ذریعہ اور تمام لوگوں کو بلا پاؤں، اور اسی کرشمے کی ایک اچھی خاصی جھلک آپ سب دیکھیں، ٹھونک بجا کر پرکھیں، سوالات کی بوچھار ہو، اور سوالات کی ایک ریل پیل مچ جائے۔

● - بلکہ سچ پوچھئے تو میں اپنی طبیعت کے مطابق اس کی تیاری میں بھی جی جان سے لگ پڑا ہوں۔ نیا کام، نئی راہ، ہزار رکاوٹوں کا درپیش ہونا عین ممکن۔ نیچے ایک خط کا اقتباس دے رہا ہوں جس سے آپ کو میری اس کوشش کی کامیابی کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

محترمی باپنیا صاحب!

(نانڈرا، راٹبلائی، ناگستی، گوبر گیس پلانٹ کے مظاہرے سے متعلق)

اس سلسلے میں ۲۹ مارچ ۱۹۶۲ء کو آپ سے اور محترم وزیر خزانہ صاحب سے بات چیت ہوئی۔ وقت کی کمی، بودھان سبھا کے اجلاس میں کام کی مصروفیت وغیرہ کی وجہ سے مظاہرے کی تاریخ سے پہلے بجٹ منظور ہونا ممکن نہیں ہے۔ . . . . جلدی کرنے سے کام اور انتظام ٹھیک نہیں ہو سکے گا۔ مظاہرے کے تربیتی پہلو کا پورا پورا فائدہ نہیں مل پائے گا۔ . . . . . اس لئے گوبر گیس پلانٹ کے مظاہرے کا پروگرام کچھ دنوں کے لئے ملتوی کر دیا گیا ہے اور شری تیجک کو اس کی اطلاع گونڈے میں تار کے ذریعے کر دی گئی ہے۔

نانڈرا گاؤں کا گوبر گیس پلانٹ سب سے بڑا ہے۔ وہیں مظاہرے اور تربیت کا کام اچھی طرح ہو سکے گا۔ دھار ضلع اور مغربی نماڑ ضلع کے سرکاری ملازموں وغیرہ اور سرودے کارکنوں کا تربیتی کیمپ نانڈرا میں ہی کرنا مناسب ہوگا۔

اب وقت بھی کافی مل گیا ہے۔ شری تیجک کو ٹریننگ کے لئے پوری تیاری کرنے میں بھی سہولت ہوگی۔ اس لئے نانڈرا گرام میں تربیتی کیمپ کے لئے جو بھی تاریخ طے ہو اس موقع پر بلاک کے افسروں، سوشل ایجوکیشن آرگنائزر، سیوک اور سیویکاؤں اور گرام سیوکوں اور موٹر اور انجن کے چلانے والوں کو کیمپ میں شرکت کرنے

بچانے کے لئے آپ ضروری ہدایت دھار اور مغربی نماڑ کے ضلع کلکٹروں کو دینے کا انتظام کر دیجئے

آپ کا

وی۔ ایس۔ کھوڑے

بخدمت جناب ڈیولپمنٹ کمشنر۔ مدھیہ پردیش۔

(شری کھوڑے مدھیہ پردیش کے وزیر داخلہ رہ چکے ہیں)

یہ ہوگا عمل نمبر ۱ کا تیسرا قدم

• ۔ گوبر کی گیس سے اب ایک انقلاب ممکن ہے۔ عوامی زندگی، عوامی تعلیم دونوں کے لئے ایک ساتھ اس موضوع پر سبق تیار کرکے رکھے ہیں جیسے ہی یہ زندہ کرشمہ آپنے دیکھا۔ ساری باتوں کو اچھی طرح ٹھونک بجا کر ساری چیزوں کو پرکھا اور اس پر اپنی آمادگی ظاہر کی کہ انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن، جو ہم سب کی کل ہند جماعت ہے، اس کی طرف سے اس موضوع پر مراسلاتی نصاب کا سلسلہ شروع کر دیا جائے گا۔ پہلے خود آپ کیجئے اور اگر آپ کے دل میں بھی میری ہی طرح یہ باتیں جم جائیں تو پھر دیکھئے دیپ جلاتے ہوئے ضلع بھر میں ایک دیوالی منائی جا سکے گی۔ اس مراسلاتی نصاب کا سلسلہ تمام زبانوں میں شروع کیا جائے گا۔ اسی سے نکل سکتا ہے خط و کتابت کے ذریعہ ہر گاؤں کھیت کھلیان میں درجہ بدرجہ ترقی کرتے ہوئے، زندگی بھر دنیا کے تمام علوم سے فیضیاب ہوتے رہنے کا ایک سلسلہ ایک نظام۔

یہ ہوگا عمل نمبر ۱ کا چوتھا اور آخری قدم

۲۔ میں ایک ایسے پندرہ روزہ اخبار کی تیاری میں لگا ہوں جس کا نام "اب" ہوگا۔ زندگی کے تمام شعبوں کی شکل "اب" اس بنیادی انقلاب کی روشنی میں کیا ہوگی، کیسی ہوگی، کس طرح سے اور کیوں یہ سب کی سب باتیں آپ کی خدمت میں پیش کرے گا۔ عوامی رائے بنائے گا۔ یہ ہوگا عمل نمبر ۲۔

۳۔ ہوتا یہ ہے کہ بڑے لوگوں کے حوصلے کو دیکھ کر بڑے آدمیوں کا خیال اس طرف جاتا ہے عوام کے حوصلے کو دیکھ کر بڑے آدمیوں کی توجہ بھی اسطرف ہو جاتی ہے۔ ہم اپنے تجربے کا جو بھی مظاہرہ (شروع میں بڑے پیمانے پر ایک اور پھر مختلف ضلعوں میں ایک ایک) کریں گے۔ اس میں بڑے بھی آئیں گے اور آس پاس کے عام لوگ بھی بڑی تعداد میں دوڑتے ہوئے آتے جائیں گے۔ ایسی بھی تیاری ہماری رہے گی۔ اس کے لئے گوبر گیس کی بجلی سے سینما، روشنی، نمائش، کارخانے، پرنٹنگ پریس، پنکھا، ریڈیو، ڈرامے سبھی کچھ کئے جائیں گے۔ اسکولوں کے بچے، اساتذہ، پنچ، سرپنچ، عورتیں، ضلع استادوں کی انجمنیں، ضلع پنچ سمیلن، ریاست بھر کے سبھی ضلعوں سے پانچ پانچ پنچ، ضلع پریشد، پردھانوں کے سمیلن، بچوں کی کانفرنسیں، نوجوانوں کے کھیل کود اور اسکاؤٹ، ٹورنامنٹ یہ سب بھی ہونا۔

۵۔ عام لوگوں سے کیا کہنا، کتنا کہنا، کیا نہیں کہنا، کیسے ڈرامے، کیسے گیت اور ان سب کے ذریعہ ایک بنیادی صفت کے ذریعے

عوامی ذہن میں بنیادی انقلاب کیسے لایا جائے۔ یہ کام کیسے اور کس طرح کرنا مناسب ہوگا ان سب کے جواب کے لئے ایک
ماڈل تیار کرنا۔
یہ ہوگا حل اُس کا۔

## .... اور خاتمۂ ناخواندگی بھی

● ۔ یہ دیکھیے! جب اُس حیوان کو جس کا نام انسان ہے، ننگ دھڑنگ، جنگل جنگل بھٹکتے اور پھل پھول، جڑیں، چھالیں جو بھی ہاتھ لگا بٹورتے اور جمع کرتے کسی طرح کھیتی باڑی کرنے کا امکان نظر آیا، تو وہ اب ہل بیل اور کدال اور ہل کی اُس چھوٹی سی پھال کی تلاش میں نکل پڑا جو زمین کا کلیجہ پھاڑنے کے کام آتی ہے۔ یہ خواندگی وہی ہل کی پھال جیسی چھوٹی سی اور آخری چیز ہے جس سے دراصل زمین کا سینہ چاک کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہل اور ہل کی پھال کی ضرورت، تلاش اور طلب اُسی وقت محسوس ہوئی ہوگی جب اس حیوان نما انسان کے دل و دماغ میں کھیتی کے ذریعے ایک نئی، بالکل نئی زندگی کا تصور گھر کر گیا ہوگا۔ بعینہٖ یہی مثال خواندگی کی بھی ہے۔

● ۔ روس میں خواندگی کے حق میں ہر طرح کے تاناشاہی احکام صادر ہوئے، لیکن وہ اس وقت تک شروع نہیں ہوئی، جب تک عوام کی زندگی میں "کول خوز"، یعنی مشین اور ٹریکٹر داخل نہیں ہو گئے۔ اور جب انھوں نے عوام کی زندگی میں جڑ پکڑ لی تو پھر لوگ بات کی بات میں بغیر کسی جبر و زیادتی کے آپ سے آپ خواندہ بھی ہو گئے اور تعلیم یافتہ بھی۔

● ۔ ہمارے آپ کے یہاں بھی اسی کی دیر ہے۔ جس وقت بھی ہم، آپ اور ہمارا سماج ملک کے ننگے بھوکے ۸۰ فی صدی عوام کے سامنے اس بات کا امکان یقین کی شکل میں پیش کر دیں گے کہ عامی سے عامی کی زندگی میں انقلاب آجائے گا، معجزہ ہو جائے گا ——— اور اسے اس کی صرف ایک جھلک نظر آجائے گی، اُسی وقت عالمگیر خواندگی بروئے کار آئے گی اور اس طرح آئے گی جیسے مئی جون میں جنگل میں آگ پھیلتی ہے ——— طوفانی رفتار سے آئے گی۔ لیکن اس سے پہلے یہ طوفان نہیں آئے گا۔ آ نہیں سکتا۔

● ۔ جب عوام کی زندگی (جن میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو سرے سے ان پڑھ ہیں اور وہ لوگ بھی جو تعقیدے سے بہت خواندہ ہیں) پڑھے لکھے، ہونہار اور مہذب انسان کے رہنے کے قابل ہی نہیں ہے، اور نہ مستقبل قریب میں اس کا کوئی امکان ہی (تمام) تو آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ وہ (عوام) پڑھنے لکھنے کے لئے پاپڑ کیوں بیلے گا!

(۱)

اب گاؤں گاؤں میں　　　کھیت کھیت میں
جگ جگ ہوگی بھائی

سگرے جگ کی　　سب شبد جائیں
گانون آدیں دھائی
بدلے گانون کی کایا ـــــ آیا . . . . .

(۲)

گھورن کے مونڈن بھور بن گئے　　رہی سنتن کی بانی
گاؤں گاؤں گھونرے بھرے تھے　　جانت ہیں سب گیانی
بچن سنتوں کا رنگ لایا
بدل جائے گا نون کی کایا ـــــ آیا . . . . .

اگر اس طرح کے گیت اور نظمیں گوبر گیس سے پیدا ہونے والی بجلی کے ذریعے صبح شام گاگا کر سنائی جائیں تو اُن سے لوگوں میں نئی زندگی اور اس کے لئے پڑھنے پڑھانے کا ذوق وشوق پیدا ہوگا اور جب یہ ذوق وشوق پیدا ہو جائے گا اُس وقت ان کے سامنے اس طرح کی باتیں بھی چل سکیں گی جو اس گیت میں کہی گئی ہیں۔

(۱)

بن پڑھے چلے ناکام ـــــ بھیّا بن پڑھے
بن پڑھے چلے ناکام، زمانہ نیا، بات سب نئی نئی آئی
سو تُم تے کرو پڑھائی

(۲)

بے سوچے سمجھے ہے بھیّا　　کوئی بات نہیں "ہاں" کرنی ہے
کوئی بات نہیں "نا" کرنی ہے
کوئی ندیا نہیں اترنی ہے
بن سوچے سمجھے ہے بھیّا　　(گیت کافی لمبا ہے)

نادان دوست سے دانا دشمن اچھا ہوتا ہے۔ یہ گیت ایک بنیادی بات کو ذہن میں رکھ کر گائے جائیں گے اور تمام سرکاروں کے تمام محکموں سے کہلوایا جائے گا کہ "یہ تمام سہولتیں پہلے اس گاؤں اور گاؤں پنچایت کو بہم پہنچائی جائیں گی جہاں سوفی صدی خواندگی اور "اتفاق رائے" سے سوفی صدی تعلیم مکمل ہو جائے گی۔"

● ۔ فاناہیں جو "کارواں" گشت لگاتے ہیں اور اس سلسلے میں یونیسکو نے جو سفارشیں کی ہیں ان کی میں دل سے قدر کرتا ہوں۔ لیکن اسی کے ساتھ انھیں میں "دوسرے درجے کی تحریک" بلکہ وقتی جوش مانتا ہوں۔ سب سے زیادہ کارآمد تحریک (MOTIVATION) کوئی ایسی جادو اثر اور کراماتی تدبیر ہی ہو سکتی ہے جس سے عوام کی زندگی میں چمک اور نکھار پیدا ہو جائے۔

(۱)

اب جگ جائیں گے گاؤں گاؤں		جگمگا جائے گا جگ سارا
اب جگ کا سب وگیان گیان		گاؤں میں کھیت کدالی میں
پاکر پرویش گوپال نہیں		گوکل بن جاویں ٹھاؤں ٹھاؤں

اب ۔ ۔ ۔ ۔

(۲)

کان کھول سب پنچ سنیں		اب ست جگ آیا، آیا
شکتی پرگٹی گوبر میں سے		(بجلی پرگٹی گوبر میں سے)
ایسی پربھو کی مایا ___ آیا آیا ۔ ۔ ۔

● خاتمۂ ناخواندگی میں سوال طریقۂ کار کا نہیں ہے۔ ہاں جس چیز کا سوال ہے، وہ ہے تحریک (MOTIVA-TION)؛ مگر صحیح تحریک (CORRECT MOTIVATION)۔ وقتی جوش نہیں۔ بالغ بالغ ہے، بچہ نہیں ہے کہ اُسے بہلا پھسلا دیا جائے۔

## دو لفظ طریقۂ تعلیم اور کتاب کے بارے میں

● ۔ جس عہد سے ہم آج گذر رہے ہیں اُس کا نام ہے "ذرّتی عہد"۔ سائنس کی دنیا میں "ذرّے" کی قوت کی عظمت تسلیم کر لی گئی۔ مگر انسانیات اور فلسفے کی دنیا میں ابھی ذرّے کی عظمت جلوہ نما نہیں ہوئی ہے۔ یہ کام ہندوستان کی قسمت میں لکھا ہے۔ وہ آزادی اسی لئے ملا ہے۔ یہیں مشرق و مغرب کا سنگم ہو گا و شیو اور شکتی کا ملن ___ شیو راتری ___ یہ سب کچھ بڑا، یہ سب جدّ و جہد اسی لئے ہے۔

● ۔ ہماری سرکار نا سمجھ آنے والے ست جگ کی پیغامبر ہی کر اپنی خواندگی کی مہم چلائے تو کیا کہنا جشم ما روشن دل

ماشاد! اسی امید کا سہارا لے کر آپکے اِس خادمِ دیرینہ نے اپنے سولہ سالہ تجربے پر مبنی تھک میتھڈ میں اب تک کے تجربات کی روشنی میں کچھ ضروری اصلاحیں کر دی ہیں۔

جن جن کے مَن مَن میں بیٹھے کَن کَن کے کن کَن بن بیٹھے
جب رام جگیں گے ہے بھائی اس دھرتی کے اُلٹے پلٹے سب کام بنیں گے
ہے بھائی

● ۔ گوبر کے ذرّے ذرّے میں چھُپی ہوئی بجلی بھی اب آشکار ہوگئی ہے۔ آپنے کبھی اس کا تصور بھی نہ کیا ہوگا۔ اسی طرح ــــ یقینی جانئے ــــ ہم تم سب گاؤں والے گندے اور غریب لوگ جو ایک طرح کے گوبر گنش سمجھے جاتے ہیں ــــ اور ہیں بھی گوبر گنش ــ ہم سبکے، ایک ایک کے اندر جو بجلی ہے، جو قوت ہے، جو جاہ و جلال ہے، ایمان کی جو طاقت ہے، غرض جو "رام" بیٹھا ہے، اُس کے بھی نمودار ہونے کا وقت آگیا ہے۔

● ۔ اس طرح کے اہتمام کے ساتھ اس گیت میں سے "جن" "من" اور "کن" کے الفاظ لے کر خواندگی کی تعلیم کا سلسلہ چلایا جائے گا۔ تعلیم کا طریقہ اتنا سہل، اتنا آسان ہوگا کہ اُسے اسکول کا بچّہ بھی برت سکے۔ (جیسے چین میں ہوا تھا)۔ یہ طریقہ بھی ہوگا ایٹمی عہد کا نمایندہ! یہی ہمارا عقیدہ اور عمل بھی ہے۔ اس عقیدہ اور عمل کے باب میں آپ جیسے علماء سے مشورہ کرنا ہے۔ امید ہے آپ کرم فرمائیں گے۔

## مختصر الفاظ میں

(۱) گاؤں گاؤں گوبر سے بجلی پیدا کر کے اس کو جگمگا دیں گے، اور سینما دکھا کر اس کی رونق بڑھا دیں گے۔ اور اس وسیلے سے عوام کی زندگی میں امید کی لہر دوڑا دیں گے۔

(۲) اُس وقت اور صرف اُسی وقت "بن پڑھے چلے نا کام" والا گیت بند ہوگا

(۳) یہ سب کام وہیں ہوگا جہاں کے لوگ پہلے سو فی صدی خواندگی کر کے دکھا دیں گے۔

(۴) سینما اور بجلی کی روشنی سے گاؤں کو جگمگا کر وہاں کے پڑھے لکھے بچوں سے خواندگی کی مہم میں کام لیں گے۔

(۵) طریقۂ تعلیم آسان ہوگا۔ گیت تمام کے تمام ایٹمی دور پر ہوں گے۔

عبدالرشید صدیقی

# بالغوں کا اسکول: ایک تجربہ

## خواندگی کا مسئلہ اور اس کی گہرائی

ہندوستان کا شمار ان ممالک میں کیا جاتا ہے جہاں ناخواندگی اپنی انتہا پر پہنچی ہوئی ہے۔ اس بات سے ہر پڑھا لکھا واقف ہے۔ اس وقت ۱۲ برس سے زیادہ عمر والے ناخواندہ اشخاص کی تعداد قریب ۲۳ کروڑ ہے۔ اس کے علاوہ تخمینہ یہ لگایا گیا ہے کہ ہر سال تقریباً ۲۰ لاکھ ناخواندوں کا اضافہ ہوگا۔ یہ اعداد و شمار صرف ان لوگوں سے متعلق ہیں جن کی عمریں ۱۲ برس سے زیادہ ہوں گی۔ اس سے مسئلے کی نزاکت اور گہرائی کا اندازہ کیجئے۔

ان میں تھوڑی بہت صلاحیت پیدا بھی ہو جاتی ہے تو اس صلاحیت کو استعمال کرنے کا انھیں بہت موقع نہیں ملتا ہے، نتیجے میں ناخواندہ لوگوں کی تعداد میں کوئی خاص کمی نہیں ہوتی۔

دو ایک باتیں اور قابلِ غور ہیں۔ ۱۹۶۰-۶۱ء میں اندازاً ۶-۱۱ برس کی عمر کے قریب ۳.۴۳ کروڑ یعنی ۶۰٪ بچے اسکولوں میں داخل ہوں گے ہوں گے۔ ۱۹۶۵-۶۶ء تک یہ تعداد بڑھ کر ۵.۰۳ کروڑ یعنی ۸۰٪ ہو جائے گی۔ گذشتہ معلومات کی بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک بڑی تعداد کا سلسلۂ تعلیم بیچ ہی میں منقطع ہو جائے گا اور وہ بھی رفتہ رفتہ ناخواندوں کے گروہ میں شامل ہو جائیں گے۔

یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ ۱۹۶۵-۶۶ء تک گیارہ سے چودہ برس کی عمر کے تقریباً ایک کروڑ نئے بچے اسکولوں میں داخل ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۴ کروڑ بچے گیارہ برس کے بعد تعلیم حاصل ہی نہ کر سکیں گے، ان میں سے زیادہ تر دیہی علاقوں کے باشندے ہوں گے جہاں نہ تو باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے کے ذرائع میسر ہوں گے اور نہ نجی طور پر۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ دیہات کے بیشتر بچے صرف ۱۱ برس کی عمر تک تعلیم حاصل کر سکیں گے اور تھوڑے ہی دنوں بعد ان کی پڑھائی لکھائی بے کار ہو جائے گی اور اس طرح ناخواندہ لوگوں کی

تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوگا۔ ناخواندگی دور کرنے کے لئے نظریے اور مقاصد اگر اپنی جگہ درست ہیں تب بھی ان اعداد و شمار کے پیش نظر یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ ہمارا لٹریسی پروگرام بہت ہی محدود اور بڑی حد تک ناکافی ہے۔ لٹریسی پروگرام میں ہر سال قریب قریب ۱۰ دس لاکھ ناخواندہ شامل ہوتے ہیں اور ان میں سے صرف ایک چوتھائی لٹریسی سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے اہل قرار دیئے جاتے ہیں۔ یہی امر پروگرام کے ناکافی ہونے کا ثبوت ہے۔ ناخواندگی سے چھٹکارا حاصل کرنے کی اگر یہی رفتار رہی تو دراصل یہ اس نظریہ کے مترادف ہوگا کہ ناخواندہ بالغوں کو پڑھانے لکھانے کی ضرورت ہی نہیں، صرف بچوں کی تعلیم پر زور دینا چاہیئے، انہی پر روپیہ خرچ کرنا چاہیئے اور بالغوں کو فرشتۂ اجل کے سپرد کر دینا چاہیئے۔ لیکن اس نظریہ پر عمل کرنا ملک کو تباہی کی راہ پر ڈالنا ہوگا۔

کہتے ہیں کہ ناخواندگی کی رفتار کسی ملک یا قوم کی کم مائیگی کی نشان دہی کرتی ہے۔ کم مائیگی سے ناخواندگی اور جہالت پیدا ہوتی ہے پھر جہالت کا ردِ عمل کم مائیگی پر ہوتا ہے یہ ایک چکر ہے اور ہمارا ملک بھی اسی چکر میں گرفتار ہے۔ اس لئے ہمارے یہاں ناخواندگی کو دور کرنے کا مسئلہ محض تعلیمی نہیں بلکہ سماجی و اقتصادی بھی ہے۔

## مسئلہ کا حل

ناخواندگی کو دور کرنے کی ابتدا تو ملک کے آزاد ہونے سے پہلے ہی ہو چکی ہے۔ آزادی کے بعد اس مسئلہ کی طرف خاص توجہ کی گئی۔ نئی راہیں اختیار کی گئیں، ناخواندگی دور کرنا کمیونٹی ڈیولپمنٹ کا ایک اہم ترین کام قرار دیا گیا۔ لیکن یہی ایک حقیقت ہے کہ خاطر خواہ کامیابی ابھی تک نہیں ہوئی ہے ہر سال قریب دس لاکھ ناخواندہ لٹریسی پروگرام میں شامل ہوتے ہیں۔ ان میں قریب قریب ایک چوتھائی لٹریسی سرٹیفکیٹ حاصل کرتے ہیں۔ لیکن یہ کہنا بھی مشکل ہوگا کہ وہ نوخواندہ جن کو لٹریسی سرٹیفکیٹ دیا جاتا ہے وہ اس کے اہل بھی ہو جاتے ہیں۔؟ مختصر یہ کہ مسئلہ وہیں کا وہیں رہتا ہے۔ ناخواندہ لوگوں کی تعداد میں کوئی خاص کمی نہیں ہوتی۔

ناخواندگی کا مسئلہ اگر حل کرنا ہے تو اسے ایک مہلک بیماری سمجھ کر اس کے خلاف ایک قومی مہم کا آغاز کرنا چاہیئے۔ مہم کو عرصہ تک جاری رکھنا پڑے گا۔ تب ہی اُسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ممکن ہے۔ ہر بالغ کے لئے خواندہ ہونا لازمی قرار دیا جائے اور اس کے لئے معقول منصوبہ بندی کے تحت انتظام کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے ایک بڑی رقم کی ضرورت ہوگی۔ لیکن اس کو یوں دیکھنا چاہیئے کہ اگر روپئے خرچ نہ کئے گئے تو نقصان کتنا ہوگا۔ یہ قابل غور بات ہے۔ ایک ایک پیسہ جو اس مقصد کو حاصل کرنے پر صرف ہوگا وہ رائیگاں نہیں جائے گا۔ وہ روشن مستقبل کی تعمیر پر صرف ہوگا۔

یہاں اس بات کو صاف کر دینا ضروری ہے کہ لٹریسی بذات خود ایک مقصد نہیں ہے یہ تو تعلیم کا ایک زینہ۔ ایک ذریعہ ہے لیکن بہت ہی ضروری جس کے بغیر تعلیم ممکن ہی نہیں۔

## کارآمد لٹریسی کا معیار

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ناخواندہ کو کتنی تعلیم دی جائے اور کس طرح۔ ہمارے نزدیک کارآمد لٹریسی کا معیار کم از کم پانچویں جماعت تک ہونا چاہیئے۔ یعنی اتنی قابلیت پیدا ہو جائے جتنی کہ بچوں کو پانچویں جماعت پاس کرنے کے بعد ہو جاتی ہے۔ یہ وہ معیار ہے جسے حاصل کئے بغیر ایک ناخواندہ کو خواندہ نہیں کہا جا سکتا۔ اٹک اٹک کر کچھ پڑھ لینے سے کوئی خواندہ کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

ظاہر ہے موجودہ لٹریسی کورس چند مہینوں کا ہوتا ہے۔ اتنے عرصے میں الف ب کی کچھ شد بد کرا دینے کے علاوہ اور کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔ اتنے عرصہ میں تو دراصل لکھنے پڑھنے کی ابتدائی صلاحیت بھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ چند مہینوں بعد تعلیم کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اِدھر پڑھا اُدھر صاف۔ تعلیم حاصل کرنے والے ناخواندہ کے ناخواندہ ہی رہتے ہیں۔ جو وسائل کہ اس کاوش پر صرف ہوتے ہیں وہ رائیگاں جاتے ہیں۔ اس لئے تسلسل کو قائم رکھنا بے حد ضروری ہے۔ بغیر مشق کے تو وہ بھی سب کچھ بھول جاتے ہیں جو اسکولوں میں باقاعدہ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

## دو طرح کے کورس

ان باتوں کے پیش نظر ناخواندگی کو دور کرنے کی مہم کو دو حصّوں میں تقسیم کرنا چاہیئے:

(۱) چند مہینوں کا ایک کورس جس سے ایک ان پڑھ کو کچھ لکھنا پڑھنا اور تھوڑا حساب آ جائے۔ اس میں دو طرح کے لوگ شامل ہوں گے۔ ایک تو وہ جن کو مطلق لکھنا پڑھنا یا حساب نہیں آتا۔ دوسرے وہ لوگ جو کچھ پڑھ سکتے ہیں یا لکھ نہیں سکتے یا کچھ لکھ پڑھ سکتے ہیں لیکن حساب نہیں آتا۔ ان دونوں کے لئے الگ الگ نصاب کی ضرورت ہے۔

(۲) بالغوں کے لئے مستقل اڈلٹ اسکولوں کا قیام۔ ان میں پرائمری، جونیئر سکنڈری، اور ہائر سکنڈری لیول تک تعلیم کا انتظام کیا جائے۔

## تجرباتی اڈلٹ اسکول

اسی سمجھ کے تحت جامعہ ملیہ کے ریسرچ ٹریننگ اور پروڈکشن سنٹر نے بالغوں کے لئے اڈلٹ اسکولوں کی ایک اسکیم تجربہ کے طور پر مرتب کر کے حکومت ہند کے سامنے پیش کی تھی۔ حکومت نے اس اسکیم پر غور کرنے کے بعد اسے منظور کر لیا تھا چنانچہ اگست [illegible] سے جون [illegible] تک تجرباتی اسکیم پر عمل ہوا۔

وہ اسکیم خاص طور سے شہری علاقوں کے لئے مرتب کی گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے ملک میں دیہی اور شہری علاقوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دونوں علاقوں کی اقتصادی و سماجی زندگی ایک دوسرے سے بہت ہی مختلف ہے۔ چنانچہ کوئی اسکیم مرتب کرنا جو پورے ملک کے لئے یکساں ہو مناسب نہیں۔

اس اسکیم کے تحت ریسرچ سنٹر کی رہنمائی میں ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں ریسرچ یونٹ قائم کئے گئے۔ ان کی نگرانی وہاں کی علاقائی ایجنسیاں کر رہی تھیں جو کافی عرصہ سے تعلیمِ بالغان کا کام کر رہی تھیں۔ ان ریسرچ یونٹ کی دیکھ بھال میں قریب ۴۰ تجرباتی اڈلٹ اسکول قائم کئے گئے تھے۔

ان اڈلٹ اسکولوں کا مقصد بالغوں میں صرف لکھنے پڑھنے اور حساب کی صلاحیت پیدا کرنا نہیں تھا۔ بلکہ اُن کو عام معلومات کے علاوہ سماجی علوم اور جنرل سائنس کی معلومات بھی بہم پہنچانا ضروری سمجھا گیا۔ ان باتوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے ایک تجرباتی نصاب بھی مرتب کیا گیا تھا۔ اس قسم کے نصاب کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے اگر ہم یہ بھی دیکھیں کہ ہماری منزل ایک سماجی معاشی اور تہذیبی جمہوریت کا قیام ہے۔

یہ نصاب ابتدائی منزل کی چوتھی جماعت کے نصاب کے برابر تھا۔ ایک سوال یہ بھی تھا کہ اس نصاب کو پورا کرنے کے لئے ایک بالغ کو کتنی مدت درکار ہوگی؟ اندازے کے مطابق اس نصاب کو تقریباً ۲۴ مہینوں میں پورا کیا جا سکتا ہے۔ یعنی جو نصاب بچّے چار سال میں پورا کرتے ہیں اُسے بالغ قریب قریب آدھی مدت میں پورا کریں گے۔

مختصراً اڈلٹ اسکولوں کے تجربہ کے چند مقاصد حسب ذیل تھے:

- اگر ناخواندہ اشخاص کو ابتدائی منزل (پرائمری) کی چوتھی یا پانچویں جماعت تک تعلیم دی جائے تو کتنی مدت درکار ہوگی؟
- ایک نصابِ تعلیم مرتب کرنا جس کا معیار پرائمری اسکولوں کے نصاب سے کم نہ ہو۔
- ان باتوں کا پتہ لگانا جو بالغوں کی تعلیم پر اثر انداز ہوتی ہیں اور جن کی وجہ سے درجہ میں حاضری گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔
- ہندی میں حساب سماجی علوم اور جنرل سائنس پر درسی کتابیں تیار کرنا۔
- ان اسکولوں کی تنظیم کے کیا اصول ہوں گے۔
- اسکولوں کے اخراجات کا تخمینہ معلوم کرنا۔

اس مختصر سے مضمون میں تجربہ کا پورا جائزہ پیش کرنا تو ممکن نہیں ہے[1]۔ پھر بھی چند باتوں پر مختصراً روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی تاکہ اس تجربہ کے ضروری نتائج واضح ہو جائیں۔

---

[1] اڈلٹ اسکولوں کے تجربہ پر رپورٹ مرتب ہو چکی ہے۔ جن حضرات کو مزید معلومات کی ضرورت ہو وہ ریسرچ سنٹر جامعہ ملیہ سے خط و کتابت کر سکتے ہیں۔

## لوگوں میں پڑھنے کی تحریک کیسے پیدا ہو

لٹریسی کا کام کرنے والوں کے دماغ پر لوگوں میں پڑھنے کے لئے آمادگی پیدا کرنے کا مسئلہ بری طرح چھایا ہوا ہے اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ ان کو لٹریسی کے میدان میں پے درپے ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ہم جب اپنا تجربہ شروع کرنے والے تھے تو اس وقت بھی لوگوں نے شبہہ کا اظہار کیا تھا۔ وہ سوال کرتے تھے "کیا جو ناخواندہ ان اسکولوں میں داخلہ لیں گے کیا ان میں اس طرح کی تعلیم کے لئے بے حد ضرورت شوق اور تحریک موجود ہے"؟ "کیا ان بڑھوں کے اندر اس حد تک شوق اور تحریک پیدا کر پائیں گے کہ وہ دو ڈھائی برس تک درجہ میں آتے رہیں"؟ "کیا تھوڑے ہی عرصہ بعد وہ بھاگ کھڑے نہیں ہوں گے"، غرضیکہ اسی طرح کے بہت سے سوالات کئے گئے تجربہ کرنے والے کچھ کو سمجھا سکے اور کچھ کو نہیں۔ لیکن تجربہ کرنے والوں کو اس بات کا یقین تھا کہ تجربہ کامیاب ہوگا۔ اور خاصی تعداد میں بالغ درجوں میں اخیر تک آتے رہیں گے۔ یہ بات دوسری ہے کہ زندگی کی مجبوریاں خاص کر اقتصادی و سماجی آڑے آجائیں اور وہ درجوں میں آنا چھوڑ دیں۔ یہ مجبوریاں تو ایسی ہوتی ہیں جن پر نہ تو ناخواندہ اشخاص کا اپنا زور چل سکتا ہے اور نہ استاد ان کو حل کر سکتا ہے۔

## طالب علموں کی تعداد و حاضری کا مسئلہ

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ غیر حاضریاں اور تعلیم کا سلسلہ بیچ میں منقطع کر دینے کے مسئلے دو الگ الگ مسئلے نہیں ہیں۔ دونوں کا ایک دوسرے سے بہت ہی گہرا تعلق ہے یہ دونوں لٹریسی کے میدان میں کام کرنے والوں کو بہت پریشان کرتے ہیں۔ اسی ڈر سے ہم نے بھی بہت پھونک پھونک کر قدم رکھا۔ اس لئے کہ اس تجربہ کا دارومدار حاضریوں پر ہی تھا۔ چنانچہ شروع دن سے اس مسئلہ کی طرف خاص توجہ کی گئی۔ کیا اچھا ہوتا اگر وضاحت کے لئے اعداد و شمار کے ساتھ ان مسائل پر روشنی ڈالی جاتی۔ لیکن جگہ کی قلت ہے۔ یہاں تجربہ کی بنیاد پر چند ضروری نتیجے دیئے جا رہے ہیں۔

۱۔ جب تجربہ شروع ہوا تو اسکولوں میں طلبا کی تعداد ۱۸۴ تھی۔ چند ہی مہینوں میں تعداد بڑھ کر ۱۱ہوگئی۔ تعداد گھٹتی بڑھتی رہی۔ لیکن ۱۱ ء سے آگے نہیں بڑھی۔ تجربہ کے اخیری چھ ماہ میں طلبار کی تعداد سب سے کم ۱۴۱ اور سب سے زیادہ ۴۹۵ تھی یعنی تعداد قریب قریب اتنی ہی ہوگئی جتنی کہ شروع میں تھی۔

۲۔ حاضریوں کا اوسط روزانہ ۷۳ فی صدی تھا یہ رکارڈ تجربہ کے شروع میں تھا۔ لیکن اگر تجربہ کے پوری مدد کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ اوسط سب سے کم تھا۔ اس کے مقابلہ میں تجربہ کے آخری مہینوں میں حاضریاں ۹۰ ہوگئی تھیں اس سے ایک نتیجہ بہت ہی نمایاں طور پر نکلتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حاضریوں کی عام رفتار بہتر ہوتی گئی اگرچہ بیچ میں گھٹتی بڑھتی رہی۔

(۳) اوپر کی باتوں سے مجموعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حاضریوں کا رکارڈ کافی ہمت افزا تھا۔ اس تجربہ کی بنیاد پر یہ تو کم از کم کہا ہی جا سکتا ہے کہ پست ہمتی کی قطعی گنجائش نہیں یہ سوچنا مناسب نہیں کہ تعلیم کی مدت میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ حاضریوں کی رفتار

میں بھی کمی آنے لگے گی ۔

(۴) تمام اسکولوں کے حالات یکساں نہیں تھے ۔ کچھ طالب علموں کی تعداد و حاضریوں کے اعتبار سے اچھے تھے اور کچھ خراب بھی تھے جو اسکول ان دو مشکلوں کے شکار تھے وہاں تعلیم بھی ٹھیک نہیں چل پاتی تھی ۔

(۵) بنیادی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ماحول کا بہت بڑا اثر غیر حاضری یا تعلیم کا سلسلہ بیچ میں منقطع کر دینے کے مسئلہ پر ہوتا ہے۔ خاص کر سماجی و اقتصادی حالات ۔

## امتحان و نتیجہ

اسکیم بناتے وقت اس بات کا خیال رکھا گیا تھا کہ جو طلبا آخری امتحان میں کامیاب ہو جائیں انھیں باقاعدہ سند ملنی چاہیئے ۔ یہ بات بذات خود ان میں تحریک پیدا کرے گی ۔ اسی وجہ سے متعلقہ ریاستی حکومتوں سے درخواست کی گئی کہ طالب علموں کی تعلیم مکمل ہونے پر ان کا باقاعدہ امتحان لیا جائے اور کامیاب طالب علموں کو باقاعدہ سند عطا کی جائے ۔ چنانچہ دلی، لکھنؤ، بمبئی اور میسور میں وہاں کی صوبائی حکومتوں نے امتحان لئے اور سند دی ۔

آخری امتحان میں ۲۷۶ طالب علم بیٹھے اور ان میں سے ۲۰۸ کامیاب ہوئے ۔ بذات خود یہ کامیابی کی ایک بڑی دلیل ہے ۔ اس تجربہ کی روشنی میں پرزور طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسے اڈلٹ اسکولوں کی ضرورت ہے ۔ اگر ایسے اسکول کھولے جائیں تو کامیابی سے چلیں گے ۔ . . . . . . اگر ہمارے ملک میں اس طرح کے اسکول کھولے جائیں تو یہ کوئی نیا کام نہیں ہوگا ۔ دنیا کے دیگر ممالک میں بھی اس طرح کے اسکول ناخواندہ بالغوں کے لئے کھولے گئے تھے اور کامیابی سے چلائے گئے تھے ۔ آج بھی کیوبا جیسی چھوٹی ریاست میں زرعی اداروں کے تحت قریب ۲ ہزار اڈلٹ اسکول چل رہے ہیں ۔

پرنٹر پبلشر برکت علی فراقی نے کوہ نور پریس لال کنواں دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی ۔ جامعہ نگر ۔ نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا ۔

ادارۂ تعلیم و ترقی، جامعہ نگر، نئی دہلی

ادارۂ تعلیم و ترقی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

# تعلیم و ترقی

مئی سنہ ۱۹۶۲ء

جلد: ۱۳ شمارہ: ۵

بانی:۔ شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر:۔

پروفیسر محمد مجیب

برکت علی فراق

رفیق محمد شاستری

دفتر

ماہنامہ تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

قیمت:۔

سالانہ: چار روپے فی پرچہ: ۳۷ نئے پیسے

ٹیلیفون: ۴۴۲۶۴

## ترتیب



پرنٹر پبلشر برکت علی فراق نے کوہ نور پریس لال کنواں دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

## اشارات

# دیدہ و دل فرشِ راہ

قومی حکومت کا تیسرا پنج سالہ دور تعلیم کے حق میں اپنے ساتھ بڑے مبارک شگون لے کر آیا ہے۔ اس نئی حکومت میں وزیر تعلیم کو کابینہ کا درجہ دیا گیا ہے اور جمہوریہ ہند کی صدارت اور نائب صدارت کے بلند مرتبت عہدوں پر ملک کے دو ممتاز ماہرین تعلیم جن کی حیثیت فلسفہ و تعلیم میں مسلم الثبوت علماء اور اساتذہ کی ہے، فائز ہوئے ہیں۔ قنوطیت پسند طبیعتیں، ہو سکتا ہے، ان واقعات کو سیاسی دنیا کے اتفاقات سے تعبیر کریں لیکن صدر اور نائب صدر کا انتخاب جس میں کم و بیش تمام سیاسی پارٹیاں یک رائے تھیں اور ڈاکٹر کے۔ ایل۔ شری مالی کی تعلیمی بصیرت وہ حقیقتیں ہیں، جو اس قنوطی طرزِ فکر کی نفی کرتی ہیں، اور اس بات کا یقین دلاتی ہیں کہ قوم کو اپنی تعمیرِ نو کی کوششوں میں تعلیم کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہے اور اس نے یہ فیصلے محض سیاسی مصلحتوں کی بنیاد نہیں کئے ہیں۔

قومی تعمیر کے اس دور میں تعلیم اور خصوصاً بالغوں کی تعلیم کے باب میں ڈاکٹر کے۔ ایل۔ شری مالی کا نقطۂ نظر اُن کے اُس بیان سے ظاہر ہوتا ہے —— اور جو تعلیم بالغان کے جدید تصور کا ترجمان ہے —— جو موصوف نے ابھی گذشتہ سال جولائی میں اڈلٹ ایجوکیشن کی عالمی کانفرنس منعقدہ "وگیان بھون" نئی دہلی میں دیا تھا۔ موصوف نے فرمایا تھا:

> "نئی تہذیب میں اس رفتار سے تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں اور علم و سائنس کے حدود میں اس تیزی سے وسعت پیدا ہو رہی ہے کہ ایک نوجوان اپنے اسکول اور یونیورسٹی میں آج جو کچھ سیکھتا ہے وہ بہت جلد متروک ہو جاتا ہے۔ دنیا اور زندگی کے تصورات میں تبدیلیاں واقع ہوتی جا رہی ہیں اور اگر لوگ اپنی تعلیم کا عمل عمر بھر جاری نہیں رکھیں گے تو وہ اپنے آپ کو بہاؤ سے دور کنارے پر کھڑے جھکوریاں مارتے ہوئے پائیں گے۔ اس اعتبار سے اڈلٹ ایجوکیشن کو ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے ایک ضمیمے کی حیثیت حاصل نہیں ہونی چاہئے بلکہ قومی نظامِ تعلیم میں اُسے ایک اونچا اور اہم مقام ملنا چاہئے۔ اُسے ملک کے مجموعی تعلیمی نظام کے ایک ایسے لازمی جزو کے طور پر تسلیم کیا جانا چاہئے جس کے بغیر وہ کل نہیں بنتا۔"

جمہوریہ ہند کے نائب صدر ڈاکٹر ذاکر حسین کی تمام عمر تعلیم کی خدمت میں بسر ہوئی ہے۔ موصوف نے قومی تعلیم کے میدان میں جو نئی راہیں دکھائی ہیں، اُن کا ذکر کرنے کا نہ موقع ہے نہ ضرورت اس لئے کہ ان راہوں سے تعلیمی کام کرنے والا چھوٹا بڑا ہر شخص اچھی طرح واقف ہے۔ ہندوستانی تعلیم بالغان کے باب میں "تعلیم یافتہ لوگوں کی تعلیم" کا تصور جو اس تحریک کے کارکنوں کی سمجھ میں اب آیا ہے، ڈاکٹر صاحب کے ذہن میں اب سے بہت پہلے واضح تھا۔ یہ آج کی بات نہیں، اب سے پندرہ سال پہلے کی بات ہے جب موصوف نے ادارۂ تعلیم و ترقی کے پہلے کمیونٹی سینٹر "تعلیمی مرکز ہال" کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"جو لوگ اسکولوں اور کالجوں سے نکلنے کے بعد سمجھتے ہیں کہ اُن کی تعلیم مکمل ہو گئی اور اب انھیں کسی قسم کی تعلیم کی ضرورت نہیں ہے، وہ دھوکے میں ہیں۔ تعلیم کا مقصد یہی نہیں ہے کہ اسکولوں میں بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیا جائے یا کالجوں اور یونیورسٹیوں میں انھیں چند گنی چنی کتابیں پڑھا دی جائیں۔ تعلیم کے صرف یہی دو تین محاذ نہیں ہیں بلکہ پڑھے لکھوں کی تعلیم کے لئے انتظام کرنا اور انھیں اپنے علم کو تازہ رکھنے کے مواقع فراہم کرنا بھی کسی تعلیمی نظام کا ایک بہت بڑا منصب ہے۔

"یہ ادارہ (تعلیمی مرکز ہال جامعہ) اسی ضرورت کو پورا کرنے کی ایک کوشش ہے جو مجھے امید ہے کہ آپ کی ہمت اور حوصلے کی بدولت کامیاب ہوگی! مگر یہ نہ سمجھ لیجئے کہ آپ کا کام یہیں ختم ہو جاتا ہے کہ آپ صرف اپنی ہی تعلیم کی تکمیل کرتے رہیں اور اپنے ہی علم کو تازہ کرتے رہیں۔ اس ادارے کی منزل اس سے بھی آگے ہے۔ آپ کی برادری میں بہت سے لوگ ہوں گے جن کو اپنی تعلیم کی تکمیل کا اتنا بھی موقع نہیں ملا ہوگا جتنا آپ کو ملا ہوگا۔ اگر آپ اپنی برادری کے اس حصے سے بے خبر ہو جاتے ہیں تو یاد رکھئے آپ بھی ختم ہو جائیں گے۔ اگر آپ اس کوشش میں کامیاب ہو جائیں کہ آپ کے ذریعے آپ کی برادری کا پسماندہ حصہ بھی کچھ لکھ پڑھ لے، کچھ سیکھ لے اور کچھ ترقی کر لے تو آپ بہت بڑا کام انجام دیں گے۔"

ہندوستان کے صدر ڈاکٹر رادھا کرشنن بھی تمام عمر تعلیم سے وابستہ رہے ہیں۔ موصوف کا مقام معلّم، فلسفی اور مدبّر تینوں حیثیتوں سے بلند ہے۔ ہائی اسکول کی اُستادی، ایک ممتاز یونیورسٹی کی وائس چانسلری، آکسفورڈ یونیورسٹی کی پروفیسری، روس میں سفیر کی حیثیت سے ملک کی نمایندگی، غرض تعلیم، فلسفہ اور سیاست ہر میدان میں آن کو عملی تجربہ ہے۔ تعلیم کے باب میں محترم صدر کی سب سے نمایاں خدمت یونیورسٹی ایجوکیشن کمیشن کی رہنمائی تھی جس نے ملک میں اعلیٰ تعلیم کی تنظیم نو سے متعلق گراں بہا مشورے دیئے ہیں۔ اسی کمیشن نے ملک کو دیہی یونیورسٹیوں کا خیال دیا جو اُس وقت سے پہلے ہندوستان میں شاید تعلیم کے کسی مفکر کے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ دیہی یونیورسٹیوں یا دیہی کالجوں کا عملی نقشہ اب چاہے کچھ بھی ہو لیکن ابتداءً اس کے تصور کی تمام تر بنیاد

اڈلٹ ایجوکیشن کے تصور پر بھی تھی، چنانچہ اس کمیشن کی رپورٹ میں صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ

"نئے دستور کے نفاذ سے جمہوریت کی ابھی صرف بسم اللہ ہوئی ہے۔ قبل اس کے کہ جو کچھ کاغذ پر لکھا ہے، وہ زندگی کا دستور اور معمول بن سکے، لوگوں کے طرزِ عمل میں بنیادی تبدیلیوں کا ہونا ضروری ہوگا۔ جمہوریت کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار جن فیصلہ کن باتوں پر ہوگا ان میں سے ایک طرزِ تعلیم ہے جو عوام الناس کو دی جائے گی۔

اگر بنیادی تعلیم میں بہت زیادہ وسعت بھی ہوگئی تب بھی ہندوستان کی دیہی لڑکیوں اور لڑکوں کی بہت بڑی تعداد ایسی رہ جائے گی جو سات آٹھ سال کی بنیادی ابتدائی تعلیم سے آگے اپنا تعلیمی سفر جاری نہ رکھ سکیں گے اس کے بعد وہ قوم کے فکر و عمل میں جس انداز سے داخل ہوں گے وہ نہ صرف ان کی اپنی زندگی کے لئے اہم ہوگا بلکہ اسی کے اوپر اس بات کی بھی بنیاد ہوگی کہ آیا جمہوریت ہندوستان میں کامیاب ہوگی یا نہیں۔ یونیورسٹی اور خصوصاً دیہی یونیورسٹی کا اس مسئلے سے بہت اہم تعلق ہے۔ اس تعلق کی کیا نوعیت ہوگی، اور ہندوستانی عوام کی اتنی زبردست اکثریت کی اسکول چھوڑنے کے بعد کی تعلیم (FURTHER EDUCATION) میں یونیورسٹی کس طرح شریک ہو سکتی ہے، اس کی طرف اشارہ کرنا بہت ضروری ہے تاکہ دیہی یونیورسٹی کا صحیح مقام و منشا سمجھ میں آجائے۔

اس معاملے میں ہمیں رہنمائی اسکنڈے نیویائی ممالک خصوصاً ڈنمارک کے عوامی کالجوں سے حاصل ہو سکتی ہے۔ سر رچرڈ لیونگ اسٹون جن کا اڈلٹ ایجوکیشن کے مضمون میں انگلینڈ میں بہت اونچا مقام ہے، ان کا بیان ہے کہ "عوام کو تعلیم دینے کے معاملے میں اس سے بڑا اور کامیاب تجربہ اور کوئی نہیں ہوا ہے"

اس بیان سے یہ صاف ظاہر ہے کہ کمیشن کی نظر جس کی رہنمائی ڈاکٹر رادھا کرشنن کے سپرد تھی، صرف روایتی یونیورسٹی کی تعلیم پر نہیں تھی بلکہ تعلیم کے ہر اُس پہلو پر تھی جس کا نوجوان بالغوں سے تعلق ہے۔ اور ظاہر ہے ملک کے تمام نوجوان روایتی یونیورسٹیوں کے طالب علم نہیں ہو سکتے۔ ان کی تعلیم بہر حال اڈلٹ ایجوکیشن کی ذمے داری ہے جس سے کمیشن بے خبر نہیں تھا۔

ان حالات میں اس میں کوئی شبہہ باقی نہیں رہ جاتا کہ یہ دورِ حکومت تعلیم کے حق میں بڑا مبارک دور ثابت ہوگا جس کا ہم نہایت مسرت اور گرم جوشی کے ساتھ خیر مقدم کرتے ہیں۔

جمہوریۂ ہند کے نائب صدر

ڈاکٹر ذاکر حسین

# خدمتِ خلق سے پہلے خدمتِ نفس

زیرِ نظر مضمون دراصل محترم ذاکر صاحب کی ایک تقریر کا خلاصہ ہے جسے "سروِدے پریس سروس" کے نمایندے نے ایک مضمون کی شکل میں ڈھال کر معاصر ہندوستان ٹائمز میں چھپوایا تھا۔ اس کا ترجمہ ہم فاضل مصنف، سروِدے پریس سروس اور ہندوستان ٹائمز کے شکریے کے ساتھ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

—— ایڈیٹر

سچی خدمت کا اہل ہونے کے لئے پہلے اپنے نفس کی خدمت شرط ہے۔ یہیں سے اخلاق کی بھٹی میں تپائے ہوئے اُس جوہر کی ابتدا ہوتی ہے جس سے نیکی کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔ نیک کام کرنا بُرا تو نہیں ہے۔ اچھا ہے، اور بعض اوقات بہت اچھا، مگر کم سے کم میرے نزدیک اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ خود نیک ہونا بھی ضروری اور شرط ہے۔ کارزارِ حیات کی کوئی سیر کرے تو دیکھے گا کہ لوگوں کا ایک جمِ غفیر ہے جن کی نظر تو کسی نہ کسی بدی کے اوپر ہوتی ہے لیکن نظر آتے ہیں وہ ثواب کا کام کرتے ہوئے۔ ان کے دکھاوے کے یہ نیک کام دراصل بہ طور خراج کے ہوتے ہیں جو بدی کو نیکی کے دربار میں ادا کرنا پڑتا ہے، اور ظاہر ہے اخلاقی اعتبار سے یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

کہا جاتا رہا ہے کہ حقیقی زندگی خدمت کی زندگی ہے۔ خدمت کارِ ثواب ہے، خدمت عبادت ہے۔ جی ہاں، ٹھیک ہے لیکن یکارِ ثواب وہ نہیں ہے جو غلطی سے لوگوں میں مقبول ہو گیا ہے یعنی خود اپنی ذات کو نظر انداز کر کے خالصتاً دوسروں کی بھلائی کے لئے کام کرنا۔ یہ ضروری نہیں کہ دوسروں کی بھلائی کے لئے جو کام کیا جائے صرف وہی کارِ ثواب ہے۔ اگر ہم میں خدمت کا جذبہ ہے تو یہ ضروری نہیں کہ ہم صرف دوسروں کی خدمت کی بات سوچیں اور خود اپنے آپ سے قطعاً بے خبر ہو جائیں۔ ہرگز نہیں، اگر خدمت ہم اپنے گھر سے شروع نہیں کرتے تو ہو سکتا ہے وہ کارِ ثواب اپنی قوت و صلاحیت کا ایک بے ربط، فضول اور بے نتیجہ مصرف ثابت ہو۔

خدمتِ خلق —— جو ایک مبارک حوصلہ ہے —— اس کا اہل بننے اور زندگی کی بارگاہ کا مقبولِ بارگاہ خادم ثابت ہونے کے لئے ضرورت اس کی ہے کہ ہم ان صلاحیتوں کی جو قدرت نے ہم میں سے ہر ایک کو ودیعت کی ہیں ان کی پوری پوری

نشوونما کریں اور اس مقصد کے لئے لگاتار جان کھپائیں، اپنے وجود کو ایک آلۂ خدمت بنالیں تاکہ خدمت ہو تو ایسی کہ اس کا کچھ نتیجہ برآمد ہو، اس کے لئے ہمیں ثابت قدمی کے ساتھ اپنے نفس کے اوپر نظر رکھ کر، دعائیں مانگ مانگ کر ـــ غرض اپنے آپ کو کوٹ پیٹ کر ایک شکل میں ڈھالنا ہوگا۔ اپنے ارادے میں پختگی پیدا کرنی ہوگی، اپنی قوتِ فیصلہ کی تربیت کرنی ہوگی اور نظر میں وسعت لانی ہوگی۔ ہمیں اپنے اوپر اعتماد کرنا ہونا ہوگا، اپنے آپ کو صرف نقل نہیں، اصل بنانا ہوگا۔

قبل اس کے کہ کوئی اپنے آپ کو بے غرض سماجی خدمت کا اہل بنائے، یقین رکھئے، اُسے اپنے نفس کو سدھانے کے لئے بہت بڑا ریاض کرنا پڑے گا۔ زندگی کی ہڑبونگ میں ہم بعض اوقات اس مرکزی نکتے کو بھلا بیٹھتے ہیں چنانچہ پہلی بات جو مجھے کہنی ہے یہ ہے کہ ایسا ہمیں بھولے سے بھی نہیں کرنا چاہئے۔

## اقدار و مقاصد

دوسری بات جو مجھے کہنی ہے، یہ ہے کہ یہ کام پوری کامیابی کے ساتھ ہو کیسے؟ میرے خیال میں اس کا بس ایک ہی طریقہ ہے۔ اور وہ یہ کہ جس چیز کو عرف عام میں زندگی کہتے ہیں، اس کے لمحہ بہ لمحہ بدلتے ہوئے دھارے ہمیں اکھاڑنے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں، ہمیں اس جستجو میں اپنی جگہ پہاڑ کی طرح جما رہنا چاہئے کہ ہماری اپنی قدریں کیا ہیں، ہماری منزل کیا ہے، وہ مفاد کیا ہیں جن کے لئے ہمیں زندہ رہنا ہے، اور جب اس جستجو میں کامیابی ہو جائے تو چاہئے کہ اپنے آپ کو ان کی تہذیب و تنزیہ کے لئے وقف کر دیں۔ اپنے وجود کی ذہنی و اخلاقی ساخت کی پہچان پہلا قدم ہے جو ایک مکمل زندگی، اخلاقی حساسیت، اور نتیجہ خیز خدمت کے طویل سفر میں اٹھانا چاہئے۔ اربابِ تضاد قدر نے ہماری تخلیق میں انفرادیت کا جو معیار ودیعت کیا ہے، اُسے ہم اپنی سیرت کا امتیازی پہلو صرف اسی وقت بنا سکتے ہیں جب ہم اقدار، مقاصد اور مفاد کا وہ روپ معلوم کر لیں جو ہماری خصوصیت ہے، اپنی انفرادی خصوصیت کی کھوج لگا لیں، اس کی وہبی صلاحیتوں کی ہمہ گیر نشوونما کر لیں، اس کو خوب دیکھ بھال کر، ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر، دعائیں مانگ مانگ کر تضادات سے پاک کر سطحیت اور گہرائی کے درمیان امتیاز کرتے رہیں اور اس کے مختلف مگر اہم عناصر میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے ریاضت کریں جو ہے تو بڑا صبر آزما کام مگر اسی قدر نفع بخش بھی ہے۔

اب میں تیسری بات کہوں گا اور وہ یہ ہے کہ کردار کی پختگی فرد کی خصوصیت تو ہوتی ہے مگر اس کی کوئی اخلاقی اہمیت نہیں ہوتی۔ کردار منفی بھی ہو سکتا ہے اور مثبت بھی۔ پکا بدمعاش ہو یا منجھا ہوا ڈاکو یا پہنچا ہوا فقیر، کردار ان سب کا ہوتا ہے۔ کردار اخلاقی اعتبار سے پسندیدہ اُسی وقت ہوتا ہے جب اُسے اخلاقی اعتبار سے کسی پسندیدہ عمل کا پابند بنایا جا سکتا ہے۔ تیسری بات اس لحاظ سے یہ ہوئی کہ جس کردار کی صورت گری کی گئی ہے اُسے زندگی کی کچھ اعلیٰ اخلاقی قدروں سے وابستہ کیا جائے۔ اعلیٰ قدروں کے ساتھ یہ وابستگی زندگی کو

بامعنی بناتی اور اُسے بقائے دوام بخشتی ہے۔ اعلیٰ قدروں کے ساتھ اس وابستگی سے کردار شخصیت میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ ذاتیت کا کردار کی منزلیں طے کرکے شخصیت کا روپ اختیار کرنا جو مقاصد عالیہ کی خدمت کے لئے وقف ہو۔ یہی میرے نزدیک زندگی کی راہ ہے۔ یہ بڑی لمبی راہ ہے، بڑی دشوار گذار راہ ہے۔

مگر اس وابستگی کا مطلب ہے سولہ آنے وابستگی، مکمل وابستگی۔ یہ تکمیل کا کوئی سودا نہیں ہے کہ کسی وقت سودے بازی تو کسی وقت اخلاق، کبھی منافع خوری، کبھی دکھاوے کی قربانی، آج ظلم اور سنگ دلی، کل تاجرانہ رحم دلی؛ یہاں ہوشیاری اور چالاکی گویا اقدار و اخلاق کا کوئی وجود ہی نہ ہو، وہاں اخلاق ہی اخلاق جیسے ہوشیاری اور چالاکی چھو کر بھی نہیں گذری ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ اہم اور یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ سولہ آنے وابستگی اسی وقت بروئے کار آسکتی ہے جب سماج سے جس کے ساتھ ہم رہتے سہتے ہیں، ہمارا تعلق ہو۔ یہ رُہلی کڑی، فرد اور سماج کے درمیان یہ ریشمی ڈور، زندگی کی بھول بھلیاں میں راہ بتانے والی رسّی کی طرح جسے پکڑے رہنا ضروری ہے۔ اس کے لئے یہ عقیدہ رکھنا پہلی شرط ہے کہ جس فرد کا ہم اب تک چرچا کرتے آئے ہیں، اس کی صلاحیتیں اس وقت تک پورے طور پر نہیں اُبھر سکتیں۔ جب تک اپنے مشترک سماجی وجود سے اُس کا رشتہ بھی اُسی حد تک پختہ اور مکمل نہ ہو جائے۔

جو شخص بہ حیثیت فرد کے اپنے آپ کو حدِ کمال تک پہنچانا چاہتا ہے، اس کے لئے یہ لازمی ہی نہیں ایک حد تک ناگزیر ہے کہ اس متاعِ بے بہا کو سماج میں تلاش کرے، سماج میں رہ کر اس منزل پر پہنچنے کا جتن کرے۔ اگر فرد یہی کرے کہ اپنے آپ کو اپنے ہی ذہنی، اخلاقی اور روحانی ارتقا تک محدود کرلے، اور مہذب زندگی کی تعمیر و توسیع کے باب میں جو کچھ بھی کرے، وہ سب اپنے ہی وجود کو اعلیٰ و ارفع بنانے کے لئے ہو، اور سماج کے اوپر جو کچھ گذر رہی ہے اس کی طرف سے منہ موڑ لے، تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے روحانی وجود کو درجۂ کمال پر پہنچا لے ــ جو بہرحال مشتبہ ہے۔ لیکن اگر اس کے اسی عمل کو عام طور پر نمونۂ عمل تسلیم کر لیا جائے تو پھر تہذیب و ترقی حتیٰ کہ خود فرد کی تہذیب و ترقی کی تمام راہیں ایک ویران ذخیرآباد علاقے کو جانے والی تاریک وبے کیف گلیاں ثابت ہوں، اور یہ خود مطلب اور اپنی ذات میں کھوئی ہوئی روحانی شخصیت، ہو سکتا ہے، ایسی حالت میں پائی جائے جیسے دیکھ کر گھن آئے، جس نے اپنا مسکن تو کسی اونچی چٹان کو بنایا ہو، مگر وہ ہو بے آب و رنگ اور ویران و سنسان، اور جس کا قلب و ذہن اپنی خمیدہ اور بے ڈول ناک کی اونچائی سے اُونچی اور کوئی بات نہ سوچ سکتا ہو۔

## بنیادی مواد

ہاں، تو بات اس کے برعکس ہے۔ سماج میں رہ کر جو کمال حاصل کیا جاتا ہے وہ فرد کے شخصی کمال کے لئے لازمی ہے، اس لئے کہ یہی وہ بنیادی مواد ہے جس سے سماج کی عظمت و کمال کا ہیولیٰ تیار ہوتا ہے۔ فرد کی نشوونما کے لئے ضروری ہے کہ سماج میں تبدیلی سے

ایک دوسرے کا ہاتھ بٹانے کا جذبہ اُس کا ایمان بن چکا ہو، وہ فرد کے حوصلوں اور منصوبوں میں اس کی مدد کر کے خوش ہو، جن لوگوں کو مدد کی ضرورت ہو، اُن کی مدد کرنے کی فکر ہر وقت دامن گیر رہے، وہ ایک اچھا اور انصاف پسند سماجی نظام قائم کرے، ایک بے لوث اور پاک و صاف سیاسی زندگی کی بنیاد ڈالے اور ایک ایسی لیڈر شپ کی حوصلہ افزائی کرے جس کی بنیاد ایمان داری اور جمہوریت پر ہو، اور جو آئینے کی سی صفائی کے ساتھ مشترک مفاد کے لئے وقف ہو۔

اور اب میں اپنی آخری بات کی طرف آتا ہوں جو اس تمام بحث کا حاصل ہے۔ فرد اور سماج کی یگانگت کا یہ اصول بروئے کار نہیں آسکتا، اگر اس کے اوپر صرف زبان سے ایمان لایا جائے، فرد اور سماج کو اسے اپنی دال روٹی اور اوڑھنا بچھونا بنانا ہوگا۔ اس کے لئے تیرنا تیر کر ہی آتا ہے اور خدمت کرنے کا آرٹ سماج میں رہ کر خدمت کرنے ہی سے سیکھا جا سکتا ہے۔ فرد کی اخلاقی شخصیت کی پوری نشو و نما اس ریاست میں ہوتی ہے جس کی بنیاد اخلاق کے اوپر ہو — اخلاقی ریاست میں — صحیح معنی میں ایک اخلاقی ریاست کی تعمیر کرنا جمہوری سماج میں ہر شخص کا فرض ہوتا ہے، اتنا ہی اہم اور بڑا فرض جتنا کوئی اور فرض ہو سکتا ہے۔ ایسا کرنے کے لئے ہمیں تعلقات کے اُس قدرتی سانچے میں اصلاح اور صفائی پیدا کرنا ہوگی جس میں ڈھل کر ہندوستانی ریاست وجود میں آتی ہے۔ ہمیں قدروں کے مشترک معیار مقرر کرنے ہوں گے۔ اور اپنی مشترک جماعتی خصوصیات قائم کرنی ہوں گی۔ ریاست کے معاملات میں اخلاقی یک جہتی کا ایک اونچا معیار ہمیں ہر قیمت پر اپنے سامنے رکھنا ہوگا اور "قانونی حکومت" کو ایک حقیقت بنا کر دکھانا ہوگا۔ قومی زندگی کی شکل متعین کرنے میں سیاسی پارٹیوں کی اتنی اہمیت ہو گئی ہے کہ اُن کے سامنے دوسری چیزیں ماند پڑ گئی ہیں۔ ان کو ہمیں اس حقیقت کا یقین کرانا ہوگا کہ سیاسی پارٹیوں کا طرزِ عمل ایسا نہیں ہوتا کہ ناجائز فائدہ اٹھانے کی نفسانی خواہش کا مقابلہ نہ کیا جا سکے۔ ہمیں آزاد انسانوں کی نظر میں پسندیدہ اور منتخب بننے کے لئے اپنی تربیت کرنی ہوگی۔ ابھی ہم ذمے داریوں اور فرائض کے معاملے میں اعلیٰ و ارفع آدرشوں کے مقابلے میں اکثر و بیشتر ادنیٰ اور گرے ہوئے معیاروں کو مقدم سمجھ لیا کرتے ہیں۔

ہمیں جو کچھ کرنا ہے اس کی فہرست کو میں اب اور طول نہیں دوں گا۔ لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا اور جو میں پورے یقین و اعتماد اور وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ تنہائی میں خلق خدا کی مدد اور سیوا کے کام بس ایک خاص وقت اور مقام کے لحاظ ہی سے ہونا چاہئیں۔ خدمتِ خلق بامعنی اور نتیجہ خیز ایک خاص حالت ہی میں ہوتی ہے اور وہ خاص حالت یہ ہے کہ خدمت کرنے والا انفرادی اور سماجی اعتبار سے درجۂ کمال حاصل کرنے کی کوشش میں اپنے پورے وجود کو جی جان سے کھپا چکا ہو۔

# اڈلٹ ایجوکیشن کے پانچ منصب

## (۱)

## اصلاحی منصب

امریکہ کے ممتاز ماہر تعلیم پروفیسر لیمن برائسن کی کتاب "اڈلٹ ایجوکیشن" کو اس موضوع پر (امریکی نقطۂ نظر کے مطابق) درسی کتاب کی حیثیت حاصل ہے۔ اگرچہ یہ اب سے پچیس چھبیس سال پہلے شائع ہوئی تھی، اور اُس وقت سے اب تک اڈلٹ ایجوکیشن کے مفہوم اور حدود دونوں میں بڑی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں تاہم اڈلٹ ایجوکیشن کے طالب علم کے لئے یہ کتاب اب بھی مطالعے کی بنیاد بن سکتی ہے۔

اس شمارے سے ہم اس کتاب کے ایک باب "اڈلٹ ایجوکیشن کے منصب" کا ترجمہ شروع کر رہے ہیں جو پانچ قسطوں میں ختم ہوگا۔ واضح رہے کہ مصنف نے کتاب امریکہ کے سماجی پس منظر کو سامنے رکھ کر لکھی ہے اور ضروری نہیں کہ اس کے خیالات حرف بہ حرف ہمارے سماجی حالات پر ٹھیک اتریں۔ یہ مضامین صرف اس مقصد سے شائع کئے جا رہے ہیں کہ اڈلٹ ایجوکیشن کے ہندوستانی طالب علم اپنے مطالعے میں ان سے بنیادی کام لے سکیں۔

باب کے تمہیدی حصے کے غیر ضروری پہلو چھوڑ دیئے گئے ہیں اور صرف وہی پہلو لئے گئے ہیں جن کا اس باب سے براہِ راست تعلق ہے۔ —— ایڈیٹر

## تمہید

کسی تعلیمی عمل کے اوپر ان تین چیزوں کو سامنے رکھ کر غور و فکر کیا جا سکتا ہے۔ ایک یہ کہ اس کا منشا کیا ہے اور وہ کیا کام کرنا چاہتی

ہے۔ دوسری یہ کہ جو ادارہ اُسے انجام دے رہا ہے' اس کی نوعیت کیا ہے اور تیسری یہ کہ اس کا موضوع کیا ہے یعنی اگر کوئی اسے سمجھنا چاہے تو اُسے دیکھنا چاہئے کہ وہ تعلیمی عمل کام کیا انجام دیتا ہے' یا اُسے اُس ادارے کو دیکھنا چاہیے جس کے اہتمام میں پروگرام چل رہا ہے یا پھر یہ کہ اس کے ماتحت جو تعلیم ہوتی ہے اس کا کیا موضوع ہے۔ اسے سمجھنے کے بلا شبہ اور بھی راستے ہو سکتے ہیں مثلاً یہ کہ تعلیم حاصل کرنے والے کون لوگ ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس باب میں ہم اڈلٹ ایجوکیشن کے صرف منصب کو سمجھنے کی کوشش کریں گے اور دیکھیں گے کہ اس تعلیمی عمل کا کام کیا ہے۔

اگر ہم اڈلٹ ایجوکیشن کے منصبوں کا تجزیہ کرنا چاہتے ہیں تو ضروری ہوگا کہ اس تحریک کے تیزی سے بدلتے ہوئے رنگ روپ کو اپنے سامنے رکھیں۔ اس کی ضرورت البتہ نہیں ہے کہ اس تغیر پذیری کی نشان دہی کی جائے۔ ہم بس موٹے حساب سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اڈلٹ ایجوکیشن کو اس کے منصب کے اعتبار سے پانچ پہلوؤں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ کوئی ادارہ چاہے تو ان میں سے کسی ایک پہلو کو اپنے لئے منتخب کر سکتا ہے یا پانچوں کو۔ اسی طرح ایک ہی کام ان میں سے ایک یا ایک سے زیادہ پہلوؤں کا احاطہ کر سکتا ہے۔ یوں بنیادی طور پر ان سب پہلوؤں کے ڈانڈے ایک ہی نقطے پر آ کر مل جاتے ہیں یعنی سیرت و شخصیت کی توسیع و تہذیب اور زندگی کی رفتار میں تیزی۔ جو بالغ مرد اور عورتیں آپ اپنی تعلیم کا شوق رکھتے ہیں' ان کے محرکات کا جتنا گہرا مطالعہ کیجئے گا اتنا ہی یہ یقین پختہ ہو جائے گا کہ اپنے آپ اپنی ترقی کا یہ بنیادی محرک اگرچہ ہزاروں ایک سے ایک مختلف شکلیں اختیار کرتا ہے مگر دراصل رہتا ایک ہی ہے۔

اڈلٹ ایجوکیشن کے پانچ منصب یہ ہیں: ۔ (۱) اصلاحی۔ (۲) پیشہ ورانہ۔ (۳) تعلقاتی۔ (۴) تہذیبی تعلیم اور (۵) سیاسی۔

اصلاحی اڈلٹ ایجوکیشن کو کم و بیش رسمی تعلیم کہہ سکتے ہیں جس کا مقصد جواں سال شخص کو ہر وہ استعداد بہم پہنچانا ہے جس کے ذریعے اُسے وہ کم سے کم تعلیمی صلاحیت حاصل ہو جائے جو امریکی جماعت کے اندر رہ کر زندگی گذارنے کے لئے ضروری ہے۔ اس تعلیم میں پڑھنے اور لکھنے کی صلاحیت اور نو وارد لوگوں کے لئے عام بول چال کی انگریزی زبان اور امریکی شہریت کا علم بھی شامل ہوتا ہے۔ خانہ داری اور بچوں کی پرورش و پرداخت کا ابتدائی علم اور صحت اور مہذب آداب و اطوار کی معمولی معلومات بھی اسی اصلاحی منصب کی تعریف میں شامل ہے اس لئے کہ بالغ شہریوں کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ ان علوم میں بھی ان کی استعداد بس کام چلاؤ ہوتی ہے۔

پیشہ ورانہ منصب میں بالعموم یہ چار باتیں شامل ہیں: ۔ (۱) موجودہ پیشے کی اعلیٰ تر تعلیم۔ (۲) موجودہ پیشے سے مختلف کسی اور پیشے کی ٹریننگ۔ (۳) مشینی بے روزگاری کے مارے ہوؤں کے لئے روزگار فراہم کرنے کے امکانات پیدا کرنا اور

(۴) پیشے کے انتخاب یا موجودہ پیشے سے مطابقت پیدا کرنے میں صلاح و مشورہ فراہم کرنا۔

تعلقاتی منصب میں والدین کی تربیت اور جذبات، اعمال و اطوار اور نفسیاتی عادات کا مطالعہ شامل ہے جس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ افراد کو اپنے آپ کو اور دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو اچھی طرح سمجھنے میں مدد ملے۔

"تہذیبی تعلیم" یعنی لبرل ایجوکیشن کی اصطلاح ہر اُس عمل اور سرگرمی کے لئے استعمال ہو سکتی ہے جو "ادب برائے ادب" یا "علم برائے علم" کے مصداق اختیار کی جاتی ہے یعنی اُس مسرت کو حاصل کرنے کے لئے جو علم کے حصول سے حاصل ہوتی ہے۔ یوں تو اڈلٹ ایجوکیشن کے ضمن میں آنے والا ہر قسم کا مطالعہ تہذیب نفس ہی کے لئے اور "آزادی دلانے والا"[1] ہونا چاہئیے لیکن مذکورہ بالا منصبوں میں سے شروع کے دو منصب اور کسی حد تک تیسرا بھی "وسیلے" کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان سے جن نتائج کی امید کی جاتی ہے ان کی نوعیت کامیابی کی مسرت سے بالاتر ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آرٹ یا فلسفہ یا سائنس کی تحصیل کے پیچھے بھی اپنی ترقی کی خواہش محرک بن سکتی ہے۔ لیکن یہ سرگرمیاں ایسی نہیں ہیں کہ کسی کی روزمرہ کی زندگی یا دوسروں سے تعلقات کی نوعیت پر براہ راست اثر انداز ہو سکیں۔ البتہ لطف و مسرت کا عُنصر یعنی کام کی نوعیت کے دلچسپ ہونے میں جو مزہ ملتا ہے، اور جو ہر قسم کے تعلیمی عمل میں موجود ہوتا ہے یا موجود ہونا چاہئیے، وہ عُنصر تنہا اِس میدان میں شدید ہوتا ہے اتنا شدید کسی اور میدان میں نہیں ہوتا۔

سیاسی تعلیم میں وہ سب مطالعے، معمولات اور تجربات شامل ہیں جنھیں لوگ ارادہ کر کے اپنی ریاست کے اچھے سے اچھے رکن بننے کی غرض سے اختیار کرتے ہیں۔ اس میں صرف سیاسیات کا مطالعہ ہی بطور ایک مضمون کے شامل نہیں ہے بلکہ ہر وہ تربیت جو سیاسی اعتبار سے ریاست کے کام آنے کے لئے ضروری ہو اس ضمن میں آجاتی ہے۔

## ۱۔ اصلاحی منصب

یہ تو صحیح ہے کہ جوں جوں زمانہ گذرتا جائے اسی اعتبار سے اصلاحی تعلیم کا بوجھ ہمارے وسائل پر سے کم سے کم تر ہوتا رہنا چاہئیے لیکن پھر بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ اسے کلیتہً غیر ضروری قرار دے دیا جائے۔ ہم امریکی عوام سے ناخواندگی کی لعنت کو سرے سے ختم کر سکتے ہیں البتہ شرط یہ ہے کہ ہم اس مقصد کے اوپر کافی محنت اور سرمایہ صرف کرنے کے لئے آمادہ ہوں۔ لیکن اس کوشش میں اگر ہم اتنا ہی کر پاتے ہیں کہ لوگ معمولی طور پر خواندہ ہو جائیں، تو یہ بھی سوچنا ہوگا کہ جب تک لوگ اس قابل ہوں گے اس وقت تک تعلیم کا معیار اور بلند ہو چکا ہوگا اور ہماری آبادی کا پست طبقہ —— جس کے بارے میں تعلیم کی زبان میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ وہ

[1] لبرل کے اصل معنی آزادی پسند کے ہوتے ہیں۔ یہاں لفظ "آزادی دلانے والا" اسی رعایت سے استعمال ہوا ہے۔ - ایڈیٹر

عورتیں اور مرد جو اپنے بچپن میں تعلیمی مواقع سے فائدہ اٹھانے میں ناکام رہ گئے تھے ۔ خواندگی کی صلاحیت حاصل کرنے کے بعد بھی تعلیمی معیار کے مسلسل بڑھتے ہوئے پیمانے سے نمایاں طور پر نیچے رہ جائے گا ۔

## امریکہ کی صورتِ حال[a]

بہت سے امریکی سمجھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ ان کی قوم کے لوگ تعلیمی اعتبار سے بہت آگے ہیں۔ یہ غلط فہمی غالباً اس وجہ سے ہے کہ جہاں تعلیم کا انتظام سب سے زیادہ ہے وہاں اس کا چرچا بھی سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ امریکہ میں ایسے بہت سے اور وسیع علاقے موجود ہیں جو تعلیمی اعتبار سے اس قدر پست ہیں کہ ان کی موجودگی کا ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا اور ہم انھیں اکثر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ علاقے جس طرح جغرافیائی وجود رکھتے ہیں اسی طرح ان کا سماجی وجود بھی ہے یعنی وہ ہمارے بڑے بڑے شہروں میں اپنی مخصوص آبادیاں بنا کر رہتے ہیں جو عام امریکی تہذیب کے دھارے سے بالکل کٹی ہوئی اور الگ ہیں ۔ اسی طرح ان کے طبقے مشرقی ساحل کے پہاڑی گاؤں، جنوبی سرے کے بعض علاقوں اور جنوب مغربی امریکہ کے کچھ حصوں میں بھی آباد ہیں جہاں پسماندگی عام ہے ۔

یہ صورتِ حال کس درجہ تشویشناک ہے، اس کا اندازہ سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے اس کی تحقیقاتیں اور ریسرچ کی ہے، بہت کم لوگوں کو ہے۔ ہم اپنے تئیں عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ایک خواندہ قوم ہیں۔ مگر لفظ "خواندگی" کی بہت سی تعبیریں ممکن ہیں ۔ جن لوگوں نے مردم شماریوں کے اعداد و شمار اور ان کی حقیقتوں کا مطالعہ کرنے میں اپنے وقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ صرف کیا ہے ان کا متفقہ فیصلہ ہے کہ امریکہ میں لاکھوں عورتیں اور مرد ایسے ہیں جنھیں صحیح معنوں میں کسی طرح بھی خواندہ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ تو ممکن ہے کہ ضرورت پڑنے پر یہ لوگ اپنا نام لکھ سکتے ہوں لیکن اپنے کام کاج یا تعلیم کے معاملے میں لکھی یا چھپی ہوئی تحریر کا استعمال قطعاً نہیں کر سکتے ۔ بہت سی باتوں اور پہلوؤں کو نظر انداز کر دینے کے بعد بھی جو حساب لگایا گیا ہے اس کے اعتبار سے بھی کہا جا سکتا ہے کہ امریکہ میں بیس سال سے اوپر کی عمر کے ڈیڑھ کروڑ عورتیں اور مرد پسماندگی کا شکار ہیں ۔

ڈیڑھ کروڑ کی تعداد امریکہ کی بالغ آبادی کی ۲۰ فی صدی ہوتی ہے۔ آبادی کے اس حصے کے بارے میں کسی طرح یہ نہیں

[a] مضمون کا یہ حصہ امریکہ کی اس صورتِ حال کی ترجمانی کرتا ہے جو اب سے پچیس چھبیس سال پہلے یعنی ۱۹۳۶ء میں تھی۔ موجودہ صورتِ حال ممکن ہے اس سے مختلف ہو۔ لیکن یہاں اس کا ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ یہ واضح ہو جائے کہ امریکہ کے ماہرینِ تعلیم ناخواندگی کے مسئلے پر اس وقت کتنی تشویش اور سنجیدگی کے ساتھ غور کر رہے تھے ۔

کہا جا سکتا کہ وہ سیاسی اور سماجی علم کے ان وسائل کے حامل ہیں جن سے کام لے کر ایک آزاد اور خود مختار ملک کا شہری اپنا کردار ادا کرسکتا ہے۔ مگر اس صورتِ حال کے باوجود ناخواندگی کے انسداد کا پروگرام یہ کہہ کر ٹال دیا جاتا ہے کہ اس کی اتنی اہمیت نہیں ہے کہ اس کے اوپر توجہ کی جائے۔ اس کے مقابلے میں کہا جاتا ہے کہ ہمیں ضرورت ہے اپنے اسکول سسٹم میں اصلاح کرنے کی تاکہ مستقبل میں کوئی ایسا بالغ نہ رہ جائے جو اُس سے کم سے کم تعلیم سے محروم رہے جو کارآمد شہری ہونے کے لئے ضروری ہے[1]

مسئلے کا یہ حل قابلِ قبول نہیں ہے جس کے دو اسباب ہیں۔ اوّل یہ کہ ایک ایسے علاقے میں جہاں والدین اچھی تعلیم کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہوں، اسکولوں کے لئے عوام کی تائید حاصل کرنا بے حد مشکل ہے۔ صحیح معنی میں جسے ذہن کی تربیت کہہ سکتے ہیں، وہ اگر کسی جماعت کے لئے مفید اور کارآمد ہوسکتی ہے، تو اس کا فیض ہر عمر اور ہر طبقے کے لوگوں کو پہنچنا چاہئے۔ اس سلسلے میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ایک بوڑھے شخص کو تعلیم دینے کا حاصل بہت کم ہوگا اس لئے کہ اُسے اپنی اس نئی صلاحیت کو استعمال کرنے کا بہت کم موقع رہ جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم کامیابی کی مسرت کی اُس انسانی قدر کو نظرانداز کر رہے ہیں جس کا ہر شخص کو جا ہے وہ بوڑھا ہو یا جوان حق حاصل ہے اور یہ حق اُسے ملنا چاہیئے۔ لیکن اسے چھوڑیئے، یوں سمجھئے کہ یہ بات کہہ کر ہم اس حقیقت کی طرف سے نظر بند کر رہے ہیں کہ ان جماعتوں میں جہاں ناخواندگی عام ہوتی ہے، ابتدائی افسانوں کی طرح بڑھاپے کی کتنی زبردست اہمیت ہوتی ہے۔ اور اس قدر کا یہ زبردست تقاضا ہے کہ جس چیز کو ہم اُس جماعت کے افراد میں فیشن کے طرح مقبول بنانا چاہتے ہیں، اُس سے بڑی عمر کے لوگوں کو متعارف کرنا چاہیئے۔ ایک مرتبہ ایک تعلیمی کانفرنس میں جنوب کے ایک کارکن نے ۹۰ برس کے ایک بوڑھے، کا قصّہ بیان کیا کہ اس بوڑھے نے کس کامیابی سے پڑھنا لکھنا سیکھا۔ خواندگی کی افادیت کے مخالف ایک حضرت نے اعتراض جڑ دیا۔ کہنے لگے ایک بوڑھے کو پڑھنا لکھنا سیکھا کر کیا فائدہ حاصل کر لیا، جو قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے اور اب اسے اتنا موقع نہیں ہے کہ اپنی اس صلاحیت کو استعمال کرسکے! جواب ملا "جناب والا! اُس بوڑھے کے کچھ نہیں تو ایک سو بیٹے پوتے اور نواسے نواسیاں ہیں۔ چنانچہ اُن سب نے دیکھا کہ جب ہمارے دادا ہمارے نانا نے پڑھنا لکھنا سیکھا ہے تو یقیناً اس پڑھنے لکھنے میں کچھ نہ کچھ فائدہ ہے۔ اس قصّے سے اس بات کی صداقت واضح ہوتی ہے کہ ان علاقوں میں جہاں ناخواندگی ہر طبقے میں عام ہو۔ لوگوں کو خواندگی کے حق میں قائل معقول کرنا کس قدر مشکل ہے اور اگر ان حالات میں بستیوں کے بزرگوں اور بوڑھوں کو پڑھنا لکھنا سیکھنے میں آمادہ کر لیا جائے تو اس سے دوسرے لوگوں کو کتنی تحریک ہوسکتی ہے۔

قومی ترقی کی منصوبہ بندی میں اصلاحی تعلیم کو ایک مستحکم اور پائیدار مرتبہ دینے کا سبب وہ ہے جسے پچھلے کسی باب میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مختصر یوں سمجھئے کہ تعلیم کے باب میں کوئی ایک معیار جو کم سے کم ہو مقرر نہیں ہے۔ یہ مسلسل اونچے سے اونچا ہوتا جارہا ہے

[1] ٹھیک یہی بات جو آج کل تعلیم بالغان کے مقابلے میں ہمارے ہندوستانی مفکرین کہتے ہیں۔ — ایڈیٹر

رہا ہے چنانچہ جب تک کہ ہم اپنے تمام بچوں اور نوجوانوں کے لئے تعلیم کے یکساں اور مساوی مواقع فراہم کرنے کے قابل نہ ہو جائیں جس کی امید ذرا کم ہی ہے۔ اس وقت تک دوسرے درجے کا حل جو ہم کر سکتے ہیں، یہ ہے کہ بالغ عمر کے لوگوں کی اُس کمی کو تعلیم بالغان کے ذریعے پورا کرتے رہیں جو معیار تعلیم کے بلند ہو جانے کے سبب سے اُن کی تعلیم میں رہ جایا کرے گی۔

تعلیم کا ایک کم سے کم معیار جو سب کے لئے عام ہو، وہ صرف پڑھنے لکھنے کی صلاحیت تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ اس میں خانہ داری بچوں کی پرورش و پرداخت، صحت، اور عام شہریت کا ابتدائی علم بھی شامل ہے، اور اُس کی تربیت کا بھی وہی اہتمام ہونا چاہیئے جو ادنیٰ معیار کی تعلیم میں روا رکھا جاتا ہے۔ پھر امریکہ میں ایسے لوگوں کی بھی بہت بڑی تعداد موجود ہے، جنھیں ہمارے قوانین اور رسم و رواج کا پورا پورا علم نہیں ہے اور نہ وہ انگریزی زبان سے واقف ہیں اور اس کی وجہ سے وہ عملاً امریکی شہریت سے محروم ہیں۔ یہ لوگ بھی تعلیمِ بالغان کے اصلاحی منصب ہی کی تعریف میں آتے ہیں اور ان کے مسائل کا حل کرنے میں مخصوص طریقے اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

(اگلے پرچے میں اڈلٹ ایجوکیشن کے پیشہ ورانہ منصب پر بحث
کی جائے گی۔ — ایڈیٹر)

# اڈلٹ ایجوکیشن: وقت کا سب سے بڑا تقاضا

انسان کا مستقبل کئی اعتبار سے اڈلٹ ایجوکیشن کی ترقی اور کامیابی پر منحصر کہا جاسکتا ہے۔ اس طرح کی دوٹوک بات، جب تک اس کی پوری پوری تشریح و تعبیر نہ کی جائے، اعتراضات اور تنقید کا آسانی سے نشانہ بن سکتی ہے اس لئے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ انسان کو اس کے سر پر آنے والی زبردست تباہی سے بچانے کے لئے اڈلٹ ایجوکیشن کیوں اور کس طرح شرط اول کا درجہ بھی رکھتی ہے۔

سائنس اور ٹکنالوجی میں اتنی وسعت اور تیزی کے ساتھ تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں کہ انھوں نے ہماری زندگی کا رنگ روپ یکسر بدل دیا ہے اور ہمارے روایاتی آداب و اقدار بے جان ہو کر رہ گئے ہیں۔ اگر ان کو زندہ و سلامت رکھنا ہے تو ان تبدیلیوں کے ساتھ نباہ کی صورتیں نکالنا شرط ہے۔ جھلاہٹ اور مایوس القلبی کی کیفیت ایسی صورت میں جب کہ لوگ ایسی تبدیلیوں سے دوچار ہوں جو ان کی سمجھ سے باہر ہوں، قدرتی بات ہے۔ آج انسان مکمل تباہی کے تشویشناک امکانات سے گذر رہا ہے۔ ایٹمی دھماکوں کا نتیجہ اس صورت میں نکل سکتا ہے کہ انسان نے اپنے دورِ ارتقا میں اپنی عقل و بصیرت کے جو جو کرشمے دکھلائے ہیں؛ وہ سب کا سب ملیامیٹ ہو جائے۔ ہماری موجودہ نسل کے سامنے دو چیزیں ہیں جن کے سائنس اور مشین نے امکانات پیدا کر دیئے ہیں۔ یا تو وہ سب کا سب تباہ و برباد ہو جائے جو انسانی تہذیب کی دین ہے یا پھر خلا کی دنیا پر فتح حاصل ہو جائے۔ گویا ایک طرف یہ اندیشہ ہے کہ انسان کی نسل کا سرے سے خاتمہ ہو جائے اور دوسری طرف یہ امید ہے کہ ایک نامعلوم دنیا اس کے قبضے میں آجائے جس کے حدود کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ ان دو امکانات میں سے اُسے اپنے لئے ایک امکان پسند کرنا ہے۔ اس مسئلے میں متفقہ رائے یہ ہے کہ تعلیم کے دروازے ہر عورت اور مرد کے لئے یکساں طور پر کھول دیئے جانے چاہئیں تاکہ وہ ان تبدیلیوں کے نتائج کو سمجھنے کے قابل ہو جائیں اور اس سنسنی خیز ڈرامے میں اپنا کردار سمجھ داری کے ساتھ ادا کریں۔

موجودہ زمانے کی سائنسی ترقیوں کا نتیجہ بہت سی دوسری تبدیلیوں کی شکل میں بھی نکل رہا ہے۔ صنعت و حرفت کے نئے نئے طریقے اور نقل و حمل و رسائل کے تیز سے تیز تر ذرائع ایسی چیزیں ہیں جو دنیا کے تمام گوشوں پر اثر انداز ہو رہی ہیں۔ صنعتی ترقی اور چھوٹی چھوٹی اور نامعلوم بستیوں کا بڑے بڑے شہروں کی شکل میں تبدیل ہو جانا ان تبدیلیوں کے ایسے نتائج ہیں جو آئے دن ہماری نظر کے

سامنے آتے رہتے ہیں۔ دنیا میں ایسے بہت سے گوشے ہیں جو ابھی بیس سال پہلے گاؤں اور زراعت پیشہ تھے اب قصبے اور شہر بن چکے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا پورا کا پورا سماجی ڈھانچہ کچھ کا کچھ ہو گیا ہے اور اب پہچانے پہچانا نہیں جاتا۔ پرانے رسم ورواج، تعلقات کے معاملے میں پرانے تصورات اور پرانی قدروں کی جگہ نئے نئے دستور نئے نئے تعلقات اور نئی نئی قدریں لیتی جا رہی ہیں۔ پھر یہ تبدیلیاں جو ہماری زندگی کے رنگ ڈھنگ کو نئے سانچوں میں ڈھال رہی ہیں صرف مادی اور اخلاقی نوعیت کی نہیں ہیں۔ ان کے اثرات زندگی کی دوسری سمتوں میں بھی نمایاں ہیں۔ مثلاً آبادی ہے کہ دنیا میں ہر جگہ خصوصاً ان علاقوں میں جنھیں غیر ترقی یافتہ کہا جاتا ہے، دن دونی رات چوگنی رفتار سے بڑھ رہی ہے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ گذشتہ بیس سال کے دوران میں نئی نئی متعدد قومی ریاستیں (مثال کے طور پر افریقہ کو لے لیجئے) وجود میں آ گئی ہیں، اور ابھی چند سال کی بات ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں ایک دوسرے کے خلاف کھڑی ہو گئی ہیں جس سے دنیا کا امن خطرے میں پڑ گیا ہے۔ دنیا آج دو مخالف کیمپوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔

## نجات یا تباہی

ان حالات میں آج کے انسان کے سامنے سب سے اہم مسئلہ تباہی سے بچ نکلنے کا ہے لیکن کیا یہ بچ نکلنا اس قدیم قانون کے مصداق ہے جسے عرف عام میں "بقائے اصلح" یا "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کہتے ہیں؟ نہیں، یہ اُس قانون کے مصداق نہیں ہے۔ ڈارون کے اِس سن رسیدہ نظریئے میں اصلاح کی ضرورت ہے اس لئے کہ سوال اب یہ نہیں ہے کہ کون کس کو ختم کر کے باقی رہے۔ آج مسئلہ یہ ہے کہ ہم مریں تو سب ایک ساتھ اور باقی رہیں تو سب ایک ساتھ۔ "بقا" کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے ممالک اور اقوام امن و آشتی کے ماحول میں ایک ساتھ زندہ اور باقی رہنے کا گُر سیکھیں۔ بقائے باہم صرف ایک سیاسی نعرہ ہی نہیں ہے بلکہ یہی عملی گُر بھی ہے۔ "چالو" سکہ باہمی مفاہمت، ہمدردی اور رواداری وہ اوصاف ہیں جن کی آج سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ اور یہ اوصاف علم کے ذریعے پروان چڑھتے ہیں اور جہالت کے ہاتھوں برباد ہو جاتے ہیں۔ دنیا کی موجودہ کیفیت نے جو تشویشناک حقیقتیں پیدا کر دی ہیں ان کے پیش نظر یہ بات مبالغہ آمیز نہیں ہے کہ بنی نوع انسان کا مستقبل تعلیم کے اوپر منحصر ہے۔ اڈلٹ ایجوکیشن نے آج ایک نیا جامہ اختیار کر لیا ہے اور اس کی بڑی زبردست اہمیت ہو گئی ہے۔ اس کا قدیم مفہوم یعنی ان پڑھ اور غیر تعلیم یافتہ بالغوں کو پڑھنا لکھنا اور معمولی حساب کتاب سکھانا اب متروک ہو چکا ہے اور اس کا مقام اب ایک نئے مفہوم نے لے لیا ہے جس کا مطلب ہے بلا استثنا ہر شخص کی زندگی بھر کی تعلیم۔ پوری عمر ہماری زندگی میں ایسے موقعے اور وقت آتے ہیں جب ہمیں تعلیم اور اصلاح و ترقی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہماری زندگی ہماری بدلتی ہوئی دنیا سے مطابقت اور نباہ پیدا کرنے کے ایک مسلسل اور متحرک

عمل کا نام ہے جس کے لئے تعلیم اور ٹریننگ کی ہمہ وقت ضرورت ہے۔ تعلیم جس طرح تباہی سے بچ نکلنے کا راستہ بتاتی ہے اسی طرح وہ کامیاب زندگی کا گُر بھی سکھاتی ہے۔ اگر انسان اپنے سر پر منڈلاتی ہوئی تباہی سے جو اس کے اپنے ہی کرتوتوں کا پھل ہے کترا کر بچ نکلنا سیکھ لیتا ہے تو پھر اُس کے سامنے مادی اور سماجی خوش حالی کے دروازے بھی کھلیں گے جیسا کہ اس سے پہلے ۔ ریخ کے ادوار میں ہوتا رہا ہے۔

## مجبوری کی ضرورت

ان حالات کی روشنی میں دیکھئے تو اڈلٹ ایجوکیشن انسان کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسے بھوک کی شدت میں چوری کی ضرورت پڑتی ہے — اتنی ٹکمی اور دل و دماغ پر چھا جانے والی ضرورت کہ ہر عورت اور مرد کو چاہے وہ پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ علم و حکمت کی تعلیم دینا ناگزیر ہو گیا ہے تاکہ وہ آج کی جماعتی زندگی میں جس کی طرف وہ نہایت تیزی سے بڑھ رہا ہے اپنے آپ کو ٹھیک ٹھیک فٹ کرنے کے قابل ہو جائے، اڈلٹ ایجوکیشن خاص کر ان ملکوں کے لئے جو تیزی سے ترقی کی راہ پر چل پڑے ہیں ایک ایسی چیز بن گئی ہے جس کے بغیر کام ہی نہیں چل سکتا۔ یہاں کے لوگ اگر جدید زندگی کے انعامات سے جی بھر کر بہرہ اندوز ہونا چاہتے ہیں تو اس کے لئے انھیں اپنے آپ کو اچھی طرح تیار اور آراستہ کرنا پڑے گا۔ انھیں ہر اعتبار سے چاہے وہ مادی اور اخلاقی ہو یا سماجی اور سیاسی دنیا کے معاملات میں سوجھ بوجھ کے ساتھ حصّہ لینا ہوگا اور اس کے لئے اپنے آپ کو پوری طرح تیار کرنا پڑے گا تعلیم اب چند منتخب "خوش نصیبوں" کا مقفل خزانہ نہیں ہے۔ وہ اب انسان کے بنیادی حقوق کی فہرست میں آچکی ہے۔

## ترقی یافتہ ملکوں کی بات

یہ تو ہوئی غیر ترقی یافتہ اور ترقی کی راہ پر چل پڑنے والے ممالک کی بات۔ لیکن اڈلٹ ایجوکیشن خود ترقی یافتہ ملکوں کے لئے بھی ہمہ گیر ضرورت کا حکم رکھتی ہے۔ صحت مند سماج باشعور اور با اخلاق عورتوں اور مردوں کی ترکیب سے بنتا ہے نہ کہ کل پرزوں کی ترکیب سے۔ تجارتی ضرورتوں اور ٹکنیکل علوم کے اوپر ضرورت سے زیادہ زور دینے سے تعلیم کا توازن بگڑ جاتا ہے اور انسان کی سیرت و شخصیت کی تعمیر و ترقی میں خلل آجاتا ہے ٹکنالوجی، پیشہ و تجارت اور لذت پسندی کی ضرورت سے زیادہ تعلیم کے خلاف سب سے سنگین الزام یہ ہے کہ وہ سماجی اغراض و مقاصد سے عاری ہے۔ انسان کی قیمت اس کے اسباب و اثاثے سے ہمیشہ زیادہ ہوتی ہے پھر انسان متعدد پہلوؤں والا جانور ہے اور اس کی ضرورتیں بے حساب ہیں۔ وہ انسان پہلے ہے اور مستری یا ٹکنیشین اس کے بعد اڈلٹ ایجوکیشن ہی کا ایک پروگرام ایسا ہے جو جامع ہو سکتا ہے اور انسان کی زندگی کی تمام ضرورتوں۔ سماجی ضرورت، روحانی

ضرورت، جمالیاتی ضرورت اور مادّی ضرورت کہ اس کے اندر یکساں سمویا جا سکتا ہے اور اسی کی آج شدید ضرورت ہے۔

## ہندوستان کی صورتِ حال

آج کی دنیا میں جو قومیں نئی نئی آزاد ہوئی ہیں، ہندوستان بھی ان میں سے ایک ہے۔ ہندوستان غالباً ان مجوبہ ملکوں میں سے ایک ہے جہاں اضداد ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو کھڑے نظر آتے ہیں ـــ روایات پرستی، جدّت پسندی کے پہلو بہ پہلو، انتہائی جہالت اعلیٰ ترین دانش مندی اور علمیت کے پہلو بہ پہلو، اور اتھاہ دولت مندی اول درجے کی غریبی اور افلاس کے پہلو بہ پہلو، ہندوستان دنیا میں سب سے بڑی جمہوری ریاست کی حیثیت سے مشہور ہے۔ جہاں بیس کروڑ ساٹھ لاکھ انسانوں کو بالغ رائے دہندگی کے اصول پر ووٹ دینے کا حق حاصل ہے اتنے وسیع شہری حقوق اور فرائض کا مطلب یہ ہے کہ عوام کے اوپر یقیناً تعلیم کا اثر ہے۔ وہ اپنے شہری فرائض سے واقف اور آگاہ ہوتے جا رہے ہیں۔ عام انتخابات جس طرح منعقد ہوتے ہیں اور ان دنوں ووٹ دینے والوں کا جو رویہ ہوتا ہے وہ اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ ان کے اوپر جمہوریت کی تعلیمی چھاپ پڑ چکی ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود یہ داستان ابھی ادھوری ہے۔ بالغ رائے دہندگی اور اس کے معنی و مفہوم کی جو اہمیت ہے پانچ سال میں ایک مرتبہ کی مشق یعنی ووٹ دینے کے عمل سے اچھی طرح ذہن نشین نہیں ہو سکتی۔ یہ صرف عالمگیر پیمانے کی تعلیم ہی ہے جو جمہوریت کے قلب و ذہن کو اس مقصد کے لئے تربیت دے سکتی ہے۔ جمہوریت میں جو کمی رہ جاتی ہے اُسے تعلیم اور تعلیم میں جو کمی رہ جاتی ہے اُسے جمہوریت پورا کرتی ہے۔ بالغ رائے دہندگی اڈلٹ ایجوکیشن کے بغیر ایک اُلٹی سی بات معلوم ہوتی ہے اور اسی طرح اڈلٹ ایجوکیشن تو ہو مگر بالغ رائے دہندگی نہ ہو تو پورا سیاسی نظام بھک سے اُڑ جائے۔ اس اعتبار سے ہندوستان کی موجودہ صورتِ حال میں اڈلٹ ایجوکیشن مجبوری کی ضرورت ثابت ہوتی ہے جیسے پورا کئے بغیر چارہ نہ ہو۔ یہی وہ واحد وسیلہ ہے جس سے ہندوستانیوں میں مکمل قومیت پیدا ہو سکتی ہے۔ مختصر یہ کہ ہندوستان کا مستقبل عوام کی تعلیم کے اوپر منحصر ہے۔

## اڈلٹ ایجوکیشن کا مفہوم

مختصر الفاظ میں اڈلٹ ایجوکیشن کا مفہوم یہ ہے:

(۱) ہر عورت اور مرد میں کار آمد خواندگی کی صلاحیت پیدا کی جائے۔ یہ مکمل تعلیم کی راہ میں پہلا قدم ہوگا۔

(۲) خواندگی کی تعلیم حاصل کرنے والے ان عورتوں اور مردوں میں کام دھندے کی ٹکنیکل اور پیشہ ورانہ صلاحیت بھی پیدا کی جائے۔

(۳) افراد کے اندر سیرت و شخصیت اور انسانی اوصاف پیدا کئے جائیں

اس سلسلے میں آیئے دیکھیں یونیسکو کا کیا نقطۂ نظر ہے۔ اس کے مطالعے سے اڈلٹ ایجوکیشن کے منشا و مقصد کی ایک صحیح اور ٹھیک ٹھیک تعریف متعین کی جا سکے گی۔ یونیسکو کا نقطہ نظر یہ ہے:

"اس کے معنی ہیں عورتوں اور مردوں کی اس طرح تربیت کرنا کہ اس کے فیض سے وہ اپنے ماحول کے تقاضوں کے مطابق پہلے سے زیادہ مکمل اور خوش حال زندگی گذار سکیں؛ اپنی تہذیب کے بہترین عناصر کے حامل ہو سکیں؛ سماجی اور معاشی اعتبار سے اتنی ترقی کر سکیں کہ اس کی مدد سے جدید دنیا میں اپنا مناسب مقام پیدا کر لیں اور امن و سلامتی کی زندگی گذار سکیں۔"

## عملی علاج

اس مسئلے کو تسلیم کر لینے کے بعد کہ خواندگی یا فنڈامنٹل ایجوکیشن کے بغیر جمہوریت ناممکن ہے، یہ سوچنا ناگزیر ہو جاتا ہے کہ قومی پیمانے پر خواندگی کس طرح حاصل کی جا سکتی ہے اور اُسے کس طرح قائم و دائم رکھا جا سکتا ہے۔ ابتدائی تعلیم کا نظام، ایک حد تک، قوم کی خواندگی کا سنگِ بنیاد ثابت ہوتا ہے۔ مگر ابتدائی تعلیم جو کام کر چکی ہوتی ہے، اڈلٹ ایجوکیشن اُسے استحکام بخشتی ہے اور اس میں جو کمی رہ جاتی ہے، اُسے پورا کرتی ہے۔ آگے بڑھتے ہوئے ترقی یافتہ ملکوں جیسے انگلینڈ اور امریکہ میں، ابتدائی تعلیم جو عالمگیر اور جبری اور لازمی ہوتی ہے اور پندرہ سے اٹھارہ سال تک کی عمر کے لڑکوں اور لڑکیوں کا احاطہ کرتی ہے، خود مکمل اور کافی ہوتی ہے۔ ان ملکوں میں ابتدائی تعلیم نہ صرف قومی پیمانے پر خواندگی بہم پہنچا دیتی ہے بلکہ اُسے پختہ اور مستحکم بھی کر دیتی ہے۔ مگر ہمارے ابتدائی تعلیم سے مراد کل چار سال کی تعلیم ہے جو دس یا گیارہ سال کی عمر تک ختم ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہمارے یہاں کی ابتدائی تعلیم امریکہ اور انگلینڈ کی ابتدائی تعلیم کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اعداد و شمار سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ یہ چار سال کی ابتدائی تعلیم پا کر جو طلبا نکلتے ہیں ان میں سے کم از کم ۳۰ فی صدی پھر ناخواندگی کی نوبت کو پہنچ جاتے ہیں اس لئے کہ ہمارے یہاں خواندگی کے بعد کی تعلیم کا کوئی معقول بندوبست نہیں ہے۔ یورپ اور امریکہ کے ملکوں میں ابتدائی تعلیم کا اتنا اونچا معیار بھی کہا جاتا ہے، سو فی صدی کارآمد خواندگی کی ضمانت نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان ملکوں میں اڈلٹ ایجوکیشن کے اداروں اور تنظیموں کا جال سا پھیلا ہوا ہے اور وہ سب کے سب ادارے پوری مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ گویا ابتدائی تعلیم کے نظام میں جو کسر رہ جاتی ہے، اسے پورا کرنے کے لئے اڈلٹ ایجوکیشن میدان میں اُتر آئی ہے۔ غرض اڈلٹ ایجوکیشن قومی خواندگی کو یقینی طور پر پختہ کر دیتی ہے اور آگے تعلیم کی سہولتیں فراہم کرتی ہے۔

# اڈلٹ ایجوکیشن اور جمہوریت کا رشتہ

ہندوستان کی کروڑوں انسانوں سے بھری ہوئی آبادی کے لئے ضرورت ہے کہ انھیں تعلیم دی جائے اور دنیا کی جدید سائنسی، مشینی اور سماجی قوتوں کے دوش بدوش کھڑا کیا جائے۔ بالغ رائے دہندگی کا حق دینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ عوام کی تعلیم پر زور دیا جائے۔ بالغ ووٹر جو ہمارے "آقا" ہیں، اُن کی اس طرح تربیت کرنی چاہیئے کہ بالغ رائے دہندگی نے ان کے اوپر جو سماجی اور شہری فرائض عائد کئے ہیں اور اس کے ماتحت انھیں جو اختیارات حاصل ہیں انھیں وہ اچھی طرح سمجھ سکیں۔ بالغ ووٹر اپنی عمر کے اعتبار سے صرف ووٹر ہی نہیں ہے بلکہ اُسے اِس کا بھی حق ہے کہ لوگ اُسے ووٹ دیں اور وہ عوام کی نمائندگی کرے۔ تعلیم ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس کی بدولت انسان اپنے حقوق کو حاصل کرتا ہے اور اپنے فرائض کو پہچانتا اور پورا کرتا ہے۔

## دئے سے دیا جلتا ہے

آج جو بچہ ہے وہ کل بڑھ کر بالغ ہوگا۔ کم وبیش ہر شخص اپنے بڑوں کی روایات کا حامل اور مشعل بردار ہوتا ہے۔ آج جو بچہ ہے وہ اپنے بڑے بوڑھوں کے فکر وعمل کا بہت بڑی حد تک اثر قبول کرے گا اور بڑا ہو کر انھی جیسا ہوگا۔ بچوّں کی تعلیم کی اسکیم پر عمل کرنا دراں حالیکہ ساتھ ہی ساتھ بالغوں کی تعلیم کا کوئی اہتمام نہ ہو، کام کو ادھورا چھوڑ دینے کے مرادف ہے۔ عالمگیر ناخواندگی کا علاج اکیلے اڈلٹ ایجوکیشن کے بس کا کام نہیں ہے لیکن ہماری ابتدائی تعلیم بھی اتنی مکمّل اور دور رس نہیں ہے کہ یہ مسئلہ وہی اکیلے حل کرلے گی۔ اس لئے عالمگیر پیمانے پر جبری اور لازمی ابتدائی تعلیم اور اسی کے ساتھ اڈلٹ ایجوکیشن کا ایک جامع اور ہر حیثیت سے مکمّل پروگرام دونوں کی ہندوستان کو آج کے حالات میں ازحد ضرورت ہے۔

# بالغوں کی خواندگی

# دلّی سیمنار کی سفارشات اور فیصلے

"خواندگی" کے موضوع پر گذشتہ مہینے کے آخری ہفتے میں نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سینٹر کے زیر اہتمام جو سیمنار دہلی میں منعقد ہوا تھا، اس میں ہندوستان کی تقریباً تمام ریاستوں کے سوشل ایجوکیشن کے اعلیٰ افسروں نے شرکت کی تھی۔ سیمنار نے اپنی سفارشات مرتب کر کے ریاستی حکومتوں کے سامنے پیش کر دی ہیں۔ سیمنار نے اپنی مختصر سفارشات کے علاوہ، ریاستی سطح کے سوشل ایجوکیشن کے افسرانِ اعلیٰ کی رہنمائی کے لئے ایک ۲۱ نکاتی خاکہ بھی مرتب کیا ہے۔ ریاستی حکومتوں سے مندرجہ ذیل سفارشات کی گئی ہیں۔

(۱) "خواندگی" کے کاموں پر لگایا جانے والا سرمایہ اُسی طرح مفید اور پیداواری خرچ ہے جس طرح تیل کی کھوج پر صرف کیا جانے والا سرمایہ مفید اور بارآور خرچ ہوتا ہے۔ اسی لئے ریاستی حکومتوں سے پرزور سفارش کی جاتی ہے کہ وہ ناخواندگی کے خاتمے کے کاموں اور اس کی امدادی سرگرمیوں جیسے کتب خانوں کی اچھی تنظیم وغیرہ کے کاموں کو اب تک کے کاموں کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ ترجیح دیں۔

(۲) اگر خواندگی کے لئے ایک عوامی تحریک چلانا مقصود ہے تو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ ہر ریاست مندرجہ ذیل کارکنوں کی ایک مکمل ٹیم سے لیس ہو۔ کارکنوں کی یہ ٹیم جن کا خاص کام اپنے اپنے علاقے میں خواندگی کے لئے تحریک پیدا کرنا اور ان کاموں کی رہنمائی اور نگرانی کرنا ہوگا، مندرجہ ذیل عملے پر مشتمل ہو:۔

بلاک کی سطح پر دو سوشل ایجوکیشن آرگنائزر (جس میں ایک خاتون کارکن بھی ہو)

ضلع کی سطح پر ایک ڈسٹرکٹ سوشل ایجوکیشن آفیسر

ریاستی سطح پر تعلیم عامہ کا ایک ڈپٹی یا جوائنٹ ڈائرکٹر۔

(۳) سیمنار نے ریاستوں کے سوشل ایجوکیشن افسروں کے لئے ایک ۲۱ نکاتی فہرست تیار کی ہے جس کے مطابق وہ اپنا کام کر سکتے ہیں۔ ریاستی حکومتوں سے درخواست ہے کہ وہ ان افسروں کو ایسی سہولتیں دیں کہ وہ ان نکات کے مطابق آسانی سے ضروری

کارروائیاں کر سکیں۔

## ریاستی افسروں کے لئے کام کا ایک خاکہ

ریاستی سطح کے سوشل ایجوکیشن افسروں کے لئے سیمنار نے ایک بارہ نکاتی خاکہ پیش کیا ہے جس کے مطابق وہ اپنی اپنی ریاستوں میں کام کر سکتے ہیں:۔

(۱) کس کس طرح کے لوگ خواندگی کی کلاسوں میں داخل کئے جائیں گے اس کا ایک خاکہ تیار کرنا اور وضاحت کرنا کہ ان لوگوں کو کلاسوں میں کس طرح اور کون لوگ داخلہ دلانے کے ذمہ دار ہوں گے اور اس سلسلے میں سوشل ایجوکیشن آرگنائزر اور گرام سیوک کے کیا کیا کام ہوں گے۔

(۲) علاقائی زبانوں کی ذخیرہ الفاظ کے مطابق تقسیم۔ ان تقسیم شدہ ذخیرۂ الفاظ کی کاپیاں خواندگی کے اساتذہ اور سوشل ایجوکیشن افسروں کو مہیا کرنا۔

(۳) خواندگی کے کاموں کی رہنمائی کرنے والی کتاب (گائیڈ بک) تیار کرنا جس میں خواندگی کے معاملے میں ریاستی حکومت کے پروگراموں کی پوری طرح وضاحت کی گئی ہو۔

(۴) "خواندگی دوس" (یوم خواندگی) منانے کے لئے پروگرام بنانا۔ ان موقعوں پر خواندگی کے حوصلہ مند اور اچھے کارکنوں کو انعامات تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔

(۵) خاتمۂ ناخواندگی کے لئے عوامی کمیٹی کی تنظیم کرنا۔

(۶) مختلف سطحوں پر خواندگی کی کمیٹیوں کی تنظیم کرنا، جیسے گاؤں بلاک اور ضلع کی سطح پر۔ ان کمیٹیوں کے ممبروں کے کیا کیا کام اور کیا کیا ذمہ داریاں ہوں گی اس کے لئے ہدائتیں تیار کرنا۔

(۷) بالغوں کے لئے پرائمر، امدادی اور مشقی کتابیں تیار کرنا اور ان تمام کتابوں کی فہرست بندی کرنا جو کہ خواندگی کی کلاسوں میں استعمال کی جا سکتی ہیں۔

(۸) خواندگی کے استادوں کے لئے مینول تیار کرنا۔

(۹) مختلف افراد اور اداروں کو ہدائتیں جاری کرنا کہ وہ خواندگی کا کورس پورا کر لینے والے تمام بالغ آدمیوں کو پڑھنے لکھنے کی مشق بنائے رکھنے میں مدد دیں۔

(۱۰) ریاست میں عوامی کتب خانوں کا ایک اچھا نظام قائم کرنا۔

(۱۱) ڈیولپمنٹ بلاک اور ریاست کی محکمۂ تعلیم کے بجٹوں میں خواندگی کے کاموں کے لئے جو رقم مل سکتی ہو، ان کے ٹھیک مصرف کے لئے ایک پروگرام بنانا۔

(۱۲) نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر (نئی دہلی) کو مندرجۂ ذیل چیزیں بھیجنا:-

(الف) خواندگی کے میدان میں کئے گئے سال بھر کے کاموں کی رپورٹ

(ب) ریاستی حکومتوں کی تیار کردہ پرائمریں اور دوسرے ساز و سامان۔

(ج) خواندگی کے مینول کی کاپیاں۔

---

(بقیہ خبریں صفحہ ۲۵)

# مدھیہ پردیش میں پنچایتی راج

مدھیہ پردیش کی ریاست میں اِس سال کے آخر تک پنچایتی راج کا قانون نافذ ہو جائے گا۔ اس قانون کی رو سے گاؤں کی سطح پر گرام پنچایتیں، بلاک کی سطح پر جن پد پنچایت اور ضلع میں ضلع پریشد، مقامی ترقیاتی پروگراموں کی ذمہ داریاں سنبھال لیں گی۔

# عورتوں کی تعلیم

ہندوستان جب آزاد ہوا اس وقت سے عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ حل کرنے کی طرف کافی توجہ دی جا رہی ہے۔ عورتوں کی تعلیم کے پس منظر پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ سماج میں عورت کے منصب و حیثیت میں تبدیلی کے ساتھ ہی ان کی تعلیم کے خدوخال میں بھی تبدیلیاں آتی رہی ہیں۔ عورتوں کی تعلیم کی قدیم شکل رسم و رواج اور پرانی روایات کی پابندیوں تک محدود تھی۔ قدیم ہندوستان میں عورتوں کو سماج میں جو حیثیت حاصل تھی قرون وسطیٰ یا انگریزوں کے زمانے میں انھیں نصیب نہیں ہوئی۔ اُن کی جہالت نے ہی انھیں مردوں کی برابری اور شریک حیات کے درجے سے گرا کر دل بہلاؤ کا کھلونا اور ایوان عیش کی زینت بنا دیا۔ ان دنوں ہر ذات برادری کے لوگوں نے عورتوں میں پردہ کے رواج کی سختی سے بڑھاوا دیا۔ اسی پردہ داری نے عورتوں اور مردوں کی زندگی میں کچھ بنیادی اختلافات پیدا کئے یہاں تک کہ ان کی فطرت اور عادات و اطوار بھی ایک دوسرے سے جداگانہ ہوگئے۔ عورتوں کے لئے شوہر کی خدمت گذاری ان کا اوّلین فرض بنا اور خود مردوں کے لئے وہ سامانِ عیش و نشاط اور دل بہلاؤ کا کھلونا نہیں۔ انگریزی تعلیم کے اثرات نے اس حالت میں کچھ تبدیلیاں پیدا کیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس تعلیم کے زیر اثر آئی ہوئی عورتوں نے ان کے برعکس رویہ اختیار کیا، انھوں نے گھر کے سکھ چین کے لئے اپنی جان کھپا ڈالنے کے پُرانے آدرش کو چھوڑ دیا اور مردوں کے شانہ بہ شانہ دفتروں اور بازاروں میں نظر آنے لگیں۔ اس طرح ہندوستان میں غیر ملکی تعلیم نے مردوں کے دل میں عورتوں کی طرف سے کچھ شکوک پیدا کر دیئے۔ یہاں کی پھیلی ہوئی جہالت نے مردوں کو اس بات کا موقع دیا کہ وہ عورتوں کو اخلاقی آداب کی بیڑیوں میں جکڑ رکھنے کے نام پر اُن پر طرح طرح کے ظلم و تشدد ڈھائیں۔ ہمارے ملک میں مردوں کی ایک سے زیادہ شادیوں کے رواج کو جو بڑھاوا ملا ہے اس کی وجہ عورتوں میں پھیلی ہوئی جہالت رہی ہے۔

ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہندوستان کے معماروں اور ماہرینِ تعلیم نے اس نازک صورتِ حال کو جلد ہی پہچان لیا ہے۔ مگر صدیوں سے قائم رسم و رواج اور روایات کی جکڑبندیوں سے اپنا دامن چھڑانا اور پُرانے نظریات و توہمات سے نجات حاصل کر لینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ آج آزادی کے پندرہ سال بعد یہ تو ضرور دیکھنے میں آتا ہے کہ ہمارے یہاں کی عورتیں اتنی

قدامت پرست اور جاہل نہیں رہ گئی ہیں، مگر اس کے باوجود یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے گاؤں کی بڑی آبادی نے اب عورتوں کی تعلیم کی اہمیت کو سمجھ لیا ہے۔ یورپ کے ایک ماہر تعلیم کا کہنا ہے کہ لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کی تعلیم زیادہ ضروری اور اہم ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ ایک لڑکے کی تعلیم بس اس کی ذات تک محدود رہتی ہے جب کہ ایک لڑکی کو تعلیم یافتہ بنانے کا مطلب ہوتا ہے ایک خاندان میں علم کی روشنی پہنچانا۔ ایک تعلیم یافتہ ماں کا مطلب ہے ایک تعلیم یافتہ گھر، ایک تعلیم یافتہ خاندان کیونکہ ایک تعلیم یافتہ ماں اپنے بچے کی نشو و نما کے زمانے میں ان کی معقول تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دے سکتی ہے۔ نفسیات کے ماہرین کا بھی یہی کہنا ہے کہ سیرت اور شخصیت کی تعمیر میں بچپن اور اوائل العمری کے زمانے کے اثرات کی سب سے زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔ اسی حقیقت کا انکشاف ایک بار نپولین نے ان لفظوں میں کیا تھا کہ "مجھے اچھی مائیں دو اور میں تمھیں ایک اچھی قوم دوں گا"۔ اس بات میں ذرہ برابر مبالغہ نہیں ہے کہ ایک خاندان ہی نہیں ساری قوم ماں کی گود میں آنکھیں کھولتی ہے اور ان کے سکھ چین کا دارومدار اس بات پر ہے کہ ماؤں کو اچھی تعلیم ملی ہو۔ تعلیم یافتہ عورتیں اپنے فرائض کو سوجھ بوجھ کے ساتھ ادا کرتی ہوئی مردوں کے اندر بھی اپنے فرائض کو پورا کرنے کا احساس پیدا کر سکتی ہیں۔

پرانے خیالات والے والدین لڑکیوں اور عورتوں کی تعلیم کی مخالفت میں سب سے بڑی دلیل یہ دیتے ہیں کہ عورتوں کی اصلی جگہ گھر کی چہار دیواری کے اندر ہے۔ مردوں کی طرح کوچہ و بازار میں نہیں۔ ابھی کچھ سال پہلے تک چین کے لوگوں کا بھی یہی عقیدہ تھا مگر اب وہاں جو انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں اور ان کی وجہ سے وہاں کی زندگی میں جو رونق اور چہل پہل دکھائی دے رہی ہے وہ قابلِ دید ہے۔ آج مختلف ملکوں میں بڑے بڑے اور ذمہ دار عہدوں پر عورتیں معمور ہیں۔ اور وہ نہایت مستعدی اور کامیابی کے ساتھ ایسے تمام کام انجام دے رہی ہیں جنھیں ہم اب تک مردوں کے لئے وقف سمجھتے تھے۔ یہ سب باتیں دیکھ کر اب کوئی یہ کہنے کی ہمت نہیں کر سکتا کہ مردوں کے مقابلے میں عورتیں فطرتاً کمزور ہوتی ہیں۔ شریمتی وجے لکشمی پنڈت، شریمتی درگا بائی دیشمکھ، مدما ئیڈو، شریمتی اندرا گاندھی وغیرہ چند ہی ناموں کا ذکر یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہوگا کہ عورتیں اپنے گھر اور ملک کی خدمت کرنے میں مردوں سے کسی طرح پیچھے نہیں ہیں۔

اب بحث یہ نہیں رہ جاتی کہ ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم کی ضرورت ہے یا نہیں بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ عورتوں کو کس طرح کی تعلیم دی جائے۔ آیا یہ تعلیم وہی ہو جو لڑکوں کو دی جاتی ہے یا وہ تعلیم اس سے کچھ مختلف ہو۔ عورتوں اور مردوں کے درمیان جو فرق ہے اسے ان کی تعلیمی ضروریات کا اندازہ لگاتے وقت پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس فرق کا مطلب یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ایک کو دوسرے پر برتری یا فوقیت حاصل ہے۔ اس فرق سے صرف یہ مراد ہے کہ عورتوں کے لئے ایسی تعلیم کا انتظام کیا جائے جو ان کی ضرورت اور زندگی کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ عورتیں مردوں کے مقابلے میں کسی بھی حیثیت سے کمزور یا پسماندہ ہیں۔

موجودہ تعلیمی نظام میں عورتوں اور مردوں کو ایک ہی طرح کی تعلیم دی جا رہی ہے یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو مختلف قسم کی تعلیم دینے کے لئے سب سے پہلی ضرورت ان کے لئے علاحدہ علاحدہ اسکول کھولنے کی ہے۔ یہاں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس سے تعلیم پر کیا جانے والا خرچ دوگنا ہو جائے گا۔ اب اس کا ایک دوسرا راستہ یہ ہو سکتا ہے کہ موجودہ اسکولوں اور کالجوں میں ہی ایسے مضامین کی تعلیم شروع کی جائے جو خاص طور سے عورتوں کی تعلیم سے متعلق ہوں۔ عورتوں کی زندگی کے تقاضوں اور ضرورتوں کے مدنظر نئے نئے مضامین کی تعلیم شروع کرنا اور ان کے لئے قابل اور تربیت یافتہ استانیوں کی آج سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ ہمارے ملک میں آج عورتوں کی تعلیم کتابی اور نظری تعلیم ہی ہوتی ہے۔ یہ تعلیم سفید پوش اور دفتری کام کرنے والی عورتوں ہی کو تیار کرتی ہے۔

عورتوں کی مناسب اور معقول تعلیم کا انتظام ہمارے ملک میں نہیں کے برابر ہے۔ ایسے اسکول بس گنتی کے چند ہی ہوں گے جہاں عورتوں کی معقول اور مناسب انتظام ہے۔ راجستھان کی ریاست میں فن خانہ داری (DOMESTIC SCIENCE) کا صرف ایک ہی اسکول ہے۔ آج ضرورت اس طرح کے اسکولوں کو بڑھاوا دینے کی ہے، جس سے کہ ایسی لڑکیاں بھی جو ملازمت کرنے کے لئے تعلیم حاصل کرنا نہیں چاہتی ہیں اپنی خانگی زندگی کی ذمہ داریوں کو اچھی طرح پورا کرنے کے لئے تعلیم حاصل کر سکیں۔ یہ تعلیم ان کی زندگی اور ماحول سے پوری طرح مربوط ہونی چاہئے۔ ان کی تعلیم میں جسمانی نشوونما، فن خانہ داری، بچوں کی پرورش و نگہداشت اور سماجی اور خاندانی زندگی کے آداب و اطوار لازمی طور پر شامل ہوں۔ ان مضامین کی تعلیم مل جانے کے بعد ہی انھیں فنون لطیفہ اور اور سماجی کاموں کی تربیت اور اعلیٰ تعلیم دی جانی چاہئے۔

ہندوستان آج جتنے مختلف طرح کے مسائل کا سامنا کر رہا ہے اور یہاں کے ترقیاتی پروگراموں میں قدم قدم پر جو دشواریاں پیش آ رہی ہیں، ان سب کو عورتوں کی تعلیم کے ایک باقاعدہ پروگرام کے ذریعہ کسی نہ کسی حد تک ضرور حل کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہمارے لئے بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہمارے ماہرین تعلیم اب نہ صرف یہ کہ اس حقیقت کو سمجھ گئے ہیں بلکہ اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے پوری طرح جتن بھی کر رہے ہیں۔

# تعلیم: دنیا کے سامنے ایک بڑا مسئلہ

## لیٹن امریکہ، افریقہ اور ایشیا کے ملکوں میں تعلیم پھیلانے کے لئے

### یونیسکو کی تین علاقائی کانفرنسیں

گذشتہ مارچ اور اپریل میں یونیسکو نے ترقی پذیر ملکوں میں تعلیم پھیلانے کے مواقع اور طریق کار پر غور و بحث کرنے کے لئے تین کانفرنسیں منعقد کیں۔ ایک سن تیاگو میں (چائل) دوسری پیرس میں اور تیسری ٹوکیو میں۔ ان کانفرنسوں میں جن ۷۰ ملکوں نے شرکت کی تھی وہ سب کے سب غیر ترقی یافتہ یا ترقی پذیر ملکوں کی تعریف میں آتے ہیں۔

آج دنیا کے تین بڑے بڑے خطے، لیٹن امریکہ، افریقہ اور ایشیا پسماندگی کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں ان کی اس پسماندگی کی وجہ ان کی جہالت ہے۔ آج صنعتی ترقی کے دور میں یہ ضروری ہو گیا ہے کہ لوگ تعلیم یافتہ ہوں۔ یہ بات تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ یورپ اور شمالی امریکہ میں اقتصادی ترقی کی رفتار تعلیم پھیلنے کی رفتار کے ساتھ ہی ساتھ بڑھی ہے۔

یونیسکو کی سن تیاگو کانفرنس میں ۲۴ ملکوں کے نمایندوں نے اپنے اپنے ملک کے سماجی اور اقتصادی ترقی کے منصوبوں کے اندر رہتے ہوئے لیٹن امریکہ میں تعلیم کو تیزی کے ساتھ پھیلانے کے امکانات پر سوچ بچار کیا۔

افریقہ میں تعلیم پھیلانے کے لئے یونیسکو کی دوسری کانفرنس پیرس (فرانس) میں منعقد ہوئی۔ جس میں ۳۴ ملکوں کے تعلیم کے وزیروں نے حصہ لیا۔ کانفرنس نے افریقہ کے ملکوں میں تعلیمی منصوبہ بندی کا کام شروع کرنے اور استادوں کی ٹریننگ کے پروگراموں کو تیزی سے پھیلانے پر زور دیا۔ گذشتہ سال افریقہ کے انہی ملکوں نے اسکولی عمر کے تمام بچوں کے لئے اسکول کھولنے کا ایک منصوبہ منظور کیا تھا۔ یہ منصوبہ ادیس ابابا کے منصوبے کے نام سے مشہور ہے۔ اس کانفرنس میں اس منصوبے کے راستے میں آنے والی دشواریوں اور ان کو دور کرنے کے امکانات پر بھی غور کیا گیا۔ کانفرنس نے دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں سے اس منصوبے میں مدد دینے کی اپیل کی۔

ٹوکیو کانفرنس میں ایشیائی ملکوں کی وزارتِ تعلیم اور اقتصادی منصوبہ بندی کے افسروں نے ایشیا میں ابتدائی تعلیم کے مسائل پر غور کیا۔ ۱۹۶۰ء میں ابتدائی تعلیم کے لئے کراچی کانفرنس میں جو منصوبہ بنایا گیا تھا اس کے مطابق اب تک کے کاموں کا جائزہ بھی اس کانفرنس نے لیا اور ان تمام ملکوں میں ۱۹۸۰ء تک مفت اور لازمی ابتدائی تعلیم پھیلانے کے سوال پر بھی غور کیا اور اس بات پر اطمینان ظاہر کیا کہ ایشیا کے تین بڑی آبادی کے ملک ہندوستان، پاکستان اور انڈونیشیا نے بھی اپنی آمادگی ظاہر کی ہے۔ جہاں ابھی کچھ دنوں پہلے تک یہ مسئلہ ناقابلِ حل سمجھا جاتا تھا۔

آج ہماری دنیا دو حصّوں میں تقسیم ہے ایک وہ حصّہ ہے جہاں ضرورت سے زیادہ صنعتیں پھیلی ہوئی ہیں، ان ملکوں میں تقریباً تمام لڑکوں اور لڑکیوں کو کم سے کم دس سال تک تعلیم حاصل کرنے کے مواقع ہیں، دوسری طرف وہ ملک ہیں جنھوں نے اب اس راستے کی طرف قدم بڑھانا شروع کیا ہے جسے یورپ نے آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے طے کر لیا تھا۔ ان ملکوں میں مشکل سے آدھے بچّوں کو اسکول جانا نصیب ہوتا ہے اور وہ بھی بس تھوڑے دنوں کے لئے۔ یہ صورتِ حال امنِ عالم کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔ ترقی پذیر ملک اس سمت میں جی توڑ کوشش کر رہے ہیں اور اس بات کی ضرورت ہے کہ باہر کے ملک اس میں ان کی مدد کریں۔

# اڈلٹ ایجوکیشن کی ایشائی کانفرنس

اڈلٹ ایجوکیشن کی ایشیائی کانفرنس کا سیگاؤں میں افتتاح کرتے ہوئے جنوبی ویت نام کے صدر ڈین ڈیم نے کہا کہ جمہوریت اور آزادی کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہے کہ عوام میں تعلیم پھیلائی جائے۔

یہ کانفرنس جو ایشیائی ملکوں کی سماجی اور اقتصادی ترقی کے پس منظر میں اڈلٹ ایجوکیشن کے منصب پر غور کرنے کے لئے بلائی گئی تھی۔ دیہی اور شہراتی علاقوں کے تعلیمی مسائل پر غور کرنے کے لئے دو حصّوں میں تقسیم ہو کر ۲۴ اپریل تک سیگاؤں میں جاری رہی۔

کانفرنس نے اعلان کیا کہ ایشیا کے ممالک جو اقتصادی اور سماجی ترقی کے میدان میں آگے بڑھنے میں لگے ہوئے ہیں، وہاں اڈلٹ ایجوکیشن کو تعلیمی منصوبہ بندی کا اہم اور لازمی حصّہ قرار دیا جانا چاہیے۔ بالغوں کی تعلیم کے باقاعدہ نظام کے بغیر یہ ملک ترقی کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ جائیں گے۔ آنے والے ۲۰ سال کے اندر ایشیائی ملکوں میں لازمی ابتدائی تعلیم کا انتظام کرنے کے لئے ۱۹۶۰ء کے کراچی منصوبے کے ساتھ ہی ساتھ ۱۵ سے ۳۵ سال کے لوگوں کی تعلیم کا منصوبہ بھی آج ہی کی طرح ضروری ہو گیا ہے۔

(باقی صفحہ ۱۳۳ پر)

ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

# تعلیم و ترقی

جون سنہ ۱۹۶۲ء

جلد: ۱۳ —— شمارہ: ۶

بانی:۔ شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر:۔

پروفیسر محمد مجیب

برکت علی فراق

رفیق محمد شاستری

دفتر:۔

ماہنامہ تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

قیمت:۔ سالانہ چار روپے فی پرچہ، ۴۰ نئے پیسے

ٹیلیفون ۴۴۲۶۳

## ترتیب



[illegible] ... تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

# تعلیمی پالیسی کے مقاصد اور عوامی تعلیم

حکومت ہند کی تعلیمی پالیسی کے مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے مرکزی وزیر تعلیم ڈاکٹر کے۔ ایل۔ شری مالی نے لوک سبھا میں اپنی ایک تقریر کے دوران اس کے تین خاص مقاصد قرار دیئے ہیں۔ (۱) تعلیم کے میدان میں ایک خاموش سماجی انقلاب بروئے کار لانا۔ (۲) سائنسی اور فنی (TECHNICAL) سماج کی تشکیل میں مدد دینا۔ (۳) اور ان اقتصادی عکرط بندیوں کو دور کرنا جو تعلیم کے میدان میں لوگوں کو یکساں مواقع دینے کے راستے میں حائل ہوتی ہیں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہ مقاصد ہمارے موجودہ حالات میں کس حد تک مناسب ہیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ ان مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے کیا کچھ کیا جا رہا ہے اور اس سلسلے میں وہ کون کون سے کام ہیں جنہیں ہمیں پہلے کرنا ہے۔

ملک کے مختلف حلقوں میں تعلیم کی طرف سے جو بے اطمینانی کی کیفیت پائی جاتی ہے اس کا اندازہ لوک سبھا کی بحثوں سے بہت آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ حکومت نے بھی ابتدائی تعلیم، ثانوی تعلیم، اعلیٰ تعلیم اور سماجی تعلیم کی پالیسی اور پروگرام طے کرنے کے لئے چار کمیٹیوں کی تشکیل کا جو اعلان کیا ہے اس سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت کو خود بھی اس بے اطمینانی کا احساس ہے اور وہ پچھلے تجربوں کی روشنی میں تعلیم کے مختلف پروگرام ایک واضح مقصد کو سامنے رکھ کر شروع کرنا چاہتی ہے۔

تعلیم کے مندرجہ بالا تین مقاصد کو بروئے کار لانے میں تعلیم کی جس شاخ کو سب سے زیادہ اہم کام کرنا ہے وہ ہے عوامی تعلیم یعنی سوشل ایجوکیشن۔ اس لحاظ سے تعلیم کی ان چاروں کمیٹیوں میں سب سے اہم ذمہ داری سوشل ایجوکیشن کمیٹی کی ہے جس کی صدارت راجستھان یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے صدر ڈاکٹر موہن سنگھ مہتا جیسی ممتاز اور بااثر شخصیت کو سونپی گئی ہے۔

تعلیم کے ذریعہ خاموش سماجی انقلاب صرف اس صورت میں بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ جب اس کے دروازے سماج کے سب لوگوں کے لئے کھلے ہوئے ہوں اور تعلیم کی نعمت سے ایک ایک آدمی بہرہ اندوز ہو۔ خواہ وہ بچہ ہو یا بوڑھا، جوان ہو یا ادھیڑ

عورت ہو یا مرد، اور صرف اسی صورت میں ہمارے سماج میں سائنسی اور فنی (TECHNICAL) شعور پیدا ہو سکتا ہے یہ کام محض سائنس دانوں، انجینیروں اور ٹکنیکل آدمیوں کی تربیت کے ذریعہ ہی نہیں بلکہ اسی کے ساتھ عوامی تعلیم کے ایک باقاعدہ نظام کے ذریعہ ہو سکتا ہے خاص طور سے جب ہمارے تعلیمی نظام کا ایک مقصد ان اقتصادی نابرابریوں کو بھی دور کرنا ہے جن کی وجہ سے تعلیم کے مواقع بس چند خوش نصیبوں تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔

تعلیم اقتصادی نابرابریوں کو صرف اسی وقت دور کر سکتی ہے جب خود اس کے میدان میں پھیلی ہوئی نابرابری کو دور کیا جائے اور یہ نابرابری دور کرنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ آج ہماری آبادی میں جتنے بھی بچے ہیں سب کے لئے تعلیم کا انتظام کیا جائے جس کے لئے ہماری حکومت بھی بہت کوشاں ہے مگر ہمارے وسائل اس قدر محدود ہیں اور ہماری ضرورتیں اس قدر پھیلی ہوئی ہیں کہ اپنی نیک نیتی کے باوجود تعلیم کے لئے بہت زیادہ سرمایہ فراہم کرنا مشکل مسئلہ بنا ہوا ہے۔ تعلیم کے لئے روپیے کا انتظام کرتے ہیں تو پینے کے پانی کا انتظام رہ جاتا ہے یا سڑکیں ادھوری رہ جاتی یا زراعت کا ٹھیک انتظام نہ ہونے کی وجہ سے پیداوار کمزور پڑ جاتی ہیں اس صورت حال کا سامنا کرنے کے لئے کوئی ایسا راستہ اختیار کیا جانا ضروری ہو جاتا ہے جو سیدھا بھی ہو اور کم خرچ بھی۔

اور وہ سیدھا اور کم خرچ راستہ ہے بالغوں کی تعلیم کا جس کے ذریعہ نوجوان اور ادھیڑ عمر لوگ کم مدت میں اتنا علم حاصل کر سکتے ہیں جتنا ایک بچہ کئی سال ابتدائی مدرسہ میں پڑھ کر حاصل کرتا ہے۔ آج جن بچوں کے لئے تعلیم کا انتظام نہیں ہو سکا ہے انھیں تعلیم بالغان کے مرکزوں میں پڑھنے کا موقع اگر ہم نہیں دیتے ہیں تو پھر وہ زندگی بھر جہالت میں بھٹکتے رہ جائیں گے اور ہمارا یہ مقصد کہ تعلیم سماج میں سائنسی اور فنی شعور پیدا کر کے ایک خاموش سماجی انقلاب لا سکے گی، کبھی کامیاب نہیں ہو سکے گا اور نہ وہ ان اقتصادی نابرابریوں کا ہی توڑ کر سکے گی جو ہماری سماجی ترقی کی راہ میں آج قدم قدم پر رکاوٹ بن کر کھڑی ہوئی ہیں۔

تعلیمی پالیسی کے یہ مقاصد صرف اور صرف اسی وقت کامیاب ہو سکتے ہیں جب ہم اپنے تعلیمی نظام کی منزل ایک مقررہ مدت کے اندر سماج کے تمام لوگوں میں تعلیم کی روشنی پھیلانا قرار دے دیں۔

# کم ترقی یافتہ ملکوں کی ضرورت صرف ابتدائی تعلیم پوری نہیں کر سکتی

مختلف تعلیمی خدمات کے درمیان حدِ فاصل قائم کرنا اور ان کی حدیں متعین کرنا آسان کام نہیں ہے۔ یہ خدمات اکثر و بیشتر ایک دوسرے میں خلط ملط نظر آتی ہیں اور یہ بتانا مشکل ہو جاتا ہے کہ کون سا کام کس کے ماتحت آتا ہے۔ مثال کے لئے توسیعی تعلیم (EXTENSION EDUCATION) تعلیم بالغان، صنعتی اور پیشہ ورانہ تعلیم، اطلاعاتِ عامہ اسکولی تعلیم (ابتدائی تعلیم) کو لیا جا سکتا ہے۔ میں سب سے پہلے یہ دکھانے کی کوشش کروں گا کہ ان مختلف خدمات میں جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے تعلیمی کاموں کی فہرست ہی میں آتی ہیں، کیا فرق ہے اور ان کے کام کے میدان ایک دوسرے سے کس حد تک مختلف ہیں۔

## توسیعی تعلیم

زراعت، فن خانہ داری اور حفظانِ صحت کے میدان میں توسیعی تعلیم کی مثال عام ہے۔ توسیعی خدمات کا تعلق جتنا کسی فن کے اصول اور طریق کار میں اصلاح سے ہے اتنا اصول اور طریق کار کے سکھانے سے نہیں ہے۔ توسیعی کام کا تعلق ایسے لوگوں سے ہوتا ہے جو عملی طور سے کسی کام میں لگے ہوتے ہیں اور ان کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ ہوتا ہے جس کا حل تلاش کرنا ان کے لئے بہتری کا باعث ہوتا ہے۔ توسیعی تعلیم کسی بات کے لئے کسی کو مجبور نہیں کرتی اور نہ کسی طرح کا دباؤ ہی ڈالتی ہے۔ یہ کام عام طور پر لوگوں کی رضامندی اور اعتماد حاصل کر کے کیا جاتا ہے۔ توسیعی تعلیم کا کام وقتی یا ہنگامی نہیں ہے بلکہ مستقل اور برابر چلنے والا کام ہے۔ اس کا تعلق بالغوں سے ہوتا ہے۔

## تعلیم بالغان

جب ہمارا سروکار انفرادی طور پر بالغوں کو تعلیم نہ دے کر انہیں جماعتوں میں منظم کر کے ایسی تعلیم دینا ہوتا ہے جس کا تعلق کسی مخصوص میدان میں رائج اصول اور طریق کار میں فوری اصلاح سے زیادہ ان سے متعلق تمام مسائل کا گہرا مطالعہ کرنے اور ان کے بنیادی اصولوں کو سمجھنے سمجھانے سے ہوتا ہے تو اس وقت ہم توسیعی تعلیم کے میدان سے ہٹ کر تعلیم بالغان کے

میدان میں آجاتے ہیں۔

## صنعتی اور پیشہ ورانہ تربیت

صنعتی اور پیشہ ورانہ تربیت میں ہمارا سروکار بالغوں کی ایسی جماعتوں سے ہوتا ہے جنہیں کسی خاص کام کی ٹریننگ کے لئے یکجا کیا گیا ہو۔ یہاں نہ تو کسی فن کے اصول اور طریق کار میں اصلاح کرنا مقصد ہوتا ہے اور نہ کسی مسئلہ کے بنیادی اصولوں کا گہرا مطالعہ کرنا۔

## اطلاعات عامہ

اطلاعاتِ عامہ کی خدمات کی اپنی علیحدہ خصوصیات ہیں۔ ان کا تعلق نہ تو (تعلیم بالغان کی طرح) کسی مضمون یا مسئلے کے گہرے مطالعے سے ہوتا ہے اور نہ کسی خاص اصول یا طریق کار میں اصلاح سے۔ اطلاعاتِ عامہ کی خدمات سے افراد کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اس میں تعلیم بالغان کی طرح کلاسیں منظم نہیں کی جاتی ہیں۔ اطلاعاتِ عامہ کے ذرائع میں اخبار، اشتہار اور ریڈیو وغیرہ کلاسوں کی طرح اس میں بالمشافہ بات چیت کے ذریعہ معلومات نہیں دی جاتی ہیں بلکہ اخباروں اور اشتہاروں کے ذریعہ اطلاعات گشت کرائی جاتی ہیں۔ دوسرے تعلیمی کاموں کے مقابلے میں اس میں جبر کا پہلو بہت دبا ہوتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھانا لوگوں کی اپنی مرضی اور اختیار کی بات ہوتی ہے۔

## اسکولی ابتدائی تعلیم

ابتدائی تعلیم سے ہماری مراد پرائمری اسکولوں کی باقاعدہ اور رسمی تعلیم سے ہے۔ یہ انفرادی کام نہ ہو کر جماعتی کام ہے۔ جبر کو بھی اس میں ایک حد تک دخل ہوتا ہے۔ اس میں تمام کام ایک مقررہ نصاب کے ماتحت ہوتے ہیں۔ یہاں کسی خاص مضمون کی بالتفصیل معلومات نہ دے کر صرف ان کی ابتدائی باتوں کا علم ہی کرا دیا جاتا ہے۔ یہ تعلیم بچوں کے لئے ہے جہاں پڑھنے اور پڑھانے والوں کا سیدھا اور براہ راست تعلق ہوتا ہے۔

تعلیم کے یہ مختلف کام ہیں جن کی حدیں ایک دوسرے سے اس طرح ملی ہوئی ہیں کہ ان کے درمیان حد فاصل قائم کرنا اکثر مشکل ہوتا ہے مگر غور کرنے پر یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا اپنا اپنا مقصد ہے اور لوگوں کے علیحدہ علیحدہ گروہ ہیں یا کم سے کم الگ الگ حالات میں گھرے ہوئے لوگوں سے ان کا تعلق ہوتا ہے۔ مگر ان اختلافات کے باوجود ان کا

آپس میں ایسا رشتہ بھی ہے کہ ایک کی کمی دوسری سے پوری ہوتی رہتی ہے۔

ابھی کچھ دنوں پہلے تک کچھ ایسے لوگ تھے جو تعلیم کو اسکول جانے کے ہم معنی سمجھتے تھے مگر کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کے نزدیک تعلیم زندگی بھر جاری رہنے والا عمل تھی۔ ملکہ وکٹوریہ کے عہد میں اوّل الذکر خیال کو سہارا ملا تھا، یہی وجہ ہے کہ برطانیہ کا پہلا تعلیمی ایکٹ جو ۱۸۷۰ء میں پاس ہوا تھا۔ اس کا مطمح نظر بچوں کو اسکولوں میں داخل کرا دینا تھا۔

مگر آخر الذکر خیال کہ تعلیم ایک مسلسل عمل کا نام ہے رفتہ رفتہ عام ہوتا گیا، بعد میں ۱۹۲۶ء اور ۱۹۳۰ء میں انگلینڈ میں جو تعلیمی قانون بنے ان میں اس کی جھلک مل جاتی ہے۔ مغرب کے تمام ملکوں میں بھی یہ بات دیکھنے میں آتی ہے۔

جیسے جیسے ہم تعلیم کے اس تصور کو اپناتے جاتے ہیں کہ تعلیم بچوں کو اسکول بھیجنے تک محدود نہ ہو کر زندگی بھر جاری رہنے والا مسلسل عمل ہے۔ تعلیم بالغان کی ضرورت، اور اہمیت کا اعتراف کرنے لگتے ہیں۔

اسکول کی زندگی اور اس کے بعد کی زندگی کے درمیان جو خلیج حائل ہوتی ہے وہ کسی بھی ملک کے لئے تشویش کا باعث بن سکتی ہے۔ پچھڑے ملکوں کے لئے تو یہ اور بھی تشویشناک مسئلہ ہے جہاں ابھی بہت دنوں تک ابتدائی تعلیم کا انتظام بہت غیر تسلی بخش رہے گا۔ وسائل کے محدود ہونے کی وجہ سے بہت ہی کم درجے کی ابتدائی تعلیم بھی ابھی یہاں بہت دنوں تک نہیں پھیلائی جاسکے گی۔ بچوں کو دو ایک سال تک پرائمری اسکول میں رکھ کر تعلیم دے دینے اور پھر انھیں ان کے حال پر چھوڑ دینے سے زندگی کا پرانا طور طریقہ کمزور پڑ جاتا ہے اور نئے طور طریقوں کو بھی پھیلنے اور رواج دلانے میں مدد نہیں ملتی۔

## ترقی یافتہ ملکوں میں صرف ابتدائی تعلیم بھی کافی ہے

اسٹریلیا، امریکہ اور یورپ کے ترقی یافتہ ملکوں میں جہاں سماج میں نسبتاً زیادہ استحکام ہے اور سائنس اور مشین کے سہارے بڑی بڑی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں وہاں مجموعی طور پر دیکھا جائے تو سیاسی اور سماجی تبدیلیوں میں کافی یکسانیت دکھائی دے گی وہاں جو بھی ترقیاں ہوئی ہیں ان کا پرانی زندگی کے واقعات سے سیدھا رشتہ ہے۔ ایک خاندان کے اندر رہنے والے دو تین پشت تک کے لوگوں میں یعنی ماں، باپ اور بچوں کے اندر اتنی سوجھ بوجھ پیدا ہو چکی ہے کہ وہ عاقبت اندیشی کے ساتھ ان تبدیلیوں کے ساتھ قدم ملا کر چل رہے ہیں اور ان کے تقاضوں کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال رہے ہیں وہاں جب ایک لڑکا کم عمری میں ہی اسکول چھوڑتا ہے، اس وقت وہ ایک ایسے ماحول میں واپس آتا ہے۔ جس کو وہ اچھی طرح جانتا پہچانتا ہے اور جس کے قابل اپنے آپ کو بنا لینے میں اسے کوئی قباحت نہیں ہوتی۔ اس کے ماں باپ اور اس کی نسل کے تمام لوگ اس میں اس کی مدد کرتے ہیں۔ اس سماج میں اسے کتابیں پڑھنے اخبار و رسائل دیکھنے کا پورا پورا موقع میسر ہوتا ہے [illegible]

پر اس کی مدد کرنے کے لئے موجود ہیں۔ طرح طرح کی اسکیمیں اور منصوبے چلتے ہوتے ہیں۔ صنعتی اور پیشہ ورانہ تربیت کے مواقع ہیں اور اڈلٹ ایجوکیشن کا ایک پورا انتظام ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر اس کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ اس سماج میں اُسے بچپن میں جتنی تعلیم ملی ہوتی ہے وہ اُسے بالغ بن کر زندگی کی ذمہ داریاں اٹھانے کے لئے تیار کرنے میں کافی مددگار ہوتی ہے۔

## کم ترقی یافتہ ملکوں میں

پیپوا اور نیوگنی جیسے پچھڑے ملکوں کے حالات اس سے بالکل مختلف ہیں۔ یہاں بچّوں کی ایک خاصی بڑی آبادی کو محض ابتدائی تعلیم سے ہی کام چلانا پڑے گا اور یہ ایسی ابتدائی تعلیم ہوگی جو ترقی یافتہ ملکوں کی پرائمری تعلیم کے مقابلے میں ناقص ہوگی۔ پرائمری اسکول تک کی تعلیم حاصل کر لینے کے بعد کیا کیا جائے۔ یہ ان ملکوں میں ایک اہم سوال ہے۔ ان بچوں کو بعد کی زندگی میں بہت سے تضادات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے اقدار و نظریات کا معیار دو رُخا ہوتا ہے۔ نئی اور پُرانی قدروں میں سے وہ کس کو اختیار کرے یہ سوال ہمیشہ اس کے سامنے رہیگا۔ میں اس ذکر کو اور زیادہ طول نہیں دوں گا۔ یہ سب جانی بوجھی ہوئی باتیں ہیں۔ اس کے سامنے ایک طرف روایاتی اور جماعتی زندگی کے قدیم تصوّرات ہوں گے تو دوسری طرف بیسویں صدی کے ترقی پسند اور انفرادی نظریات و جذبات۔ اس کے سامنے مستقبل ایک بہت بڑا سوالیہ نشان ہوگا ؟

## تعلیم کا نیا منصب

تعلیم کا یہ منصب رہا ہے کہ بچہ جس سماج میں رہتا ہے اسے اُس سماج کے مطابق ڈھال دے۔ یہ کام اسے تین طرح سے کرنا ہوتا ہے۔ (۱) پہلے اسے بنیادی علوم کی واقفیت دے کر جس سے وہ زندگی میں غذا اور رہائش کے لئے سہارا تلاش کر سکے۔ (۲) دوسرے جس سماج میں وہ رہتا ہے اس کے بارے میں اسے معلومات دے جس سے وہ یہ سمجھ سکے کہ اس سماج کا جس میں وہ رہتا ہے، کاروبار کس طرح چلتا ہے۔

لیکن تعلیم کا کام اگر سماج کو ترقی کی راہ پر لگانا بھی مانا جائے تو یہ کام یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا ہے اس کے لئے کچھ اور باتیں بھی ضروری ہو جاتی ہیں۔ ایسا علم جو کام میں سہولت نہیں پیدا کرتا اس بدلتے ہوئے سماج کی ضروریات کے لئے بیکار ہے۔ اس لئے ایک تیسری بات کا بھی اس میں شامل کیا جانا ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ لوگوں میں نئے کاموں کو کرنے کی ترغیب اور نئی نئی باتوں کا باقاعدہ مطالعہ کرنے کا حوصلہ پیدا کرے اور ان میں اس کے لئے منصوبہ بنانے اور دوسروں کی مدد سے کام کرنے کا شوق پیدا کرے۔ (رگر نفس)

مشکل یہ ہے کہ جو مدت بچہ اسکول میں گذارتا ہے وہ بہت تھوڑی ہوتی ہے یہ زمانہ بچپن کا ہوتا ہے اس وقت تک اس کی شخصیت کی پوری طرح نشوونما نہیں ہو پاتی ہے۔ اس وقت وہ اتنا علم نہیں حاصل کر پاتا جو اس کی زندگی کے لئے ضروری ہوتے ہیں اس عمر میں تو وہ بہت سی باتوں کو سمجھنے میں قاصر ہی رہتا ہے۔ اس لئے اس بات کی بہت ضرورت ہے کہ اسکول چھوڑنے والے بچوں سے توسیعی تعلیم یا اطلاعاتی خدمات کے ذریعے رابطہ قائم رکھا جائے اور زندگی میں اُن کی رہنمائی کی جائے۔

اوپر کی بات چیت سے ہم بہت آسانی سے یہ نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔

(الف) پرائمری تعلیم کا نظام جتنا ہی کم ترقی یافتہ ہوتا ہے، توسیعی تعلیم اور اطلاعاتی خدمات کی ضرورت اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔ کم ترقی یافتہ ملکوں میں ابتدائی تعلیم کا نہ تو وہ معیار ہے جو ترقی یافتہ ملکوں میں ہے اور نہ وہاں اس کی بہت زیادہ توسیع و اشاعت کے لئے وسائل ہی موجود ہیں۔ اسی لئے کم ترقی یافتہ ملکوں میں تعلیم بالغان، توسیعی تعلیم اور اطلاعاتی خدمات کی ضرورت ترقی یافتہ ملکوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ یہ بات اپنی جگہ مسلّم ہے کہ محض ابتدائی تعلیم میں توسیع و اصلاح خواہ وہ کتنے ہی بڑے پیمانے پر کیوں نہ کی جائے ہمارے مسائل کا حل پیش نہیں کرتی۔

(ب) کسی ملک کی سماجی اور اقتصادی زندگی میں جتنی تیزی سے تبدیلیاں آتی ہیں اور اس کی سماجی سنستھاؤں اور تصورات ونظریات میں جتنا کم استحکام ہوتا ہے اتنی ہی اس بات کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے کہ ہماری تعلیم کا نظام صرف اسکولی تعلیم تک محدود نہ رہے بلکہ زندگی بھر جاری رہنے والا ایک مسلسل عمل ہو۔

(یونیسکو)

# گاؤں گاؤں لائبریری

"... ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ کم سے کم ایک لائبریری اپنے دیش کے ہر گاؤں میں قائم کی جائے۔ لائبریریوں کا استعمال عالموں اور پنڈتوں تک محدود نہیں رہنا چاہئے بلکہ پوری کی پوری آبادی کو پڑھنا شروع کرنا چاہئے۔ حقیقتاً ہر لائبریری کو خود اپنی جگہ ایک یونیورسٹی ہونا چاہئے۔"

—— پنڈت نہرو

بنیادی تعلیم لازمی طور سے تعلیمی برائے زندگی ہے۔ اس سے بھی ایک قدم آگے تعلیم بذریعہ قوتِ عمل جس کا مقصد بالآخر تشدد اور لوٹ کھسوٹ سے مبرا سماجی نظام کی تشکیل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بنیادی تعلیم کے ان ممتاز اصولوں کو اگر کامیابی سے عمل میں لایا جائے تو وہ پُر امن، جمہوری طریقے اور کم سے کم ممکن تصادم کے ساتھ سوشلسٹ طرز کے سماج کی تشکیل میں معین و مددگار ہو سکتے ہیں۔ لیکن گاندھی جی کی خواہش کے مطابق بنیادی تعلیم کے ایسے مدرسے زیادہ تر دیہاتوں میں کھولنے ہیں، جہاں ملک کی آبادی کے اسّی فی صد لوگ رہتے ہیں۔ ہر اسکول سے منسلک ایک لائبریری ہونی چاہئے۔ گاؤں کی یہ لائبریریاں عوام کے علم میں اضافہ کریں گی اور اس علم کو سوسائٹی میں نئی نئی ترقیوں کے پہلو بہ پہلو رکھ سکیں گی۔

لازمی بنیادی تعلیم کی توسیع و اشاعت کا آج ہمارے ملک میں بہت چرچا ہے، مگر لازمی ابتدائی تعلیم کا انتظام کتب خانوں کی تنظیم کے بغیر ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص بیمہ پالیسی تو خرید ے مگر دستخط نہ کرے جو روپے کی حفاظت کی ضامن ہوتی ہے۔ یا ایک دوسری مثال یہ دی جا سکتی ہے کہ فصل تو تیار کی جائے لیکن اس کی کٹائی کی طرف سے آنکھیں بند کر لی جائیں۔ قومی حکومت، ریاستی سرکاروں اور گاؤں پنچایتوں کا فرض ہے کہ وہ ہر گاؤں میں بنیادی مدرسوں کے ساتھ لائبریری بھی قائم کریں، جو صحیح معنوں میں سوشلسٹ طرز کے سماج کے قیام کے لئے ضروری ہے۔ شری ونوبا بھاوے نے پنچایتوں کے پانچ فرائض کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر پنچایت کے ساتھ ایک مطالعہ سرکل ہونا چاہئے جہاں لوگوں کو نئے خیالات اور تکنیک کی نئی ترقیوں سے روشناس کرایا جا سکے۔ انہوں نے

مزید فرمایا کہ اِن اسٹڈی سرکل میں گاندھیائی اور سردوے لٹریچر کے مطالعہ کے لئے بھی مناسب انتظامات کئے جانے چاہئیں۔

## گاؤں لائبریریوں کے مقاصد

ہمارا ملک زیادہ تر کھیتی باڑی اور دیہاتوں کا ملک ہے، ملک کی اسّی فی صدی آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے۔ پچھلے سو سال غیر ملکی اقتدار کے ماتحت دیہاتوں کو مکمل طور پر نظر انداز کیا گیا ہے۔ اب جب کہ ہم ایک آزاد قوم ہیں ہمیں ان کا پورا پورا خیال رکھنا ہے، کیونکہ وہ ہماری قومی زندگی کی اساس ہیں۔ یہی نہیں بلکہ دیہاتوں میں ہمارے چند قومی آدرش اپنے صحیح سیاق و سباق میں موجود ہیں جیسے پنچایتوں کے ذریعہ جمہوریت کا قیام، سادہ زندگی، سخت محنت اور خلوص نیت وغیرہ۔ یہ ہماری قومی زندگی کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ خاص طور سے آج جب کہ ہم ملک کی تعمیر نو کے پروگرام میں لگے ہوئے ہیں ہمیں ان آدرشوں کو زندہ رکھنے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ ان ضرورتوں نے گاؤں گاؤں میں کتب خانوں کے قیام کی ضرورت اور اہمیت کو کافی بڑھا دیا ہے اور دیہی کتب خانوں کا قیام ایک اہم قومی مسئلہ بن گیا ہے جس پر پلاننگ کمیشن اور ہمارے ماہرین تعلیم کو غور کرنا ہے؛ گاؤں کی لائبریریاں بنیادی تعلیم کا اہم جزو ہیں اور ہماری سوسائٹی کے دوبارہ سمتِ سفر متعین کرنے کے لئے لازمی عنصر۔ ان باتوں کے پیشِ نظر میں یہاں دیہی کتب خانوں کے مقاصد کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔

(۱) دیہی کتب خانوں کا مقصد وہاں کے بچوں اور بالغوں کو بنیادی تعلیم کے اصولوں کو سمجھنے اور ان کی طالب علمی اور تربیت کے زمانے میں حاصل کئے ہوئے علم کو تازہ رکھنے میں مدد دینا ہے۔

(۲) اس کا مقصد ہمارے کسان کی قوتِ کارکردگی کے بڑھانے میں مدد دینا اور اسے غذا اور مٹی کی ساخت و پرداخت، کھیتی کے سامانوں کی خرید و فروخت کی امداد باہمی کی انجمنوں، فصلوں، بازاروں اور مویشیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے وسائل مہیا کرنا ہے۔ اور انہیں بڑھئی گیری اور کھیتی باڑی کی چھوٹی موٹی مشینوں کا استعمال و اصلاح و درستی کی ابتدائی باتیں بتلانے میں مدد دینا ہے۔

(۳) اس کا مقصد کسان کو زمین کی مٹی کو، جو ہمارا قومی ورثہ ہے، زرخیز بنانے اور اس کی پیداواریت کو قائم رکھنے میں مدد دینا ہے۔ بارش اور اس کے نکاس کے بارے میں جانکاری کے ذرائع مہیا کرنا، مختلف قسم کی مٹی کے مناسب اور موزوں استعمال کے متعلق علم، درختوں کے اگانے اور انھیں کام میں لانے کے بارے میں معلومات اور ہندوستان کے کچھ علاقوں میں عمارتی لکڑیوں کے اگانے کے طریقوں سے آگاہ کرنا۔

(۴) اس کا مقصد گاؤں والوں کو بھارت کی سماجی، سیاسی، اقتصادی ترقی کے مختلف قومی منصوبوں کو سمجھنے میں مدد

دیتا ہے۔ یہ ان کو پیشہ ورانہ رجحانات، عوامی میلانات اور دیہاتوں، قصبوں اور بڑے بڑے شہروں کے آپسی تعلقات سے بھی روشناس کرا سکتی ہے۔

(۵)۔ گاؤں کی لائبریری کو خوشگوار خانگی زندگی کی تعمیر میں ممد و معاون ہونا چاہئے۔ اسے لازمی طور سے بستی اور فرد کی صحت، بچوں کی دیکھ بھال، فیملی پلاننگ اور بیسک ایجوکیشن کے متعلق ساز و سامان مہیا کرنا چاہیے۔

(۶) اُسے لازمی طور سے ایسے ساز و سامان فراہم کرنے چاہئیں جو گاؤں والوں کو روشن خیال بنا سکیں، اور ان کے دماغوں سے فرقہ پرستی، ذات پرستی، چھوت چھات اور علاقائی تنگ نظری کے زہریلے رجحانات کا قلع قمع کر سکیں۔ یہ کسان کو اپنی حیثیت اور اہمیت سمجھنے کے مواقع فراہم کر سکتی ہے، جس سے کہ وہ نئے بھارت کی ترقی پذیر اور خوشحال تعمیر میں اپنا اہم رول ادا کر سکیں۔

(۷)۔ اور آخری بات یہ کہ اُسے گاؤں کے لوگوں کو کتابوں، پمفلٹوں اور فلموں وغیرہ کے استعمال کی طرف رہنمائی کرنی چاہیے تاکہ تفریح کے ساتھ ساتھ ان کی قوتِ متخیلہ کو پرواز اور روح کو تازگی مل سکے۔

## گاؤں کی لائبریریوں کا تصور اور اُن کے ساز و سامان

کچھ ناظرین یہ سوال کر سکتے ہیں کہ ہمارے گاؤں کے ناخواندہ اور مبتدی کتابیں کیسے پڑھ سکتے ہیں۔ وہ اس بات کی طرف بھی توجہ دلا سکتے ہیں کہ لائبریریاں عالموں کے استعمال کے لئے بنی ہیں نہ کہ ہندوستان کے سادہ لوح دیہاتیوں کے لئے۔ لیکن لائبریری کے قدیم تصور کے برخلاف آج یہ عوام الناس کی تعلیم کا اہم ذریعہ ہے۔

ہندوستان میں خصوصیت کے ساتھ لائبریریاں وسیع پیمانہ پر عوام کو تعلیم یافتہ بنانے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ لیکن گاؤں میں لائبریریوں کے بہتر سے بہتر استعمال کے لئے ہمیں دو اہم مسئلوں پر غور کرنا ہے۔

۱۔ گاؤں کی لائبریری کے ساز و سامان کس طرح کے ہوں۔ اور

۲۔ ان کے لئے خاص طور سے تربیت یافتہ لائبریرین۔

(۱)۔ ساز و سامان: ہمارے گاؤں کے زیادہ تر لوگ ناخواندہ ہیں۔ اس طرح کے لوگوں کے لئے موٹے حروف میں چھوٹی چھوٹی باتصویر کتابیں مہیا کرنی چاہئیں۔ کتابیں ان کے دلپسند موضوعات پر ہونی چاہئیں۔ ان کے علاوہ ہمیں مندرجہ ذیل چیزوں کا انتظام کرنا چاہیے۔

(۱)۔ ہفتہ واری دیہاتی اخبار تاکہ گاؤں والوں کو دنیا کی خبروں سے باخبر کیا جا سکے۔

(۲)۔ ترقیاتی اسکیموں کے لئے بڑے بڑے تصویری چارٹ یعنی مختلف تعمیر ہونے والے ڈیم کے فوٹو اور گاؤں اور ضلعوں کے نقشے۔

(۳)۔ اطلاعاتی فلمیں جن میں سماجی، سیاسی، اقتصادی اور زراعتی مسائل اور ان کے حل کی تصویر کشی کی گئی ہو۔ حفظانِ صحت کے اصولوں کی وضاحت کرنے والی سلائڈوں کا بھی ایک اچھا ذخیرہ ہونا چاہئے۔

(۴)۔ ہر لائبریری میں ایک ریڈیو سیٹ ہونا چاہئے۔ گاؤں والوں کے فائدہ کے لئے آل انڈیا ریڈیو کے مختلف ریاستی اسٹیشنوں سے نئے پروگرام جاری کرائے جانے چاہئیں۔

(۵) ہر ایک لائبریری کو پنچایت کی چوپال یا اسکول کی عمارت کے ساتھ ہونا چاہئے تاکہ عوام بغیر کسی دشواری کے فلم شو دیکھ سکیں اور خاص طور سے مدعو کئے گئے سماجی نفسیات کے ماہرین کی تقریریں سُن سکیں۔

(۶) خاص طور سے تربیت یافتہ لائبریرین: دیہی کتب خانے کا ایک باقاعدہ نظام قائم کرنے کے مقصد میں اس وقت کامیابی مل سکتی ہے جب اس کے لئے پوری طرح تربیت یافتہ لائبریرین مل سکیں۔ دیہی کتب خانوں میں کام کرنے والے لائبریرین کی استعداد و صلاحیت دوسری قسم کی لائبریریوں میں کام کرنے والے لائبریرینوں سے کئی لحاظ سے بہت مختلف نہیں ہوتیں مگر انھیں گاؤں اور ان کی زندگی کے حالات کا علم ہونا تو بہر حال ضروری ہے اور یہی ان میں اور دوسرے لائبریرینوں میں خاص فرق ہے۔ دیہی کتب خانوں کے لائبریرینوں کے لئے مندرجہ ذیل صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے۔

(الف) علمی استعداد (ب) تجربہ (ج) شخصی خصوصیات

(الف) علمی استعداد: اس کے تحت ہم ان باتوں کو شامل کر سکتے ہیں۔

لائبریری تکنیک کا وسیع تجربہ جس میں انتظامی پہلو پر خاص زور دیا گیا ہو۔ سیاسی صورت حال اور سیاسی تنظیم کی مختلف شکلیں۔ دیہی سماجیات، سماجی نفسیات، اور وہ اجتماعی، اقتصادی حالات اور آبادی کی تشکیل کمان عناصر کا علم جو دیہی علاقوں کو شہری علاقوں سے ممیز کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ بنیادی تعلیم کے اصول، اور نوخواندہ بالغوں کے نصاب اور ان کے لئے ضروری کتابوں کا علم ہونا بھی ضروری ہے۔

(ب) تجربہ کے ماتحت انتظامی عہدوں پر دہ کر کئے گئے کام آتے ہیں۔ اس کے علاوہ درس و تدریس کی لیاقت کی بھی ان لائبریریوں میں کافی قدر و قیمت ہے۔ چونکہ دیہی کتب خانوں کا کام گاؤں کے لوگوں کو تعلیم دینا بھی ہے

(ج) شخصی خصوصیات کے تحت مندرجہ ذیل خوبیاں آتی ہیں:
رہنمائی کرنے کی وسیع صلاحیت، مدبرانہ نظر اور معاملہ فہمی، تدبیر و عمل میں ایک خاص لچک، خلوص نیت، جوش و خروش، عوام سے ہمدردی، عزت و احترام حاصل کرنے کی قابلیت، تنقید کو سہنے، تعاون کرنے اور اختیارات کو تفویض کرنے کی صلاحیت۔ مختصر یہ کہ فرد کے مطالعہ کا لمبا اور کٹھن کام اور جذبہ و لگن کا راستہ ایسا ہے جس پر چلنے سے ہمارے گاؤں کی لائبریری سروس ترقی کی کامیاب منزل طے کر سکتی ہے۔

## گاؤں کی لائبریری کی شروعات کیسے ہو؟

قومی تعمیر کی دوسری اسکیموں کی طرح دیہی کتب خانوں کے لئے بھی محتاط منصوبہ بندی ضروری ہے۔ ملک میں لائبریری پلاننگ کی طرف پہلا قدم لائبریریوں کے قیام کے لئے قانون بنانا ہے۔ لائبریریوں کے لئے مشاورتی کمیٹی نے اس سلسلے میں جو بیش قیمت سفارشات اپنی رپورٹ میں پیش کی ہیں، وہ قابلِ غور ہیں۔

کسی گاؤں میں لائبریری قائم کرنے سے پہلے یہ اشد ضروری ہے کہ گاؤں کا جائزہ لیا جائے۔ اس سلسلے میں ضلع اور ریاست کے لائبریری بورڈوں یا کمیٹیوں کی رضامندی اور مکمل تعاون حاصل کرنا مناسب ہوگا۔ اس قسم کی لائبریری سروس کے کام کی سمت متعین کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ گاؤں والوں کی سماجی، معاشی اور تعلیمی معیار کا بھرپور مطالعہ کیا جائے۔ جہاں تک لائبریری کے محل وقوع کا سوال ہے، اسے گاؤں کے مرکزی حصے میں واقع ہونا چاہئے۔

## لائبریری عوام میں مقبول کیسے بنائی جائے

جب ایک دیہی کتب خانہ قائم ہو جائے تو اسے عوام میں مقبول بنانے کے لئے پنچایتوں کی مدد مفید ہو سکتی ہے۔ گاؤں کے لوگوں میں اس کی چرچا کرنے سے بھی فائدہ ہو سکتا ہے۔ گاؤں لائبریری سروس کو مقبول بنانے کے لئے مندرجہ ذیل دوسرے ذرائع تجویز کئے جاتے ہیں۔

(۱) لائبریری نمائش کا انتظام۔ گاؤں کی ہاٹ بازار اور چھوٹے بڑے میلوں کے موقعوں پر پوسٹر، فوٹو اور چارٹ کو بڑے دلکش انداز میں لگانا

(۲) باتصویر اشتہار اور پوسٹر لائبریری کی دیواروں، کھڑکیوں، باہر لگے ہوئے نوٹس بورڈوں اور باہر کی دوسری جگہوں پر لگانا۔

(۳) دیہات میں کام کرنے والے لائبریرین کو گاؤں کی تنظیموں میں حصہ لینا چاہیئے۔ جس سے انھیں کتب خانے کی خدمات کی بہتر سے بہتر تنظیم کرنے سے متعلق معلومات فراہم ہو سکیں۔ ان میں سب سے زیادہ موثر گاؤں پاترا ہے۔ جہاں وہ جائیں گاؤں کی لائبریری کو مقبول بنائیں اور گاؤں والوں کو بتائیں کہ گاؤں کے خصوصی مسائل کو حل کرنے میں لائبریری سروس کیا کیا ممکن مدد دے سکتی ہے۔

(۴) لائبریری سروس کی کارگزاریوں سے اچھی طرح واقف کرانے کے لئے گاؤں کی لائبریریوں کو ہر ممکن طریقے سے اسکول کے ہیڈ ماسٹروں، اُستادوں، ضلع کے ہیلتھ افسروں اور فارم کے سرکاری دفتروں سے تعاون کرنا چاہیئے۔

(۵) لائبریری کی عمارت ایک گھر جیسی بلا دادینے والے مکان کی طرح ہونی چاہیئے جس کے اندر لائبریری کا عملہ دوستانہ ماحول میں لوگوں کی مدد کے لئے تیار ہو۔

(۶) سالانہ تقریبات بھی مفید ہوتی ہیں۔ جیسے لائبریری کا دن منانا۔ جس میں خاص طور سے بچوں کا ہفتہ منانا۔ پنڈت جواہر لال نہرو کا یوم پیدائش، گاندھی جینتی یا اور کوئی تقریب منانا

## خلاصہ

مندرجہ بالا سطور میں نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ ہمارے سماج کی تشکیل نو کے لئے اور گاندھی جی کے خوابوں کے سوشلسٹ سماج کے قیام کے لئے ہماری قوم کے موجودہ معماروں کو کتب خانوں کے نظام کا ایک خاکہ بنانا چاہیئے۔ جس میں خاص طور سے دیہاتوں میں رہنے والی اسی فی صدی آبادی کی فلاح و ترقی کا خیال رکھا جائے۔ بدقسمتی سے مدّت دراز سے اُن کے ساتھ بے التفاتی برتی گئی ہے اور انھیں نظر انداز کیا گیا ہے لیکن اب انھیں بھی خوش و خرم اور بھرپور زندگی کی سہولتیں ملنی چاہیئیں، جن کی خواہش اب ان میں جاگ اٹھی ہے۔ آج مختلف ترقیاتی منصوبے ان میں عام ترقی کا احساس اور اعتماد پیدا کرتے جا رہے ہیں۔ کمیونٹی پروجیکٹ، پنچایت، بھودان، سمپتی دان اور شرمدان کی بڑی بڑی تحریکوں سے ان میں حرکت پیدا ہوئی ہے اور وہ بیدار ہوئے ہیں۔ اخبارات اور ریڈیو بھی اس آبادی کے ایک حصے کی زندگی میں داخل ہو چکے ہیں۔ ان سے انھیں قومی خبریں، بازار کے بارے میں معلومات کے ساتھ اچھے گیت اور دوسرے تفریحی پروگرام سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملا ہے۔ اس سے ان کے خیالات میں وسعت پیدا ہوئی ہے اور ان میں نئی نئی خواہشات جاگ اٹھی ہیں۔ آمد و رفت، موٹروں کے بہتر انتظامات اور اچھی سڑکوں نے اُن کے تجارتی حلقہ کو بڑھایا ہے۔ اب وہ پہلے کے مقابلے میں ایک جگہ سے دوسری جگہ بہت آسانی سے آنے جانے لگے ہیں۔ اس سے دیہات اور شہر کے درمیان حائل خلیج پٹتی جا رہی ہے اور تعلیمی و ثقافتی دلچسپیوں تک ان کی رسائی ہوتی جا رہی ہے۔ خاتمہ زمینداری نے انھیں ایک نئی حیثیت بخش دی ہے۔

ان کے پیشہ کو عروج حاصل ہو رہا ہے۔ وہ اپنی حیثیت اور مرتبے کو پہچاننے لگے ہیں۔

دستور ہند کے تمہیدی بیان میں بتائے گئے مقاصد اور ریاستی پالیسی کے رہنما اصولوں نے بھی گاؤں والوں کی ہمت افزائی کی ہے۔ وہ بجا طور پر چاہتے ہیں کہ اُن کے بچوں کو خود نمائی اور روزگار کے بہتر مواقع حاصل ہونے چاہئیں۔ زمینداروں، تعلقہ داروں اور دوسرے مقامی اور ضلع افسروں کے جبر و تشدد کا شکار رہنے کی وجہ سے وہ اپنے بچوں کے لئے بہترین مواقع کے طالب ہیں۔ مثال کے طور پر ہمارے گاؤں والے چاہتے ہیں کہ ان کے بچے کاشت کاری کے کام کو جاری رکھیں۔ وہ اس بات کے خواہش مند ہیں کہ ان کے بچوں کو اچھی تعلیم ملے اور وہ فارم کے نئے نئے طریقوں سے ان کی بہ نسبت زیادہ مرفّع ہوں۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کے بچے اگر شہری پیشے اختیار کریں تو اس میں بھی زندگی کی جد و جہد میں اُنھیں شہری بچوں کے برابر مواقع حاصل ہوں۔ اس مقام پر گاؤں والوں کی مدد کرنے کی سب سے بڑی ذمّہ داری دیہی کتب خانے پر آتی ہے۔

پس نئی نئی معلومات کے لئے، ان کے بڑھتے ہوئے تجسس کو مطمئن کرنے کے لئے، انھیں برابر کے مواقع فراہم کرنے کے لئے بنیادی تعلیم کے اصولوں سے، گاندھی جی کی تشریح کے مطابق، پورا پورا فائدہ اُٹھانے کے لئے اور سوشلسٹ طرز کا سماج بنانے کے لئے دیہی کتب خانوں کا سلسلہ ہمارے دیہاتی بھائیوں کے لئے شروع کیا جانا چاہیئے، جو ہماری آبادی کا اسّی فی صدی حصّہ ہیں۔

(ترجمہ۔ مبین حیرا چوہدری)

---

# پلاننگ کمیشن کی سوشل ایجوکیشن کمیٹی

پلاننگ کمیشن نے سوشل ایجوکیشن کے موجودہ کاموں کا جائزہ لینے اور آئندہ کا پروگرام بنانے کے لئے جو کمیٹی پچھلے سال مقرر کی تھی اس کمیٹی نے اب مختلف ریاستوں میں جا جا کر سوشل ایجوکیشن کے کاموں کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا ہے۔

شری کا ایس۔ اے۔ چترویدی، شری ایم۔ سی۔ نانا وتی۔ شری ایس۔ سی۔ دتّہ نے اس سلسلے میں بہار کا اور شری این بھدر شری سوہن سنگھ اور ڈاکٹر کوشی نے میسور کا دورہ مکمل کر لیا ہے۔ امید ہے کہ ستمبر کے آخر تک کمیٹی یہ کام مکمل کرلے گی۔

# تعلیمی مرکز کامیاب کیسے ہوں — چند تجاویز

## ہمارا ملک

تعلیم کا مسئلہ بہت دنوں سے ہمارے ملک کے سامنے ہے۔ ایک وہ وقت تھا جب ہمارا ملک غلام تھا اور غیر ملکی حکمراں یہ نہیں چاہتے تھے کہ ملک میں تعلیم پھیلے۔ وہ بس کچھ تھوڑے سے سفید پوش اپنے کام کے لئے چاہتے تھے اور بس ان کی ہی تعلیم کا انھوں نے انتظام کیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارا ملک ترقی کی دوڑ میں بہت پچھڑ گیا۔

## بیداری

جس وقت تعلیم کے انتظامات کی ذمہ داری میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کے ہاتھوں میں آئی ملک میں آزادی کی تحریک کے لئے بیداری پیدا ہوئی۔ صوبائی حکومتوں نے بھی تعلیم کے کاموں پر کافی توجہ دی۔ تعلیم بالغان کے کام کا خاکہ انھی دنوں بننا شروع ہوا۔ ہمارے ملک میں تعلیم بالغان کا کام یہیں سے شروع ہوتا ہے۔

## تعلیمِ بالغان کے میدان میں ابتدائی کوششیں

شروع شروع میں تعلیمِ بالغان کا مطلب محض خواندگی سمجھا جاتا تھا۔ اس کے ماتحت مختلف اسکیمیں ملک میں شروع کی گئیں۔ ان تمام اسکیموں کا مقصد لوگوں کو محض خواندہ بنا دینا تھا۔ اور یہ کام بھی بہت دلچسپ ڈھنگ سے ہوتا تھا۔ اس کام کے لئے اساتذہ کو جو معاوضہ ملتا تھا وہ کہیں یکمشت کوئی رقم دے دی جاتی تھی تو کہیں خواندہ بننے والے طالب علموں کی تعداد کے حساب سے۔ تعلیمِ بالغان کی اس طرح کی اسکیمیں قریب قریب سارے ہندوستان میں لشتم پشتم چلتی رہیں لیکن کسی بھی صوبے میں اس سے کوئی اطمینان بخش نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ اتنا ضرور ہوا کہ تعلیم کا کام ہر گاؤں اور ہر محلے میں پھیلانے کی دشواریوں کا لوگوں کو علم ہو گیا۔

تعلیم بالغان کے میدان کی اس پہلی کوشش کا اثر یہ ضرور ہوا کہ اس کے پھلنے پھولنے کے لئے ایک فضا تیار ہو گئی۔

## تعلیم بالغان سے سماجی تعلیم تک

محض لوگوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دینے کی اسکیم میں بہت سی دشواریاں سامنے آئیں جن کے سبب بالغوں کی کلاسیں اچھے ڈھنگ پر چلائی نہیں جا سکیں۔ بچے اور بوڑھے دونوں ہی طرح کے لوگ ان کلاسوں میں آ کر پڑھتے رہے۔ بالغ آدمیوں میں پڑھنے لکھنے کے شوق کو جو شروع میں ہر قدم پر دیکھنے میں آتا تھا قائم نہیں رکھ سکے۔ ہم نے طریقِ تعلیم بھی وہی اختیار کیا جو بچوں کی تعلیم میں اختیار کیا جاتا ہے۔ بالغوں کو بھی اس خواندگی میں کوئی خاص کشش نظر نہیں آئی اور وہ سوچنے لگے کہ پڑھنا لکھنا سیکھنے کے بعد اس سے بھلا ان کو کیا فائدہ ہوا۔ اس طرح کہیں کہیں پر کچھ ایسے لوگ جنھوں نے پڑھنا لکھنا سیکھا تھا ہماری اسکیموں میں الٹے رکاوٹ ثابت ہوئے۔

ان سب دشواریوں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ تعلیم بالغان کا میدان صرف خواندگی تک محدود نہیں ہے بلکہ فرد کی ہمہ گیر تعلیم اس کے ماتحت ہونی چاہیئے۔ یہ صحیح ہے کہ اس ہمہ گیر تعلیم میں خواندگی بھی آ جاتی ہے مگر اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ یہ تعلیم بس خواندگی تک ہی محدود ہو۔ تعلیم بالغان کے اسی ہمہ گیر تصور نے سوشل ایجوکیشن کی موجودہ اسکیم کو جنم دیا ہے۔

## اس اسکیم میں کامیابی کیسے حاصل کی جائے؟

ہمارے اڈلٹ ایجوکیشن یا سوشل ایجوکیشن کے مرکز ایک نہ ایک دن ضرور کامیاب ہوں گے، اس میں کسی طرح کے شبہے کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ کامیابی جتنی جلد ہمیں مل جائے، اتنا ہی اچھا ہے۔ سوشل ایجوکیشن کے پروگراموں کی کامیابی کا ہمارے ملک کی زندگی پر کافی اثر پڑے گا، یہ ہمارے ملک کی زندگی کا معیار بلند کرنے میں سب سے زیادہ مددگار ہوگی۔ اس کے اثرات زندگی کے ہر شعبے میں اور زندگی کی ہر طرح کی سرگرمیوں میں نمایاں دکھائی دیں گے۔ جگہ جگہ پر گاؤں گاؤں میں مندروں اور عبادت گاہوں میں اور کھیت کھلیانوں میں ہر جگہ اس سے ایک مسرّت اور سُکھ چین کا ماحول پیدا ہوگا۔

مگر یہ سوال کہ اس پروگرام کو کامیاب کیسے بنایا جائے اور اس ملک کے بکھرے ہوئے گاؤں میں یہ روشنی کیسے پھیلائی جائے اس میدان میں کام کرنے والوں کے سامنے یہ ایک ایسا اہم مسئلہ ہے جو دم بھر کے لئے بھی اُن کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ میں یہاں کچھ اپنے تجربے کی باتیں کہے دیتا ہوں جو کارکنوں کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔

۱۔ اڈلٹ ایجوکیشن کا کوئی بھی مرکز خواندگی کے کام سے نہ شروع کیا جائے۔ خواندگی کا کام بعد کے مرحلے پر آتا ہے۔

خواندگی کا کام اسی وقت شروع کیا جانا چاہئے جب کہ وہاں کے لوگ خود اس کی خواہش ظاہر کریں اور اس کی مانگ کرنے لگ جائیں۔ اس وقت بھی ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ مرکز کے تمام کام بند کر کے بس خواندگی کی کلاس ہی چلائی جائے۔ خواندگی کا کام دوسری سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ جاری رکھا جائے۔

۲۔ مرکز کو آس پاس اور بستی کے لوگوں کے رہن سہن اور طور طریقوں اور ان کی ضروریات کا پورا پورا لحاظ رکھنا چاہئے اور ان کے مطابق ہی اپنے کاموں کی منصوبہ بندی کرنی چاہئے۔

۳۔ تعلیم بالغان کے مرکز کی بنیاد سماجی خدمت کے کاموں پر ہونی چاہئے۔ ہندوستان میں عیسائی مشنری جگہ جگہ پر کیوں کامیاب ہوئے؟ وہ اس لئے کہ انھوں نے اپنا کام سماجی خدمت کے کاموں سے شروع کیا تھا۔ انھوں نے مذہب و ملت کے امتیاز کے بغیر سیدھے عوام کی خدمت کے کام کئے اور اس خدمت کے بدلے انھوں نے لوگوں سے کچھ طلب نہیں کیا۔ اس بے لوث خدمت نے لوگوں کے دلوں میں جگہ بنالی۔ تعلیم بالغان کے مرکزوں کو بھی شروع شروع میں مختلف قسم کے خدماتی پروگرام عوام کے سامنے رکھنے چاہئیں۔ دور دراز کے گاؤں میں خدمت کا سب سے آسان طریقہ دواؤں کی تقسیم ہے۔ کسی دکھئے کو اپنے درد کی دوا ملنے سے بہت آرام ملتا ہے اور یہ دوا تقسیم کرنے والوں کے لئے اس کے دل میں ایک خاص محبت پیدا ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ ان کا احسان مند رہتا ہے۔ اس طرح کے خدمت کے کاموں کے ساتھ ساتھ دوسرے تعلیمی کام بھی شروع کئے جائیں۔ اس بات کا لحاظ ضروری ہوگا کہ ہمارا خاص مقصد تعلیمی کام کرنا ہے، جسے دوسرے کاموں سے پیچھے نہیں رہنا چاہئے۔ ان کاموں کے سہارے جب لوگوں کے اندر پڑھنا لکھنا سیکھنے کی خواہش پیدا ہو اُس وقت خواندگی کا پروگرام شروع کیا جائے۔

۴۔ خواندگی کے کام میں اس بات کا بھی لحاظ رکھا جائے کہ لوگوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے میں ان کے کام سے متعلق باتیں بھی بتائی جائیں اور انھیں ایسی کتابیں وغیرہ پڑھنے کو دی جائیں جس سے وہ اپنے پیشے کے کام میں زیادہ مہارت حاصل کرسکیں۔ اس کے لئے ضروری ہوگا کہ اس علاقے میں جس طرح کے کام دھندے ہوتے ہوں اُس کے متعلق چھوٹی چھوٹی کتابیں طالب علموں اور مرکز کا کام چلانے والوں کے سامنے رہیں اور شروع سے ہی ہماری توجہ ان کی طرف رہے۔ اس سے اس علاقے میں پڑھنے پڑھانے کا ایک اچھا ماحول پیدا ہوگا اور لوگوں کو اپنے کام کی باتیں جاننے کے لئے کتابوں کا پڑھنا سیکھنے کا شوق پیدا ہوگا۔ اس سے اُس موضوع پر نئی نئی کتابیں پڑھنے اور اپنے ساتھیوں اور عزیزوں کو نئی نئی سیکھی ہوئی باتیں بتا کر اُن کے کاموں میں مدد پہنچانے کی خواہش پیدا ہوگی۔ یہ کتابیں اس ڈھنگ پر لکھی ہونی چاہئیں کہ اَن پڑھ آدمی انھیں سُن کر اور کم پڑھے لکھے لوگ پڑھ کر سمجھ سکیں اور اُن سے فائدہ اٹھا سکیں، اس لئے کہ ان دھندوں میں لگے ہوئے بیشتر لوگ یا تو ناخواندہ ہوتے ہیں یا بہت معمولی سا پڑھنا لکھنا جانتے ہیں۔

۵۔ ابھی کچھ دنوں پہلے ہندوستان میں مذہب یا دھرم کی پاسداری فرد اور سماج کو اونچا اٹھانے میں مدد دیتی تھی اسی طرح یہ ضروری ہے کہ اب کچھ ایسے سماجی حقائق کا احساس لوگوں کو دلایا جائے جو شہریت کے صحت مند اصولوں پر مبنی ہوں۔ سوشل ایجوکیشن کی کامیابی کا سارا دارومدار ہی شہریت کی تعلیم پر ہے، کہ لوگ شہری زندگی میں اپنے حقوق و فرائض کی پاسداری کر سکیں۔ ہمارا ملک اسی وقت اونچا اُٹھ سکتا ہے جب لوگوں میں شہری شعور موجود ہو اور وہ شہری آداب کی پاسداری کرتے ہوں۔

ان تمام باتوں کا لحاظ رکھنے کے باوجود بھی ہمارے ملک میں تعلیم بالغان کا پروگرام کامیاب نہیں ہو سکتا ہے اگر اس کے لئے مخلص اور حوصلہ مند ہونے کے ساتھ ساتھ تعلیم بالغان کے اس جدید تصور کے مطابق اس کے لئے پوری طرح تربیت یافتہ کارکن نہیں ملتے۔

---

بقیہ خبریں ——— ص۲۵

## دس سال میں ناخواندگی ختم کردینے کا یونیسکو کا حوصلہ

یونیسکو کے ڈائرکٹر مسٹر اینے مہونے ایک بیان دیتے ہوئے فرمایا کہ "اگر دنیا کے تمام انسان مل کر کوشش کریں تو وہ دس سال کے اندر اندر اس دنیا سے ناخواندگی کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔" آج دنیا کی آبادی میں ۱۰۱ میں سے ۳۴ آدمی ناخواندہ ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ مگر یونیسکو کے تمام ممبر ممالک جن کی تعداد اس وقت ۱۲۰ ہے مل جل کر قومی اور بین الاقوامی پیمانے پر کوشش کریں تو ۱۹۸۲ء تک دنیا سے ناخواندگی کا خاتمہ کر دینے کا ہمارا حوصلہ کامیاب ہو جائے گا۔

# خط کتابت کے ذریعہ تعلیم کا ایک خاکہ

میرے پہلے دو مضمونوں میں آپ نے میرے تجربات اور میرے سوچنے کے طریقے کی جھلک دیکھی تھی۔ میں چپ بیٹھنے والا آدمی نہیں۔ کچھ نہ کچھ شروع کر ہی دیتا ہوں ـــــ تو اب شروع کیا ہے خط کتابت کے ذریعہ تعلیم ۔۔ دو طرح کے کورس ہوں گے (۱) رورل انجینیرنگ ـــ وہ تو شروع کر دیا ـ ابھی گاؤں میں لکشمی کے قدم جمیں گے۔ اور دوسرے (۲) پنچایتی راج اور اس کی پوری پوری کامیابی (پنچ جاگے پرمیشور جاگے)۔ ایک کا تعلق ہے جوانوں سے۔ دوسرے کا بزرگوں سے۔ ابھی ایک تیسری کڑی رہ جاتی ہے ـ ماں بہنوں اور بیٹیوں سے۔ آج بیٹی کل ماں۔ پہلے یہ دونوں کورس شروع ہو جائیں تو پھر ان کے لئے بھی انتظام سوچا جائے۔

جو پہلی گشتی چھٹی اس کورس کے بارے میں اپنی ایسوسی ایشن کی طرف سے بھیجی ہے اس مراسلاتی کورس کے بارے میں وہ یہاں آپ کی خدمت میں بھی حاضر ہے۔ آپ کو اس سے اس کی اہمیت اور ضرورت کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔ پہلا سبق بھی ساتھ میں دیا جا رہا ہے۔ پڑھ کر کچھ اپنے خیالات کا اظہار کیجئے۔ دیکھئے بھولئے گا نہیں۔ ـــ تساگل رام پتھک

## انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی ایک اپیل

"گاؤں میں بھی زندگی پیدا کرنے کے خواہش مند سبھی حضرات سے (خاص طور سے بلاک سمیتیوں کے پردھان اور گاؤں کے اسکولوں اور کالجوں کے اساتذہ سے)

دقتیں ہزار ضرور ہیں مگر کوشش اور بھروسہ سب ہی کر ہے کہ آج نہیں کل، سبھی ملکوں کے سبھی لوگوں کو ـــ گاؤں

والوں کو بھی۔ آج کی اِس (الف) سائنس اور ٹکنالوجی کے اس دور کی اور (ب) خود اختیاری اور اپنی ترقی کے لئے خود منصوبہ بندی کرنے کے اِس زمانے کی تمام بنیادی سہولتیں ملنی چاہئیں۔ جو انھیں ضرور میسر آئیں گی۔

ان کے بغیر کوئی بھی سمجھ دار اور ہوشیار آدمی گاؤں میں ٹکے گا نہیں۔ سماج بنتا ہے ہونہار اور حوصلہ مند انسانوں کی ہمت اور حوصلے سے۔ جب ایسے ہونہار اور حوصلہ مند گاؤں میں ٹکیں گے ہی نہیں تو گاؤں اور گاؤں سماج اور گاؤں کا پرورش بنے گا کیسے؟

اب تک کی سب سے بڑی کمی یہی رہی کہ گاؤں گاؤں میں من مانی بجلی، افراط برقی طاقت، مشین اور آوازار اور تمام آسائشوں (آنند) یعنی جدید ترین زندگی کی دور دورہ ممکن نہیں ہوا ہے۔ لوگ برابر گاؤں چھوڑ کر شہروں کی طرف بھاگے آرہے ہیں، خواہ شہروں میں آکر انھیں گندی سے گندی بستی میں ہی کیوں نہ رہنا پڑے۔

مگر جہاں چاہ وہاں راہ' اور پھر آج تو سائنس دور ہے! جہاں اب کوئی چیز ناممکن نہیں ہے۔ اب ایک راستہ دکھائی دیا ہے۔ گاؤں کے ہر طرح کے کوڑا کرکٹ، گھاس پھوس، سڑے گلے پتے، گاؤں بھر کا غلیظ اور مردار ڈھوروں کے گوشت و پوست اور گوبر سے بہت عمدہ اور بے شمار کھاد بننے، کھیتی کی پیداوار بڑھنے کے ساتھ ساتھ، ضمنی پیداوار کی شکل میں میتھین نام کی بے شمار گیس بھی ملنے کی راہ دکھائی دی ہے! جس سے ہر ہزار کی آبادی والے ہر گاؤں میں ہزار ہارس پاور تک کے انجن روز چل سکیں گے اور ٹریکٹر بھی۔ من مانی بجلی اور جدید ترین زندگی کی ہر ممکن آسائشیں میسر آسکیں گی۔

اگر ایسا ہوتا ہے تو اس پوری چیز کے جان کار آدمی ہمیں آج سے ہی گاؤں گاؤں میں تیار کرنا ہے۔ وجہ صاف ہے کہ نادان دوست سے دانا دشمن اچھا ہوتا ہے۔

دنیا کے تمام ملک کی اقتصادی ترقی کے لئے ہمیشہ ہی تعلیم کی توسیع و اشاعت نے ہی میدان ہموار کیا ہے۔ خواہ وہ ندی گھاٹی کی تہذیبوں کا دور رہا ہو یا یورپ، ڈنمارک اور امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملکوں کا جدید زمانہ۔ امریکہ کی اقتصادی ترقی کا زمانہ ۱۸۴۳ء سے ۱۸۶۰ء تک کا دور ہے اور ۱۸۲۰ء اور ۱۸۴۰ء کا زمانہ وہ زمانہ ہے جب امریکہ میں تعلیم بہت وسیع پیمانے پر پھیلی ہے۔

اگر گاؤں گاؤں میں من مانی، کفایت اور خود کفیل بجلی اور برقی طاقت ممکن ہوتی ہے تو پھر گاؤں گاؤں اور گھر گھر میں سائنس اور مشین کی ہر طرح کی معلومات (میکنکل اور ٹکنکل ایجوکیشن) پہنچانا لازمی ہو جائے گا۔ مگر اس سلسلے میں بہت فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ اب معلومات فراہم کرنے کے نئے نئے طریقے بھی ہاتھ آگئے ہیں۔ خط و کتابت کے ذریعہ تعلیم اور فلم اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ تعلیم دینا بھی آج ممکن ہو گیا ہے۔

آج کا زمانہ سائنس کا زمانہ ہے۔ آج پڑھائی لکھائی کے طریقوں میں، نئی نئی باتیں سیکھنے سکھانے کے ڈھنگ کی بھی بڑی بڑی اور نئی سہولتیں بھی حاصل ہیں۔ آسٹریلیا جیسے کئی ملکوں میں ہائی اسکول تک کی پڑھائی اسکولوں میں نہیں، گاؤں گھر میں رہتے ہوئے خط و کتابت کے ذریعہ ہوتی ہے۔ "برٹش انسٹی ٹیوٹ آف انجینئرس" خط و کتابت کے ذریعہ میکنکل انجینئرنگ، الیکٹریکل انجینئرنگ، کیمیکل انجینئرنگ جیسے ہزاروں کورس چلا رہا ہے اور اب تو دتی یونیورسٹی نے خط و کتابت کے ذریعہ بی۔ اے اور ایم۔ اے کی تعلیم کا انتظام بھی کیا ہے۔

آسان اور عام فہم زبان میں اور جس کسی زبان کے بھی ۵۰۰ پڑھنے والے ملیں گے، ان سب علاقائی زبانوں میں آنے والے زمانے کے لئے ضروری، ہر طرح کی سائنسی اور ٹکنیکل موضوعات پر خط و کتابت کے ذریعہ مختلف کورس شروع کرنا آپ کی اس ایسوسی ایشن کی اسکیم ہے۔ طے ہے کہ یہ تعلیم بالغان کا ایک بہت اچھا، ہمہ گیر اور دور رس پروگرام ہو سکے گا۔

شروع ہم کر رہے ہیں گوبر کی گیس سے۔ اس گوبر گیس سے گاؤں گاؤں بجلی اور برقی طاقت کے ذریعہ جدید ترین زندگی کی سہولتیں فراہم ہوتے ہی جیسے جیسے ضرورت بڑھتی جائے گی، نئے نئے علوم پر جیسے گیس انجینئرنگ، میکنکل اور الیکٹریکل انجینئرنگ وغیرہ کے موضوعات پر مراسلاتی کورس شروع کریں گے۔

آٹھویں، نویں جماعت تک پڑھے ہوئے پنچ، سرپنچ، نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اور اسکولوں کے جانے والے، جتنی بات سمجھ سکتے ہیں، وہیں سے شروع کرتے ہیں۔ یہ طے ہے کہ اس سے زندگی کی ایک نئی راہ نکلے گی۔ گاندھی جی نے جو ایک پیداواری حرفے کے ذریعہ تعلیم دے کر ایک نیا تعلیمی نظام قائم کرنے اور اس کے ذریعہ ایک نیا سماج بنانے کی جو بات ہمیں بتائی تھی اس کی بھی راہ نکلے گی۔

آپ کی بھی اس میں دلچسپی ہوگی، یہ سمجھ کر یہ مراسلہ آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ گوبر گیس کی کامیابی اور ناکامی کے بارے میں جو بحث آج چل رہی ہے، آپ اس سے گھبرائیں گے نہیں۔ اپنے یہاں بھی اور چین، جرمنی، روس جیسے سائنس کے میدان میں کئی ترقی یافتہ ملکوں میں بھی یہ چیز پوری طرح کامیاب ہو چکی ہے، ان سب باتوں کا مطالعہ کرکے ہی ایسوسی ایشن نے یہ قدم اٹھایا ہے۔ اس مراسلاتی کورس کی دوسری تفصیلات ایسوسی ایشن سے پراسپکٹس منگا کر حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اپنے دوسرے ساتھیوں کو اس کورس کی اطلاع کرنے کے لئے آپ اس خط کی جتنی کاپیاں چاہیں منگا سکتے ہیں۔

آپ کا مخلص

ایس۔ سی۔ دتہ

شالگ رام پھٹک

# رُورل انجینیرنگ

## (پہلا سبق)

ابھی ۲۹ مئی کو پارلیامنٹ میں تقریر کرتے ہوئے حکومت ہند کے وزیر تعلیم نے اِس ملک کی تعلیمی پالیسی کے بارے میں اعلان کیا ہے کہ ہندوستان کے تعلیمی نظام کے تین خاص مقصد ہیں :-

(۱) یقینی اور پرامن سماجی انقلاب لانا۔

(۲) ہندوستانی سماج کے اندر سائنسی اور فنی ( TECHNICAL ) شعور پیدا کرنا۔

(۳) نابرابری کو دور کرنا

آپ تو جانتے ہیں کہ آج کے اِس ہندوستان میں عدم مساوات کی سب سے بڑی مثال گاؤں اور شہروں کی زندگی کا فرق ہے۔ سائنس اور ٹکنالجی کی سب سے زیادہ کمی ہے گاؤں میں. ملک کی ۳ء۸۲ فی صدی آبادی گاؤوں میں بستی ہے اور وہی ہماری ساری قومی زندگی کی بنیاد ہے۔

اب یہ طے ہے کہ آج ہمارے پاس علم و ہنر کا جتنا خزانہ ہے اور ان کے ذریعہ ہم نے اپنی زندگی میں جتنی آسائشیں پیدا کرلی ہیں انھیں ملک کے ہر انسان کے لئے عام ہونا ہی ہے۔ خواہ وہ گاؤں کے رہنے والے لوگ ہوں یا دور دراز کے جنگلوں میں بسنے والے خواہ وہ ہندوستان کے لوگ ہوں یا افریقہ کے رہنے والے یا دنیا کے کسی چھوٹے سے چھوٹے جزیرے کے باشندے اب ان سہولتوں سے، بجلی اور مشین سے، سائنس اور برقی طاقت سے، علم و ہنر کی روشنی سے اور خود اختیاری کی دوسری بڑی سے بڑی طاقت سے کوئی محروم نہیں رہ سکتا۔

نئے زمانے کا تقاضا ہی ہے کہ اب انھیں دو ہاتھوں سے ہر ملک، ہر گاؤں، اور ہر گھر کے لوگ کئی گنا زیادہ کام کر پائیں گے ان کی طاقت ہزار گنا بڑھ جائے گی اور اُس کی آمدنی بھی ہزار گنا بڑھے گی، اُس کی زندگی میں آسائشیں اور مسرت پیدا ہوں گی اور اس کی عمر بھی کئی گنا بڑھ جائے گی۔

گاؤں گاؤں پنچایتی راج کا قیام، اسی واسطے ہوا ہے۔ ابھی تو بس اس کی ابتدا ہی ہے ابھی تو اٹھتے ہوئے سورج کی طرح اس کی تابناکی بڑھے گی اور دن دوگنی رات چوگنی ترقی ہوگی۔

اسی میں سے نکلے گی ہر گاؤں میں من مانی بجلی اور برقی طاقت، سائنس اور مشین کی نئی نئی ایجادات، صنعتیں، پرمسرت زندگی جس میں ہیٹر اور کولر جیسی سائنسی ایجادیں، زندگی میں عام ہوں گی اور اسی سے ایک نیا سماج، ایک سائنسی سماج بنے گا اور ایک بالکل نیا انسان جنم لے گا۔ اور ایک نیا سماجی انقلاب آئے گا۔ اور یہی ہمارے تعلیمی نظام کا بنیادی مقصد بھی ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ ہر بڑی سے بڑی چیز کی شروعات بہت چھوٹی چیز سے ہوتی ہے۔ برگد کا تناور درخت بھی ایک چھوٹے بیج میں سے ہی نکلتا ہے۔۔۔۔ یہی بات صحیح ہے پنچایتی راج کے معاملے میں اور یہی بات صحیح ہے گاؤں کی زندگی میں سائنسی نظام کے قیام کے بارے میں بھی۔

جہاں چاہ وہاں راہ۔ آدمی ایک بار تہیہ کرلے تو راستے ہزار نکل آتے ہیں۔ آج بھی ہمیں ایک راستہ نظر آیا ہے اور وہ یہ کہ

گوبر کی جب بہت ہی اچھی اور سائنٹفک ڈھنگ پر کھاد تیار کی جاتی ہے تو عمدہ سے عمدہ کھاد بننے کے ساتھ ساتھ اس سے ایک گیس بھی خارج ہوتی ہے۔ اس گیس سے مفت میں اور کافی بجلی اور برقی طاقت حاصل کی جاسکتی ہے جس سے سب گاؤں گاؤں میں بجلی اور برقی طاقت پھیل جائے گی۔ آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام۔

ایسا ہوتے ہی گاؤں کے نوجوانوں کے لئے گھر اور گاؤں میں رہتے ہوئے بجلی، مشین اور اوزار چلانے اور بنانے کے بے شمار مواقع ہاتھ آجائیں گے۔ اب پڑھ لکھ کر گاؤں سے بھاگنے اور چھوٹی موٹی نوکریاں تلاش کرنے کا مسئلہ نہیں رہ جائے گا۔

ہمارے آپ کے دیکھتے دیکھتے رورل انجینیرنگ کے نام سے ایک کافی بڑا کام سامنے آجائے گا۔ گیس انجینیرنگ سے شروع کرکے۔ الیکٹریکل اور میکینکل انجینیرنگ جیسے ایک سے ایک مضامین کی لگاتار پڑھائی گاؤں کے لئے ضروری ہوجائے گی۔

---

ان نت نئی باتوں کو سکھانے کے لئے بھی آج سائنس اور ٹکنالجی نے نئے نئے اور حیرت انگیز راستے دکھائے ہیں۔ آپ کو انھیں سیکھنے کے لئے اپنا گھر گاؤں اور کمائی کے کام کو چھوڑ کر کسی انجینیرنگ کالج میں داخلہ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب تو اونچی سے اونچی تعلیم بھی گھر گاؤں بیٹھے حاصل کر سکتے ہیں۔ اردو خط و کتابت کے ذریعہ جسے انگریزی میں کرسپونڈنس

کورس کہتے ہیں۔

---

(۱) اگلے صفحات میں آپ کو کچھ اعداد و شمار ملیں گے۔ وہ ہیں اس خاص موضوع سے متعلق معلومات، جنھیں آپ کو ازبر کر لینا چاہیے اس کی بنیاد پر ہی آپ کو اس مضمون کا مطالعہ کرنا ہے ۔ ۔ ۔ ان میں جو باتیں بتائی گئی ہیں۔ اور جو برابر بتائی جائیں گی وہ ہوگی اس کی اصولی اور فلسفیانہ بنیاد۔ ہر موضوع کی اصولی بنیاد کو جانے بغیر کام چلتا نہیں ہے۔

(۲) ساتھ میں سوالنامہ بھی ہے۔ پہلے آپ لکھئے اپنا نام، پتہ اور نمبر۔ پھر غور سے سوالوں کو پڑھئے، سوچئے، ان کے صاف صاف جوابات لکھئے۔ ان جوابوں کو ہم یہاں جانچیں گے۔ نتیجے سے آپ کو آگاہ کریں گے۔ کچھ مشورے آپ کو دیئے جائیں گے۔ ۲۴ اسباق میں یہ کورس ختم ہوگا۔ آپ اپنی فرصت میں اپنے کام کا نقصان کئے بغیر اطمینان کے ساتھ مطالعہ کریں۔ آپ کا جواب دو دن کے اندر آجائے تو بہت اچھا کام اتنا ہی جلدی ہوگا۔ خط و کتابت کے ذریعہ تعلیم دینے میں سبق بنانا اور جوابات دینا بھی ایک ہنر ہے۔ ان کی پوری معلومات ایک کتابچے میں دی ہوئی ہے۔ براہِ مہربانی اسے ضرور پڑھیں۔

## اعداد و شمار اور حقائق

۱۔ آج حالت یہ ہے کہ ہر ہزار آبادی والے گاؤں میں اوسطاً ۶۰۰ مویشی ہیں۔ روزانہ ۲۰۰ من گوبر ہوتا ہے۔

۲۔ اس حساب سے پورے ملک میں ۱۰۵ ٹن گوبر ہوتا ہے۔ ایک ٹن تقریباً ۲۸ من کے برابر ہوتا ہے۔

۳۔ ۳۵ کروڑ ٹن گوبر اُپلے تھاپ کر چولہوں کا ایندھن بن جاتا ہے۔

۴۔ ۳۵ کروڑ ٹن گوبر چراگاہوں میں پڑا یونہی برباد جاتا ہے۔

۵۔ ۳۵ کروڑ ٹن گوبر گھٹیا قسم کی کھاد بن کر کھیتوں میں جاتا ہے۔

۶۔ ایک من گوبر سے ۱۰۰ کیوبک فیٹ گیس ملتی ہے۔

۷۔ ایک من سوکھے گھاس پھوس سے ۵۰۰ سے ۷۰۰ کیوبک فیٹ تک گیس ملتی ہے۔

۸۔ آدمیوں کے پیشاب پاخانوں سے بھی گیس نکلتی ہے۔ ۲۰۰ کیوبک فیٹ روزانہ۔

۹۔ چیزوں کے سڑنے سے بھی گیس پیدا ہوتی ہے۔

۱۰۔چیزیں خاص طریقے سے سڑائی جائیں تو بہت عمدہ کھاد تیار ہوتی ہے اور بہت زیادہ بھی۔
۱۱۔ اور گیس، گھلوے، یا لبھاؤ میں۔
۱۲۔ اس سڑنے کو انگریزی میں "فرمنٹیشن" کہتے ہیں۔
۱۳۔ گھلوے یا لبھاؤ کو انگریزی میں "بائی پراڈکٹ" کہتے ہیں۔
۱۴۔ یعنی اصل فائدہ کچھ اور ہوتا ہے لبھاؤ میں دوسری چیز بھی ہاتھ آجاتی ہے (آم کے آم گٹھلیوں کے دام)
۱۵۔ گوبر، پیشاب، پیخانہ اور گوشت جلدی سڑتے ہیں۔
۱۶۔ گھاس پھوس دیر سے۔
۱۷۔ گوبر کو پوری طرح سڑنے میں ۳۰ دن لگتے ہیں۔ کبھی کبھی کچھ کم بھی۔
۱۸۔ گھاس پھوس میں ۶۰ دن لگتے ہیں اور اس سے زیادہ بھی۔
۱۹۔ سڑنے کا کام گرمی پر منحصر ہوتا ہے۔
۲۰۔ یعنی ٹھنڈ پڑنے پر سڑن کم ہو جاتی ہے۔
۲۱۔ اس گیس کا سائنسی نام میتھین ہے۔
۲۲۔ ایک اوسط کنبے کے دن بھر کے کھانا پکانے میں تقریباً ۱۰۰ کیوبک فیٹ گیس کا خرچ آتا ہے۔
۲۳۔ ۱۰۰ کیوبک فیٹ گیس بنانے والے آلے کی قیمت ۴۰۰۰ روپے ہوتی ہے۔
۲۴۔ ۲۰۰ کیوبک فیٹ گیس بنانے والے آلے کی قیمت ۸۰۰۰ کے بجائے ۶۰۰۰ روپیہ ہوگی۔
۲۵۔ جو انجن چلتے ہیں ان کی طاقت "ہارس پاور" میں ناپی جاتی ہے۔
۲۶۔ کوئی انجن ایک ہارس پاور کا ہوتا ہے، کوئی ۵ ہارس پاور کا اور کوئی ۱۰۰ ہارس پاور کا، کوئی ۵۰۰ کا تو کوئی ۱۰۰۰ کا۔
۲۷۔ ہارس پاور انگریزی کا لفظ ہے یعنی گھوڑے کی طاقت۔ اسے H.P. لکھتے ہیں۔
۲۸۔ ایک ہارس پاور کے انجن کو ایک گھنٹہ چلانے میں صرف ۱۶ کیوبک فیٹ گیس خرچ ہوتی ہے۔
۲۹۔ بجلی کی ایک اکائی کو کلوواٹ کہتے ہیں۔
۳۰۔ ایک کلوواٹ بجلی بنانے میں ۳۰ کیوبک فیٹ گیس لگتی ہے۔

# ہندوستانی تعلیمی نظام کی بنیادی پالیسی

## سوشل ایجوکیشن کی اسٹینڈنگ کمیٹی کا قیام

حکومتِ ہند کے وزیر تعلیم ڈاکٹر کے۔ ایل۔ شریمالی نے ۲۹ رمئی ۱۹۶۲ء کو لوک سبھا میں محکمہ تعلیم کے بجٹ پر ہوئی بحثوں کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہندوستان کے تعلیمی نظام کے تین خاص مقصد ہیں۔

(۱) تعلیم کے میدان میں ایک خاموش سماجی انقلاب لانا۔

(۲) ایک سائنسی اور فنی یعنی ٹکنالیجکل سوسائٹی کی تشکیل میں مدد دینا اور

(۳) ان اقتصادی جکڑ بندیوں کو توڑنا جو لوگوں کو تعلیم حاصل کرنے کے یکساں مواقع سے محروم رکھتی ہیں۔

اپنی اس تقریر کے دوران ڈاکٹر کے۔ ایل شریمالی نے تعلیم کے مختلف میدانوں میں حکومت ہند کی آیندہ پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ حکومت نے تعلیمی منصوبہ بندی کی پالیسی کے سلسلے میں مشورہ دینے کے لئے چار اسٹینڈنگ کمیٹیوں کی تشکیل کا فیصلہ کیا ہے۔ ابتدائی تعلیم کی کمیٹی کے صدر شری یو۔ این۔ ڈھیبر ہوں گے۔ سکینڈری ایجوکیشن کمیٹی کے صدر شری جی۔ سی۔ چٹرجی اور اعلیٰ تعلیمی کمیٹی کے صدر ڈاکٹر سی۔ پی۔ راما سوامی آئر اور سوشل ایجوکیشن کمیٹی کے صدر ڈاکٹر موہن سنگھ مہتہ ہوں گے۔

## عورتوں کی تعلیم

اس تقریر میں ڈاکٹر کے۔ ایل۔ شریمالی جی نے سب سے اہم اعلان عورتوں کی تعلیم کے متعلق کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کے درمیان ۱۰۰ اور ۳۳ کا فرق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حکومت اس فرق کو جلد ختم کرنا چاہتی ہے۔ آپ نے اس سلسلے میں بتایا کہ پلاننگ کمیشن نے عورتوں کی تعلیم کے لئے سو فی صدی امداد دینے کے پروگرام کو مان لیا ہے۔

# عورتوں کی تعلیم کے مختصر اور ملے جلے کورس

ہمارے ترقیاتی پروگراموں کے لئے پڑھی لکھی خاتون کارکن نہیں مل رہی ہیں جس کی وجہ سے عورتوں کی فلاح و بہبود کے بہت سے پروگرام ٹھیک ڈھنگ پر ابھی تک نہیں چل پائے ہیں۔ عورتوں کی تعلیم کی قومی کونسل اور سینٹرل سوشل ویلفیر بورڈ نے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے عورتوں میں تعلیم بالغان کا ایک پروگرام چلایا ہے۔ اِس پروگرام کے ماتحت عورتوں کی تعلیم کے مختصر مدت کے ملے جلے کورس شروع کئے گئے ہیں۔ عورتوں کی تعلیم کے ان ملے جلے کورسوں سے ایک ساتھ دو ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں۔ ایک تو کم مدت میں عورتوں کو اپنے دوسرے کاموں کے ساتھ اپنی باقاعدہ پڑھائی جاری رکھنے اور ترقیاتی پروگراموں کی تربیت حاصل کرنے کا موقع مل جاتا ہے عورتوں میں یہ کورس کافی مقبول ہوا ہے۔

۵ ۲ر سے ۲۷ر مئی تک جنوبی ہند کی عورتوں کی رضاکار انجمنوں کی ایک سہ روزہ کانفرنس مدراس میں منعقد ہوئی تھی۔ کانفرنس نے پلاننگ کمیشن، مرکزی وزارتِ تعلیم اور ریاستی حکومتوں سے درخواست کی کہ تیسری پنجسالہ یوجنا کے ماتحت اس طرح کے جو ۵۰۰ کورس جاری کرنے کا نشانہ بنایا گیا ہے پہلے مرحلے میں اس کی تعداد کم سے کم دو گنی کر دی جائے اور اس کے لئے ڈیڑھ کروڑ روپے کی جو رقم فراہم کی اُسے بڑھا کر تین کروڑ روپئے کر دیا جائے۔ مختلف ترقیاتی پروگراموں میں ہمیں آٹھ لاکھ مزید خاتون کارکنوں کی ضرورت ہوگی، یہ ضرورت صرف اسی وقت پوری ہو سکتی ہے جب کہ عورتوں کی تعلیم کے ملے جلے اور مختصر کورسوں کو تیزی سے پھیلایا جائے۔

۶ ر اور ۷ ر جون کو دہلی میں عورتوں کی تعلیم کی مرکزی اور ریاستی کونسلوں کی نمایندہ کانفرنس نے بھی عورتوں میں تعلیم پھیلانے کے کاموں کو تیزی سے بڑھانے کی تجویز کی ہے۔

## اتّر پردیش کی پنچایتوں کو شرمدان لینے کا اختیار

اتر پردیش کی پنچایت راج کی وزیر شریمتی سوچیتا کرپلانی نے اتر پردیش ودھان سبھا میں بتایا کہ حکومت کی طرف سے پنچایتوں کو عن قریب یہ اختیار دیا جائے گا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنی ایک تجویز کے ذریعہ ۱۲ سے ۴۴ سال کے لوگوں سے ترقیاتی کاموں میں لازمی طور پر شرمدان یا اس کے بقدر معاوضہ لے سکیں۔

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

Jamia July, 1962
962
ادارۂ تعلیم و ترقی، جامعہ نگر، نئی دہلی

ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ



جولائی ۱۹۶۲ء

# تعلیم و ترقی

جلد: ۱۳ — شمارہ: ۷

بانی: شفیق الرحمن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر

پروفیسر محمد مجیب

برکت علی فراق

رفیق محمد شاستری

دفتر

تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

قیمت:۔

سالانہ چار روپے — فی پرچہ ۳۷ نئے پیسے

ٹیلیفون: ۷۲۲۲۲

## ترتیب



پرنٹر پبلشر برکت علی فراق نے کوہ نور پریس لال کنواں دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

# پنچایتی راج پر حقیقت پسندانہ نظر سے غور کرنے کی ضرورت

ترقیاتی پروگراموں میں عوام کا تعاون حاصل کرنے کا جو دشوار مسئلہ ہمارے سامنے ہے پنچایتی راج کی اسکیم کو اس کا ایک کارگر حل تصور کرکے ہی اس ملک میں جمہوری لامرکزیت کی تحریک نے زور پکڑا ہے۔ ہندوستان کے مخصوص حالات میں اور پنچایتوں کی طرف سے ہماری روایتی وابستگی نے پنچایتی راج کے اس نئے تصور کی مقبولیت کافی بڑھا دی ہے اور ہمارے ملک کے مفکرین کے ایک بہت بڑے حلقے میں پنچایتی راج کو ہر طرح کی دقتوں اور دشواریوں کا علاج گردانا جاتا ہے۔ پنچایتی راج ان کے لئے ایک جذباتی بات بن گئی ہے۔

مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ پنچایتی راج کے ہر پہلو پر حقیقت پسندانہ نظر سے غور کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ پنچایتی راج کس طرح ہمارے ملک کے مخصوص مسائل کو حل کرنے میں اور اُسے تعمیر و ترقی کی راہ پر گامزن بنانے میں مددگار ہو سکتا ہے۔ اسی کے ساتھ اس بات پر بھی نظر رکھی جائے کہ پنچایتی راج کہیں ہماری تعمیر و ترقی کی راہ میں رکاوٹ تو نہیں بن رہا ہے اگر ایسا ہے تو اس کے لئے کیا تدبیر کی جا سکتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ صحیح معنوں میں پنچایتی راج کا قیام ہو جانے سے حکومت کو بہت سی ذمہ داریوں سے نجات مل جائے گی اور مقامی ترقیاتی پروگراموں میں عوام کا سرگرم تعاون حاصل ہونے اور بہت سی فضول خرچیوں کی گنجائش کم ہو جانے سے کام زیادہ مستعدی اور تیزی کے ساتھ انجام پائیں گے۔

پنچایتی راج کی راہ میں جو دشواریاں پیش آ رہی ہیں یا جو در پیش آئیں گی ان کا ہمیں پہلے سے ہی احساس ہے اور اسی لئے اس اسکیم کے نفاذ کے پہلے سے ہی پنچایتی راج کے سرکاری اور غیر سرکاری عہدہ داروں کی ٹریننگ کی اسکیم بھی شروع کی گئی ہے جس سے کہ پنچایتوں کا کام چلانے والے عوامی رہنماؤں اور سرکاری ملازموں اور افسروں کے سامنے ان کے منصب اور کام کا ایک واضح اور صحیح تصور آ جائے اور انھیں اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے میں دشواریاں کم سے کم پیش آئیں۔ آج

بھی پنچایتی راج کے راستے میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں ان کا علاج پنچوں اور سرکاری افسروں کی بہتر ٹریننگ اور گاؤں کے لوگوں کے لئے شہریت کی تعلیم ہی تجویز کی جاتی ہے

پنچوں اور سرکاری افسروں کی پنچایتی راج کے تصور اور کام کی تقسیم کے بارے میں صحیح تعلیم و تربیت اس میں شک نہیں کہ، اس کی راہ سے بہت سی دشواریوں کو دور کرنے میں مددگار ہوگی، مگر موجودہ حالات میں صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ پنچایتی راج کے قیام نے عوام کے منتخب نمائندوں کو جو اختیارات سونپے ہیں ان کی نظم و نسق کے پرانے نظام سے ایک قسم کی تکرار بھی پیدا ہوئی ہے۔ جو ہماری ترقی کی راہ میں رکاوٹ بھی بن رہی ہے۔ یہ کیفیت ایسی نہیں ہے کہ اُسے محض پنچوں یا سرکاری افسروں کی ٹریننگ سے حل کیا جائے سکے۔ یہ مسئلہ تو نظم و نسق کے موجودہ ڈھانچے میں اصلاح کر کے اس میں بنیادی تبدیلی لانے اور سرکاری عملے اور پنچایتوں کے عہدہ داروں میں، کام کی انجام دہی، نگرانی اور منصوبہ بندی کی ذمہ داریوں اور حقوق کی واضح تقسیم کرنے کا ہے

ہندوستان جیسے جمہوریت پسند اور ترقی پذیر ملک کے لئے یہ کافی نازک مسئلہ ہے۔ یہاں پنچایتوں کا مطلب ہے مقامی لوگوں کے خیالات کی نمائندگی اور سرکاری ملازموں اور عہدہ داروں سے مراد ہے مخصوص فنی کاموں سے واقف کار پڑھے لکھے تنخواہ داروں کی جماعت۔ ہمارے یہاں ترقیاتی پروگرام اسی وقت کامیاب ہو سکتے ہیں جب کہ اُن میں عوام کے احساسات کا احترام کیا جائے اور عوامی منصوبوں کو ماہرینِ فن کا تعاون حاصل ہو۔

یہ بہت پیچیدہ اور اہم مسئلہ ہے خاص طور سے جب کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ پنچایتی ادارے ہی مستقبل میں ہماری جمہوریت کی بنیاد بنیں گے اور یہ ہماری جمہوری زندگی کے لئے رہنماؤں کی تربیت کریں گے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ پنچایتی راج کے اس مسئلے پر جو ہماری ترقی کی راہ میں ایک رکاوٹ بنا ہوا ہے، جذباتی باتوں کو چھوڑ کر حقیقت پسندانہ نظر سے غور کیا جائے اور اس کا کوئی معقول حل تلاش کیا جائے۔

پنچایتی راج کے تربیتی پروگرام کے سلسلے میں ابھی حال میں جو قومی کونسل مقرر کی گئی ہے وہ اپنا دائرۂ عمل صرف پنچوں اور سرکاری افسروں کی ٹریننگ تک محدود نہ رکھے گر اس طرح کے مسائل پر بھی غور کرے اور ان کے معقول حل تجویز کر کے ان الجھنوں کو دور کرنے میں مدد دے جو خود پنچایتی راج کے تربیتی پروگراموں کی کامیابی کی راہ میں آج درپیش ہیں۔

# اڈلٹ ایجوکیشن کے پانچ منصب

## ۲۔ پیشہ وارانہ منصب
## ۳۔ نسبتی یا تعلقاتی منصب

اس سلسلۂ مضامین کی پہلی قسط "اصلاحی منصب" کے ذیل میں مصنف نے یہ واضح کیا تھا کہ اڈلٹ ایجوکیشن کا اصلاحی منصب اگرچہ کوئی مستقل چیز نہیں ہے اور جب وہ بات حاصل ہو جائے جس کے لئے اصلاحی اسکیم پر عمل شروع ہوا تھا، تو اس کا سلسلہ خود بخود ختم ہو جانا چاہیئے مگر اس کے باوجود اڈلٹ ایجوکیشن کے اس منصب کی بہت زیادہ اہمیت ہے اور اسے ایجوکیشن یا اڈلٹ ایجوکیشن کے قومی نظام میں ممتاز مقام ملنا چاہیئے۔ اس کی ایک وجہ مصنف نے یہ بتائی — اور جو بہت معقول بات ہے۔ کہ ابتدائی لازمی تعلیم کا معیار آئے دن بدلتا رہتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ایک بچے نے جس معیار کی ابتدائی تعلیم پائی ہے وہ اس کے بالغ ہونے کے وقت تک نہ صرف ناکافی بلکہ ناقص ثابت ہو۔ ایسی حالت میں صرف ان پڑھ ہی نہیں، خواندہ شخص بھی ناخواندگی ہی کی صف میں آجائے گا اور اسے اپنی زندگی کو تعلیم کی روشنی سے منور کرنے کی غرض سے تعلیم کا وہ معیار حاصل کرنا پڑے گا جو بہر حال اڈلٹ ایجوکیشن کی ذمہ داری ہے۔ —— ایڈیٹر

### پیشہ ورانہ منصب

مصنف نے پیشہ ورانہ منصب کے زیر عنوان جو باتیں کہی ہیں اور جس پیرائے میں کہی ہیں وہ خالصتہً امریکہ کے حالات سے مناسبت رکھتی ہیں اور کم سے کم اس وقت ہندوستان پر صادق نہیں آتیں۔ تاہم ایک

بات اس قابل ہے کہ اس کا ذکر کیا جائے اس لئے کہ اگر آج نہیں تو ہندوستان کے صنعتی ڈیولپمنٹ میں کچھ عرصے کے بعد ایک منزل آئے گی جب وہ بھی اس مسئلے سے دوچار ہوگا)

ہمارے پیشے کے اسکولوں میں جو بالغوں کے لئے قائم ہیں، خاص کر یا تو وہ طلباء ہیں جو اپنے فاضل وقت میں زیادہ دل لگا کر اپنے پیشے کا اعلیٰ تر علم حاصل کرنا، یا اس سے پیچیدہ اور مشکل کوئی دوسرا پیشہ سیکھنا چاہتے ہیں یا وہ طلباء ہیں جو اس وجہ سے بے کار ہو گئے کہ جو واحد پیشہ وہ جانتے ہیں اس کو انجام دینے کے لئے مشین آ گئی ہے جو ان سے بہتر کام انجام دے سکتی ہے۔

جن چند ماہرین معاشیات نے مستقبل کی صورتِ حال سے متعلق پیشین گوئیاں کی ہیں، اگر اُن کی باتوں پر اعتبار کیا جائے تو مستقبل میں کچھ عرصے کے لئے اس طرح کے بے روزگار لوگوں کا ایک انبوہ جمع ہو جائے گا قطع نظر اس کے کہ ہم اپنے سماجی اور معاشی نظام میں اصلاحات بھی کر لیں مشینوں کی ایجادات کے ساتھ ساتھ بہت سی بار روزگار عورتیں اور مرد اس انبوہ میں شامل ہوتے جائیں گے۔ اگر تمام امور میں اصلاحات اور کھپت کی صورتیں نکلتی رہیں تو اگرچہ کچھ لوگ وقت آنے پر اس انبوہ سے نکل بھی جائیں گے مگر یہ انبوہ پھر بھی جوں کا توں قائم رہے گا اور کسی فرد کے اس سے کٹ کر علیحدہ ہونے اور پھر سے صنعتی نظام میں فٹ ہونے کا دارومدار بیشتر ان مواقع پر ہوگا جو اسے نئے نئے کام اور ہنر سیکھنے کے لئے مہیا کئے جائیں گے۔ اگر یہ بات کہ پکی عمر کے لوگ نئے نئے کام سیکھنے کے زیادہ اہل ہوتے ہیں، صحیح ثابت نہ ہوئی تو مشینی بے روزگاری کا یہ مسئلہ ناقابل حل ہو جائے گا اور اس صورتِ حال سے جو انسانی نقصان ہوگا وہ اقتصادی نقصان سے بھی زیادہ بڑا ہوگا۔ انسان کی خودداری کو اس احساس سے کہ وہ کسی کام کا نہیں رہا، جو صدمہ اور نقصان پہنچتا ہے، اُس کی تلافی بڑی مشکل سے ہوتی ہے۔ صنعتی بحران سے انسانوں کی قوتِ ارادی کو جو نقصان پہنچتا ہے اس کی تلافی زیادہ اہم ہے بہ نسبت اُس شفایابی کے جو صنعتی بحران سے نجات پا کر حاصل ہوتی ہے۔

یہ ہے وہ تشویشناک امکان جس کے اوپر تعلیماتِ عامہ کے مستقبل کے افسران اور حکام کو اپنے انسانی اور مالی وسائل کا کچھ حصہ صرف کرنا ہوگا۔ ہمیں اس وقت پر نظر رکھنی ہوگی جب عورتیں اور مرد اس وجہ سے اپنا روزگار کھو بیٹھے ہوں گے کہ ایک مشین ایجاد ہو گئی ہے جو اُن کے کام زیادہ سستے داموں انجام دے سکتی ہے یعنی صنعتی اصطلاح میں سرمایہ دار کا مزدوری پر لگنے والا پیسہ بچ جاتا ہے ـــ اُس وقت اگر ملک کا اڈلٹ ایجوکیشن کا نظام مرتب و منظم حالت میں ہوا تو اُس کی بدولت وہ از سرِ نو قومی صنعتی نظام میں فٹ ہونے کے لئے خندہ پیشانی کے ساتھ تیار رہیں گے۔

## ۳۔ تعلقاتی منصب

یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ کسی چیز کے سیکھنے کا بہترین وقت وہ ہوتا ہے جب سیکھنے والے کو عن قریب اس سے کام

لیناہمدردانسانوں کو انسانوں کے ساتھ تعلقات رکھنے کی تعلیم اگرچہ بالغوں کی ہر منزل میں ضروری ہے، تاہم وہ کسی بچے کو اس طرح نہیں دی جاسکتی کہ وہ اپنی ترقی پذیر جذباتی زندگی کی تمام گتھیوں اور بحرانوں سے عہدہ برا ہونے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ انسانوں کے باہمی تعلقات کے معاملے میں ہماری توجہ کا مرکز تعلیم بالغان کے میدان میں بیشتر وہ تعلقات رہے ہیں جو والدین اور بچوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ بچے کا بحیثیت ماں یا باپ کے مستقبل میں کیا کردار ہوگا یا ہونا چاہئے، اس سے متعلق بچے کو بس چند ہی باتیں بتائی جاسکتی ہیں۔ جن مسائل کے جواب کی اُس کو ضرورت ہوگی ان میں سے بیشتر ایسے ہیں جو اُسے اس وقت تک نہیں سمجھائے جاسکتے جب تک اُن مسائل سے عملاً اُسے دوچار نہ ہونا پڑے، جب تک کہ وہ اُن کے اطمینان بخش حل سوچنے کی اپنے آپ کوشش نہ کر رہا ہو۔

تربیتِ والدین کی تحریک، جو بہت وسیع پیمانے پر ترقی کرچکی ہے اور جس نے بڑے شاندار کارنامے انجام دیئے ہیں، درجے کی پڑھائی کا باقاعدہ جزو نہیں بنی ہے۔ اِس تحریک کا دارومدار بہت زیادہ حد تک تعلیماتِ عامّہ کے اشتراک و امداد پر ہے لیکن اس سے بھی زیادہ وہ اُستادوں اور والدین کی ایسوسی ایشنوں کی امداد و حمایت پر زندہ ہے جن کا پبلک اسکولوں سے بہت گہرا تعلق ہے۔ اس تحریک کی بدولت اس فن کے ماہرین اور عامی لیڈروں کی ایک نوج کی فوج تیار ہوگئی ہے۔ اِس کی حیثیت ایک عوامی تحریک کی ہے جس میں بیشتر مائیں شامل ہیں اس لئے کہ انہی کی کوشش ہوتی ہے کہ نوزائیدہ بچوں کی پرورش و پرداخت سے متعلق جو سائنٹفک معلومات جمع ہوگئی ہیں اور جو بچوں کی پرورش و نگہداشت کے معاملہ میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں اُسے وہ اپنے گھروں میں استعمال کریں۔

اڈلٹ ایجوکیشن کی اس شاخ کے بعض علماء کا عقیدہ یہ ہے کہ نوآموز ٹیچروں سے اِس باب میں بہت زیادہ غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ تعلقات کے پیچیدہ اور مشکل نفسیاتی حقائق پر ان لوگوں کو بحث نہیں کرنی چاہئے جنھیں اس فن کی پیشہ ورانہ ٹرننگ نہیں ملی ہے۔ اِس نظریئے کے بالمقابل وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ تربیت یافتہ لیڈر ماتنی کافی تعداد میں نہ موجود ہیں اور نہ کبھی ہوسکتے ہیں کہ بچوں کی پرورش و پرداخت اور میاں بیوی کے نباہ کے سلسلے میں جو مطالبات ہیں، ان میں اُن کی رہنمائی اور امداد کے لئے میسّر آسکیں۔ اِس نظریئے کا منشا یہ ہے کہ اس صورتِ حال کا حل ڈھونڈھنے کے لئے تربیت یافتہ اور عامی لیڈروں کے درمیان انتخاب نہیں کرنا ہے بلکہ انتخاب کرنا ہے عامی لیڈروں اور اُس جہالت کے درمیان جو کسی لیڈر یا مشیر کے نہ ملنے سے پیدا ہوتی ہے۔ ان لوگوں کی رائے یہ ہے کہ ایک ایسا لیڈر یا مشیر جس نے اس فن کی پورے طور پر ٹرننگ نہیں پائی ہے لیکن عقلِ سلیم رکھتا ہے، سیکھنے اور اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے تیار رہتا ہے اور نظریات و تخیلات کے گورکھ دھندے سے آزاد ہے، تو وہ خاندانوں کے معمولی جذباتی مسائل پر خاندان والوں سے دوستانہ اور بے تکلفانہ انداز میں بات چیت کرکے اُن کا

حل تلاش کرنے میں مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

اس اعتبار سے دیکھئے تو اڈلٹ ایجوکیشن کے اس منصب میں اُس چیز سے جسے عرف عام میں تربیتِ والدین کہتے ہیں، کہیں زیادہ باتیں شامل ہیں۔ زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ شخصی تعلقات کی جتنی شکلیں ہیں، وہ سب اڈلٹ ایجوکیشن کی اس شاخ میں شامل ہیں اور اس غرض سے کہ ان تعلقات کو کس طرح بہتر سے بہتر بنایا جا سکتا ہے، اس فن کو کم و بیش اسی طرح سیکھنا چاہئے جیسے رسمی تعلیم کے ماتحت دوسرے علوم سیکھے جاتے ہیں۔ بالغوں کے معلموں کو یہ بات گرہ میں باندھ لینی چاہیئے کہ اس قسم کے سوالات کا اطمینان بخش جواب اب رسم و رواج کے پاس نہیں رہا۔ یوں سماجیات کے علماء کہہ سکتے ہیں کہ ہماری تہذیب اور ترقی کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ہم قرن ہا قرن سے اِس قسم کے تمام مسائل اپنے "عوامی طریقوں" کی بنیاد پر حل کرتے آئے ہیں۔ ہم وہی کچھ کرتے رہے ہیں جو ہمارے اجداد، ماں اور باپ کرتے رہے ہیں، خواہ ان ترکیبوں کے نتائج ہمیں بھاتے بھی نہ ہوں لیکن اس کے علاوہ اور کچھ کرنا ہمارے لئے خطرناک تھا۔ ہمارے عوامی طریقوں کی بنیاد روایات اور روایات کی حاکمیت پر رہی ہے۔

سماجیات کے علماء کے اس نظریئے کے جواب میں یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ اب ایسے تعلقات کے بارے میں بھی جن سے ہمیں روزانہ اٹھتے بیٹھتے سابقہ پڑتا ہے اور جن کا جذبات سے بہت زیادہ تعلق ہوتا ہے، ہمارا کام روایات اور رسم و رواج کی رہنمائی میں نہیں چل سکتا۔ اس قسم کی باتیں کہ زندگی ایک تجربہ گاہ ہے اور انسان کو نت نئے تجربات کرتے رہنا چاہئے یا یہ کہ زندگی کو آداب و اخلاق کے فلاں فلسفے کا پابند ہونا چاہئے ــــ ان باتوں میں چاہے کوئی کچھ ہی نظریہ رکھے، لیکن شخصی تعلقات کے معاملے میں اُسے مجبور ہو کر ماننا پڑے گا کہ اُن کے مسائل ایسے نہیں ہیں جو محض روایات کی رہنمائی میں حل ہو جائیں۔ زمانہ کچھ ایسا آگیا ہے کہ اب ہمیں کوشش کر کے معقولیت دکھانی پڑتی ہے اور ہشیار رہنا پڑتا ہے کہ ہمارا ہر کام اور ہر بات سائنٹفک ہو۔ یہ بڑا نازک مورچہ ہے: ایسا مورچہ جس میں خطرہ بھی ہے اور فتح یابی کے امکانات بھی۔ اور جو لوگ اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں کام کرتے ہیں، وہ اس مورچے سے دامن بچا کر نکل نہیں سکتے۔ چنانچہ اڈلٹ ایجوکیشن کی اس شاخ میں بھی اس کی دوسری شاخوں کی طرح جو لوگ سوچ سمجھ کر اپنی اصلاح و ترقی کے لئے قدم رکھیں اُن کی امداد کے لئے اڈلٹ ایجوکیشن کو اپنے تمام وسائل اور تعلیم کے تمام طریقوں اور ساز و سامان کے ساتھ تیار رہنا ہو گا۔

اڈلٹ ایجوکیشن کی اِس شاخ میں کارکنوں کی مخصوص ذمّہ داری ہے اس لئے کہ یہ ہر قسم کے عطائیوں اور مکاروں کی بڑی دل خوش کن شکارگاہ بن گئی ہے۔ خود لفظ "نفسیات" اناڑیوں کے نزدیک جنھوں نے اس مضمون میں کالج کے نصاب کا کبھی نام تک نہ سنا ہو گا ایک ایسی اصطلاح ہے جس کا مفہوم ایک مرتب اور محقق طلبِ علم نہیں ایک روحانی جادوگری ہے۔ بالغوں کے معلموں کے لئے اس میدان میں قدم رکھنا خطرے سے خالی نہیں ہے، لیکن قدم انھیں بہرحال رکھنا ہے کیونکہ انھیں ایک ایسے

رہنما کا کردار ادا کرنا ہے جو عطائی پن کے مقابلے میں حقیقی علم اور جھوٹے اور سستے علم و عقیدے کے مقابلے میں محنت اور سنجیدگی سے اخذ کئے ہوئے سائنس کے مفید نتائج اور قوانین کی طرف اشارہ کرتا ہے، اور "بالغوں کے معلموں" کی صف میں وہ ہزاروں عامی لیڈر شامل ہیں جو تربیتِ والدین کی تحریک میں پہلے سے مستعدی کے ساتھ کام کر رہے ہیں اور جنھوں نے اس کام میں جو بعض اوقات نہایت حوصلہ شکن اور بے تعریف و بے ستائش ہوتا ہے، ان تھک محنت اور جد و جہد کرتے رہے ہیں۔

## نوٹ

تربیتِ والدین کے باب میں یہ اُس ملک کی داستان ہے جہاں یہ تحریک خاصے بڑے پیمانے پر کام کر رہی ہے اور جہاں بالغوں کے معلموں کے سامنے اب صرف یہ مسئلہ ہے کہ اس تحریک میں جو ابھی تک بیشتر عامی لیڈروں کے ہاتھ میں ہے، نفسیات کے علم کا عمل دخل ہونا چاہئے۔ بچوں کی ماؤں اور باپوں سے زیادہ لفظ "بالغ" کی صف میں آخر اساتذہ کون لوگ ہوں گے لیکن اس کے باوجود اڈلٹ ایجوکیشن کی ہماری ہندوستانی تحریک تربیتِ والدین کے کام سے یکسر خالی ہے۔ اور یہ کیفیت اُس وقت ہے جب کہ اَن پڑھ تو اَن پڑھ ہیں، خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی اپنے بچوں کے ساتھ سلوک کرنے کے معاملے میں انتہائی جہالت کا ثبوت دیتے ہیں۔ مذکورہ بالا مضمون سے یہ اندازہ کرنا آسان ہے کہ ہماری اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک میں تربیتِ والدین کی کتنی زبردست اہمیت ہے جس کی طرف سے ہم غفلت برت رہے ہیں۔ —— ایڈیٹر

---

## کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے ریاستی وزیروں کی کانفرنس

کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے ریاستی وزیروں کی کانفرنس ۳ ر اور ۴ ر اگست کو نئی دہلی میں منعقد ہوگی۔ یہ اطلاع کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے مرکزی وزیر شری ایس۔ کے۔ ڈے نے وزارت کی عورتوں کے پروگراموں کی مشاورتی کمیٹی کے ایک جلسے کا ۲۶ ر جون کو افتتاح کرتے ہوئے دی تھی۔

# کیا خواندگی کی مفت تعلیم دینا مناسب ہے

خواندگی کی تعلیم کا مفت انتظام ہندوستان، امریکہ، روس اور ان تمام ملکوں کے لئے جہاں کہ مفت تعلیم کا تصور کارفرما ہے، مناسب ہی نہیں اُن کی بنیادی پالیسی کے عین مطابق بھی ہے۔ اصولی اعتبار سے بھی یہ بہت مناسب ہے۔ اس سے ہر شخص کو پڑھنا لکھنا سیکھنے کا اپنا بنیادی حق استعمال کرنے کا موقع کسی طرح زیر بار ہوئے بغیر مل جاتا ہے۔ خواندگی کی مفت تعلیم کے اصول کی بنیاد وہ نظریہ ہے کہ جن وسائل سے بھی ممکن ہو ٹیکس کے ذریعہ رقم حاصل کی جائے اور پھر اُسے سب کی بہبود کے کاموں پر خرچ کیا جائے۔ یہ نظریہ حالانکہ بہت نیا ہے لیکن کافی مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔

مگر خواندگی کی تعلیم میں ایک نفسیاتی نکتے پر غور کرنا بھی ضروری ہے۔ ٹیکس وصول کرکے کام کرنے میں ایک بڑا فرق اس بات سے بھی آجاتا ہے کہ کن لوگوں سے اور کتنے آدمیوں سے ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ اگر ٹیکس ۴۰ کروڑ آدمیوں سے وصول کیا جائے جن میں لوگوں کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ یہ رقم کس کس طرح خرچ کی جائے گی تو وہاں ایک ان پڑھ آدمی کے لئے یہ سمجھنا مشکل ہوجاتا ہے کہ ٹیکس دے کر وہ بھی خواندگی کی کلاس کو چلانے میں ہاتھ بٹا رہا ہے (یہ صورتِ حال ہندوستان جیسے ملک پر صادق آتی ہے جہاں آبادی کی ایک بہت بڑی اکثریت کو نہ تو سیدھے ٹیکس دینا پڑتا ہے اور نہ نچلی سطح پر ٹیکس ہی وصول کیا جاتا ہے) نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ٹیکس کی شکل میں رقم دینے کے باوجود بھی انھیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ خواندگی کی کلاس کو چلانے میں انھوں نے بھی حصّہ لیا ہے۔ گو کہ یہ شمولیت براہِ راست نہ ہو کر بالواسطہ ہوتی ہے۔ اصولی طور پر یہ بات صحیح بھی ہے کہ جب کسی نے رقم خرچ کی ہے تو اسے وہ فائدہ بھی اٹھانے۔ لیکن یہاں تو یہ بات اس کی سمجھ میں آتی ہی نہیں۔ وہ بیشتر یہی سمجھتا ہے کہ خواندگی کی کلاس کا انتظام ایک فراخ دل حکومت کا نیک کارنامہ ہے جس حکومت کا اس کے ذہن میں ایک بہت ہی مبہم اور غیر واضح تصور رہتا ہے۔ اس صورت میں وہ یہ بھی سوچ سکتا ہے کہ جو تعلیم اُسے اتنی آسانی سے اور ہاتھ پیر مارے بغیر اور جیب سے ایک کوڑی نکالے بغیر اور اتنی آزادی سے دی جا رہی ہے تو اس سے فائدہ اُٹھانے کی ذمہ داری کوئی خاص ذمہ داری بھی نہیں ہے۔ وہ کلاس میں بس کبھی کبھار ہی پہنچتا ہے۔ اس کا کلاس میں پابندی سے پہنچنا اِس بات پر منحصر نہ ہو کر کہ اسے اس کی سہولت مفت حاصل ہے بلکہ خود اس کے شوق پر منحصر ہوتا ہے۔

اگر ایک پنچایت گاؤں کے تمام لوگوں سے کلاس چلانے کے لئے ٹیکس وصول کرے تو پھر گاؤں کا ہر خاندان اس ٹیکس سے ہونے والی آمدنی اور خرچ میں ایک قریبی تعلق محسوس کرے گا اور سمجھے گا کہ کلاس کے چلانے میں وہ بھی ہاتھ بٹا رہا ہے۔

اسی طرح ایک کلاس میں آنے والے تمام طالب علم اگر کلاس کو چلانے کا بار خود اٹھاتے ہیں اور اس کے لئے فیس وغیرہ دیتے ہیں تو ہیں تو پھر کلاس کے معاملات میں وہ براہ راست ذمّہ داری محسوس کریں گے۔ ہم اُن چیزوں کی زیادہ پرواہ کرتے ہیں جو ہم نے خرید کر حاصل کی ہوں

## مفت کلاسوں پر خرچ زیادہ آتا ہے

دس سال پہلے خواندگی کی کلاسوں پر امریکہ میں ایک تحقیق کی گئی تھی۔ اس تحقیق سے پتہ چلا کہ اُن کلاسوں میں جہاں کہ طالب علم معمولی فیس ادا کرکے پڑھتے تھے حاضری کا اوسط ۸۰ فی صدی تھا۔ ایسی کلاسوں میں جس کا خرچ ٹیکس کے ذریعہ پورا کیا جاتا تھا اور طالب علموں سے علیٰحدہ سے کوئی فیس نہیں لی جاتی تھی حاضری کا اوسط ۶۱ فی صدی تھا۔ اس سے پہلے بھی اِس سلسلے میں ایک مطالعہ کیا جاچکا تھا، جس کی رپورٹ میں بھی اسی طرح کا فرق دیکھنے کو ملتا ہے۔ مفت کلاسوں میں لوگوں کی دلچسپیاں کم تھیں، لوگوں نے ہنگامی شوق میں آکر مفت کلاسوں میں داخلہ لے لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کلاس سے غائب ہونے اور کلاس چھوڑ کر گھر بیٹھ رہنے کا سلسلہ بہت تیزی کے ساتھ اور بہت جلد شروع ہوجاتا تھا۔ جو طالب علم آخر تک ٹکتے تھے وہ بھی پابندی سے بہت کم آپاتے تھے۔ اور ناغہ بہت کرتے تھے۔ اِن وجوہات سے خواندگی کی مفت کلاسوں میں فی کس خرچ کا اوسط بہت زیادہ پڑتا تھا۔

## ٹیکس کا پیچیدہ نظام عام آدمی کی فہم سے باہر ہے

خرچ کا بار اٹھانے میں ہاتھ بٹانے کی ذمہ داری جتنی پھیل جاتی ہے وہ کام بھی لوگوں کی نگاہ سے اتنا ہی دور ہوجاتا ہے۔ سڑکوں، پبلک عمارتوں اور اسکولوں کی تعمیر کے لئے روپیہ حاصل کرنے کی مثال سے یہ بات زیادہ آسانی سے سمجھ میں آجائے گی۔ سڑکوں پبلک عمارتوں اور اسکولوں کی تعمیر میں پیسہ بہت زیادہ لوگوں سے ٹیکس کی شکل میں وصول کیا جاتا ہے، لیکن اُن کی تعمیر کے سلسلے میں لوگوں کے اندر شہری ذمّہ داری کا احساس اس شدّت سے موجود نہیں ہوتا جتنا اس کے لئے براہِ راست رقم دے کر ان کے اندر موجود ہوتا ہے ٹیکس کی وصولیابی کا وسیع اور پیچیدہ نظام بہت سے لوگوں کی فہم سے بالاتر ہے۔ وہ اسے اچھی طرح سمجھ ہی نہیں پاتے۔ سماجی خدمت کا کوئی کام جب اس نہج پر شروع ہوتا ہے کہ اس سے فائدہ اٹھانے والوں سے اُس کے لئے براہِ راست کوئی رقم نہ وصول کی جائے اور اس سے فائدہ اٹھانا یا نہ اٹھانا اُن کی اپنی مرضی اور اختیار پر ہو تو اس سے بہت سی برائیاں پیدا ہوجاتی ہیں جب کوئی

آدمی ڈاک کے ٹکٹ خریدتا ہے تو وہ اُسے ضائع نہیں کرتا بلکہ اُس سے فائدہ اٹھاتا ہے (حالانکہ ڈاک کے ٹکٹ خریدنے کا مطلب ایک سماجی خدمت سے پیسہ دے کر فائدہ اٹھانا ہے) وہ ٹکٹ کو خرید کر ضائع کیوں نہیں کرتا، اس لئے کہ اس ٹکٹ کے ذریعہ اس نے ایک سماجی خدمت سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنی جیب سے بھی رقم خرچ کی ہے۔ اسی طرح کلاس میں طالب علم فیس دے کر پڑھیں تو وہ بھی اپنی فیس کی رقم کو بے کار ضائع ہونے سے بچانے کے لئے سوچیں گے اور ان کلاسوں کے استاد بھی اپنے کام میں لاپروا ہی نہیں برتیں گے۔ اگر دور دراز بیٹھی ہوئی حکومت ہی استادوں کی تنخواہ کا انتظام کر دیتی ہے تو پھر طالب علم بھی استادوں کی بے توجہی کی پرواہ نہیں کرتے! - روپیہ دے کر پڑھنے میں استاد کی بے توجہی کو جھیلنا ان پر ضرور بارگذرتا ہے۔

یہ ایک اہم اصول ہے جو ایک خاصے بڑے طبقے میں تسلیم بھی کیا جا چکا ہے۔ ہندوستان کے تعلیمی اور ترقیاتی نظام میں یہ اصول پوری طرح برتا بھی جا رہا ہے۔

اگر ایک پنچایت خواندگی کی کلاس کے لئے ۵۰ فی صدی خرچ فراہم کرنے کی ذمہ داری لے تو وہ بہت معقول کلاس ہوگی۔ اگر بالغوں کو بھی کلاس کے خرچ کا ایک حصہ برداشت کرنا پڑے تو وہ کلاس میں زیادہ پابندی سے آیا کریں گے، محنت بھی زیادہ کریں گے اور اپنی تعلیم کو بہتر سے بہتر بنانے کی خواہش بھی ظاہر کریں گے۔ اس سے ان کے اندر کلاس سے ایک خاص قسم کی وابستگی کا احساس پیدا ہوگا۔ انھیں یہ فکر بھی ہوگی کہ ان کا پیسہ فضول ضائع نہ ہو جائے بلکہ وہ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ بھی اٹھائیں۔

حاضری میں پابندی کا فیس کی رقم سے ایک طرح سے براہ راست تعلق ہوتا ہے۔ بہت ہی معمولی رقم لی جائے تو اس کا حاضری پر بہت ہی معمولی اثر بھی پڑتا ہے۔ حاضری پر اثر تو اس وقت پڑتا ہے جب وہ اپنے اندر اس خرچ کی گئی رقم کی قیمت و قدر بھی محسوس کریں۔ فیس کا ایک الٹا اثر بھی پڑتا ہے۔ کلاس میں کم لوگ داخلہ لیتے ہیں۔ فیس خواہ کتنی ہی کم ہو داخلے پر اس کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ اور ایسے بہت سے لوگ داخلے سے محروم رہ جاتے ہیں جو فیس نہ لگنے کی صورت میں کلاس میں ضرور آتے اور بہت پابندی سے اپنی پڑھائی بھی جاری رکھتے۔ یہ مسئلہ وظیفوں اور فیس کی معافی کا معقول انتظام کر کے حل کیا جا سکتا ہے تاکہ مستحق طالب علموں کو کلاس کے اخراجات برداشت کرنے میں کسی طرح کی دقت در پیش نہ آئے۔ اس میں بھی طالب علم کو پڑھائی کے خرچ سے پوری طرح سبکدوش نہیں کر دینا چاہئے۔

فیس کا لینا نہ لینا اس بات پر منحصر ہے کہ خواندگی کی کلاس میں آپ کیا چاہتے ہیں۔ فیس وصول کرنے کا مطلب ہے تعداد میں کم مگر محنتی اور شوق والے طالب علموں کی کلاسیں۔ فیس نہ لینے کا مطلب ہے بڑی بڑی کلاسیں جہاں کلاس کو چھوڑ بیٹھنے اور مسلسل غائب رہنے کا سلسلہ اوّل دن سے شروع ہو جاتا ہے۔ محنتی اور لگن والے طالب علموں پر اس کا بہت خراب

اثر پڑتا ہے۔ ان کلاسوں میں حاضری کی پابندی بہت کم ہوتی ہے۔

## ایک اور اسکیم

ایک دوسری اسکیم بھی اکثر کامیاب ہوئی ہے وہ یہ کہ طالب علموں سے شروع میں فیس لی جائے جس میں ان کے کام اور دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے رقم واپس کر دینے کا انتظام ہو۔ طالب علم فیس داخل کر کے کلاس میں پڑھنے آئیں۔ یہ فیس کلاس کا خرچ چلانے کے لئے ایک قابل لحاظ حصہ بھی ہو سکتی ہے۔ جو طالب علم ۷۵ سے ۸۵ فی صدی تک حاضری پوری کر لیتے ہیں وہ اپنی پوری رقم واپس لے سکیں۔ یہ رقم تین چوتھائی، آدھی یا کوئی بھی حصہ ہو سکتی ہے جس کی اطلاع لوگوں کو پہلے سے ہو۔ فیس کی واپسی کی اسکیم کا حاضری پر اچھا اثر پڑ سکتا ہے۔ ایسے لوگ جن میں پڑھنا لکھنا سیکھنے کا مطلق شوق نہ ہوگا وہ فیس کی پابندی کی وجہ سے اس سے باہر ہی رہ جائیں گے اور جن میں پڑھنا لکھنا سیکھنے کا حوصلہ ہوگا وہی اس میں داخلہ لینے کی ہمت کریں گے۔ داخلہ لینے والوں میں جن کا شوق ختم ہو جائے گا اور وہ پابندی سے کلاس میں نہیں آپائیں گے انھیں فیس کی واپسی سے محروم رکھنے سے سزا بھی مل جائے گی۔

اس سلسلے میں کوئی پالیسی طے کرتے وقت لوگوں کی ذاتی شمولیت، دلچسپی اور حوصلے کا خیال رکھنے کی سب سے زیادہ اہمیت ہے۔ کوئی گاؤں پنچایت خواندگی کی تعلیم کے لئے پچاس فی صدی اخراجات خود مہیا کرنے کے لئے تیار نہیں ہے تو اس شک کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ مقامی طور پر لوگ اس کی ضرورت اس شدت سے محسوس نہیں کر رہے ہیں کہ دوسری جگہوں کے خرچ کو کاٹ کر سرکاری پیسہ یہاں خرچ کرنا حق بجانب ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص خواندگی کی کلاس میں معمولی رقم دے کر پڑھنا بھی پسند نہیں کرتا ہے تو پھر اس بات کا کوئی کھلا ہوا ثبوت نہیں رہ جاتا کہ وہ خواندگی کی اہمیت اور ضرورت کو نہایت شدت کے ساتھ محسوس کر رہا ہے اور اس کے لئے اس کام میں دوسروں کا مدد پہنچانا حق بجانب ہے۔

خواندگی کی مفت تعلیم کا انتظام ایک بہت بڑی بھول ہو سکتی ہے۔ اگر بستی کے غریب آدمی فیس ادا کر کے پڑھنے کے قابل نہیں ہیں تو پھر انھیں کسی ایسی جانچ پر ضرور پورا اترنا چاہئے جس سے پڑھائی کے سلسلے میں ان کے خلوص اور نیک نیتی کا اندازہ ہو سکے۔

# صنعتی ترقی کی بنیاد ــــ زراعت

ہندوستان ایک زراعتی ملک ہے جسے صنعتی اعتبار سے ترقی یافتہ ملکوں کے دوش بدوش لانے کی اَن تھک کوشش کی جا رہی ہے مگر ایسا کرنے میں زراعتی ترقی کے پروگراموں سے اپنی توجہ کو ہٹانا ایک بڑی بھول ہوگی۔ خود صنعتوں کی ترقی کے لئے بھی ضروری ہے کہ زراعت کو اچھے اور منصوبہ بند طریقے پر ترقی دی جائے۔

جن ملکوں نے صنعتی ترقی کے زعم میں زراعت کو نظر انداز کیا ہے اُن کو اس کی بھاری قیمت بھی ادا کرنی پڑی ہے۔ روس میں زراعتی پیداوار پر اب زیادہ زور دیا جا رہا ہے اور چین، جس نے صنعتی ترقی کے میدان میں بہت تیز تیز قدم اٹھانے کا حوصلہ دکھایا تھا، قحط کا شکار ہو رہا ہے۔ جس سے وہاں کی معاشرتی بنیاد کافی کمزور پڑ گئی ہے۔

خود ہمارے ملک میں بھی اس کی مثال موجود ہے۔ بہار صنعتی اعتبار سے بہت ترقی یافتہ ریاست ہے، مگر وہاں پنجاب جیسی خوشحالی نہیں ہے۔ پنجاب نے بڑی صنعتوں کے مقابلے میں زراعت اور چھوٹے دھندوں میں زیادہ ترقی کی ہے۔

ہندوستان جیسا ترقی پذیر ملک، جو صنعتی اعتبار سے ترقی یافتہ ملکوں کے دوش بدوش پہنچنے کا حوصلہ رکھتا ہو، زراعت کی خاطر خواہ ترقی کے بغیر کبھی اس منزل تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔

زراعتی ترقی کا کام صنعتی ترقی کے مقابلے میں زیادہ مشکل اور حوصلہ شکن کام ہے۔ زراعت کی ترقی کئی محاذ پر ایک ساتھ جد و جہد کرنے پر منحصر ہوتی ہے جب کہ صنعتی ترقی کے لئے مشینری اور سرمائے کی فراہمی بھی کافی ہوتی ہے۔ زراعت کی ترقی کے لئے لاکھوں کسانوں کو سمجھانا بجھانا اور انہیں نئے طریقے اختیار کرنے کے لئے تیار کرنا ہوتا ہے۔ یہی مشکل کام کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام کے دائرۂ عمل میں آتا ہے اور جس کی کامیابی پر ہی ملک کی صحیح معنوں میں ترقی اور خوشحالی منحصر ہے۔

# بچوں کے سدھار کے پروگراموں میں بستی کی دلچسپی ضروری

## بال سہیوگ کا ایک تجربہ

ہمارے سماج کے دقیانوسی اور بوسیدہ ڈھانچے کو ایک نئی شکل اور نیا روپ دینے کے لئے نہ صرف سرکاری بلکہ غیر سرکاری ادارے بھی اپنے اپنے طور پر کوشش کر رہے ہیں۔ ہندوستان والوں کو اب یہ احساس ہو چلا ہے کہ ہمارا موجودہ سماج نئے زمانے کے تقاضوں کو پورا نہیں کر رہا ہے۔ چنانچہ اِس آزاد ہندوستان میں نئے نئے ذہنوں سے نکلی ہوئی نئی نئی اسکیموں، نئے نئے منصوبوں نے اور برابر آگے بڑھتے رہنے کی امنگ اور ولولے نے آج سماج میں بڑی بے چینی اور کھلبلی پیدا کر دی ہے۔ نئی نئی تبدیلیوں کے ساتھ نئی نئی مصیبتیں بھی سامنے آ رہی ہیں۔ لیکن ان مشکلوں سے نہ گھبرا کر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے سماج کا ہر شہری ایک تعلیم یافتہ شہری بنے اور وہ زندگی سے صحیح معنی میں لطف اندوز ہو سکے۔ وہ اپنے بچوں کو اعلیٰ معیار کی زندگی دے سکے اور آنے والی نسلوں کو اپنے سے زیادہ خوشحال اور ترقی یافتہ دیکھنے کی خواہش رکھے۔ مختصراً ہمارے سماج کا ہر شخص ہر طرح سے ایک خوشحال زندگی بسر کرے۔ ہماری حکومت کے سامنے آج یہی نصب العین ہے اور سوشلسٹ سماج کے قیام کی تعبیر بھی۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے حکومت نے ترقیاتی پروگراموں کے ماتحت بہت سے پروگرام شروع کر رکھے ہیں ان کے علاوہ متعدد غیر سرکاری سماجی سنستھائیں بھی ہیں جنہوں نے سماج میں ہر ممکن خوشحالی لانے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ اور وہ سماج سدھار کے مختلف کاموں میں لگی ہوئی ہیں۔ سماج سدھار کی یہ سنستھائیں عورتوں میں بچوں میں، جسمانی اور ذہنی اعتبار سے معذور لوگوں اور پسماندہ طبقوں کی زندگی میں خوشحالی لانے کا کام کر رہی ہیں اِن سنستھاؤں کے سامنے مقصد افراد کو سماجی زندگی کے تقاضوں کے مطابق ڈھال کر انہیں سماج کی ترقی اور خوشحالی میں معاون و مددگار بنانا ہوتا ہے ۔ اس کام میں انہیں سب سے زیادہ مدد سماجی تعلیم یا سوشل ایجوکیشن سے ملتی ہے جسے وہ اپنے کام کے آلہ کار کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ سماجی تعلیم یا سوشل ایجوکیشن ایک بہت وسیع اصطلاح ہے جسے سماج سدھار کے سبھی میدانوں میں ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

بال سہیوگ بھی ایک ایسی سنستھا ہے جو سماج سدھار کا کام کرتی ہے۔ اس کا اصل مقصد سماج کے بگڑے ہوئے یا آوارہ

اور بدچلن بچوں کی اصلاح کرکے انہیں سماجی زندگی میں ایک باعزت مقام دلاتا ہے جس سے بچوں کے سدھار کے ساتھ ہی ساتھ ان کی وجہ سے سماج میں پھیلنے والی برائیوں کو روکا جاسکے۔ یہ سنستھا پچھلے آٹھ سال سے دلّی کے بچوں کے درمیان کام کر رہی ہے۔ یہ بالکل نیا اور انوکھا تجربہ ہے۔ یہ سنستھا شروع میں ایک کیمپ کی شکل میں قائم ہوئی اور اب رفتہ رفتہ ایک مستقل سنستھا بن گئی ہے۔ اس میں جرائم پیشہ بچوں کو داخل کرنے میں بچوں کی عدالت اور بچوں کی پولیس کی نگہداشت سے محفوظ رکھا جاتا ہے جس سے کہ وہ اپنے آپ کو مجرم محسوس نہ کر سکیں۔ اُن سے پیار اور محبت سے رشتہ قائم کرکے اور ان میں بھروسہ اور اعتماد پیدا کرکے اِن کی اصلاح کا کام کیا جاتا ہے۔ گندی بستیوں اور پچھڑے ہوئے محلوں میں ان بچوں سے ربط ضبط قائم کرنے کے لئے کلب کھولے جاتے ہیں جنہیں کنٹیکٹ کلب ( CONTACTCLUB ) کہتے ہیں۔ ہر کلب میں ایک سوشل ورکر اور ایک کرانٹ مین ہوتا ہے۔ گلی کوچوں میں بچوں کے بے تکلف صحبتوں اور ان کے ملنوں سے میل جول بڑھا کر انہیں باقاعدہ منظم ڈھنگ سے مختلف دلچسپیوں میں حصّہ لینے کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ اِس طرح وہ رفتہ رفتہ کلب کے مستقل ممبر بن جاتے ہیں۔ کلب کے پروگراموں میں مختلف فرشی اور میدانی کھیل، تعلیمی، تفریحی اور تہذیبی پروگرام، جن میں فلم شو، سیر و تفریح، چھٹیوں کے کیمپ، اور مختلف حرفوں کی تعلیم اور بچوں میں دودھ کی تقسیم وغیرہ شامل ہے، ہوتے ہیں کلب کی دلچسپیوں میں جو لڑکے شریک ہوتے ہیں ان کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اکثر بچے تو ان پروگراموں میں شریک ہو کر راہ راست پر آجاتے ہیں۔ مگر جو بچے ان کے باوجود بھی سماجی زندگی میں صحت مند کردار ادا نہیں کر پاتے ان بچوں کو پھر بال سہیوگ کے ہوم میں داخل کیا جاتا ہے۔ جہاں مختلف اصلاحی کاموں کے علاوہ انہیں کسی حرفے کی تین سال تک ٹریننگ بھی دی جاتی ہے۔ اُس کے بعد وہ لڑکا اِس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی روزی خود کما سکے اور سماج کے ایک باعزت رُکن کی حیثیت سے زندگی گذار سکے۔ اور اس سنستھا کے سامنے یہی سب سے بڑا مقصد بھی ہے۔

دہلی کی ایک بستی سبزی منڈی میں بال سہیوگ کا ایسا ہی ایک کلب قائم ہے۔ یہ علاقہ بدتری میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس کلب کے آرگنائزر کی حیثیت سے میں کچھ دنوں سے کام کر رہا ہوں، کلب آرگنائزر کا کام بڑی ذمہ داری اور جانفشانی کا کام ہے۔ کلب سنستھا کا ایک ایسا بنیادی کام ہے جس کے اوپر پوری سنستھا کی کامیابی منحصر ہوتی ہے۔ کلب کے آرگنائزر کے لئے ضروری ہے کہ وہ سوشل ورک کے اصول اور طریق کار سے پوری طرح واقف ہو لیکن یہاں گروپ ورک، کیس ورک اور کمیونٹی آرگنائزیشن کے اُصول اور طریق کار سے واقفیت ہی سب کچھ نہیں ہے۔ اس کے لئے عملی تجربہ بھی ضروری ہے۔ تجربہ انسان کو بہت کچھ سکھاتا ہے۔ بچوں کے کام میں سب سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہوتی ہے کہ بچوں کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کیا جائے یہ وہ بات ہے جس میں کتابیں بہت کم مدد پہنچا سکتی ہیں۔ یہ باتیں تو عملی تجربے سے ہی سیکھی جا سکتی ہیں۔ جو باتیں میں نے سوشل ورک کی تھیوری میں نہیں سیکھی تھیں، وہ یہاں کے بچوں نے مجھے سکھا دیں۔ بچوں کے ساتھ کس طرح برتاؤ رکھا جائے یہ بہت نازک مسئلہ

ہے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔

بچوں کو آپ کسی طرح دھوکا نہیں دے سکتے ہیں وہ آپ کی چھوٹی سے چھوٹی غلطی کو پکڑ لیتے ہیں۔ بچے ذہنی اعتبار سے بہت مستعد اور باخبر ہوتے ہیں۔ وہ یہ بھانپ لیتے ہیں کہ بھائی صاحب (سوشل ورکر صاحب) ان کے کاموں میں واقعی دلچسپی لے رہے ہیں یا نہیں جھوٹے وعدوں پر ٹال دینا انھیں بالکل برداشت نہیں۔ وہ تو ہر بات میں خلوص اور ہمدردی کو تلاش کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب انھیں کوئی مخلص سوشل ورکر مل جاتا ہے تو پھر اس پر اپنی جان بھی چھڑکتے ہیں۔ پھر تو اُن کے کام میں ایک سپاہی کی کیفیت آجاتی ہے۔ ہر کام میں وہ جوش و خروش دکھاتے ہیں اور ہر دم حکم کے تابع نظر آتے ہیں۔

## بچوں کی سماجی تعلیم

ایک سوشل ورکر کا فرض ہوتا ہے کہ کلب کے ہر ممبر کی اس طرح تعلیم و تربیت کرے کہ اس کی شخصیت کی ہمہ گیر نشو و نما ہو اور اس میں کسی چیز کی کمی نہ رہ جائے۔ اس کے لئے ہر ممبر کی زندگی کی پوری پوری واقفیت حاصل کرنا اور اسی کے ساتھ اس کا بھروسہ حاصل کرنا بھی بہت ضروری ہوتا ہے۔ اس کے ماحول کو جاننا، اس کے والدین کی سماجی اور اقتصادی حالت کو سمجھنا، اس کے ذہنی رجحان، عادت و اطوار اور شوق و دلچسپی کا جائزہ لینا بھی لازمی ہوتا ہے۔ ان تمام باتوں کو جاننے کے بعد کہیں ہم اس قابل ہوتے ہیں کہ اس کی کچھ مدد کر سکیں۔

بچوں میں بہت سی بُری عادتیں ہوتی ہیں مثلاً سگریٹ پینا، گالی بکنا، جوا کھیلنا، لڑنا جھگڑنا، آوارہ گردی کرنا۔ سینما دیکھنا، چوری کرنا، والدین کو تنگ کرنا، گھر کا کام نہ کرنا گھر اور اسکول دونوں جگہوں سے غائب رہنا۔ کتابیں بیچ دینا اور فیس تک کے پیسے کھا جانا۔ یہ بہت سی بُرائیاں بچوں میں ماحول کے ردعمل سے پیدا ہو جاتی ہیں جن کا تدارک مختلف طریقوں سے کیا جا سکتا ہے۔ کچھ عادتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کا چھوٹنا مشکل ہوتا ہے۔ جیسے سگرٹ پینے کی عادت لیکن اس کو کم کرایا جا سکتا ہے اور کم از کم دوسرے بچوں کو اس لعنت سے بچایا جا سکتا ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ آپ کوئی بھی عادت بچے سے زبردستی نہیں چھڑا سکتے۔ جب تک آپ اُس کے دل میں اس کے لئے احساس نہیں پیدا کرا دیتے ہیں یا جب تک آپ اس کا کوئی بدل اس کے سامنے پیش نہیں کر دیتے جس سے کہ وہ اپنی تسکین کر سکے مثال کے لئے سگرٹ پینے کی عادت کو ہی لیا جا سکتا ہے۔ اس میں طلب پریشان کرتی ہے بالکل اسی شدت کے ساتھ جیسے کہ بھوک لگتی ہے۔ اگر بھوک میں آپ کو کھانا نہ ملے تو آپ کیا کریں گے۔ چاہے کوئی جتن کرنا پڑے آپ اپنی بھوک کو مٹانے کا انتظام ضرور کریں گے اسی طرح اگر آپ بچے کو سگرٹ نوشی پر ماریں اور دھمکائیں تو وہ اُس وقت ڈر ضرور جائے گا مگر اس سے اس کی سگریٹ پینے کی عادت نہیں چھوٹے گی۔ وہ آپ سے چھپ کر سگریٹ پئے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ آپ کے ڈر سے آپ کے سامنے سگریٹ نہیں پی رہا ہے

ورنہ عادت بدستور ہے۔ اب آپ نے اُسے ایک چھوڑ دو جرم کا مرتکب کر دیا یعنی چوری بھی سکھا دی۔ آپ ہیں کہ اس بات پر خوش ہیں کہ وہ آپ سے ڈرتا ہے مگر یہ نہیں دیکھتے کہ آپ کے خوف نے اس کی شخصیت میں ایک اور کمی پیدا کر دی ہے۔ میں تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ایسی عادتوں کے اصلاحی پہلو پر زیادہ زور دینا چاہئے۔ اس طرح سے کسی بچے کی عادت چھڑوانے میں وقت ضرور لگے گا مگر اُس کا کافی صحت مند اثر پڑے گا۔ اس میں جبر و تشدد کے بجائے اس کے دل کو گہرا احساس لانے کی ضرورت ہوگی۔ سگرٹ کی برائیوں کو طرح طرح کی مثالوں کے ذریعہ اسے ذہن نشین کرانا ہوگا۔

سگرٹ نوشی تو ایک ایسی عادت ہے جس کی طلب ستاتی ہے۔ یہ طلب بھوک سے بھی زیادہ شدید ہوتی ہے۔ لیکن جہاں تک لڑکے کی سینما دیکھنے، جُوا کھیلنے، آوارہ گردی کرنے، چاٹ کھانے جیسی عادتوں کا سوال ہے یہ عادتیں تو تھوڑی سی محنت پر اور مسلسل تعلیم دیتے رہنے سے، اُن کا بدل پیش کر کے اور اُن کے لئے تفریح کے اچھے مواقع مہیا کر کے دور کی جا سکتی ہیں۔ بچوں کو اچھی فلمیں دکھا کر اور اُن کے اچھے بُرے پہلوؤں کو اُجاگر کر کے بحث اور مباحثہ کر کے ان میں اچھی فلمیں دیکھنے کا ذوق پیدا کرنا چاہئے۔ جوا کنچے، تاش وغیرہ کھیلنے میں بھی بچوں پر زیادہ سختی نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ اُن کا دھیان دوسری دلچسپیوں کی طرف مائل کر دینا چاہئے۔ کلب کے ممبروں کو بغیر کسی شخص کی طرف اشارہ کئے ہوئے یہ بھی جتا دُنی دے دینی چاہئے کہ جو لڑکے جو یہ خراب کھیل کھیلیں گے ہم اُن سے ناراض ہو جائیں گے اور پھر ہم ان کو اپنے اچھے اچھے کھیل نہیں کھیلنے دیں گے۔ اتنی ہی جتاونی کافی ہوگی۔ یہ بات میرے تجربے میں آئی ہے کہ کلب کے ایک ورکر نے اپنا یہ اصول بنایا تھا کہ وہ کلب کے آس پاس چکر لگاتے اور لڑکوں کو کنچا کھیلتے دیکھ کر ان کے کنچے چھین لیتے۔ انھوں نے یہ چھینے ہوئے کنچے سیکڑوں کی تعداد میں اکٹھے کر لئے تھے انھیں اس کارنامے پر بہت ناز تھا۔ لیکن ان کے کارناموں کی فہرست میں ایک بھی ایسے لڑکے کا نام نہیں تھا۔ جس نے اس دباؤ میں آکر کنچا کھیلنا بند کر دیا ہو۔ شروع شروع میں میں نے بھی ایسا ہی کیا لیکن تجربے نے بتایا کہ بعض لڑکے تو اس سے ڈر ضرور جاتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر مقابلے پر بھی آجاتے ہیں۔ سختی کرنے میں ہر دم خطرہ رہتا ہے کہ کلب کی طرف سے ان میں نفرت کا جذبہ نہ پیدا ہو جائے۔ میں نے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا، لڑکوں کو کنچوں اور تاش کی برائیاں بتانا شروع کیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی جتاؤنی دی کہ جو کلب ممبر یہ خراب کھیل کھیلے گا اسے ہم اپنے کھیل میں شامل نہیں کریں گے انھیں پکنک پر نہیں لے جائیں گے۔ بچوں سے جب پیار اور محبت سے پیش آئے تو ان میں ایک بھروسہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں زیادہ سختی کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ میں نے جب یہ رویّہ اختیار کیا تو لڑکوں کا یہ حال دیکھا کہ انھوں نے میرے سامنے اپنے تمام کنچے پھینک دیئے اور پھر کبھی نہ کھیلنے کا عہد بھی کر لیا۔

ایسا کرنے میں بچوں کو کنچا اور تاش کھیلنے سے زبردستی روکا نہیں گیا بلکہ انھیں کھیلنے نہ کھیلنے کا فیصلہ خود ان کے اوپر ہی چھوڑ دیا گیا اس کا بہت اچھا اثر دیکھنے میں آیا۔

اسکول سے لڑکوں کے غائب ہونے کی بھی چند وجوہات ہوتی ہیں۔ مثلاً کسی مضمون میں کمزور ہونا۔ اُستاد کا بہت سخت ہونا کتابیں اور کاپیاں پوری نہ ہونا۔ غلط قسم کے دوستوں کی صحبت میں پڑ جانا۔ ان باتوں کو بڑی گہرائی سے اور غور سے جانچنا ہوتا ہے۔ جو لڑکے کا بھروسہ حاصل کئے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ جب ان کا بھروسہ حاصل ہو جائے تو بہت سی دشواریاں خود بخود دور ہو جاتی ہیں اور تب بچے کے مخصوص حالات میں ان کے مسائل کا حل تلاش کرنا رہ جاتا ہے جو دشوار ضرور ہے ناممکن نہیں۔ اگر بچہ کسی مضمون میں کمزور ہے تو اس مضمون میں مزید تعلیم کا انتظام کرایا جا سکتا ہے۔ بُری صحبتوں سے بچانے کے لئے اسکول بدلا جا سکتا ہے یا اُسے سمجھایا بجھایا جا سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ غرض کوئی ایسی مشکل نہیں ہوتی جس کا حل نہ نکال لیا جائے۔ شرط صرف یہ ہے کہ کارکن بچے میں دلچسپی لے اور بچے کا اعتماد حاصل کرنے کا اہل ہو۔

## کلبوں میں کمیونٹی آرگنائزیشن

بچے کمیونٹی یا بستی کا ایک حصہ ہوتے ہیں۔ مقصد ہمارا اگرچہ بچوں کی ترقی ہے لیکن بستی سے علیحدہ رکھ کر ہم ان کے لئے کچھ بہت کام کر ہی نہیں سکتے ہیں۔ اسی لئے اس کام میں کمیونٹی کی ترقی کی راہ بھی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ سب سے پہلے بستی کے اندر بچوں کی فلاح و بہبود کی خواہش پیدا کرنی ہوتی ہے، ورنہ اگر آپ بچے کو جوا کھیلنے پر نصیحت کریں گے جب کہ اس کا باپ اس کی اس حرکت سے خوش ہوتا ہے۔ کیونکہ اسے بھی اس بہانے کچھ پیسے مل جاتے ہیں یا وہ خود بھی جوا کھیلتا ہے اور وہ اس چیز کو بُرا ہی نہیں سمجھتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ لڑکے کو جوا نہ کھیلنے کی تعلیم دینے سے پہلے لڑکے کے باپ کو اس چیز سے روکا جائے اور اگر آپ انھیں روک نہ سکیں تو کم از کم ان کے دل میں یہ بات تو بٹھا ہی دیجئے کہ جوا کھیلنا ایک بری بات اور قانون کی نظروں میں جرم ہے۔ اگر آپ اس بُری عادت کو نہیں چھوڑ سکتے ہیں تو کم از کم اپنے بچے کے سامنے تو اسے نہ کھیلیں۔ اور آپ جوا کھیلنے میں اُس کی ہمت افزائی تو نہ کریں۔ اگر آپ کمیونٹی کو پس پشت ڈال کر صرف بچوں میں کام کریں گے تو بستی آپ کے کام کی مخالف بن جائے گی اور پھر آپ کو کوئی بھی سدھار کا کام نہیں کرنے دے گی۔

کمیونٹی میں کام نہ کرنے کا نتیجہ میرے علاقے میں بہت جلد ظاہر ہوا۔ کلب دو سال سے قائم تھا لیکن لوگ اسے اپنے فائدے کی چیز نہیں سمجھتے تھے بلکہ الٹے اُسے جوا کھیلنے کا ایک نئے ڈھنگ کا اڈا سمجھتے تھے۔ ایسے میں ضروری ہو جاتا ہے کہ بچوں کے ساتھ ساتھ ان کے والدین اور سرپرستوں کو بھی سماجی تعلیم دی جائے۔ ان کے مشورے، ان کا سہیوگ لیا جائے، اُن کی رائے کی اہمیت سمجھی جائے اور ممکن ہو تو ایک بستی کے لوگوں کی ایک کمیٹی بھی بنا دی جائے۔ مگر اس میں ایک خطرہ بھی لاحق رہتا ہے کہ کلب کا کام مقامی سیاست بازی کا شکار نہ ہو جائے۔ اس خطرے سے بچانے کی ایک صورت یہ ہے کہ بستی کی کمیٹی کو مشاورتی کمیٹی ہی کی حیثیت دی جائے اور اس میں حصہ

یا سکریٹری کی پدوی نہ بانٹ کر سب ممبروں کو برابر کا حق دیا جائے۔

شہروں میں لوگ اپنے اقتصادی مسائل میں اتنا الجھے ہوئے ہیں کہ انہیں اپنے بچوں کی بہتری کے بارے میں سوچنے کی فرصت بھی نہیں ہے۔ وہ تو ہر اُس چیز کو اچھا سمجھتے ہیں جس سے ان کی جیب گرم ہوتی رہے۔ بچوں کے مستقبل پر اُن کی نظر ہی نہیں ہے۔ ہمارا یہ علاقہ جہاں کہ یہ کلب قائم ہے اس کی صورتِ حال کی بہترین مثال ہے۔ یہاں ہمارے کلب کا کام بچوں کے کھیل کود تک ہی اگر محدود رہے تو پھر اس سے بچوں کی اصلاح و ترقی کا مقصد کبھی حاصل ہی نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر ہمارے کلبوں کو صرف تفریح کا مرکز ہی نہیں اصلاح و تربیت کا مرکز بھی بنانا ہے تو وہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ پوری بستی کی زندگی کو سامنے رکھ کر کلب کی تنظیم کی جائے۔ والدین کی تربیت بچوں کی تربیت کے لئے ایک بنیادی کام ہے۔

اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میں نے ایک تجربہ کیا جو بہت کامیاب رہا۔ محلّے کے لوگ اتنا تو جانتے تھے کہ یہاں ایک کلب چل رہا ہے جس میں دو بھائی آتے ہیں اور بچوں کو کھلا کود اکر چلے جاتے ہیں۔ دو چار آدمیوں کو چھوڑ کر ہماری کسی سے دعا سلام بھی نہیں تھی۔ کچھ لوگ ہمیں تنگ بھی کرتے رہتے تھے کہ یہ تو اپنے پیسے چوکھے کرنے یہاں آتے ہیں اور لڑکوں کو جوا کھلاتے ہیں۔ جہاں تک بچوں کے اندر اِس کلب کی طرف سے دلچسپی پیدا کرنے کا تعلق تھا اس میں تو ہمیں ایک بڑی حد تک کامیابی مل گئی تھی اور ہم نے ان کی حکومت بنا کر ان کے اندر بھروسہ بھی پیدا کر دیا تھا۔ لیکن بستی کے لوگ اب بھی ہمارے دائرۂ اثر سے باہر تھے اور انہیں کلب کے کاموں میں دل چسپی دلانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ میں نے بچوں کا ایک گانے کا مقابلہ کرایا۔ اُس کی تیاری میں دن رات کھپا دیئے۔ کلب میں قلعی کرائی۔ بچوں کو پروگرام کی تیاری بہت پہلے سے شروع کر دی گئی تھی۔ اس سے محلّے میں ۱۵ دن پہلے سے ہی دھوم مچ گئی۔ آخری رات کو سجاوٹ کا کام ہوا جس میں محلّے کے سبھی بچّے اور نوجوان موجود تھے۔ اسی دوران میں ایک مخالف گروپ نے جھگڑا کرنے کے بہت سے بہانے تلاش کئے۔ پہلے تو اسی بات پر جھگڑا کیا کہ یہ قلعی بغیر اجازت کیوں کرائی گئی۔ اتفاق سے محلّے کے دو چار لوگوں سے ہم پہلے ہی بات کر چکے تھے اور ان کی رضامندی بھی حاصل کر لی تھی۔ پھر کبوتروں کے گھونسلے ہٹانے پر جھگڑا کرنا چاہا لیکن ہم نے اس جھگڑے کو بھی معافی تلافی سے درگذر کر دیا۔ جب سجاوٹ کا کام مکمل ہو چکا تو محلّے کے ایک آدمی کو اس گروپ نے چڑھایا کہ ظلم تو دیکھو ہمارے ہی بچوں کا کلب اور ہمارے ہی اوتاروں کی تصویریں اس سجاوٹ میں نہیں لگائی گئیں۔ ہم نے ان سے کہا ہمیں اس بات کا بالکل خیال نہیں تھا اور ہمارے پاس ایسی کوئی تصویر بھی نہیں ہے۔ کہنے لگے آپ ہم سے مانگتے تو ہم آپ کو لا کر دیتے۔ میں نے کہا کہ اگر آپ اب لا سکیں تو ہم اب بھی اس کو سجا دیں گے۔ معاملہ شرارت سے شروع ہوا تھا لیکن اس شرارت میں بھی جب ان کے جذبات کی قدر نہ کی گئی تو وہ بھی پگھل گئے۔ اوتاروں کی تصویریں بھی لگا دی گئیں۔ اب تو ان لوگوں نے بھی اس میں دلچسپی دکھائی۔ ساری رات جاگ کر کام ہوا

صبح کو دو شان دار پروگرام شروع ہوا۔ مائک کا بھی انتظام تھا۔ ریکارڈ بجائے جا رہے تھے۔ شادی کی سی دھوم دھام تھی ہر بچہ اور بڑا اپنے اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔ مقابلہ میں سبزی منڈی ہی نمایاں رہا۔ اس سے لڑکے ہی نہیں بلکہ محلّے والے بھی بہت خوش ہوئے۔ ہم نے محلّے کے ایک بزرگ سے ہی انعام تقسیم کرنے کی درخواست کی ان کی زندگی میں یہ پہلا ہی موقع تھا وہ یہ سمجھے کہ شاید اوّل آنے والوں کو انعام جیب سے دینا پڑے گا اس لئے ذرا تامل کیا مگر اصرار کرنے پر جیب سے روپئے نکالنے لگے لیکن ہم نے ان کے ہاتھ میں انعام دیا کہ آپ کو پیسے نہیں دینے ہیں بلکہ انعامات تو پہلے ہی سے آئے ہوئے رکھے ہیں۔ بچّوں کی حوصلہ افزائی کے لئے صرف انھیں تقسیم کر دینا ہے۔ وہ بہت خوش ہوئے۔

اِس پروگرام میں ساری بستی کے لوگوں نے حصّہ لیا تھا۔ اِسی لئے یہ پروگرام کامیاب ہوا۔ سب لوگ اپنا اپنا کام کر کے خوش ہوئے۔ اس سے ہماری بہت سی مشکلیں بھی حل ہوئیں۔ کلب کا کام بستی کے لوگوں میں مقبول ہوا۔ اُن کی دلچسپی سے بچّوں کی دلچسپی بڑھی کوئی بچّہ انعام حاصل کرنے پر خوش ہوا، تو کوئی اس بات پر کہ اُس سے فلاں کام لیا گیا اور دوسرے اس بات پر کہ انھوں نے اچھے اچھے گانے سُنے اور اگلے مقابلے میں وہ بھی حصّہ لیں گے۔ والدین بھی ان کے خوش ہوئے اور اب بستی میں کلب کے کام کی قدر و قیمت بڑھ گئی ہے مگر ضرورت اِس بات کی ہے کہ بستی کے لوگوں کی اِس دلچسپی سے فائدہ اُٹھا کر اُن کی تعلیم و تربیت کا کام بھی شروع کر دیا جائے۔

---

## پنچایتی راج کی ٹریننگ کے لئے نئی کونسل کا قیام

کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور پنچایتی راج کے مطالعے اور تحقیق کی ۴۳ ممبروں کی ایک قومی کونسل کے قیام کا اعلان ۲۵ رجون کو کیا گیا ہے۔ یہ کونسل پنچایتی راج کے سرکاری اور غیر سرکاری عہدہ داروں کی ٹریننگ اور مطالعے کے پروگراموں کی نئی تنظیم کے لئے قائم کی گئی ہے۔ شری ایس۔ کے۔ ڈے کونسل کے صدر ہوں گے۔ جس میں ماہرین عمرانیات و اقتصادیات، دیہی پروگراموں کے ماہرین اور سماجی کارکنوں کے علاوہ پارلیامنٹ کے ۱۲ ممبر بھی شامل ہوں گے۔
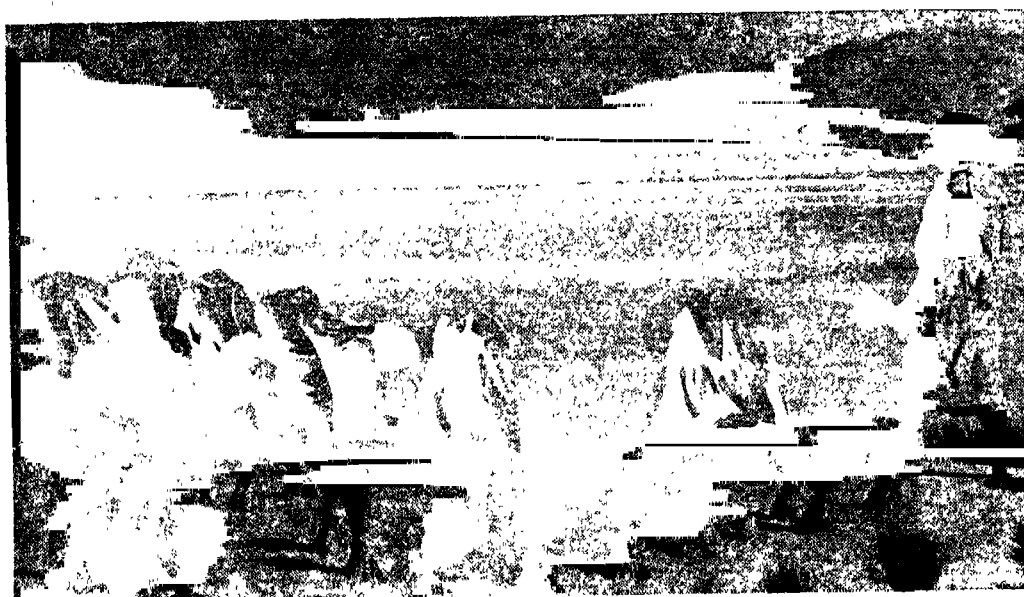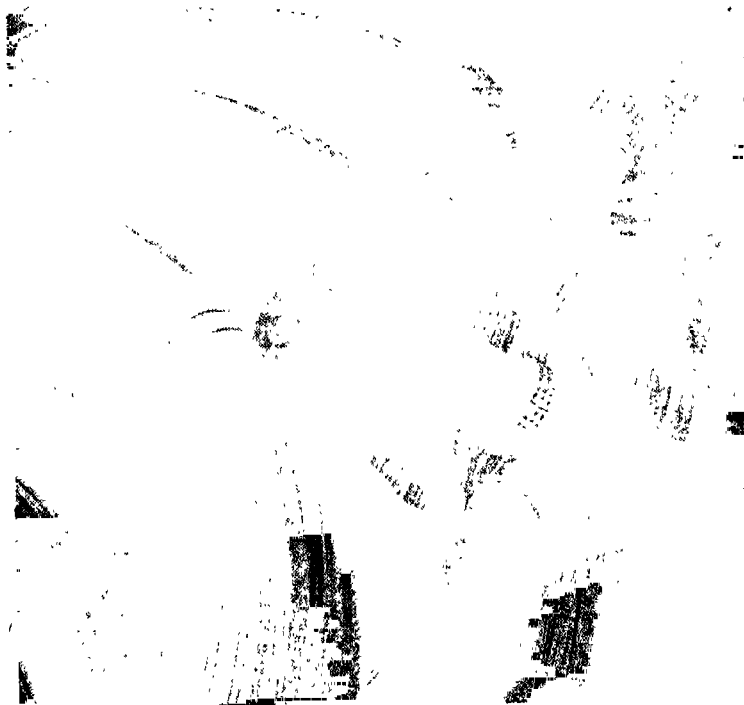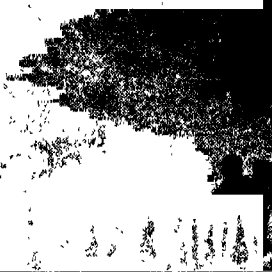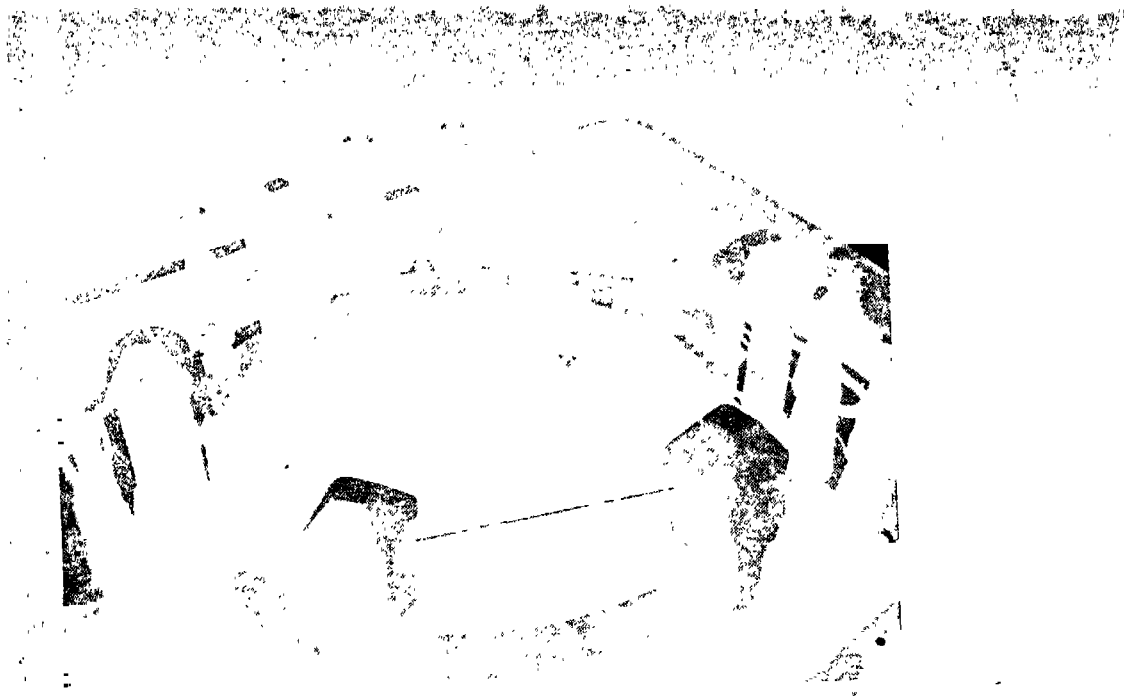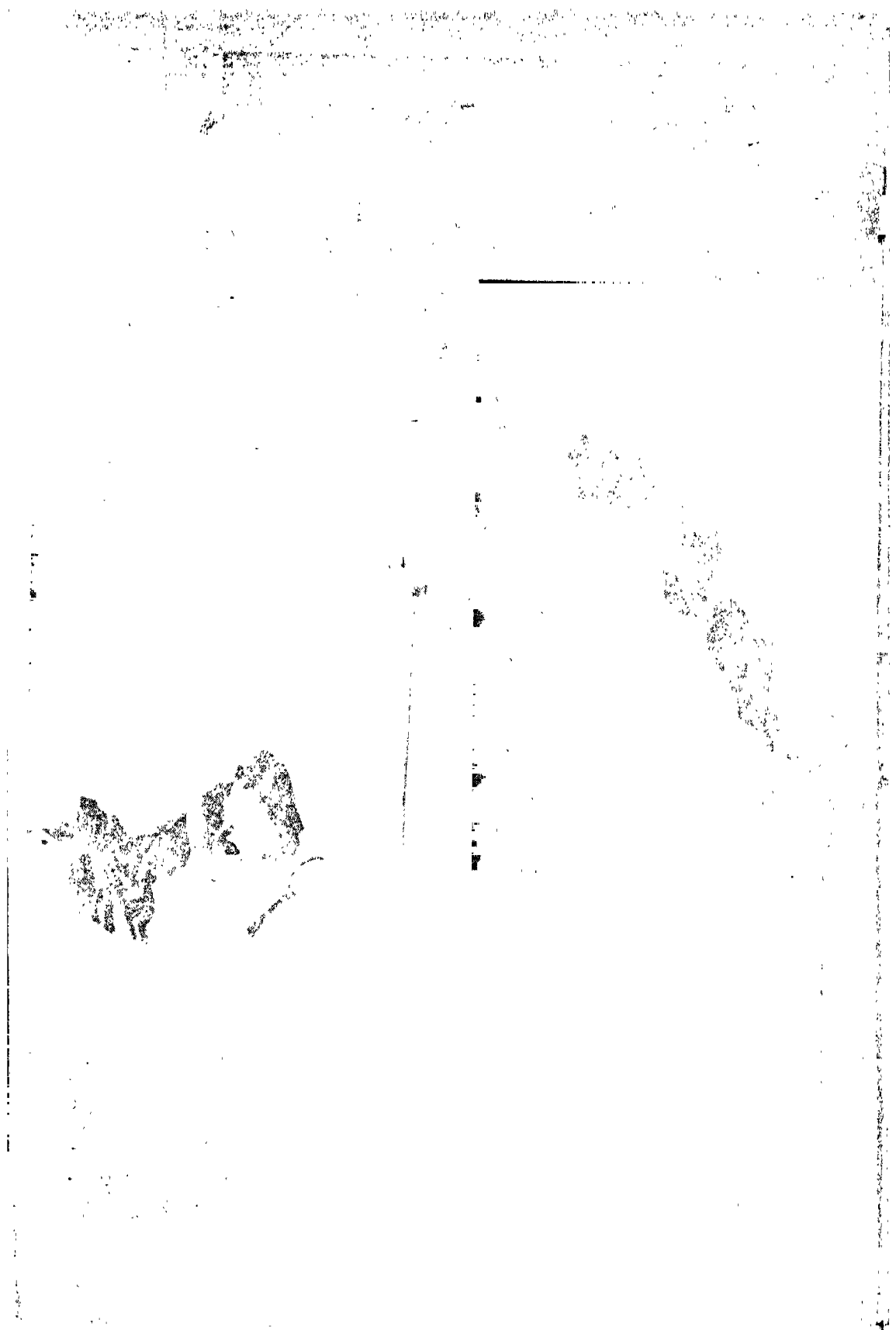
# ہندوستان کے دیہاتوں کا بدلتا ہوا روپ

## نئی زندگی تصویروں کے آئینے میں

ہندوستان کے دیہاتوں میں عوامی آرٹ کی مختلف شکلیں صدیوں سے زندگی کی نگار آفرینی کی عکاسی کرتی چلی آرہی ہیں۔ یہ کھیتوں میں کام کرنے والوں کے جیون میں نشاط و مسرت کا پیغام بنتی رہی ہیں۔ دیہات کے میلوں ٹھیلوں میں دیہاتیوں کے مقامی ناچ رنگ اور نغموں کا مدھر سنگیت لہراتا ہے۔ کسانوں کے سادے مگر پرکشش مکانوں کی دیواروں پر دیکھئے۔ گہرے رنگوں میں ڈوبے ہوئے خطوط میں اُن کی زندگی نظر آئے گی۔ کچھ جانے پہچانے مناظر یا کچھ فرضی اور روایاتی کہانیوں کے پس منظر میں مثالی کرداروں کی شبیہیں نظر آئیں گی۔ یہ مثالی کہانیاں اور کردار ان کی زندگی کا عزیز سرمایہ بن چکے ہیں۔

کمیونٹی ڈیویلپمنٹ کے پروگراموں میں شروع ہی سے ہندوستان کی ان جاندار روایات کو جلا دینے پر زور دیا گیا ہے۔ اسی مقصد کے تحت ملک بھر میں بے شمار تفریحی مرکز کھولے گئے ہیں جہاں ساز سنگیت، عوامی ناچ، لوک گیت اور دوسرے دیہاتی فنون کو ترقی کی نئی منزلیں طے کرنے کے موقعے مل رہے ہیں۔

فوٹوگرافی یا عکاسی کا فن بہت بعد میں صنعتی انقلاب کی جلو میں رونما ہوا ہے۔ ابتداً تو لوگ اس کا فنون میں شمار کرنے سے ہچکچاتے تھے لیکن اب یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ کیمرہ جو تصویر کشی کرتا ہے اس میں صرف کیمرے کی عکاسی ہی سب کچھ نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے کام کرنے والا ذہن ہی اُس کا اصلی خالق ہے۔ مصور ایک برش کی مدد سے مناظرِ قدرت کو اپنے پرواز تخیل کے دوش پر حقیقت سے اونچا کرکے پیش کر سکتا ہے۔ اسی طرح ایک صحیح عکاس اپنے کیمرے سے زندگی کی برہنہ حقیقتوں کو بھی منعکس کر سکتا ہے۔ اور وہ کیمرے کی عکاسی کے ذریعہ اپنے جمالیاتی ذوق کی تسکین کر سکتا ہے۔

کیمرہ حقیقت کی عکاسی نہایت صحت اور سرعت سے کر سکتا ہے اسی لئے عکاسی کو موجودہ دنیا میں ایک مثالی فن مان لیا گیا ہے جس کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے ممتاز فن کار مسٹر فولیسٹن اولنگیٹ نے اپنے کیمرہ کی مدد سے اس ان داتا دھرتی کے جیتے

جمیل خدوخال کی اچھوتی تصویریں لیں۔

سماجی ترقی کے نتیجے کے طور پر نظر انداز کئے ہوئے لوگوں اور علاقوں میں بھی تبدیلیاں آجاتی ہیں۔ سماجی بیداری پیدا کرنے میں فوٹوگرافی نے بھی بڑا نمایاں حصہ لیا ہے جیکب ویس نے شہری زندگی کی راتوں کی جو تصویریں کھینچیں ان کے نتیجے کے طور پر گندی بستیوں کی صفائی کی تحریک شروع ہوئی۔ لیوس ہین نے ابتدائی زمانے کی ٹکسٹائل فیکٹری کی تصویریں لیں۔ ان تصویروں نے کم سن بچوں سے مزدوری لینے پر امتناع عائد کروانے میں نمایاں حصہ لیا۔

حال ہی میں بھارت کی اجتماعی ترقی اور امداد باہمی کی وزارت نے یہ جاننے کے لئے کہ ملک کی سماجی تبدیلیوں نے کس حد تک ہمارے فوٹوگرافروں کو متاثر کیا ہے۔ عکاسی کا ایک مقابلہ منعقد کیا تھا۔ اس مقابلے کے لئے ایسی تصاویر مانگی گئیں جن میں زراعت، سماجی تعلیم، صحت وصفائی اور بچوں اور عورتوں کے پروگراموں کی جھلک ان کے اصلی خدوخال میں رونما ہو۔ اس مقابلے میں جو تصویریں وصول ہوئیں وہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ بھارتی فن کار بھی ان زبردست تبدیلیوں سے متاثر ہوا ہے جو ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے میں نمایاں ہو رہی ہیں۔ ان میں سے بہترین تصویریں محض مناظر اور واقعات کی عکاسی ہی نہیں کرتی ہیں بلکہ ان میں زندگی کی وہ چہل پہل بھی مسکرا رہی ہے جو کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام نے دیہاتوں کی زندگی میں پیدا کی ہے۔

کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے اس عظیم الشان پروگرام میں زراعتی پیداوار کو فوقیت حاصل ہے۔ مختلف ریاستوں نے زرعی پیداوار میں اضافے کے پلان تیار کرلئے ہیں۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ مقامی اور اجتماعی ذرائع کا پورا پورا استعمال کیا جائے۔ اس کے لئے پنچایتوں کا امداد باہمی کی سوسائٹیوں اور توسیعی افسروں کے مکمل اشتراک عمل سے ٹھوس کوشش کرنے کی ضرورت ہوگی۔ یہ تصویریں کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام اس پہلو کی بھی کرتی ہیں۔

جو تصویریں وصول ہوئی ہیں ان میں سے کچھ تصویروں کا ذکر یہاں دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

ایک انعام پانے والی تصویر میں کھیتوں میں کام کرنے والی مزدور عورتوں کو دکھایا گیا ہے۔ پس منظر میں پہاڑوں کا سلسلہ پھیلے ہوئے آکاش کے حسین آغوش میں گم ہوتا چلا گیا ہے اس تصویر میں زندگی کا حسن اس کے تسلسل اور اس کی وسعت کا اشارہ ملتا ہے۔ یہ تصویر شری جے۔ ڈبلیو مہاجن کی لی ہوئی ہے۔

گاؤں میں صنعتی کارخانوں کے فروغ کے سبب فولاد کے تار دیہات میں بھی پہنچ گئے ہیں۔ پلان کے مطابق دیہاتی اور نیم شہری علاقوں میں چھوٹے پیمانے کی صنعت کی تین سو علاقے قائم کئے جا رہے ہیں۔ شری مہاجن کی ایک دوسری تصویر میں ایک دیہاتی عورت کا ہاتھ دکھایا گیا ہے۔ اس کی کلائیوں میں کنگن ہیں اور اس کی انگلیاں فولادی تاروں کے ایک بڑے سے گچھے سے الجھ رہی ہیں۔ یہ تصویر روایت اور ترقی کا کتنا حسین امتزاج پیش کرتی ہے۔

دیہاتی عورتوں کو فنون اور دست کاریوں کی تعلیم دینے سے وہ اپنے فالتو اوقات میں کام کر کے گھر کی آمدنی بڑھانے کا کام کرسکتی ہیں۔ کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے پروگرام میں اس بات کو بھی کافی اہمیت دی گئی ہے۔ اس موضوع پر شری اے. ڈی. پچاسے کی ایک تصویر ہے جس میں ایک کمرے کے اندر دیہاتی عورتوں کو ایک استانی سے کم روشنی میں کشیدہ کاری سیکھتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

دیہات میں زندگی کی نئی امنگیں انگڑائیاں لینے لگی ہیں۔ اب وہاں سادہ جھونپڑیاں بھی صاف اور آراستہ دکھائی دینے لگی ہیں۔ آس پاس کی صفائی پر بھی خاص توجہ دی جانے لگی ہے۔ شری گردچرن سنگھ نے اس تبدیلی کو اپنی ایک حسین تصویر میں منعکس کیا ہے جس میں صبح کی کرنوں کے ساتھ دیہاتی بچوں کو خوشی خوشی اپنی گلی صاف کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

شریمتی ٹی۔ منڈا کی ایک تصویر ہے جس میں ایک مستطیل شکل کے اندر ایک دائرہ نما حصہ نظر آتا ہے جس کے اطراف ایک صاف اور پختہ حلقہ بنایا گیا ہے جیسے کسی کے گلے میں کرہ بندھا ہے یہ گاؤں کا نیا کنواں ہے۔

بچوں کی دنیا کے معصوم حسن کو پیش کرنے والی تصویروں میں وہ کہیں کھیل رہے ہیں تو کہیں کتابوں میں کھوئے ہوئے ہیں۔ کتابوں کی دنیا اب ان کے لئے انجان نہیں ہے اب وہ صرف ان کی تفریح کا کھلونا ہی نہیں رہ گئی ہے وہ تو اب کتابوں کو پڑھنے اور سمجھنے بھی لگے ہیں۔ کیوں نہ ہو اب تو ان کے لئے گاؤں گاؤں مدرسے بھی تو کھل گئے ہیں۔

# آسام میں سوشل ایجوکیشن کا نیشنل سیمینار

سوشل ایجوکیشن کا اگلا نیشنل سیمینار اکتوبر کے آخیر میں گوہاٹی میں منعقد ہوگا۔ یہ سیمینار جس کا موضوع "سوشل ایجوکیشن اور نوجوانوں کی تنظیم" ہے، انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے زیرِ اہتمام ہو رہا ہے۔ سیمینار کے ڈائرکٹر کے لئے اسکاؤٹ تحریک کے ایک مشہور رہنما شری مدن موہن کا نام تجویز کیا گیا ہے۔

## مشرق اور مغرب کی تہذیبی قدروں پر سیمینار

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن نے مشرق اور مغرب کی تہذیبی قدروں پر ایک سیمینار منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ پروفیسر محمد مجیب صاحب، وائس چانسلر جامعہ ملیہ نے اس سیمینار کی صدارت کرنا منظور فرما لیا ہے۔

## خواندگی کے ماہرین کی یونیسکو کمیٹی کے صدر شری اے آر دیش پانڈے

مرکزی وزارت تعلیم کے سوشل ایجوکیشن کے مشیر شری اے۔ آر۔ دیش پانڈے کو خواندگی کے ماہرین کی یونیسکو کمیٹی کا اتفاق رائے سے صدر منتخب کیا گیا ہے۔

## میسور میں پنچایتی راج کا کنونشن

۱۴ر جولائی کو میسور میں پنچایتی راج کے ریاستی کنونشن کا افتتاح کرتے ہوئے پنڈت نہرو نے کہا کہ پنچایتی راج کے قیام کے بعد یہ سوال بالکل بے معنی ہو گیا ہے کہ "نہرو کے بعد کیا ہوگا" نہرو اور نہرو آتے اور جاتے رہیں گے۔ مگر جو یہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے وہ یہاں کے لوگ اور پنچایتی راج انہی لوگوں کو ملک کی باگ ڈور سنبھالنے کے لئے تیار کر رہا ہے یہ ایک بہت انقلابی قدم ہے جس پر ہندوستان کی جمہوری زندگی کا مستقبل منحصر ہے۔ ہمیں اپنے ترقیاتی منصوبوں میں صرف عوام کا سہیوگ ہی نہیں حاصل کرنا ہے، بلکہ ان کی خواہشات کا احترام بھی کرنا ہے

ادارہ تعلیم وترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

# تعلیم وترقی

اگست ۱۹۶۲ء

جلد ۱۳ شمارہ ۸

بانی:۔ شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر:۔

پروفیسر محمد مجیب

برکت علی فراق

رفیق محمد شاستری

دفتر:۔

ماہنامہ تعلیم وترقی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ

جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

قیمت:۔

سالانہ چار روپئے   فی پرچہ ۳۷ نئے پیسے

ٹیلیفون: ۴۴۴۶۴۷

## ترتیب



پرنٹر پبلشر برکت علی فراق نے کوہ نور پریس لال کنواں دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم وترقی جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

# پنچائتیں اور سیاسی پارٹیاں

ایکسپریس نیوز سروس کی ایک خبر سے معلوم ہوا ہے کہ ممبرانِ پارلیمنٹ کے ایک اسٹڈی کیمپ میں جس میں کم وبیش ایک سو ممبر شریک تھے، ممبروں نے اصرار کے ساتھ یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "اگر پنچائتوں کے معاملات میں اچھی اور صحت مند سیاست کو حصّہ لینے سے روکا گیا تو ان پر گندی سیاست کا غلبہ ہو جائے گا"۔ یہ نظریہ اگرچہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جون کے اجلاس کی قرارداد کے خلاف پڑتا ہے لیکن ہمارے خیال میں مذکورہ بالا ممبران پارلیمنٹ کی رائے پر بات کی تہ سے الگ ہو کر واقعات وحقائق کی روشنی میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اگر کوئی حقیقت پسند مفکر آج کے گاؤں میں کچھ عرصہ قیام کر کے غور کرے تو اُسے معلوم ہوگا کہ گاؤں کی زندگی کو جنت کی زندگی سے تعبیر کرنے کا زمانہ ختم ہو گیا ہے۔ زندگی کی وہ قدریں جن کی بنیاد پر گاؤں کو جنّت سے تشبیہہ دی جاتی تھی، یکسر مٹ کر رہ گئی ہیں اور یہ کیفیت ہو گئی ہے کہ نہ کوئی کسی کا ساتھی ہے نہ ہمدرد، بے اعتباری کی یہ حالت ہے کہ حقیقی بھائی بھی ایک دوسرے کو شبہے کی نظر سے دیکھتے ہیں، گاؤں کے لوگوں کے متعلّق مشہور تھا کہ جو کچھ اُن کے دل میں ہوتا ہے وہی زبان پر ہوتا ہے، اور جو کچھ زبان پر ہوتا ہے وہی دل میں ہوتا ہے، لیکن اب زبان اور دل کے درمیان اتنا فاصلہ ہو گیا ہے کہ اگر کوئی چاہے کہ اس فاصلے کو طے کر کے صحیح نتیجے پر پہنچ جائے تو اس کی یہ کوشش خیال خام ثابت ہوگی۔

ممکن ہے یہ بات آزادی کے غلط مفہوم یا ناجائز استعمال کا نتیجہ ہو، لیکن بہرحال واقعہ ہے کہ لاقانونی کی کیفیت عام ہو گئی ہے قانون خواہ ریاست کا وضع کیا ہوا ہو یا نظامِ اخلاق کا، اس کی سرے سے اب کوئی اہمیت نہیں ہے۔ قدر وقیمت رہ گئی ہے تو صرف لاٹھی کی۔ آپ شرافت اور انسانیت کے جوہر سے لاکھ آراستہ ہوں، اگر آپ کے پاس لاٹھی نہیں ہے تو آپ کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہے۔ مزدور آپ کا کام نہیں کرے گا، چاہے اُجرت آپ نقد کے بجائے پیشگی ادا کرنے کی پیشکش کریں۔ آپ کسی سے اپنے واجبات نہیں وصول کر سکتے، چاہے آپ کے پاس اس کی دستخط کی ہوئی پکی دستاویز ہی کیوں نہ موجود ہو۔ آپ آزادی سے اپنی رائے نہیں ظاہر کر سکتے اس لئے کہ اس اظہار رائے سے آپ ایک نہ ایک پارٹی کے طرفدار قرار پائیں گے اور دوسری پارٹی کے ہاتھوں سوتے

میں پٹ جائیں گے۔ غریب آدمی کا نہ جسم محفوظ ہے، نہ مال نہ آبرو، اور اس کا جرم صرف یہ ہے کہ اُس نے سُن لیا ہے کہ آزاد ہندوستان میں اُس سے زبردستی کی بیگار نہیں لی جاسکتی۔ کوئی شریف آدمی گاؤں سبھا کی پردھانی کے لئے امیدوار نہیں ہوسکتا اس لئے کہ اُسے خطرہ ہے کہ اُسے پیٹ یا قتل کردیا جائے گا یا کم سے کم پردھانی کے عہدے سے ہٹانے کے لئے اُس کے اوپر چوری، ڈاکہ اور زنا کے جھوٹے اور جعلی مقدمے دائر کردیئے جائیں گے۔

ان حالات میں اگر سیاسی پارٹیوں نے لعن کے سامنے بہرحال ایک آدرش ہوتا ہے، زندگی کی جمہوری تنظیم کا ایک نقشہ ہوتا ہے تہذیب و شائستگی کا ایک نظریہ اور قدیم یا جدید یا قدیم و جدید سے مرکب قدروں کا ایک باضابطہ نظام ہوتا ہے' — ان نئی دیہی جمہوریتوں کی رہنمائی نہ کی، تو کیا یہ اندیشہ نہیں ہے کہ ان کی تنظیم کا بنیادی 'فلسفہ' جس کی لاٹھی اس کی بھینس" والا قانون ہوجائے گا؟ پنچایتوں کے معاملات میں' پارٹیوں کی سیاست نہ سہی، کوئی نہ کوئی سیاست تو ہوگی ہی! اب اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ اس سیاست کی بنیاد وہی نظام اقدار ہوگا جس کی بنا پر گاؤں کو جنت سے تعبیر کیا جاتا تھا تو وہ نظام اقدار تو اب رہا نہیں!!

نفسا نفسی اور انتشار و پراگندگی کی اس فضا میں ہماری رائے تو یہی ہے کہ کم سے کم اُس وقت تک جب تک گاؤں کے لوگوں کی سیاسی تربیت نہ ہوجائے، وہ جمہوری المزاج نہ ہوجائیں، ان کی زندگی ایک صحت مند نظامِ اقدار کی عادی نہ ہوجائے' موجودہ سیاسی پارٹیوں کو پنچایتوں کے انتخابات اور دوسرے معاملات میں دخل دینے کا پورا پورا موقع ہونا چاہئے، شرط صرف اتنی ہے — اور ہمارے خیال میں اس شرط سے کسی سیاسی پارٹی کو اختلاف نہیں ہے — کہ وہ غیر صحت مند اور تخریبی کارروائیوں اور خیالات سے پنچایتوں کے معاملات میں کام لینے سے پرہیز کریں۔ غرض یہ کہ گاؤں کے حالات اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ اگر ان کے اوپر دانش مندی سے توجہ نہ کی گئی تو ہندوستان میں جمہوریت کا مستقبل یقیناً خطرے میں پڑ جائے گا۔

# اڈلٹ ایجوکیشن کے پانچ منصب

## ۴۔ لبرل منصب[1]

اڈلٹ ایجوکیشن کی تمام شکلوں میں ایک نہ ایک حد تک لطف و انبساط کا پہلو موجود ہونا چاہیئے تاکہ ان سے مایوسی دور ہو جائے اور یقین و اعتماد کی قوت عود کر آئے، دماغ میں تیزی آ جائے اور جسمانی و ذہنی صحت بحال ہو جائے۔ اسی طرح یہ بھی واقعہ ہے کہ جو کچھ پڑھایا کیا جائے وہ حصول مسرت اور صرف حصول مسرت کے لئے ہو۔ لیکن ان چیزوں کی بہر حال ایک تعلیم کی جا سکتی ہے جو ذہن کو کشادہ کرنے والی ہیں یعنی ایسی ہیں جو اس لئے نہیں کی جاتیں کہ وہ کسی دوسرے مقصد کے حصول کا ذریعہ بنیں گی۔ بلکہ محض اس لئے کی جاتی ہیں کہ پُر لطف اور مسرت انگیز ہوتی ہیں۔ لبرل اڈلٹ ایجوکیشن کو ذہنی اور جسمانی تعلیم، مطالعہ اور تفریح کے عنوان سے الگ الگ خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے مگر اس تقسیم کا منشا یہ کہنا نہیں ہے کہ خالص علم کے حصول میں تفریح کا کوئی پہلو نہیں ہوتا اور یہ تو ہرگز نہ سمجھنا چاہیئے کہ جسمانی تفریحات ذہنی عناصر سے عاری ہوتی ہیں۔

بہت زیادہ دن نہیں گذرے کہ تاریخ میں ایک دور مانہ تھا جب وہ تعلیم جسے "لبرل" کے نام سے جانا جاتا ہے، ان

---

[1] لبرل کی اصطلاح انگریزی زبان میں تین معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ پہلے معنی عام میں یعنی آزادی پسند، ترقی پسند، جو جمود اور دقیانوسیت کے خلاف ہو۔ دوسرے معنی میں یہ اصطلاح تعلیم کے میدان میں، استعمال ہوتی ہے جس سے مراد وہ تعلیم خصوصاً اعلیٰ تعلیم ہے جو ذہن کو کھول دے اور اس میں کشادگی پیدا کرے۔ لیکن تعلیم کے اس تصور میں پیشے اور ٹکنالوجی کی تعلیم شامل نہیں ہے بلکہ وہ مضامین آتے ہیں جو قدیم زمانے میں مروج تھے مثلاً ادب، فلسفہ، مذہب، فنون لطیفہ، اخلاق، منطق وغیرہ۔ اس کے مفہوم کا تیسرا پہلو سیاسی ہے جو انقلاب اور رجعت پسندی کے بین بین ہے۔ یہاں یہ اصطلاح تعلیمی معنی میں استعمال کی گئی ہے۔

نوجوان مردوں کے لئے (نوجوان عورتوں کے لئے نہیں) مخصوص تھی جنھیں سرکاری اور انتظامی امور میں اعلیٰ مقامات اور درجات پر مامور ہونا ہوتا تھا۔ ان کی لبرل ایجوکیشن کا منشا انھیں زندگی کی کسی سخت اور مشقت طلب شعبے کے لئے تیار کرنا نہیں ہوتا تھا بلکہ سماج کا رہنما بننے کی غرض سے اُن کے قلب و ذہن اور آداب و اطوار میں نکھار پیدا کرنا ہوتا تھا۔ اور سماج کی رہنمائی کا یہ منصب اُن کا پیدائشی اور موروثی حق تھا جس کے لئے قابلیت کا ہونا ضروری نہیں سمجھا جاتا تھا۔ امریکہ میں لبرل ایجوکیشن کا یہ تصور بالعموم مشرقی ساحلی علاقے اور قدیم یونیورسٹیوں تک محدود رہا ہے لیکن اس کے آثار ابھی کالجوں میں پائے جاتے ہیں اور یہ صورت حال اب تک قائم ہے۔

اب جب سے ایک نیا آسودہ حال طبقہ (لیژر کلاس) پیدا ہوگیا ہے اور یہ اصول عام ہوگیا ہے کہ ہر شہری کو یکساں حق حاصل ہے کہ جس قسم کی بھی تعلیم سے وہ فائدہ اٹھا سکے وہ اسے ملنی چاہئے، لبرل ایجوکیشن کے قدیم تصور کی اہمیت اس وقت ختم ہو گئی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ کالج کی زندگی کے قدیم خانقاہی تصورات بھی سب کے سب مٹتے جا رہے ہیں۔ کالج اس معنی میں کہ وہ دنیا سے الگ تھلگ ایک ایسا مقام ہے جہاں نوجوان رومانی لغویات اور ہیبت ناک قسم کی ذہنی ریاضتوں سے بھری ہوئی زندگی گذارتے ہیں اور جب وہاں سے نکلتے ہیں تو ان کے اردگرد تہذیب و تمدن کا ایک ہالہ ہوتا ہے حالانکہ واقعہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عملی زندگی کی سرگرمیوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ کالج کی زندگی کا یہ مفہوم امریکہ میں اب بے معنی اور لغو قرار پا چکا ہے۔ اگر اب مستقبل میں لبرل ایجوکیشن کے نام سے کوئی شے ہوگی بھی تو اِس سے قطعاً مختلف ہوگی محض اس لئے نہیں کہ ایک نیا آسودہ حال طبقہ پیدا ہوگیا ہے اور وہ بھی اِن "آسودہ حالی" کے حقوق کا مطالبہ کر رہا ہے بلکہ اس لئے بھی کہ خود تعلیم کے تصورات تیزی سے بدلتے جا رہے ہیں۔

ہمارا منصب یہاں یہ نہیں ہے کہ تعلیم کے بارے میں اس قسم کے مسئلے حل کریں کہ "علم کی کون کون سی شاخیں یا مضامین قطع نظر اس کے کہ کسی مخصوص کام کی ٹریننگ میں ان کی ضرورت ہوتی ہے تعلیمی قدر کی حامل ہوتی ہیں"۔ یہ پیچیدہ مسئلہ ماہرین نفسیات اور فلسفۂ تعلیم کے عالموں کے لئے چھوڑ دینا چاہیئے۔ ہمارا تعلق زیادہ تر ان مسائل سے ہے کہ اس نئے آسودہ حال طبقے کی مزاجی کیفیت کیا ہے؟ تفریح کا کیا منصب ہے؟ اور ملک کے شہری ڈیولپمنٹ میں لبرل تعلیم کا کیا فائدہ ہے اور ان کی تعلیم کے انتظام کی کیا نوعیت ہونی چاہئے۔

کیا یہ نیا آسودہ حال طبقہ اپنے اس نئے حق کے لئے جو اسے حاصل ہوا ہے، تیار ہے؟ یہ نیا طبقہ محنت کش لوگوں سے مل کر بنا ہے جن کے کام کے اوقات میں روز افزوں کمی ہوتی جا رہی ہے۔ شبہہ ہوتا ہے کہ آیا یہ نیا آسودہ حال طبقہ اپنے فرصت کے اوقات کا اچھا اور معقول استعمال کر سکے گا؟ اور اس شبہے سے دماغ اٹھارویں صدی کے اُس اصول اخلاق کی طرف

جا پہنچا ہے جس کے مطابق چھوٹے بچوں کے بارے میں سب سے اچھی بات یہ سمجھی جاتی تھی کہ انھیں کارخانوں میں غلاموں کی طرح کام پر لگا دینا چاہیے ورنہ یہ ہوگا کہ وہ بُری عادتوں کے شکار ہو جائیں گے۔ اسی طرح ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا پُرانے زمانے کے آسودہ حال لوگ اپنی فرصت و فراغت کا صحیح اور معقول استعمال کرتے تھے؟ تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ وہ لوگ جو اپنی روزی کمانے کے لئے محنت کرنے پر مجبور نہیں تھے اپنا تمام تر وقت بے کاری، عیاشی، ظلم و تشدد، جنگ و جدال یا پھر آوارہ گردی میں صرف کیا کرتے تھے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جن لوگوں کو فرصت اور فراغت حاصل تھی، وہ سب کے سب اپنا وقت ضائع ہی کیا کرتے تھے۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ طبقے جنھیں اپنے زمانے کے معاشی نظام میں فراغت اور آسودگی کا مقام حاصل تھا، اُن میں سے ایسی عورتیں اور مرد بہت پیدا ہوئے ہیں جو نہایت لائق تھے اور جنھوں نے لوگوں کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا . . . . . واقعہ جو کچھ بھی ہوا اتنا طے ہے کہ جن لوگوں کے کام کے اوقات میں گذشتہ بیس پچیس سال میں کمی واقع ہوئی ہے اور جن کے فرصت کے اوقات میں ابھی اس سے بھی زیادہ اضافہ ہونے کا امکان ہے ان میں بلاشبہ بہت سی عورتیں ا[illegible]ر ایسے ہیں جو اپنے اوقات فرصت کا اتنا ہی اچھا اور معقول استعمال کر سکتے ہیں جیسے گذشتہ زمانے کے آسودہ حال طبقے کے لوگ کر سکتے تھے۔

لیکن سوال اسی بات سے بخوبی حل نہیں ہوتا۔ تہذیبی قدروں کی تخلیق و تعمیر زیادہ تر ان لوگوں کے اوقات فرصت کے مشاغل کی بدولت ہوئی ہے جنھیں فرصت و فراغت سے لطف اندوز ہونے کا بس کبھی کبھی موقع ملتا تھا۔ یہ اندازہ لگانا کہ محنت کش عورتوں اور مردوں کو فرصت و فراغت کا یہ جو نیا موقع ملا ہے اُس میں تخلیق کا کس قدر امکان ہے، فضول سی بات ہے۔ ہمارے غور و فکر کا موضوع دراصل اِس صورتِ حال کا تعلیمی پہلو ہے۔ سوال یہ ہے کہ آیا ذمّے داریوں کی فہرست میں یہ ذمّے داری بھی آتی ہے کہ جن لوگوں کو یہ نئی نئی آزادی ملی ہے اُن کے لئے اُسے زیادہ سے زیادہ نفع بخش بنانا چاہیے؟ اگر یہ ذمّے داری ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ کس کی ذمّے داری ہے۔

اس سوال کا ایک حل تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض کرکے ہو سکتا ہے کہ معلّموں اور مصلحوں وغیرہ کو لوگوں سے یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنے فرصت کے و فراغت کے اوقات اپنی پسند اور انتخاب کے مطابق صرف نہ کریں بلکہ جس طرح معلّم لوگ اُن سے کہیں اُس طرح صرف کریں۔ (مگر یہ مفروضہ ہی ہو سکتا ہے، واقعہ نہیں ہو سکتا۔) لوگوں کو بھی اپنی پسند کے مطابق تجربے کرنے کا اُسی طرح حق حاصل ہے جیسے دوسرے طبقوں کو حاصل رہا ہے۔ انھیں انتخاب اور پسند کی آزادی حاصل ہے لیکن اس کے باوجود سماج کے اور پُرانے آسودہ حال طبقے کے باب میں جو فرائض عائد ہیں، اُن کو وہ محض "جو جس کے جی میں آئے وہ کرے" (LAISSEZ FAIR) کے نظریے کو اختیار کرکے پورا نہیں کر سکتی۔ سماج اور بالخصوص تعلیم کو یہ کرنا چا

کہ وہ پسند کی چیزوں کا دائرہ وسیع کردے اور پھر اس نئے طبقے کو آزادی دے کہ وہ ان میں سے اپنے لئے جو چیز چاہیں پسند کریں۔

انتخاب کی آزادی بجائے خود کسی حد تک علم و واقفیت کا معاملہ ہے کوئی شخص کسی ایسے کام کا انتخاب نہیں کرسکتا جس کا اُس نے کبھی نام نہ سنا ہو۔ کوئی شخص جب تک دنیا کا تہذیبی خزانہ اُس کے سامنے کھول نہ دیا جائے اور اُس کی اُسے شُد بُد ہی کی حد تک سہی، واقفیت نہ ہو جائے، اُس وقت نہ وہ شخص ہی بتا سکتا ہے کہ اس خزانے میں سے وہ کس چیز کو منتخب کرے گا اور نہ اُس کی خواہشوں کی ترجمانی کرنے والا ہی کوئی یہ بات بتا سکتا ہے۔ اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سماج کے اوپر براہِ راست اس بات کی ذمّے داری ہے کہ وہ ان لوگوں کے سامنے جو تہذیب کی عطا کی ہوئی بیش بہا دولت سے لطف اندوز ہونے کے لئے آئیں، اِس دولت کو اس طرح پیش کرے کہ وہ اُن تک آسانی سے پہنچ جائیں۔

مگر اس کے لئے صبر و سکون بہرحال ضروری ہے۔ ذوق کی تعمیر ایک دیر طلب عمل ہے۔ یہ ہتھیلی پر سرسوں جمانے والی بے صبری سے پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ وہ عمل ہے جس کے اوپر ہم پوری طرح اعتماد کرسکتے ہیں۔ اس وقت تک ہم نے تفریح اور لطف اندوزی کی پسندیدہ شکلوں کو عام کرنے کے درجنوں وسائل مثلاً ریڈیو، فوٹو گراف، شاہکار تصویروں کی طباعت غیر پیشہ ورانہ ڈراما وغیرہ کا تجربہ کرچکے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ جو چیزیں واقعی بہتر ہیں وہ سستی اور ادھی چیزوں کے مقابلے میں فتح یاب رہیں گی اور اُن سے دلچسپی رکھنے والوں کا حلقہ روز بروز بڑھتا جائے گا اِس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ "لبرل" علوم اور فنونِ لطیفہ کی تعلیم میں اڈلٹ ایجوکیشن کا بیشتر منصب یہ ہے کہ وہ ان کے مواقع فراہم کردے۔ اِس میدان میں پڑھائی جس چیز کو کہتے ہیں اُسے ضروری نہیں قرار دیا جاسکتا۔ حال کی تحقیقاتوں سے بالخصوص موسیقی کے معاملے میں، پتہ چلتا ہے کہ اگر شوقینوں کو اس بات کا یقین ہوجائے کہ ان کی مدد ہمدردی اور قابلیت کے ساتھ کی جائے گی تو فرصت کے وقت کے مشاغل سے ان کی دلچسپی بڑھے گی اور ان کی تعداد میں اضافہ ہوگا۔

لبرل ایجوکیشن او نچے سے اونچے جمالیاتی موضوعات میں بھی صرف سامان تفریح ہی نہیں، اس سے زیادہ کچھ اور بھی ہے۔ ہمارے اِس بیان کے دائرے میں وہ تمام سرگرمیاں اور مشغلے آجاتے ہیں جو محض اُن ہی کی خاطر انجام دیئے جاتے ہیں یعنی اُن کا حصول کسی اور مقصد کا وسیلہ نہیں بنتا۔ ان مشغلوں میں ہم یقیناً سائنس، فلسفہ، تاریخ اور ادب جیسے مضامین کو بھی شامل کرسکتے ہیں۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ مستقبل میں ہمارے لبرل کالجوں میں طلبا کی تعداد زیادہ نہ ہو، لیکن یہ بات تو چاہے واقع ہو یا نہ واقع ہو، اتنا بہرحال طے ہے کہ اس لطف اندوزی اور فاضل اوقات کو گذارنے کے ان نفع بخش وسائل کی فراہمی کی مانگ بڑھ کر رہے گی اور اتنی بڑھے گی کہ تعلیم کے منظم اور باضابطہ ادارے

اُسے پورا نہیں کر سکیں گے۔ لبرل ایجوکیشن کا مطالبہ زیادہ سے زیادہ عام ہوگا اور اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کے علاوہ کسی دوسرے ذریعے سے اُسے پورا نہیں کیا جا سکے گا، کالج اعلیٰ پیشہ ورانہ تعلیم اور ٹریننگ ہی سے فرصت نہیں پائیں گے۔ رہی ذہن میں کشادگی اور جلا پیدا کرنے کی بات یعنی لبرل ایجوکیشن جس کی اہمیت بھی اتنی بڑھے گی کہ وہ لوگوں کی زندگی کے معمولات میں شامل ہو جائے گی، تو اس کا انتظام زیادہ تر بالغ کے مشاغلِ فرصت کی تعلیم کی شکل میں ہوگا اور اس کے حصول کا یہی واحد ذریعہ ہے۔

(اس سلسلۂ مضامین کی اگلی قسط کا عنوان ہوگا "اڈلٹ ایجوکیشن کا سیاسی منصب"۔)

(بقیہ صفحہ ۲۸ رفتارِ کارواں)

## پنچایتیں اور سیاسی پارٹیاں: وزارتی اور کانگریسی نقطۂ نظر میں ٹکر

اگرچہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اپنے جون کے اجلاس میں یہ قرارداد پاس کی تھی کہ سیاسی پارٹیوں کو پنچایتوں کے انتخابات سے اپنے آپ کو علیٰحدہ رکھنا چاہیے تاکہ دیہی آبادی ان اکھاڑوں سے پاک رہ کر اپنی تعمیر و ترقی کے کام میں یک رائے ہو کر کام کر سکے لیکن پارلیمنٹ کے ممبران جو اس اجلاس کے پندرہ دن کے بعد ہی، ایک اسٹڈی کیمپ میں شریک ہوئے تھے، اس نظریے کے مخالف معلوم ہوتے ہیں۔ خود کمیونٹی ڈیولپمنٹ، کوآپریشن اور پنچایتوں کی وزارت بھی اس اسٹڈی کیمپ کے نقطۂ نظر سے متاثر ہو کر کچھ اسی انداز میں سوچنے لگی ہے۔

ان ممبرانِ پارلیمنٹ نے کیمپ میں یہ رائے ظاہر کی تھی کہ اگر صحت مند سیاست کو پنچایتوں کے معاملات میں حصہ لینے سے روکا گیا تو ان کے اوپر گندی سیاست کا غلبہ ہو جانے کا اندیشہ رہے گا؛ ایک ممبر نے کہا "بغیر انتخابات کے جمہوریت کے کوئی معنی نہیں اور بغیر سیاست کے انتخابات کے کوئی معنی نہیں"۔

شری ایس۔ کے۔ ڈے نے، کہا جاتا ہے، یہ خیال ظاہر کیا کہ "ملک میں دو مختلف سیاسی نظام نہیں چل سکتے۔ یا تو اسی موجودہ پارلیمنٹری نظام کو گاؤں میں جا کر پنچایتوں کی رہنمائی کرنا چاہیے یا پھر پنچایتی راج ہی کا نظام تھوڑے سے ادل بدل کے ساتھ اوپر تک پہنچا دیا جائے"۔

پنچایتوں میں سیاست کے عمل دخل کے حامیوں کا کہنا ہے کہ اگر سیاسی پارٹیاں ذات پات کی مصلحتوں کے پیشِ نظر پنچایتوں کے معاملات میں دخل نہ دیں تو ان کی دخل اندازی سے پنچایتوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ پنچایتوں کی صحت کے لئے اصل خطرہ ذات پات کا نعرہ ہے جس کی بنیاد پر پنچایتوں کے معاملات اور انتخابات فیصل ہوتے ہیں۔ (انڈین ایکسپریس ۱۶ / اگست ۶۲ء)

# ہندوستان میں کمیونٹی سنٹروں کی ابتدا

ہندوستان میں اڈلٹ ایجوکیشن کا کام خواندگی سے شروع ہوا شروع شروع میں اسکول اور کالج کے طالب علم رضاکارانہ طور پر بالغوں کو پڑھانے کے کام میں دلچسپی لیا کرتے تھے اور اسے وہ سماجی خدمت کا ایک کام تصور کر کے کرتے تھے' اس کام کے لئے نہ تو کوئی باقاعدہ نصاب ہوتا تھا اور نہ کوئی متعین مقصد ۱۹۳۵ء کے بعد جب صوبوں میں عوامی وزارتیں بنیں اس وقت عوام کی تعلیم کی ضرورت لوگوں نے بری طرح محسوس کی۔ جگہ جگہ رات کے اسکول کھلنے لگے' اسکولوں اور کالجوں کے اساتذہ و طلباء کچھ رضاکار اداروں اور ریاستی حکومتوں نے اس کام میں پیش قدمی کی۔ ملوں اور بڑی بڑی فیکٹریوں کے مالکوں نے مزدوروں کو پڑھنے لکھنے کی ترغیب دی۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ خواندگی کے کاموں پر اس وقت جس قدر توجہ دی گئی تھی اس سے خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہوئے یہی سبب تھا کہ کچھ لوگ یہاں تک کہنے لگے تھے کہ کہیں بوڑھے طوطے بھی پڑھانے سے پڑھ سکتے ہیں۔

اور بات بھی ٹھیک تھی۔ خواندگی یا لکھنا پڑھنا سیکھنے کا کام بہت خشک اور غیر دلچسپ ہوتا ہے اور پھر اس وقت تک بالغوں کو پڑھانے کا طریقہ بھی لوگوں کو معلوم نہیں تھا اور نہ ان کی دلچسپی کی کتابیں ہی دستیاب ہوتی تھیں۔

ملک کے آزاد ہو جانے کے بعد لوگوں نے ان مسائل پر اور سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا شروع کیا، اس لئے کہ سیاسی آزادی کے ساتھ عوام کی ذمہ داریاں پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھیں۔ اس وقت لوگوں کے سوچنے کا انداز کچھ اس طرح کا تھا کہ بالغوں کی شدید ضرورتوں اور دلچسپیوں کو ان کی تعلیم کی بنیاد بنانا چاہئے۔ لکھنا پڑھنا انھیں ضرور سکھایا جائے لیکن اسی کے ساتھ انھیں شہری زندگی سے متعلق بنیادی معلومات بھی فراہم کی جانی چاہئے اور ان کے لئے تہذیبی اور تفریحی مشاغل کا انتظام بھی ہونا چاہئے تاکہ انھیں ان تعلیمی پروگراموں سے زیادہ دلچسپی ہو۔ تعلیم کی اس ہمہ گیر اسکیم کے لئے ایک مستقل جگہ کی ضرورت تھی جہاں بستی کے لوگ آزادی سے آئیں جائیں اور ملیں جلیں۔ ہندوستان میں بس یہیں سے کمیونٹی سنٹروں کی ابتدا ہوتی ہے۔

اس وقت یہ خیال زور پکڑ چکا تھا کہ سمجھدار ہونے کے لئے صرف خواندگی ہی ضروری نہیں ہے۔ آزادی کے بعد اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ لوگوں میں سمجھ بوجھ اور شہری زندگی کا شعور پیدا ہو یہی مصلحت تھی جس کے ماتحت لوگوں کو سمجھدار اور باخبر شہری بنانے کے لئے مطالعے کے حلقوں، تقریروں، مباحثوں، تصویروں، پوسٹروں اور فلموں کے انتظام پر بڑی شدت سے زور دیا گیا اور یہ نظریہ طے پایا کہ تمام سرگرمیاں اس طرح چلائی جائیں کہ لوگ ان میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی کے ساتھ حصہ لیں کمیونٹی سنٹروں کے پیچھے بھی دراصل یہی خیال کارفرما رہا ہے۔

# نینی تال میں ہالی ڈے ہوم

کاٹھ گودام سے تین لاریوں میں سوار ہو کر ہمارا یہ قافلہ نینی تال پہنچا۔ بچوں کی خوشی کی تو کوئی انتہا نہیں رہی۔ معصوم بچوں کے سامنے فطرت کی ہری بھری گود مسکرا رہی تھی۔ کہاں علی گڈھ کی جھلسا دینے والی گرمی اور کہاں اس سرسبز و شاداب وادی کی دلوں کو گدگدا دینے والی ہلکی ہلکی ٹھنڈک۔ سائنس اور جغرافیے کی تو کتنی ہی گتھیاں ان بچوں نے راستے میں ہی سلجھا لی تھیں۔ مگر یہاں تو ہر گام پر ایک نئی دنیا اور ہر گام پر ایک نئی خوشی تھی۔

سو بچوں کا ہمارا یہ قافلہ اپنے گھروں سے دور ایک نئے قسم کا گھر بسا کر چھٹیاں گذارنے آیا تھا۔ سنٹرل سوشل ویلفیر بورڈ نے اس سال بھی بچوں کی مختلف انجمنوں کو امداد دیکر "چھٹیوں کے گھر" منعقد کرنے کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ یہ کیمپ (چھٹیوں کا گھر) بال برادری علی گڈھ نے اسی پروگرام کے ماتحت نینی تال میں منعقد کیا تھا۔ بال برادری چونکہ گذشتہ دو سال سے اس طرح کے کیمپ منعقد کرتی رہی تھی اس لئے کلب کے بچوں کو اس سال بھی اس کا انتظار تھا۔ برادری کے طرف سے باقاعدہ اعلان ہوتے ہی لڑکوں کا ایک تانتا بندھ گیا۔ سوشل ویلفیر بورڈ نے پچاس بچوں کا کیمپ منعقد کرنے کے لئے تین ہزار روپے کی امداد دی تھی۔ یہاں سو سے بھی زائد بچوں نے اس میں حصہ لینے کی خواہش ظاہر کی۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ ان میں سے کن کو لے جایا جائے اور کن کو چھوڑا جائے۔ گذشتہ سال ہم کسی طرح ۷۰ بچوں کو لے گئے تھے۔ بہت مشکل سے والدین اور بچوں کو سمجھا بجھا کر ہم نے اس سال سو بچوں کا انتخاب کیا۔ یہ سب کے سب بچے کم آمدنی والے طبقوں سے تعلق رکھتے تھے اور ان میں ہر فرقے کی نمائندگی ہو گئی تھی۔ برادری نے زائد اخراجات کے لئے خود ہی وسائل بھی فراہم کئے۔

نینی تال میں آرنڈل ڈورمیٹری کی کشادہ عمارت میں ہمارا یہ قافلہ آکر رکا۔ بچوں کو اپنے اس نئے گھر میں تین ہفتے گذارنے تھے۔ برادری کے تجربہ کار کارکنوں کی نگرانی میں دس دس بچوں کی ٹولی بنا دی گئی۔ بال برادری کے سات کارکنوں کی ایک نگران کمیٹی بنائی گئی۔ اس کمیٹی کے ممبروں کے ذمہ کھانے، سفر اور سیر و تفریح، دوا علاج، کھیل کود اور جسمانی کثرت، تہذیبی پروگرام، نمائش، دیواری اخبار اور بینک لائبریری اور پوسٹ آفس میں سے ایک ایک کام سپرد تھا۔ ایک انتظامی کمیٹی بھی بنائی گئی جس میں

تمام ٹولیوں کے نگران اور نگراں کمیٹی کے تمام ممبر شامل تھے۔ ہر ٹولی کا انچارج باری باری سے سارے کیمپ کا انچارج ہوتا تھا دن بھر کا پروگرام بنانا اور چلانا اسی کیمپ انچارج کے ذمہ ہوتا تھا۔

اس طرح کے کیمپ کا مقصد ظاہر ہے کہ بچوں کو نئی نئی جگہوں کی سیر کرا کر اُن کے دل و دماغ میں وسعت پیدا کرنا ہوتا ہے۔ نئے ماحول میں اور اپنے ہم عمروں کے درمیان کچھ دنوں رہنے کی تعلیمی اور نفسیاتی دونوں لحاظ سے بڑی اہمیت ہے۔ مگر یہ زندگی ایسی نہیں ہونی چاہیئے کہ وہ اس جگہ کے رہن سہن اور مقامی لوگوں کی زندگی سے الگ تھلگ گوشۂ عافیت کی سی زندگی ہو۔ اگر بچے اس ماحول میں اور وہاں کے لوگوں میں پوری طرح دلچسپی نہ لیں گے تو اس کا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ اسی طرح انھیں کسی طرح کی پابندی میں جکڑے ہونے کا احساس بھی نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ان میں یہ احساس بھی پیدا کیا جائے کہ اپنی اس چھوٹی سی جماعت کو چلانا ان کی اپنی ذمہ داری ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب انھیں کیمپ کی زندگی اور اس کے انتظامات میں عملی طور پر شریک کیا جائے۔ ایسا ہونے پر ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔

بچوں میں نظم وضبط پیدا کرنے اور کیمپ کی زندگی میں اُن کی دلچسپی کو قائم رکھنے کے لئے فرشی اور میدانی کھیل اور سیر و تفریح کے علاوہ مندرجہ ذیل پروگرام بھی منعقد کئے گئے۔

## بچوں کا بینک

عام طور پر والدین اپنے بچوں کو اس طرح کے کیمپ میں جانے کے لئے جیب خرچ کے لئے تھوڑی بہت رقم دیتے ہیں۔ بچے یہ رقم دو چار دن میں ختم کر سکتے ہیں۔ بال برادری کا اپنا ایک بچوں کا بینک ہے، کیمپ میں بھی یہ بینک کھولا گیا جس میں سب بچوں نے اپنی جیب خرچ کی رقم سے اپنا اپنا حساب کھول لیا۔ ہر بچہ روزانہ جیب خرچ بنک سے نکال لیتا تھا اس میں یہ انتظام رکھا گیا کہ کسی بچے کو روزانہ اس کی جمع شدہ رقم کے بیسویں حصے سے زائد نہ دیا جائے۔ یہ بنک بہت مفید ثابت ہوا۔ یہ دلچسپ تعلیمی مشغلہ بچوں میں بہت مقبول رہا۔

## بچوں کا ڈاک گھر

سرکاری ڈاک خانہ ہمارے کیمپ سے بہت دوری پر تھا۔ اس لئے بچوں نے اپنا ایک ڈاک گھر کھول لیا۔ اس ڈاک گھر سے، جہاں بچے ہی پوسٹ ماسٹر تھے اور بچے ہی ڈاکیہ، بچے پوسٹ کارڈ، لفافے اور ڈاک ٹکٹ خرید سکتے تھے۔ یہی ڈاک خانہ ڈاک بھیجتا بھی تھا اور ڈاک تقسیم بھی کرتا تھا۔ ایک لیٹر بکس لگا ہوا تھا جس میں بچے خط پوسٹ کر سکتے تھے۔

آرڈولی ڈوومیٹری اور اس کے گرد و نواح میں رہنے والوں کی بھی اس سہولیت سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا گیا جس سے ان لوگوں سے ہمارے تعلقات زیادہ قریب کے ہوگئے۔ اس سے بچوں کی سماجی معاملات میں دلچسپی بڑھی۔ ڈاک گھر کا یہ تجربہ اس لحاظ سے بھی بہت کامیاب رہا۔

بچے جو خطوط پوسٹ بکس میں ڈالتے تھے انھیں ڈاک گھر کے حوالے کرنے سے پہلے ضرور پڑھ لیا جاتا ہے۔ یہ دیکھ لیا جاتا تھا کہ بچہ اپنی بیماری یا کسی تکلیف کا بڑھ چڑھ کر ذکر تو نہیں کر رہا ہے جس سے والدین کو تشویش ہو۔ اگر ضروری سمجھا جاتا تو دو ایک سطر دفتر کی طرف سے اس خط میں بڑھا دی جاتی جس سے کہ والدین کو صحیح صورتِ حال کا علم ہو جائے۔ یہ احتیاط ضرور کی گئی کہ بچوں کو اس کا علم نہ ہونے پائے اور وہ بلا تکلف اپنے خیالات کو خطوط میں ظاہر کر سکیں۔ میرے خیال میں بچے پر خط لکھنے میں کسی طرح کی پابندی لگانے کا بہت ناخوشگوار اثر مرتب ہوتا ہے۔

ہم اپنے ساتھ تین سو بچوں کی کتابیں اور اردو ہندی انگریزی کے چند رسائل پر مشتمل ایک کتب خانہ بھی نینی تال لیتے گئے تھے۔ ایک دارالمطالعہ بھی قائم کیا گیا تھا، جہاں بچوں کے علاوہ گرد و نواح کے لوگ بھی آ کر کتابیں اور اخبارات پڑھتے تھے۔ بچوں کے نام کتابیں بھی جاری کی جاتی تھیں۔

## دیواری اخبار

مگر سب سے زیادہ دلچسپ چیز تھی دیواری اخبار۔ روزانہ صبح ۵ بجے یہ اخبار کیمپ کی دیوار پر آویزاں ہو جاتا تھا جس میں کیمپ کی روزانہ کی خبریں، اور اطلاعات، گذشتہ دن کی سرگرمیوں پر تبصرہ، کیمپ میں کھیل کود اور لکھنے پڑھنے کے مقابلوں کے نتائج کا اعلان، اس دن کا تفصیلی پروگرام، کسی بچے کی کھینچی ہوئی سب سے اچھی تصویر یا ڈرائنگ وغیرہ دی جاتی تھی۔ کیمپ کے مختلف النوع سرگرمیوں سے بچوں کو باخبر رکھنے کا واحد ذریعہ یہی دیواری اخبار تھا جسے بچے مل کر خود ہی بناتے تھے۔

## صحت مند مقابلہ

روزانہ صبح صفائی ستھرائی اور خوش سلیقگی کا مقابلہ ہوتا تھا۔ اسی طرح کھیل کود اور تہذیبی سرگرمیوں کے مقابلے بھی روزانہ ہوتے تھے۔ اس میں سے ہر ایک کے لئے نمبر دیئے جاتے تھے، جو ٹولی اول رہتی اس ٹولی کو اس دن کے لئے بال برادری کا پرچم دیا جاتا تھا۔ ان مقابلوں کا بہت صحت مند اثر مرتب ہوا، تمام بچے اپنی اپنی ٹولی کے لئے پرچم حاصل کرنے کے لئے بہت

سلیقے اور صفائی ستھرائی کے ساتھ کیمپ میں رہنے لگے۔ لطف کی بات یہ تھی کہ معمولات میں باقاعدگی برتنے اور صفائی ستھرائی سے رہنے کے لئے ان سے بار بار کہنا نہیں پڑتا تھا بلکہ وہ خود ان باتوں کا خیال رکھتے تھے۔

اسی طرح مضمون نگاری کا مقابلہ بھی کئی بار کیا گیا۔ اس سے بچوں کو اظہارِ خیال کا موقع ملا۔ سب سے اچھے مضمونوں پر انعامات دیئے گئے۔ اسی طرح مباحثے بھی منعقد کئے گئے جن میں سیر و تفریح یا مشہور مقامات کی سیر کا موضوع زیرِ بحث ہوتا تھا۔ کچھ بچے اپنے ساتھ کیمرے بھی لیتے گئے تھے۔ کچھ بچوں کی ڈرائنگ میں دلچسپی تھی۔ فوٹوگرافی اور تصویرکشی کا مقابلہ بھی کیا گیا، جو بچے اوّل آئے انھیں انعامات بھی دیئے گئے۔

ان مقابلوں میں سب سے دلچسپ مقابلے تہذیبی پروگراموں کے ہوتے تھے۔ گانے بجانے، کہانی سُنانے نقل اور ڈرامے کرنے کے مقابلے، روزانہ رات کو ہوتے تھے۔ ان مقابلوں کے لئے بچے دن میں تیاریاں کر لیا کرتے تھے۔ عموماً سہ پہر کو ایک گھنٹہ اس کی تیاری میں صرف ہوتا تھا۔ یہ پروگرام اس کیمپ کا سب سے دلچسپ پروگرام تھا جس کا بچوں اور گرد و نواح کے لوگوں کو بہت پہلے سے انتظار رہتا تھا۔ ہم نے کوشش کی تھی کہ بچوں کے ان پروگراموں میں گرد و نواح کے مقامی لوگوں کی دلچسپی پیدا کریں جس سے دور دراز سے آئے ہوئے ان بچوں کو بھی مقامی لوگوں کی زندگی کو دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملے۔

## مقامی زندگی سے دلچسپی

نینی تال گرمی کے دنوں میں تو ایک چھوٹا سا ہندوستان ہی معلوم ہوتا ہے۔ ہر جگہ کے لوگ یہاں مل جاتے ہیں یہاں کے لوگوں کو بال برادری کے کاموں سے متعارف کرنے کے لئے بال برادری اور اس کے کلبوں کے کاموں کی ایک نمائش ترتیب دی گئی۔ نینی تال آنے والے متعدد معزز حضرات نے بچوں کے اس کیمپ کو دیکھا سب لوگوں نے اس نمائش میں بہت زیادہ دلچسپی دکھائی اس سے انھیں بال برادری کے کاموں اور اس نسبت سے بچوں کی بہبود کے پروگراموں کو سمجھنے کا موقع ملا۔ جو لوگ بھی آئے وہ اس نمائش کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ بچے بھی اپنے اس کارنامے پر خوش تھے۔ یہ نمائش مقامی لوگوں میں اپنے آپ کو متعارف کرنے اور اس لحاظ سے ان سے رابطہ بڑھانے کا ایک اچھا بہانہ بن گئی۔ ہم نے نینی تال کی بالکن جی باڑی کے بچوں کو بھی اپنے یہاں بلایا۔ ہمارے بچوں کی مقامی بچوں سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے مل جل کر کچھ پروگرام بھی پیش کئے۔

جن دنوں ہمارے بچے نینی تال میں چھٹیاں گذارنے گئے ہوئے تھے اُس زمانے میں وہاں بمبئی، دہلی، لکھنؤ اور الٰہ آباد کے بچے بھی اپنی اپنی ٹولیوں کے ساتھ چھٹیاں گذارنے آئے تھے۔ اِن بچوں سے ملنے جُلنے کا ایک اچھا موقع ہاتھ آیا۔ ہمارے بچوں نے ان بچوں کو چائے پر بلایا۔ ان بچوں سے مختصر ملاقات بہت دلچسپی کا باعث رہی۔

جون کے شروع کے تین ہفتے نینی تال میں گذارنے کے بعد بچوں کا یہ قافلہ ۱۲ر جون کو علی گڑھ کے لئے روانہ ہوا اور دوسرے دن علی گڈھ پہنچ گیا۔ میں دیکھتا ہوں کہ آزادانہ ماحول میں تین ہفتے کے اس مختصر سے قیام نے ان کی زندگی پر کتنا نمایاں اثر چھوڑا ہے، وہ اثر جو زندگی میں کچھ کر کے اور دیکھ کے سیکھنے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ نینی تال کی سرسبز و شاداب زندگی کی یاد ان بچوں کو زندگی بھر ترو تازہ رکھ سکتی ہے۔

تیصر نقوی
سوشل ایجوکیشن، آفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

تصویریں

۱۔ پہاڑوں کی سیر ۲۔ اتر پردیش کے گورنر کا استقبال
۳۔ بچے پہاڑی کی سب سے اونچی چوٹی پر

---

(بقیہ مضمون صہ۲۲ کا)

## بنیادی مسئلہ

غرض ہر نقطۂ نظر سے ہمارے ملک کا بنیادی مسئلہ بڑھتی ہوئی آبادی ہے۔ سیدھے سادے الفاظ میں ہم کس طرح اپنے ملک کا معیار زندگی بڑھا سکتے ہیں یعنی ہر ایک کو بہتر خوراک، زندگی کا ساز و سامان اور روزگار دلا سکتے ہیں اور کس طرح شرح اموات کو گھٹا سکتے ہیں۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ زندہ انسانوں کی تعداد اور بڑھے گی اور انھیں پالنا ہوگا جب کہ خود موجودہ آبادی کو اس کے گرے ہوئے معیار زندگی پر قائم رکھنا مشکل ہو جائے گا اگر ہماری آبادی موجودہ رفتار سے بڑھتی رہے - اس وقت ہمارے ملک کی آبادی میں ہر سال اسّی لاکھ کا اضافہ ہو رہا ہے۔

آبادی میں اضافے کی رفتار کو کم کر کے زراعتی اور صنعتی پیداوار کو بڑھا کر فی کس آمدنی کو بڑھایا جا سکتا ہے۔ اگر بھارت میں پچھلے دس برسوں کے دوران زراعتی و صنعتی پیداوار میں بھاری اضافے کے باوجود ایسا نہیں ہو سکا تو اس کا سبب آبادی میں تیز تر اضافہ ہے۔

2.

3.
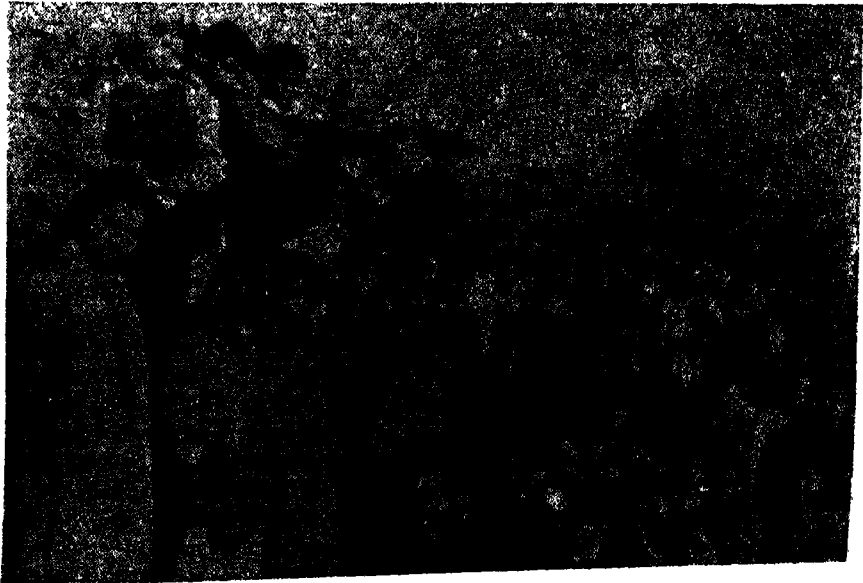
# پنچایتی راج میں اڈلٹ ایجوکیشن

## پنچایتی راج کیوں ؟

پنچایتی راج کے ذریعہ ہمارے گاؤں میں جہاں ایک طرف سچے سوراج کی بنیاد پڑی ہے، وہاں ان سے گاؤں کے بنیادی مسائل کے حل ہونے کی امید بھی نظر آتی ہے۔ اس نئی تنظیم کا مقصد مقامی لیڈرشپ کو ابھار کر اور ترقیاتی پروگراموں میں ان کا زیادہ سے زیادہ اور بھرپور تعاون حاصل کر کے ملک کی خوشحالی اور ترقی کے لئے ایک فضا تیار کرنا ہے۔ قومی ترقی کے لئے منصوبہ بندی اور کمیونٹی ڈیولپ منٹ کے آدرشوں کو لوگوں کی عملی زندگی میں مقبول بنانے کے لئے پنچایتی راج کو ایک اہم ذریعہ مانا گیا ہے۔ ملک کے عمائدین نے اس عوامی تنظیم کی شروعات کر کے ہندوستان کی جمہوری زندگی کو چار چاند لگایا ہے۔

آج یہ بات سبھی حلقوں میں تسلیم کی جاتی ہے کہ کمیونٹی ڈیولپ منٹ کی سچی کامیابی کا دارومدار پنچایتی راج کی کامیابی پر ہی ہے۔ پنچایتی راج مقامی سوراج کی مضبوط بنیاد ہے۔ ضلع کی سطح تک تین مرحلاتی عوامی تنظیم کے ذریعہ مختلف مسائل کا حل کرنا مقامی نمایندوں کے ہاتھوں میں سونپ دیا گیا ہے۔ جس سے کہ ہماری راہ میں آنے والی دشواریوں کو بروقت اور ٹھیک ڈھنگ سے سمجھ کر حل کیا جا سکے اور ان میں مقامی وسائل سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جا سکے۔ ہمارے تعمیری اور ترقیاتی پروگراموں میں اس بات کی بہت ضرورت بھی تھی۔

ہماری پنجسالہ یوجناؤں نے ہندوستان کی تعمیر و ترقی کی جو راہ نکالی تھی اس راہ میں کچھ دشواریاں بھی دکھائی پڑیں جن سے ہماری ترقی کی رفتار بہت سست بنی رہی۔ سب سے بڑی دشواری عوام کا تعاون حاصل کرنے کی تھی۔ اس سلسلے میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ پہلی تو یہ کہ ترقیاتی پروگراموں میں بہت سرگرمی کے ساتھ حصہ لینے کا عام آدمی کے لئے کوئی موقع نہیں تھا دوسرے تعلیم کی کمی کی وجہ سے لوگوں کو اس سلسلے میں واقفیت بھی بہت کم ہو پاتی تھی۔

بلونت رائے مہتہ کمیٹی نے عوام کا تعاون حاصل کرنے کے لئے تو پنچایتی راج کی نئی تنظیم تجویز کر دی۔ مگر دوسرے مسئلہ کا حل ابھی تک نہیں ہو سکا ہے یعنی عوام کو ترقیاتی پروگراموں سے باخبر رکھنے کا موقع دینا۔

## تعلیم بالغان وقت کا سب سے بڑا تقاضہ

کسی بھی کام میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے سب سے ضروری بات یہ ہے کہ لوگوں کو اس کی معلومات بہم پہنچائی جائے۔ یعنی لوگوں کو اس سلسلے میں تعلیم دی جائے۔ تعلیم کا مسئلہ اس لحاظ سے آج کافی نازک اور اہم مسئلہ بن گیا ہے۔ تعلیم کے میدان میں آج بہت کام ہو رہا ہے اور ہم کافی حد تک کوشش بھی کر رہے ہیں مگر ہماری یہ کوششیں بیشتر آنے والی نسل کو سامنے رکھ کر ہی ہو رہی ہیں اس میں کامیابی ضرور ملے گی۔ مگر مسئلہ صرف اتنی سی بات سے تو حل نہیں ہو جاتا ہے اگر ہمیں آج کی ضرورتوں کو دیکھنا ہے اور ایسا کام کرنا ہے کہ آیندہ کی ضرورتوں کے ساتھ آج کی ضرورتیں بھی پوری ہوتی رہیں اور آج کے لوگ آنے والے زمانے کی ضرورتوں اور تقاضوں کو سمجھ کر کام کر سکیں تو اس کے لئے ضرورت ہے کہ بچوں کے ساتھ ساتھ بالغوں کی تعلیم کا انتظام بھی کیا جائے۔ تعلیم بالغان آج وقت کا سب سے اہم تقاضا ہے۔ اس کے بغیر ہماری آج کی ترقی کی رفتار میں کافی رکاوٹیں پڑ رہی ہیں۔

## پنچایتی راج میں تعلیم بالغان کے کام کا موجودہ خاکہ

تعلیم بالغان کی جس ضرورت کی طرف یہاں ابھی اشارہ کیا گیا ہے، اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے پنچایتی راج کے ایکٹوں میں اس کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔ ان ایکٹوں کی رُو سے پنچایت سمیتیوں (علاقائی پنچایتوں) کو تعلیم، تعلیم بالغان سماجی تعلیم اور تہذیبی سرگرمیوں کو بڑھاوا دینے میں پوری پوری کوشش کرنی ہے۔ پنچایت سمیتیوں سے امید کی جاتی ہے کہ وہ ابتدائی تعلیم، جسمانی نشوونما کی تعلیم، تہذیبی سرگرمیوں، عورتوں اور نوجوانوں کے کلب اور عوامی کتب خانوں کو قائم کرنے اور انھیں پھلنے پھولنے میں پوری پوری مدد دیں گی۔

ضلع پریشدوں کو بھی تعلیمی کاموں کی کافی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ وہ بھی ابتدائی تعلیم کے بعد کے مرحلے کی تعلیم، کتب خانوں کے قیام، اساتذہ کی تربیت، طالب علموں کے لئے وظائف اور اسکولوں کی نگرانی کے کام کریں گی۔ اس کے علاوہ سماجی اور تہذیبی تنظیموں کی حوصلہ افزائی، مویشیوں کی نمائش، صنعتی اور زراعتی نمائشوں کی تنظیم کر کے ضلع پریشد سماجی تعلیم کے کام کو تقویت بخشیں گی۔

# تعلیم بالغان کے موجودہ اور مجوزہ کام

اڈلٹ ایجوکیشن کے بارے میں اب تک یہ کوشش بھی رہی ہے کہ گاؤں پنچایتوں کے ذریعہ بالغوں کی کلاسیں چلائی جائیں تعلیم بالغان کے اساتذہ کے لئے تین ہفتے کا ٹریننگ کورس چلایا جائے۔ انہیں بلاک کے بجٹ سے دس روپیہ اور گاؤں پنچایتوں سے پانچ روپیہ ماہانہ وظیفہ ملے۔ چھ مہینے کا کورس چلایا جائے۔ اس کے بعد ان کے امتحانات ہوں اور کامیاب طلبا کو سرٹیفکٹ دیئے جائیں۔

اس کے علاوہ نوجوان لیڈروں کو تربیت دی جاتی رہی ہے۔ یہ نوجوان لیڈر یوک منڈلوں کی تنظیم کا کام کرتے ہیں۔ اِن منڈلوں کے ذریعہ نوجوانوں کو ترقیاتی پروگراموں سے واقفیت کرائی جاتی ہے۔ یہ کوشش بھی رہی ہے کہ ڈیولپمنٹ بلاک اپنے اپنے طور پر کتب خانے اطلاعاتی مرکز اور کمیونٹی سنٹر قائم کریں۔ ریڈیو اور سنیما کے ذریعہ بھی تعلیم بالغان کے کاموں میں مدد لی جارہی ہے۔ بچوں کی کانفرنسیں، بحث و مباحثے کی مجلسیں، کسان میلے اور اس طرح کے دوسرے پروگراموں کے ذریعہ بھی تعلیم بالغان کا کام جاری ہے۔ دیہی علاقوں میں عورتوں کے تعلیمی اور ترقیاتی پروگراموں کے لئے گرام سیویکائیں اور گرام لکشمیاں مقرر ہیں۔ یہ پرائمری اسکولوں میں کمیونٹی سنٹر کھولنے اور گاؤں کے طالب علموں کے لئے گرمی کی چھٹیوں میں کیمپ چلانے کے پروگرام تعلیم بالغان کے پروگراموں کے ماتحت ہی آتے ہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ڈیولپمنٹ بلاکوں میں تعلیم بالغان کے پروگراموں کو وسیع پیمانے پر کامیابی کے ساتھ چلانے کی بنیاد رکھ دی گئی ہے مگر پنچایتی راج کے قیام کے بغیر ان سہولتوں کو برقرار رکھنا مشکل سمجھا گیا ہے۔ اس پر تو بہرحال زور دینے کی ضرورت ہے کہ مقامی لیڈروں کو جنھیں مقامی ترقیاتی کاموں کی ذمہ داری اُٹھانی ہے، تعلیم بالغان کے کام کے لئے پورا پورا موقع دیا جائے جس سے کہ وہ ایک ممکن حد تک انسانی قوت اور مقامی وسائل سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔

پنچایتی راج کے کرتا دھرتا لوگوں کو مختصر نصاب کے ذریعہ ٹریننگ دینے کا انتظام آج کیا گیا ہے۔ اس تربیتی پروگرام میں ظاہر ہے کہ تعلیم بالغان پر سب سے زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ اس ٹریننگ کے بعد ہی یہ امید کی جاتی ہے کہ تربیت یافتہ لوگ تعلیم بالغان کے پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیں گے ان کے ساتھ ہی نوجوان منڈل اور مہیلا منڈل وغیرہ کے کام تعلیم بالغان کے لئے بہت مددگار ثابت ہوں گے۔ یہ بھی یقین کیا جاسکتا ہے کہ تیسری پنجسالہ یوجنا میں ابتدائی تعلیم کو سب سے زیادہ اہمیت ملنے سے تعلیم بالغان کو بھی سہارا ملے گا۔ یہ ابتدائی اسکول آگے چل کر تعلیم بالغان کے کاموں کے لئے ایک وسیع بنیاد ثابت ہوں گے۔ ان کے ذریعہ تعلیم بالغان کا کام بڑے پیمانے پر ممکن ہوگا۔

سبھی حلقوں میں یہ بات بھی محسوس کی جا رہی ہے کہ گاؤں والے اپنے حقوق کی طرف سے برابر بیدار ہوتے جا رہے ہیں، اس سلسلے میں ان کی معلومات برابر بڑھ رہی ہے۔ نئی باتوں کو جاننے کی خواہش ان میں پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ اسی لئے ریڈیو، اخبار و رسائل، اور کتابوں کے ذریعہ تعلیم بالغان کے کام کو کافی سہارا مل رہا ہے۔ تیسری یوجنا میں تعلیم بالغان کا کام خاص طور سے رضاکار اداروں کے توسط سے کئے جانے کا فیصلہ ہوا ہے۔ اس لئے اب یہ بہت ضروری ہو گیا ہے کہ ہمارے پنچایتی اداروں کے پردھانوں، آدھیکچھوں اور پرمکھوں کے اندر تعلیم بالغان کی سوجھ بوجھ پیدا ہو۔ انھیں چاہئے کہ حکومت کی طرف سے جو سہولتیں ملی ہیں ان کا استعمال کر کے اپنے مقامی حالات کے مطابق تعلیم بالغان کا پروگرام بنائیں جس سے کہ خود پنچایتی راج کامیابی کی منزلیں طے کر سکے۔

گاؤں میں تعلیم بالغان کے پروگرام کو بڑے پیمانے پر حرکت میں لانے کے لئے ضروری ہے کہ اس سلسلے میں نئے نئے وسائل اور نئے نئے طریق کار کا استعمال کیا جا سکے۔ گاؤں کے بیشتر لوگوں میں تعلیم بالغان کی طرف سے دلچسپی بہت کم ہے۔ اس کی بنیاد میں دو باتیں کارفرما ہیں۔ ایک تو یہ کہ انھیں کبھی ایسا موقع ہی نہیں ملا کہ وہ پڑھنے لکھنے اور پڑھنے لکھنے کی اہمیت کو سمجھتے جس سے ان کی زندگی کا معیار اونچا اٹھتا۔ دوسری یہ کہ اب وہ اپنے آپ کو جن حالات سے گھرا ہوا دیکھ رہے ہیں اس سے آگے کی بات وہ سوچ ہی نہیں سکتے ہیں، اُن کی مایوسیوں نے انھیں ہر حال میں راضی بہ رضا رہنے کا عادی بنا دیا ہے۔ انھوں نے اپنی موجودہ حالت کو تقدیر کا لکھا سمجھ کر قناعت کرنا سیکھ لیا ہے۔ یہ صبر و قناعت اب ان کی عادت اور فطرت میں داخل ہو چکا ہے۔ ان کا یہ یقین پکا ہو چکا ہے کہ آج وہ جس حال میں ہیں اس سے آگے تمام دروازے بند ہیں۔ ان کے اندر اگر ہمیں تعلیم کی طرف سے رغبت پیدا کرنا ہے تو رفتہ رفتہ ان برائیوں کو دور کرنا پڑے گا۔ آج اس بات کی بہت ضرورت ہے کہ گاؤں میں زندگی کا معیار اونچا اٹھانے کے لئے ترقی کی رفتار کو تیز کیا جائے۔ لوگوں میں جو مایوسی اور افسردگی پھیلی ہوئی ہے اُسے ختم کر کے اُن میں یہ رجحان پیدا کیا جائے کہ وہ بھی پڑھ لکھ کر اپنی زندگی کو سنوار سکتے ہیں۔ نئی نئی چیزوں اور نئی نئی سہولتوں سے وہ بھی بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں۔ اس طرح ان کی زندگی کا جمود ٹوٹے گا اور وہ حرکت میں آئیں گے۔ وہ پڑھنے لکھنے کی ضرورت سمجھیں گے، جس سے تعلیم بالغان کی راہ کی ایک بہت بڑی دشواری یعنی لوگوں میں تعلیم کی ضرورت کا احساس پیدا کرنے کی دشواری دور ہو جائے گی۔

پنچایتوں کے پردھانوں اور پرمکھوں کی ہی نہیں گاؤں کے تمام پڑھے لکھے آدمیوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ تعلیم بالغان کے اُبھرتے ہوئے کاموں کو پھولنے پھلنے کا موقع دیں۔ آج صرف خواندہ بننے کا سوال ہی نہیں ہے بلکہ تعلیم بالغان کے پروگراموں کے ذریعے لوگوں کی ہمہ گیر شخصیت کو ابھارنا ہے۔ ہر گاؤں پنچایت میں ہی نہیں، بلکہ چھوٹی بڑی تمام بستیوں

ہیں تعلیم بالغان کے مرکز قائم ہو جانے چاہئیں مگر یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کی ضرورت کا تمام لوگوں کو احساس ہو، اس کی تنظیم میں تمام لوگ شریک ہوں اور ان تعلیمی مرکزوں کو اپنی پونجی سمجھ کر اس کے تحفظ اور بقا کے لئے کوشاں رہیں۔ ایک سچے رضا کار ادارے کی حیثیت سے ہی تعلیم بالغان کا کام صحت مند اور مقبول بن سکتا ہے۔ گاؤں کے پنچوں سرپنچوں اور دوسرے پڑھے لکھے اور بیدار مغز لوگوں کو چاہیئے کہ تعلیم بالغان کے کام کو مقامی اداروں کے ذریعہ پھیلانے میں اور اسے ایک عوامی تحریک بنانے میں پورا پورا تعاون دیں۔ اس سے خود پنچایتی راج کی جڑیں مضبوط ہوں گی اور ہمارے گاؤں ترقی کی منزلیں طے کرنے میں تیز قدم بڑھا سکیں گے۔

کمیونٹی ڈیولپ منٹ پروگرام کے ماتحت تعلیم بالغان کے کاموں کے لئے زمین تیار ہو گئی ہے اور بیج بھی بو دیئے گئے ہیں، اب اُن کی آبیاری کرنا پنچایتوں کی ذمہ داری ہے۔ ان پودوں کی اگر ٹھیک ڈھنگ سے آبیاری کی گئی تو اس سے ایسے گھنے درخت پیدا ہوں گے جن کی چھاؤں میں پنچایتی راج کو پھولنے پھلنے کا موقع ملے گا۔

( بقیہ مٹ )

## بات چیت کے ذریعہ کسانوں کی زراعتی تربیت

زراعتی پیداوار بڑھانے کے لئے کسانوں اور زراعت کے ماہرین میں نزدیکی تعلق پیدا کرنے کی غرض سے لٹریسی ہاؤس لکھنؤ نے زراعت کی اطلاعتی خدمات بہم پہنچانے کا کام شروع کیا ہے۔ اس سے گاؤں پنچایتیں، کواپریٹیو سوسائٹی، نوجوان منڈل وغیرہ کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس کا مقصد ہے کسانوں میں کھیتی اور گھریلو دھندوں میں کم پیداوار ہونے کے اسباب کو جاننے اور سمجھنے کی عادت ڈالنا۔ اس سلسلے میں خود کسانوں اور دست کاروں کی رائے کو معلوم کرنا اور آپسی بات چیت کے ذریعہ گاؤں کے لوگوں میں خوشگوار تعلقات بنانے میں مدد دینا۔

ان کے لئے گاؤں کی رسمی اور غیر رسمی سنستھاؤں سے مدد لی جائے گی جیسے پنچایت کواپریٹیو سوسائیٹی، نوجوان منڈل اور چوپالوں وغیرہ کی شکل میں بے تکلف ملاقاتوں کی بیٹھکیں۔

ہر پندرھویں دن چنے ہوئے منڈلوں کے پاس ایک مراسلہ بھیجا جائے گا۔ اس مراسلے میں موسم اور فصل کی مناسبت سے کچھ باتیں بتائی جائیں گی اور کچھ سوالات قائم کئے جائیں گے۔ اس مراسلہ پر ٹولی کے لوگ غور کریں گے اور اگر کسی بات پر کوئی شبہہ ہوگا تو لٹریسی ہاؤس کو لکھیں گے۔ اگلے مراسلے میں ان کے شبہات کو دور کر کے اس سلسلے میں مزید معلومات فراہم کی جائیں گی۔ اس سے ایک طرف کسانوں کو زراعت کے بارے میں نئی نئی باتوں کی معلومات ہوں گی اور دوسری طرف ماہرین کو بھی یہ معلوم ہو سکے گا کہ کسان کیا جاننا چاہتے ہیں۔

# یوجنا کی کامیابی کے لئے مقامی وسائل کا استعمال

منصوبہ بندی کے کام میں مقررہ نشانوں کو حاصل کرنے کے لئے وسائل کا جائزہ لینا اور اُسے بڑھانے کے امکانات پر غور کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اسی لئے ملک کی سماجی اور اقتصادی ترقی کے لئے یوجنائیں بنائی جاتی ہیں ہندوستان میں منصوبہ بندی کا ایک خاص مقصد غذائی پیداوار میں ملک کو خودکفیل بنانا اور زراعت کو ترقی دینا ہے۔ دوسرا مقصد ملک کی انسانی قوت کا حتی الوسع استعمال کر کے روزگار کے نئے مواقع فراہم کرنا ہے۔ ہمارا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ لوگوں کو روزگار اور آمدنی کے جو مواقع ملیں ان میں مساوات برتی جائے۔ آمدنی اور دولت کی نابرابری کو کم کیا جائے اور اقتصادی ترقی کے وسائل کی تقسیم میں زیادہ سے زیادہ مساوات برتی جائے۔

یہ مقاصد صرف اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب کہ ڈیولپمنٹ کے پروگراموں کو لامرکزیت کے اصول پر چلایا جائے یعنی ترقیاتی پروگراموں کا مرکز حکومت کے کچھ گنے چنے صنعتی ادارے نہ ہوں بلکہ ترقیاتی مرکز ہر ضلع اور ہر گاؤں میں پھیلے ہوئے ہوں۔ جب تک ترقیاتی پروگراموں کی تنظیم اس ڈھنگ پر نہیں ہوتی ہے، ہم منصوبہ بندی کے مندرجہ بالا مقاصد تک ہم نہیں پہنچ سکتے ہیں۔

زراعتی پیداوار کی ترقی کئی باتوں پر منحصر ہوتی ہے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے مختلف وسائل وسیع دیہی علاقوں اور دیہی عوام تک ایک ساتھ پہنچتے رہیں اور اُن کا سلسلہ کچھ دن تک جاری رہے۔ صرف اسی صورت میں زراعت میں ترقی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح اگر روزگار کے نئے نئے مواقع پیدا کرنا ہے اور ملک کے وسائل پر بے جا بوجھ دیئے بغیر ملک کے نیم بے کار لوگوں کو مفید روزگاروں سے لگانا ہے تو یہ کام ترقیاتی پروگراموں کو لامرکزی بنا کر اور لوگوں کو اپنے اپنے گھر سے قریب روزگار دلا کر کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے تیسری یوجنا میں دیہی علاقوں میں بجلی پہنچانے، گاؤں اور قصبوں میں چھوٹی بڑی صنعتی بستیاں قائم کرنے اور چھوٹے پیمانے کی صنعتوں خاص طور سے زراعت

اور باغبانی سے متعلق مصنوعات کے دھندے چالو کرنے پر خاص زور دیا گیا ہے ۔ان سے سارے ملک میں ایسے مرکز قائم ہو سکیں گے جو مقامی وسائل اور انسانی قوت کو کام میں لا کر اقتصادی ترقی میں مددگار ہوں گے۔ اس طرح ایک بڑے رقبے میں لوگوں کی آمدنی بڑھے گی اور مقامی لوگوں کی آمدنی میں اضافہ ہونے سے اقتصادی ترقی کے وسائل کی مساوی تقسیم بھی ممکن ہو سکے گی ۔

لامرکزی اقتصادی تنظیم کے اس مقصد کو دیکھتے ہوئے مقامی وسائل کی حوصلہ افزائی اور استعمال سب سے زیادہ اہم کام ہو جاتا ہے ۔مقامی وسائل کے مشترکہ اور مربوط استعمال سے ہی آمدنی اور پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے اور اس طرح پیداوار میں جو اضافہ ہوتا ہے اس سے آگے کی ترقی کے اور زیادہ امکانات پیدا ہوتے ہیں ۔

## مقامی اور بیرونی وسائل

ترقیاتی پروگراموں کے لئے کچھ وسائل تو مقامی طور پر کم قیمت میں یا مفت حاصل کئے جا سکتے ہیں جیسے موٹے کاموں کے مزدور، مویشی، کچے مال، کمپوسٹ اور کھاد وغیرہ ۔دوسرے وسائل باہر سے اور قیمت دے کر حاصل کرنا پڑیں گے جیسے لوہا اور فولاد، کھیتی کے اوزار، پمپنگ سیٹ ، کوئلہ، سیمنٹ اور مشین وغیرہ ۔ظاہر ہے کہ گاؤں کی ترقی کا کام مقامی طور پر ملنے والے وسائل کے ساتھ باہر کے وسائل مہیا ہونے پر منحصر ہوتا ہے ۔ اس میں بھی ان علاقوں میں ترقی کا کام تیزی سے ہوتا ہے جہاں باہری وسائل کا کام بھی مقامی وسائل کو استعمال کر کے پورا کیا جاتا ہے ۔

یہاں ہم پہلے زراعت کو لیں گے ۔اس سلسلے میں باہری وسائل سدھرے ہوئے بیج کے لئے اچھے بیج کے ساتھ اینٹ پکانے والا کوئلہ اور سیمنٹ کی شکل میں عمارتی سامان کی ضرورت ہو گی ۔ اسی طرح ولایتی کھاد، کیڑا مار دوا اور روپے پیسے کی ضرورت ہو گی ۔ظاہر ہے یہ تمام سامان گاؤں میں نہیں ملیں گے بلکہ باہر سے لانے ہوں گے لیکن اگر گاؤں کے لوگ خود اچھے بیجوں کو اکٹھا کریں، ہری کھاد اور کمپوسٹ میں اضافہ کریں، دال والی فصلیں بو کر زمین کی زرخیزی کو قائم رکھیں۔ گاؤں میں تالاب کھودیں اور انھیں گہرا بنائیں، کھیتوں میں سینچائی کی نالیاں بنائیں سینچائی کے لئے پانی کو مقامی طور پر جمع کریں ان کا بہتر سے بہتر استعمال کریں ۔پانی اور مٹی کے بچاؤ کے لئے ڈول بندی کریں، گاؤں کے اندر ہی اوزار بنائیں ، دو فصلی کھیتی کر کے زمین کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں تو اس سے باہری وسائل کے انتظار میں ڈیویلپمنٹ کا کام رکا نہیں رہے گا اور یہ وسائل دوسرے کاموں میں استعمال ہو کر ملک کی ترقی کی رفتار کو تیز بنائیں گے ۔

اسی طرح بجلی کے لئے بھی مقامی طور پر ملنے والے سامانوں سے کام لیا جاسکتا ہے۔ لکڑی کے لٹھوں کے کھمبے گاڑنے سے گاؤں تک بجلی پہنچانے سے خرچ کم آئے گا۔ گاؤں کے تعمیری کاموں میں مقامی وسائل اور انسانی قوت کو کام میں لگا کر بہت بڑے بڑے کام کئے جا سکتے ہیں۔ جیسے اسکول کی معمولی عمارت کی تعمیر، نالیوں، کھیت کی گولوں اور چھوٹی موٹی سڑکوں کی تعمیر کے کام ہیں۔ دراصل کسی بھی علاقے میں باہر سے ملنے والے محدود وسائل کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اُسی وقت اٹھایا جاسکتا ہے جب کہ مقامی طور پر ملنے والے وسائل سے زیادہ سے زیادہ مدد لی جائے۔

## انسانی قوت سب سے بڑی پونجی

اس سلسلے میں انسانی قوت کا ذکر کرنا خاص طور سے ضروری ہے۔ کیونکہ ملک میں جو وسائل موجود ہیں ان میں اس کی سب سے زیادہ اہمیت ہے۔ جس حد تک لوگوں کو مختلف فنی کاموں کی تربیت دی جائے گی اسی حد تک وہ ملک کے وسائل کو بڑھاوا دینے میں مددگار بن سکیں گے۔ ملک میں انسانی قوت کو منظم اور بارآور بنانا، عام طور سے سائنسی اور فنی تعلیم کی سہولتوں پر منحصر ہے جس سے کہ ہر آدمی اپنی کارکردگی کو اُجاگر کرسکتا ہے اور ملک کی ترقی میں مددگار بن سکتا ہے۔ تیسری یوجنا میں ابتدائی تعلیم کی توسیع و اشاعت کے لئے ضروری اقدامات تجویز کئے گئے ہیں جس سے ۶ سے ۱۱ سال تک کی عمر کے ۸۰ فی صدی بچے اور بچیاں اسکولوں میں تعلیم پا سکیں گے۔ اس کے علاوہ ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے اداروں میں سائنس اور ٹکنیکل علوم اور پیشہ ورانہ تعلیم کی توسیع و اشاعت کے لئے بھی انتظامات کئے گئے ہیں۔ ان پروگراموں سے دیہی علاقوں کو بھی کافی فائدہ پہنچے گا اور زراعت کی تعلیم کو بھی بڑھاوا ملے گا۔

اسی طرح صحت اور سماجی خدمت کے دوسرے کاموں کو بڑھاوا دینے اور جسمانی قوت بڑھانے کے کاموں سے لوگوں کی کارکردگی بڑھے گی۔ ملک میں عوامی قوت کے بڑھنے اور سائنس کی تعلیم کی توسیع و اشاعت کے ساتھ ہی ترقیاتی پروگراموں کی رفتار بڑھے گی اور اس صورت میں یہ کام زیادہ سلیقے اور مہارت کے ساتھ کئے جا سکیں گے۔

لیکن انسانی قوت کو بڑھاوا دینے کے ان پروگراموں کو چلانے اور اس سے فائدہ اٹھانے سے پہلے ہمیں دیہات کے بے کار لوگوں کو روزگار دلانے کا انتظام کرنا ہوگا۔ اسی کے ساتھ عوام کی بہبود کے لئے ملک کی قومی دولت اور خزانے کو بھی بڑھانا ہوگا۔

## ایک آزمائشی اسکیم

اس وقت جب کہ جتنا زیادہ تر اَن پڑھ اور جدید طور طریقوں میں دسترس نہیں رکھتی ہے ہمیں دیہاتوں کی انسانی

قوت کا بھرپور استعمال زراعت کی ترقی، عمارتوں اور سڑکوں کی تعمیر کے کاموں میں اور کچھ ایسے کاموں میں کرنا ہوگا جن سے کام کی نئی سہولتیں پیدا ہوں۔ اس مقصد کے پیش نظر دیہاتی علاقوں کی انسانی قوت کو منظم اور متحرک بنانے کے لئے آٹھ آزمائشی اسکیمیں شروع کی گئی ہیں جہاں دھرتی پر سب سے زیادہ بوجھ ہے۔ یعنی جہاں کہ بے کار اور نیم بے کار لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، ان جگہوں پر کھیتی سے فاضل اوقات میں آزمائشی اسکیمیں شروع کی گئی ہیں جس سے مقامی طور پر لوگوں کو روزگار ملے اور گاؤں کی اقتصادی حالت میں سدھار ہو۔ اس پروگرام کے ماتحت گاؤں میں نالیاں اور سڑک بنانا، باڑھ سے بچاؤ اور پانی اور مٹی کے بچاؤ کے کام شامل ہیں۔ اگلے چار برسوں میں یہ کام اور بھی بڑھایا جائے گا جس سے ۲۵ لاکھ آدمیوں کو ایک سال میں ۱۰۰ دن کا روزگار مل سکے۔ یہ کام زیادہ بے کاری والے علاقوں میں خاص طور سے جاری رکھے جائیں گے۔ جس سے لوگوں کو گھر کے پاس ہی کام مل سکے۔

مقامی وسائل اور لوگوں کے ہاتھ پیر کی طاقت کے استعمال کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر گاؤں کو اس کے ترقیاتی پروگراموں کی ایک اسکیم بنا کر دی جائے جس سے لوگوں کو یہ معلوم ہو سکے کہ انھیں اپنے علاقے کی ترقی کے لئے کس وقت کون سے کام کرنے ہیں۔ اسی لئے تیسری یوجنا میں گاؤں کی ترقیاتی اسکیم بنانے وقت صرف باہری وسائل کا ہی خیال نہیں رکھا گیا ہے بلکہ مقامی طور پر مل جانے والے وسائل کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔ گاؤں کی ترقیاتی اسکیمیں مقامی لوگوں کے ذریعہ پنچایت اور گاؤں سبھا کی بیٹھک میں بنائی گئی ہے جس سے لوگوں کو باہری وسائل کے ساتھ ہی اپنے گاؤں میں ملنے والے وسائل سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا بھی خیال رکھنے کا موقع ملا ہے۔ ان مقامی ترقیاتی پروگراموں میں شرم دان کی بہت اہمیت ہے جس کے ذریعہ بستی یا کسی خاص طبقے کے لوگوں کی بھلائی کے مختلف تعمیری کام پورے کئے جائیں گے۔ گاؤں کے تعمیری پروگراموں میں کچھ کام ایسے ہیں جو خود گاؤں والوں کو ہی پورا کرنا ہے۔ ان کے تحت وہ کام آتے ہیں جن کے لئے کسی خاص فنی مہارت کی ضرورت نہیں ہوتی اور جو صرف جسمانی محنت سے پورے کئے جاتے ہیں جیسے مٹی کے کام ہوتے ہیں۔ یہ کام خود گاؤں والوں کو پورا کرنا ہے اور اس طرح ان ترقیاتی پروگراموں میں ہاتھ بٹانا ہے جو حکومت نے شروع کر رکھے ہیں۔

اگر گاؤں کی یہ اسکیمیں پوری طرح سے مکمل ہو جائیں تو ان سے ایک طرف گاؤں کی نیم بے کار انسانی قوت کا ٹھیک ٹھیک استعمال ہوگا اور دوسری طرف اس محنت کے سہارے کچھ ایسے تعمیری کام ہو جائیں گے جو ساری بستی کی مشترکہ دولت ہوں گے، یہ مشترکہ دولت یعنی سب کی بھلائی کے تعمیری کام جو خود گاؤں والے اپنے فاضل وقت میں پورا کریں گے۔ گاؤں کی اقتصادی حالت کو مضبوط بنانے اور دیہی زندگی کی ترقی میں مددگار ہوگی۔

# ہندوستان میں کثرت آبادی کے مسائل

آج کے زمانے میں جو بڑے بڑے مسائل ہمارے سامنے ہیں اور مستقبل میں بھی جو مسائل درپیش ہوں گے ان میں بڑھتی ہوئی آبادی پر قابو پانے کا مسئلہ سب سے زیادہ پیچیدہ ہے۔

دنیا میں اور خاص طور پر ترقی پذیر ایشیائی ملکوں میں آبادی کے بھاری اضافے واقعی اس قدر شدید ہیں کہ اگر انہیں نظرانداز کیا جائے تو آنے والی نسلوں سے دشمنی ہوگی۔

دنیا کی کل آبادی اس وقت تین ارب سے زیادہ ہو چکی ہے۔ پچھلے پچاس سالوں میں دنیا کی آبادی بہت تیزی سے بڑھتی رہی ہے۔ خاص طور پر پچھلے بیس سالوں میں آبادی کے اضافے کی جو رفتار رہی ہے، اس کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔

## ہندوستان میں آبادی کے اضافے کی رفتار

ہندوستان میں آزادی کے بعد پہلی مردم شماری کے بموجب ۱۹۵۱ء میں یہاں کی آبادی ۳۵ کروڑ ستر لاکھ تھی۔ ہر دس سال میں آبادی میں اضافے کی شرح دس تا پندرہ فی صدی کے درمیان ہے ۱۹۵۱-۶۱ء میں بھارت کی آبادی میں سات کروڑ ستر لاکھ یعنی ۲۱٫۵ فی صد کا اضافہ ہوا۔ گویا پچھلے پچاس سالوں میں اضافۂ آبادی کی شرح سب سے زیادہ رہی۔ جس کے سبب بھارت کو دنیا میں آبادی کے لحاظ سے دوسرا نمبر ملا ہے۔

آبادی کے اضافے کی اس رفتار کے کئی اسباب ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے ملک میں شادی ایک سماجی روایت ہی نہیں، بلکہ ایک مذہبی فریضے کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے ملک کے تمام بالغ مرد و عورت اضافۂ آبادی میں اپنا اپنا حصہ ادا کرتے ہیں۔

دوسرا سبب کم سنی کی شادیاں ہیں۔ اگرچہ شاردا ایکٹ بابتہ ۱۹۲۹ء کو پاس ہوئے ۳۲ سال گذر گئے لیکن اب بھی لاکھوں لڑکیاں عمرِ طبعی سے پہلے ہی بیاہ دی جاتی ہیں۔ دیہات میں اسّی فی صدی لڑکیاں کم سنی ہی میں بیاہ دی جاتی ہیں۔ سب سے آخر میں فیملی پلاننگ میں یعنی خاندانی منصوبہ بندی سے لاعلمی اور بے پروائی ہے۔ ہماری آبادی کا ۸۰ فی صد حصہ دیہات کی آبادی پر مشتمل ہے اور اس بھاری آبادی نے فیملی پلاننگ کو ابھی منظور نہیں کیا ہے جب کہ ہمارے شہروں میں بھی شادی شدہ جوڑوں کو ضبطِ تولید کی عادت نہیں پڑی ہے۔ جب یہ ساری باتیں موجود ہوں تو آبادی کیوں نہ بڑھے؟

ایک طرف پیدا ہونے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے تو دوسری طرف مرنے والوں کی تعداد گھٹ رہی ہے۔ یہ ہماری آزادی کے بعد کی ہمہ گیر ترقی کا لازمی نتیجہ ہے۔ ۱۹۰۱ء میں ہر ہزار آدمی میں سے ۴ء۴۲ مرجاتے تھے۔ ۱۹۵۱ء میں یہی شرح اموات ۴ء۲۷ ہو گئی اور ۱۹۶۱ء میں اس میں مزید کمی ہوئی اور صرف ۶ء۲۱ رہ گئی ہے۔

اسی طرح بچوں کی اموات کی شرح بھی گھٹتی جا رہی ہے جس سے ملک کے صحتی معیار میں بہتری آجانے کا پتہ چلتا ہے۔ ملک میں خوشحالی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ یہ معیار اور بھی بہتر ہو گا۔ یعنی لوگ زیادہ صحت مند ہوں گے اور عرصۂ حیات بھی بڑھے گا۔

سوال یہ ہے کہ اس انبوہِ انسانی کو ہم اُس معیارِ زندگی پر قائم بھی رکھ سکیں گے یا نہیں جس کے لئے ہم منصوبہ بند معیشت کے ذریعے کوشش کر رہے ہیں؟

## متناسب آبادی

علمِ آبادی کے نقطۂ نظر سے ہر ملک چاہے وہ ترقی یافتہ ہو یا ترقی پذیر کسی نہ کسی وقت آبادی کے مسائل سے دوچار ہوتا ہے۔ کبھی یہ مسائل آبادی کی کثرت کا نتیجہ ہو سکتے ہیں اور کبھی کمی کا۔ بعض وقت یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آبادی میں بچوں اور بوڑھوں کی بہتات ہو جائے اور ان کی سرپرستی کا بار کم تعداد والے برسرِ روزگار جوان عمر طبقے پر پڑ جائے۔

جہاں تک تعداد کا سوال ہے یہ جان لینا چاہئے کہ ہر ملک کی آبادی کی موزوں تعداد وہاں کے سیاسی و معاشی حالات پر منحصر ہے۔ موزوں تعدادِ آبادی کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے کہ کسی ملک کی موزوں تعدادِ آبادی لوگوں کی وہ تعداد ہے جو زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کر سکے، اعلیٰ سے اعلیٰ معیارِ زندگی پا سکے، سیاسی استحکام، معاشی سلامتی اور آزادی کی مالک ہو اور ثقافتی قدروں کی تکمیل کے لئے فرصت کی حامل بھی ہو۔ گویا جولیس ہکسلے کے قول کے مطابق "یہ ممکن ہے کہ ہاتھی سے دس گنا جسامت کا جانور حیاتیاتی نقطۂ نظر سے اتنا ہی نااہل ہو جتنا کہ دو سو افراد کی ایک کمیٹی سماجی طور پر نااہل ہو سکتی

بھارت میں موزوں تعداد آبادی کا تعین کرنے کے لئے بھارتی معیشت کے محوری مسئلے یعنی غربت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

ہمارے ملک کے معیار زندگی پر غور کیجئے۔ معیارِ زندگی کی تعریف میں خوراک، لباس، مکان، تعلیمی مواقعوں، صحتی سہولتوں، فرصت اور دیگر ثقافتی مصروفیتوں پر مشتمل مہذب انسانی وجود کی بنیادی ضرورتیں آتی ہیں۔

خوراک کے معاملے ہی کو لیجئے۔ ہمارے ملک کی روزانہ خوراک میں فی کس ۱۸۰۰ کیلوری ہوتی ہیں جب کہ انسانی زندگی کی ضرورت ۲۷۰۰ کیلوری ہے۔ کینیڈا، امریکہ اور شمالی مغربی یورپ کے ممالک مثلاً سویڈن، ناروے اور ڈنمارک وغیرہ میں روزانہ خوراک میں فی کس تین ہزار تا تین ہزار چار سو کیلوریاں ہوتی ہیں (کیلوری خوراک کی حرارتی مقدار کا نام ہے اور جسم کو توانائی فراہم کرنے میں اس کی خاص اہمیت ہے)

لباس کے ضمن میں بھی اگرچہ ہمارا ملک دنیا کے چند کپاس پیدا کرنے اور کپڑا بنانے والے بڑے ملکوں میں سے ایک ہے۔ ہمارے ہاں سالانہ فی کس صرف بیس گز کپڑا استعمال ہوتا ہے۔

مکانات کی صورتِ حال تو اس سے بھی گئی گذری ہے۔ محلوں، کوٹھیوں میں گذارہ کرنے والوں کی کل تعداد دس لاکھ سے بھی کم ہے۔ متوسط طبقے کی مکانی ضروریات کی تکمیل بھی بہت کم حد تک ہو پائی ہے۔ باقی ساری آبادی جس میں دیہی آبادی شامل ہے جو ملک کی کل آبادی کا ۸۰ فی صد ہے، انتہائی پست اور خراب رہائشی حالات میں گذر بسر کرتی ہے۔

شہری علاقوں میں زمین اتنی مہنگی ہو گئی ہے اور آبادی کا بوجھ اتنا بڑھ گیا ہے کہ اس کثرت کے سبب ہر طرف گندی بستیاں اُبل پڑی ہیں جن سے چھٹکارا ممکن نہیں۔

خواندگی اور تعلیم کا جہاں تک سوال ہے، ہمارے ملک کے ستر فی صد باشندے ناخواندہ ہیں اور ہمارے تعلیمی ذرائع میں جو پھیلاؤ ہو رہا ہے وہ ہماری بڑھتی ہوئی آبادی کے ہم قدم نہیں ہے۔ تربیت یافتہ ٹیچرز اور درسی کتابیں آسانی سے دستیاب نہیں ہیں۔ اسکول کی عمارتوں اور ان کے لئے ساز و سامان کی بھی کمی ہے اور دوسری طرف اسکول جانے کے لائق عمروں والے بچے اور بچیوں کی فوج کی فوج تیار ہوتی جا رہی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہر سال ہماری معیشت کا ہر شعبہ ترقی کرتا جا رہا ہے لیکن اس کے باوجود ہماری آبادی کا اکثریتی حصہ غریبی کی زندگی سے اونچا نہیں ہو سکا ہے بلکہ غریبی کا یہ منحوس چکر قلیل آمدنیوں ہی کا ایک نتیجہ ہے۔ آزادی کے بعد کے پچھلے پندرہ سالوں میں فی کس سالانہ آمدنی میں خاصہ اضافہ ہوا ہے لیکن تین سو روپئے فی کس کی سالانہ آمدنی ہمیں دنیا کے بڑے ملکوں میں سب سے آخری نمبر پر لا کھڑا کرتی ہے۔ یہی قلیل آمدنی ہماری زندگی کے نیچے معیار کا نتیجہ بھی ہے اور سبب بھی۔

(باقی صفحہ ۳۰ پر)

## رفتارِ کارواں

# سوشل ایجوکیشن کی اسٹینڈنگ کمیٹی کی بیٹھک

مرکزی وزیر تعلیم ڈاکٹر کے. ایل. شریمالی نے جون ۱۹۶۲ء میں ڈاکٹر موہن سنگھ مہتا کی صدارت میں سوشل ایجوکیشن کی ایک مشاورتی کمیٹی کے تقرر کا اعلان کیا تھا۔ اس کمیٹی کے دوسرے ممبروں کے ناموں کا بھی اب اعلان ہوگیا ہے۔ جس میں ڈاکٹر ایس. ایل. ایم ڈاکٹر ڈی. پی. مشرا. شریمتی سروجنی مہیشی، شری این بھدریا، ڈاکٹر ٹی. اے. کوشی، شریمتی سوشیلا پائی، شری ستیہ چرن اور شری اے. آر. دیش پانڈے شامل ہیں۔

یہ کمیٹی سوشل ایجوکیشن کی موجودہ صورتِ حال کا جائزہ لے گی اور یہ اندازہ کرے گی کہ اس سے پہلے جو تجاویز پیش کی جاچکی ان پر کس حد تک کام ہو سکا ہے۔

کمیٹی کا پہلا اجلاس ۲۱ ر اور ۲۲ ر اگست ۱۹۶۲ء کو نئی دہلی میں منعقد ہوا۔ ڈاکٹر کے. ایل. شریمالی نے اس اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا کہ سوشل ایجوکیشن سے متعلق مختلف مسائل پر بہت ڈٹ کر کام کرنے کی ضرورت ہے جو اس میدان میں کام کرنے والے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کی ملی جلی کوشش سے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔

وزیر موصوف نے بتایا کہ وزارتِ تعلیم نے پلاننگ کمیشن اور وزارتِ خزانہ سے رجوع کیا ہے کہ وہ اس تعلیمی کام کے لئے تیسرے پلان میں مجوزہ رقم سے زائد رقم فراہم کریں۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ اِس سلسلے میں جلد ہی فیصلہ ہو جائے گا جو ہمارے حق میں ہوگا۔

ڈاکٹر موہن سنگھ مہتا نے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا کہ سوشل ایجوکیشن ایک بہت نازک مرحلے سے گذر رہی ہے۔ اور اس سلسلے میں سنجیدگی کے ساتھ بہت ہی کم غور و فکر کیا گیا ہے۔

## کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی سالانہ کانفرنس

کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور پنچایتی راج کی سالانہ کانفرنس نے جس کا اجلاس ۳۱ ر جولائی کو نئی دہلی میں ہوا تھا اپنی تجویز

میں ریاستی حکومتوں سے درخواست کی ہے وہ کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے کارکنوں کی تربیت کے سلسلے میں فوری طور پر اقدامات کریں
کانفرنس نے نوٹ کیا کہ تربیت یافتہ صنعتی توسیع کے افسروں، کھیڈ سیویکاؤں اور گرام سیویکاؤں کی خاص طور سے اس وقت
بہت کمی ہے۔

کانفرنس نے محسوس کیا کہ پنچایتی راج کے ٹریننگ سنٹر غیر سرکاری اداروں کو چلانا چاہیئے۔ کانفرنس نے گاؤں میں فیملی
پلاننگ کو مقبول بنانے کے پروگرام پر بھی غور کیا۔

## لٹریسی

کانفرنس نے اس بات پر بھی زور دیا کہ خواندگی کا کام کمیونٹی ڈیولپمنٹ کا ایک لازمی جز سمجھ کر کیا جانا چاہیئے۔ کانفرنس نے
محسوس کیا کہ بالغوں کی خواندگی کے پروگرام میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ لوگوں میں پڑھنا لکھنا سیکھنے کی تحریک کیسے
پیدا کی جائے۔ اس سلسلے میں کانفرنس نے ان علاقوں میں جہاں خواندگی کی تحریک بڑے پیمانے پر چل چکی ہے ریسرچ کرنے کی
بھی تجویز کی ہے۔

## کمیونٹی ڈیولپمنٹ کا پہلا دس سال

کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے ریاستی وزیروں کی کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو نے کمیونٹی ڈیولپمنٹ
کے پہلے دس سال کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا کہ انھیں اس تحریک کی طرف سے کتنی انقلابی توقعات ہیں۔

کانفرنس میں آئے ہوئے نمائندوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے وزیر شری ایس۔ کے۔ ڈے نے فرمایا کہ
کمیونٹی ڈیولپمنٹ کا کام جب ہندوستان کے سارے گاؤں کا احاطہ کرے گا تو پھر یہ کسی ایک وزارت کا کام نہیں رہ جائے گا۔
انھوں نے بتایا کہ کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام نے اپنے ابتدائی دس سال میں کام کی ایک بنیاد رکھ دی ہے اب ضرورت
اس بات کی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کام کو زیادہ سے زیادہ بڑے پیمانے پر کیا جائے اس سلسلے میں انھوں نے وزارت زراعت کی
کوششوں کا ذکر کیا کہ اس نے کچھ چنے ہوئے ضلعوں میں زراعت کی ترقی کا ہمہ گیر پروگرام شروع کیا ہے۔ اسی طرح وزارت
صحت نے چنے ہوئے بلاکوں میں صحتی پروگرام بڑے پیمانے پر شروع کیا ہے۔ اسی طرح کے اور بھی کام ہو سکتے ہیں۔

(ریاستی خبریں ۔ مشـ پـ ۱)

Registered No. D [illegible]
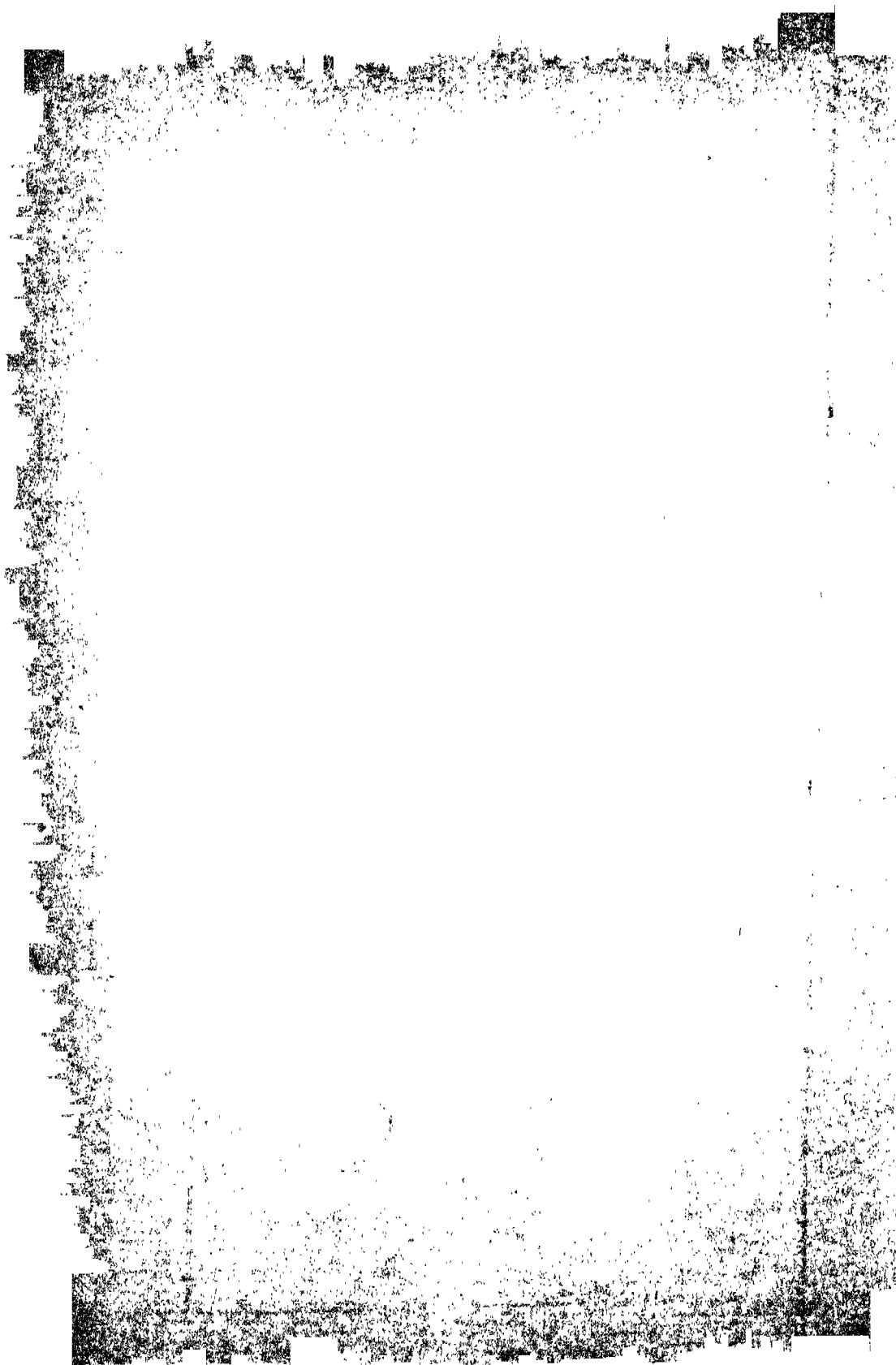
Printer and Publisher : BARKAT ALI Firaq
Printed at Rama Krishna Printing Press DELHI
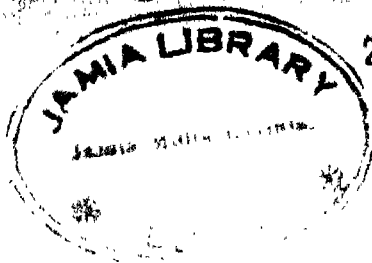
September 1962.
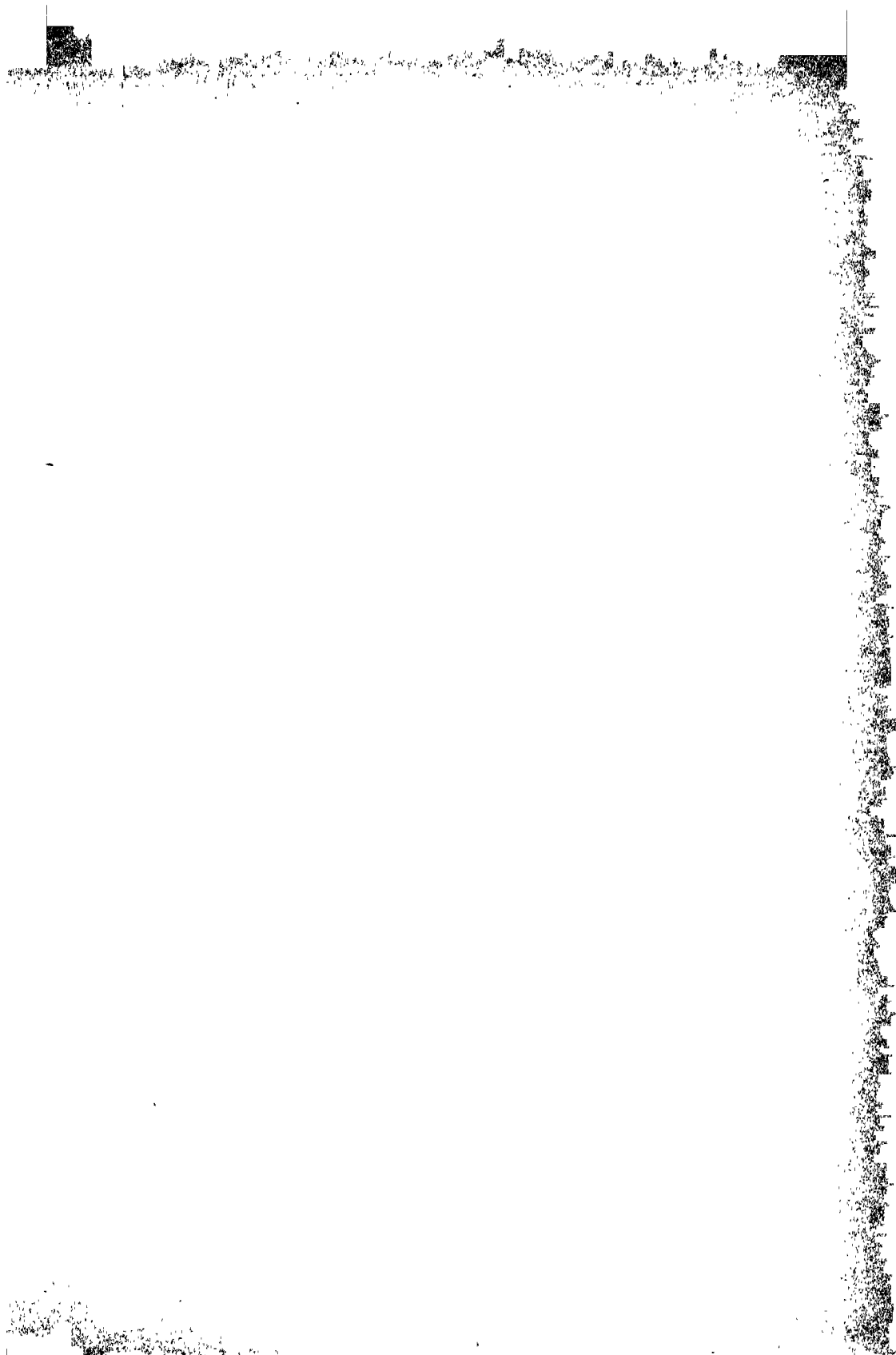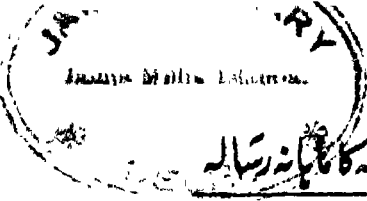
ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

ستمبر ۱۹۶۲ء

# تعلیم و ترقی

جلد ۱۳ —— شمارہ ۹

بانی:۔ شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر

پروفیسر محمد مجیب
برکت علی فراق
رفیق محمد شاستری

دفتر:۔
ماہنامہ تعلیم و ترقی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ
جامعہ نگر، نئی دہلی

قیمت :۔
سالانہ چار روپئے فی پرچہ ۳۷ نئے پیسے
ٹیلیفون:۔ ۴۴۴۶۴

## ترتیب



پرنٹر پبلشر برکت علی فراق نے کوہ نور پریس لال کنواں دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

## اشارات

# تاریخی موڑ

اطلاع ملی ہے کہ آگرہ اور راجستھان کی یونیورسٹیوں نے اپنے اپنے یہاں اس سال سے اڈلٹ ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ راجستھان یونیورسٹی نے یہ فیصلہ کچھ عرصہ پہلے کر لیا تھا مگر اس کے اوپر عمل اس سال سے کرنا طے کیا ہے۔ آگرہ یونیورسٹی نے بہر حال اسی سال فیصلہ کیا ہے اور اسی سال سے اس پر عمل کرنے کا ارادہ بھی رکھتی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ چند دوسری یونیورسٹیاں بھی اپنے اپنے یہاں اڈلٹ ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ قائم کرنے کی تجویز پر غور کر رہی ہیں۔

ان یونیورسٹیوں کا یہ فیصلہ بڑا نیک اور قابل مبارک باد فیصلہ ہے اڈلٹ ایجوکیشن کی ہندوستانی تحریک میں یونیورسٹیوں کی یہ عملی شرکت، ہمیں یقین ہے، اُس کے دھارے کو بدل دے گی اور اس کے حق میں یہ ایک تاریخی موڑ ثابت ہوگا۔

یونیورسٹیوں کی اب تک کی خاموشی اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک میں ایک معمہ بن گئی تھی۔ حیرت ہوتی تھی کہ یونیورسٹیاں جو قریب قریب ہر اعتبار سے برطانوی یونیورسٹیوں کے نمونے پر قائم ہوئی ہیں اور انھی کی روایات کی حرف بہ حرف تقلید کرتی ہیں، اس مخصوص معاملے میں اُن کی تقلید سے کیوں پہلو بچاتی ہیں! ان کے اس طرزِ عمل کو کچھ لوگ تو تن آسانی اور سہل پسندی پر محمول کرتے تھے اور کچھ لوگوں کا خیال یہ تھا کہ چونکہ برطانوی یونیورسٹیوں کے اڈلٹ ایجوکیشن کے ڈپارٹمنٹ بالغوں کی محض اعلیٰ تعلیم کا انتظام کرتے ہیں، اور اس کا یہاں کچھ بہت زیادہ موقع نہیں ہے اس لئے اس معاملے میں وہ خاموش ہی رہنا زیادہ قرینِ عقل سمجھتی ہیں۔ یہ خاموشی بہر حال اب ٹوٹی ہے اور یونیورسٹیوں نے اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کی آواز پر لبیک کہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ راہ کی تاریکی کے باوجود اس پر چل پڑنا بڑی جرأت کی بات ہے اور اس حوصلہ مندی کے لئے وہ تحسین وستائش کی مستحق ہیں۔

ابھی ان یونیورسٹیوں میں ڈپارٹمنٹ کے صرف قائم ہونے کی اطلاع ملی ہے۔ ان کے کام کا طریقہ کیا ہوگا؟ اڈلٹ ایجوکیشن کے باب میں وہ راستہ کون سا اختیار کریں گے؟ آیا اُن کا نقطۂ نظر وہی ہوگا جو برطانوی اور یورپ اور امریکہ کی دوسری یونیورسٹیوں کا ہے

یا اس ذیل میں ہندوستان کے مخصوص مسائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ کوئی نیا نقطۂ نظر ایجاد کریں گے؟ ان سوالات کا کوئی واضح جواب ابھی سامنے نہیں آیا ہے، اس لئے ان کے بارے میں کسی تنقید یا رائے زنی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ تجویز کے طور پر بہت سی باتیں کہی جا سکتی ہیں، اور ہمیں بھی ایک بات کہنی ہے۔

اڈلٹ ایجوکیشن اور سوشل ایجوکیشن کی تعریف کے باب میں ایک اختلافی کیفیت تو اُسی وقت سے پیدا ہو گئی تھی جب سے ملک میں اڈلٹ ایجوکیشن کی جگہ سوشل ایجوکیشن کی نئی اسکیم رائج کی گئی، لیکن ادھر کافی عرصے سے بالخصوص اس وقت سے، جب سوشل ایجوکیشن کا پروگرام کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے کاموں کا جزو قرار پایا، یہ الجھن بہت زیادہ بڑھ گئی ہے اور پورے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ سوشل ایجوکیشن یا اڈلٹ ایجوکیشن کی تعریف وتعبیر کے بارے میں لوگوں کے ذہن صاف ہیں۔ ظاہر ہے جب تک کسی تحریک کا بنیادی مقصد آئینے کی طرح صاف اور واضح نہ ہو، اُس وقت تک ان کی کامیابی مشتبہ رہتی ہے۔ چنانچہ یہ بات سب پر عیاں ہے کہ اگرچہ خاص سوشل ایجوکیشن کی تحریک کو شروع ہوئے چودہ سال ہو گئے لیکن ابھی تک اس کی منزل ہی آخری طور پر متعین نہیں ہو سکی۔ اس ناکامی کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے، اور ہمارے خیال میں ہے کہ لوگوں کو اپنی اپنی بات کی پیچ بھی صحیح راستے پر چلنے سے روکتی ہے۔ رات کی تاریکی تعصب اور ہٹ دھرمی کی کالی گھٹاؤں کی وجہ سے اور بھی تاریک ہو جاتی ہے۔

یونیورسٹیاں صرف تنظیم اور نظم ونسق ہی کے معاملے میں آزاد نہیں ہوتیں بلکہ خالصتہً علمی ادارہ ہونے کی وجہ سے فلسفیانہ اور لیڈرانہ تعصب سے بھی آزاد ہوتی ہیں اور چونکہ ان کی رائے مطالعہ وتحقیق کی بنیاد پر ہوتی ہے اس لئے صائب ہوتی ہے۔ ہماری تجویز ہے کہ یہ دو یونیورسٹیاں جنھوں نے اپنے یہاں اڈلٹ ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اپنا پروگرام ترتیب دیتے وقت اڈلٹ ایجوکیشن اور سوشل ایجوکیشن کی تعریف وتعبیر کو صفِ اوّل کے کاموں میں شامل کریں گی۔

# بالغوں کی تعلیم کا گُر

یہ مضمون کولمبیا یونیورسٹی کے استاد تعلیم پروفیسر برائسن کی کتاب کے ایک باب سے لیا گیا ہے۔ اس باب کے دو حصّے ہیں، ایک میں تعلیم بالغان کے اس اصول سے بحث کی گئی ہے جو اس کے اصلاحی منصب سے متعلق ہے یعنی ان بالغوں کی تعلیم جنھیں ابتدائی طور پر پڑھنا لکھنا سکھانا یا ابتدائی منزل سے ذرا آگے کی تعلیم دینا ہوتا ہے۔ دوسرے حصّے میں بالغوں کی اونچی تعلیم کے اصول سے بحث کی گئی ہے جو عام طور پر ایکسٹنشن ڈپارٹمنٹ کے ماتحت یونیورسٹیوں میں دی جاتی ہے۔

زیرِ نظر مضمون باب کے پہلے حصّے کا آزاد ترجمہ ہے؛ دوسرے حصّے کو ہم نے نظر انداز کر دیا ہے اس لئے کہ ہمارے یہاں بالغوں کی تعلیم کے اس پہلو کا رواج ابھی نہیں ہے۔

——— ایڈیٹر

ہر وہ تعلق جس میں ایک بالغ دوسرے بالغ کے تعاون سے کوئی نتیجہ بخش کام کرتا ہے، ایک طرح سے اڈلٹ ایجوکیشن ہے۔ لیکن یہاں ہماری بحث ان کم و بیش رسمی تعلقات سے ہے جو استاد اور طلبا کے درمیان ہوتے ہیں، چاہے یہ تعلق بزرگی اور خوردی کا ہو یا دونوں کے ہم عمر و ہم مرتبہ ہونے کی وجہ سے بے تکلفی کا۔ یوں تو ہم سے ہر شخص ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ سیکھتا ہے لیکن جب کوئی شخص کسی کو پڑھانے اور تعلیم دینے کی ذمّہ داری لے تو اُسے پڑھانے کا طریقہ سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دوسرے کیا جاننا اور سیکھنا چاہتے ہیں، ان میں اگر سب کے سب ان خیالات کو دوسروں کے ذہن نشین کرانے کا گُر جانتے ہوتے تو نہ تعلیم کے لئے کسی نظام کی ضرورت ہوتی نہ پڑھانے لکھانے کے فن کی۔ وحی و الہام کا اگر کوئی نعم البدل ہے تو وہ یہی طریقۂ تعلیم ہے۔ ایجر اور پیشہ ور میں فرق یہی ہے کہ پیشہ ور کو اپنا کام کرنے کا

باضابطہ طریقہ معلوم ہوتا ہے۔

جو شخص بالغوں کو پڑھانا چاہتا ہے اُسے سیکھنے کی نفسیات اور معلّمی کے کسی نہ کسی مستند نظام کے اصولوں کا جاننا ضروری ہے۔ مگر اِن اصولوں کا اسے سختی سے پابند نہیں ہونا چاہئے بلکہ ان میں لچک رکھنی چاہئے تاکہ وہ اپنے تجربے سے جو کچھ سیکھتا ہے اس کے مطابق انھیں ڈھال لے۔ پکی عمر کے لوگوں کے ٹھوس دماغوں کو نئے خیالات کی طرف موڑنے اور ان کی پختہ شخصیت میں کام کے نئے اصول اور طریقوں کا اضافہ کرنے کا سب سے اچھا طریقہ کیا ہے، اُس کے اوپر کوئی حکم لگانا بہت زیادہ قبل از وقت ہے۔ چنانچہ آگے چل کر جو کچھ کہا گیا ہے، وہ محض عارضی ہے۔ اس میں البتہ صرف یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کلاس کی قسم کی پڑھائی میں اور تحصیل علم کے لئے بالغوں کے دوسرے قسم کے گروہوں میں وہ اچھا طریقہ عمل کیا ہے جو دیکھنے میں سب سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔

بالغوں کی تعلیم کی کوئی شکل ہو، اس میں اُستاد کے لئے آسانیاں بھی ہیں اور مشکلیں بھی۔ ابتدائی تعلیم کے زمانے میں، جب مقصد بالغ کی تعلیمی کمیوں کو پورا کرنا ہوتا ہے ـــــ جسے اصطلاح میں اصلاحی دور کہہ لیجئے ـــ سب سے بڑی آسانی اور ایک طرح کا خطرہ بھی یہ ہوتا ہے کہ طالب علم کتاب یا اُستاد کو عموماً حرف آخر مان لیتا ہے۔ انگریزی کی صرف و نحو کی قواعد یا دستور کا مطلب جیسے شہری ہونے کے لئے ماننا فرض ہے، حتّٰی کہ اصول خانہ داری کی ابتدائی معلومات، یہ ایسی باتیں ہیں جو بالعموم بغیر کسی اختلاف و اعتراض کے تسلیم کر لی جاتی ہیں۔ بالغوں کی تعلیم میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ طالب علم کو آزادی حاصل ہونی چاہئے، وہ یہاں کم سے کم ہوتی ہے؛ بلکہ اس کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ یہ کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سیکھنے کا عمل آسان ہوتا ہے بلکہ صرف یہ ہے کہ طلباء کی اپنی رائیں جو سیکھنے کے عمل میں رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں اور جنھیں اُستاد کو دور کرنا پڑتا ہے، ان کا یہاں موقع نہیں ہوتا۔ یہ رکاوٹیں بالغ طالب علم کی عادت، اس کی جھجھک اور دماغ سے کام لینے کے اس نئے تجربے کی مشکلات میں مضمر ہوتی ہیں۔ اگر طریقۂ تعلیم میں بنیادی اُصول یہ بنایا گیا ہو کہ طالب علم کی مشکلات کو سمجھنا اور اس کی صلاحیتوں کو تسلیم کرنا پہلی شرط ہے تو ہم اپنے کام کی ابتدا یہیں سے کر سکتے ہیں یعنی معلوم کریں کہ بالغوں کی کیا معذوریاں ہوتی ہیں اور اس کے اندر کیا صلاحیتیں پوشیدہ ہیں۔

طالب علم کی مشکلات ہی کو سمجھ لینا سب کچھ نہیں ہے۔ اس کی بھی ضرورت ہے کہ اس کے اندر جو صلاحیتیں پوشیدہ ہیں انکو تسلیم کیا جائے اور وہ جو مقاصد لے کر آیا ہے، اُن سے ہمدردی اور اتفاق ظاہر کیا جائے۔ اس لئے کہ اُستاد نے جن مشکلات کی کھوج لگائی ہے، ان پر قابو پانے میں طالب علم کی مدد وہ اسی وقت کر سکتا ہے جب اس کی قوتوں اور صلاحیتوں کا بھی اُسے علم ہو جنھیں وہ اس کی تعلیم کے لئے وسیلے کے طور پر استعمال کرے گا۔

غرض تعلیم کے ابتدائی اصلاحی دور میں بالغ طالب علموں کو پڑھانے کے لئے پہلی ضرورت یہ ہے کہ اُن کی مشکلات کو خوب اچھی طرح سمجھ لیا جائے تاکہ کسی وقت اُن کا حوصلہ ٹوٹنے نہ پائے اور وہ اپنی مہم میں تیزی سے منزل پہ منزل طے کرتے چلے جائیں۔ اس کے لئے اُستاد کو اپنے تئیں دو باتوں کا پابند کرنا ضروری ہے۔ ایک پڑھائی کی رفتار کے معاملے میں اور دوسرے مضمون کی تقسیم کے معاملے میں۔ اگر یہ دیکھا جائے کہ بالغ میں سیکھنے کا اتنا ہی مادہ ہوتا ہے جتنا بچوں میں، لیکن بچوں کی سی تیز رفتاری نہیں ہوتی تو پڑھائی کی تنظیم اس طرح کرنا چاہئے کہ سیکھنے کے عمل میں وہی رفتار ہے جس کا زیادہ سے زیادہ وہ حامل ہو سکے۔ جن اُستادوں کو پڑھائی کے کمرے کے اندر صرف بچوں کو پڑھانے کا تجربہ ہوتا ہے ان سے اِس معاملے میں عموماً غلطی سرزد ہو سکتی ہے۔ بچوں کو پڑھانے والا استاد جانتا ہے کہ تھوڑا سا نفسیاتی دباؤ ڈال دینے سے بچے بڑی تیزی سے کام کریں گے اور ان کے کام کا نتیجہ اچھا ہو گا۔ بچوں کی تعلیم ایسے حالات میں ہوتی ہے کہ پڑھائی کو ان کے اوپر عائد کیا جا سکتا ہے؛ پڑھائی کو عائد کرنا تعلیم کا بہت اچھا طریقہ تو نہیں ہے لیکن یہ طریقہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یعنی پڑھائی کی منزلیں طے کر کے بچوں کو ان کی طرف ڈھکیلا جا سکتا ہے۔ اُستاد کی طرف سے بچے کے اوپر یہ دباؤ اس انداز میں ڈالا جا سکتا ہے کہ بچے کے دل میں کامیابی کی امید سے زیادہ ناکامی کا خوف پیدا ہو جائے۔ اگرچہ یہ کہنا تو مشکل ہے کہ آمریکہ میں آج کل پڑھائی کا یہ طریقہ کس حد تک رائج ہے، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ طریقہ روائتی ضرور ہے اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ عام طور پر اسی پر عمل بھی ہوتا ہو لیکن طالب علم اگر بالغ ہو تو پڑھائی کا یہ طریقہ تباہ کُن ہو جاتا ہے۔ ایک بالغ عورت یا مرد جس نے سر بازار تسلیم کر لیا ہے کہ اُسے پڑھنا لکھنا نہیں آتا اور وہ اپنا فرصت کا وقت اور اپنا دماغ اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے لگا رہا ہے تو اس حالت میں اُس کے اوپر کسی قسم کا دباؤ ڈالنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ بالغوں کے بہت سے معلّم اپنی بے صبری اور احساس برتری کے ماتحت اپنے بالغ شاگردوں کو بچوں کے سے ضبط و نظم کا پابند بنا کر بہت بڑی غلطی کرتے ہیں لیکن اس طرح کی غلطیاں پھر بھی اتنی شدید نہیں ہیں جتنی شدید جلد بازی کی غلطی ہے۔

خود پیچھے کھڑے رہ کر لوگوں کو ایک پہلے سے مقرر کی ہوئی منزل کی طرف دھکا دینے والے "حاکم" کے مقابلے میں بالغوں کا وہ معلّم زیادہ کامیاب رہتا ہے جو کاروان سالار کا کردار ادا کرتا ہے اور اپنے ساتھیوں کو ایسی راہ پر لے چلتا ہے جس میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر فرلانگ اور میل کے نشانات بنے ہوتے ہیں۔ یہ دوسری پابندی ہے جو بالغوں کے استاد کو اپنے اوپر لینی چاہئے۔ یعنی یہ کہ اُسے اپنا کام چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر کے کرنا چاہئے۔ اُستاد کو چاہئے کہ وہ اپنے طالب علموں کو اس تدریجی سلسلۂ اسباق کی راہ پر آہستہ آہستہ لے چلے اور اس بات کو ہر وقت نظر میں رکھے کہ بالغ طلبا بے حد حساس اور آسانی سے ہمت چھوڑ دینے کے عادی ہوتے ہیں، کہیں پڑھائی کے عمل میں اس کی تیز رفتاری ان کا حوصلہ نہ توڑ دے! اسی کے

ساتھ ہر اُس موقعے پر جب طالب علم کامیابی دکھائے اُستاد کو چاہیے کہ اُسے اپنی مہم میں کامیابی کا یقین دلاتا رہے۔ اس سے اُسے اپنی کوششوں میں کامیابی کا مسلسل یقین ہوتا رہتا ہے اور یہی یقین و ایمان وہ ذریعہ ہے جس سے اُسے اپنی اس کوشش میں ثابت قدم رکھا جاسکتا ہے۔

تعلیم کے اس ابتدائی دور میں اُستاد کو یہ خیال بھی ہر وقت رکھنا چاہیئے کہ مطالعہ دراصل ایک عادت ہے، جو ہم میں سے اکثر لوگوں کو بچپن میں پڑتی ہے۔ جب یہ بعد میں سیکھی جاتی ہے تو، جیسا کہ بدقسمتی سے عام دستور ہوگیا ہے، اُسے آسانی سے بھلایا بھی جاسکتا ہے یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جنھیں یہ عادت پڑ چکی ہے، اس بھلائی ہوئی چیز کو واپس حاصل کرنے میں رکاوٹ محسوس کرتے ہیں۔ ابتدائی دور کی تعلیم حاصل کرنے والے بہت سے بالغ طالب علم ایسے ملیں گے جنھیں مطالعے کی یہ عادت پڑی ہی نہیں، اس لئے کہ ان کا اسکول کا تجربہ اتنا مختصر تھا کہ علم میں کمال حاصل کرنے کے لئے دماغ کو استغراق اور محویت کا عادی بنانے کی جو ضرورت ہوتی ہے، وہ ضرورت پوری نہیں ہوسکی۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیم کا ایک ایسا طریقہ اختیار کرنا جس میں طالب علم کو قدم قدم پر کامیابی کا یقین ہوتا رہے، بہت زیادہ ضروری ہے۔ پھر چونکہ دماغ کو متوجہ رکھنا واقعی بہت مشکل ہوتا ہے اس لئے اس کی بھی ضرورت ہے کہ کلاس کی سرگرمیوں کی نوعیت جلد جلد بدلتی رہے تاکہ دماغ کو تھکن اور کوفت کا احساس نہ ہونے پائے۔

یہ بات بھی بالغوں کے اُستاد کو یاد رکھنی چاہیئے کہ مختلف کاموں کے لئے قوتِ برداشت کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں، وہ خاص قوتِ برداشت جو مسلسل ذہنی کام کے لئے ضروری ہوتی ہے، ایسے لوگوں میں عام طور پر نہیں ہوتی جن کا تعلیمی تجربہ کم اور ناقص رہا ہو۔ اب جب یہ نہیں ہے تو طالب علم کے اندر ایک طرح کی ہمت ہونی چاہیئے جو ذہنی کے بجائے ایک اخلاقی صفت ہے۔ (یعنی یہ کہ اس کے اندر یہ جذبہ پیدا کیا جائے کہ اگر وہ اپنی اس کوشش میں ثابت قدم رہا تو شہرت اور تعریف ہوگی، اور اگر میدان چھوڑ کر بھاگ گیا تو بزدلی اور کم ہمتی کا الزام لگے گا)۔ اگر ان طالب علموں میں ذہنی کام کرنے کی طاقت محض اس وجہ سے کم ہے کہ ان کے سماجی نظام کے نقص کی وجہ سے انھیں تعلیم نہیں ملی، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ خود ان کے اندر کوئی ذہنی نقص ہے تو جو بات ابھی اوپر کہی گئی ہے، اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ ناتجربہ کار استادوں سے عام طور پر جو غلطی ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ سمجھنے کی رفتار میں سستی کو وہ بالغ کی بے وقوفی پر محمول کرتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ اس کے برعکس یہ ہوسکتا ہے کہ سمجھ کی یہ سست رفتاری انھیں تعلیم کا تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے ہو۔

ابتدائی دور کے طریقۂ تعلیم کے ان عام آداب و ضوابط کے علاوہ بالغوں کے اُستاد کو درجے میں دلچسپی اور

گرما گرمی پیدا کرنے کے لئے طرح طرح کے چٹکلے اور ترکیبیں افراط سے معلوم ہونی چاہئیں۔ ان میں سے بیشتر ترکیبیں تو اُستادوں کی رہنمائی کرنے والی مروجہ کتابوں میں لکھ دی گئی ہیں۔ لیکن استاد اگر طباعی سے کام لے تو اس سمت میں وہ مسلسل نئے نئے تجربے اپنے طور پر بھی کرسکتا ہے؛ اور پرانے مسائل کو حل کرنے کے نئے نئے گُر نکال سکتا ہے۔ اس کوشش میں قدرتی بات ہے کہ اُسے اپنے بالغ شاگردوں کی روزمرہ کی زندگی کے تجربات کا مشاہدہ و مطالعہ کرتے رہنا چاہئے تاکہ طلباء کے سامنے وہ جو مواد پیش کرے اُسے دیکھ اور سُن کر وہ زبانِ حال سے کہہ اٹھیں کہ

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

طریقۂ تعلیم کے بارے میں یہ خیالات و افکار کسی حیثیت میں تعلیم کے بنیادی مقصد سے مختلف و متضاد نہیں ہیں یعنی یہ مقصد کہ نئے نئے علوم کا پورا خزانہ طالب علم کے بڑھتے اور پھیلتے ہوئے ذہنی تجربے کے لئے کھول دیا جائے۔ اگر وہ کامیابی کے ساتھ سیکھ اور پڑھ لکھ رہے ہیں تو بڑی خوشی اور فخر سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ علوم کی سب سے اہم اور قیمتی چیز حاصل کر رہے ہیں یعنی حصول علم کی مسرت اس طرح وہ علوم کی کُنجی اور اس کُنجی کو کام میں لانے کی خواہش، دونوں چیزیں بہ یک وقت حاصل کر رہے ہوں گے۔

## بھارت سیوک سماج کا کیمپ

بھارت سیوک سماج کے کارکنوں کا ایک کیمپ ۱۹ سے ۲۱ ستمبر تک نئی دہلی میں ہوا۔ گاؤں میں گوبر گیس کو مقبول بنانے کے طریقوں کے متعلق شری شالگ رام نیھک نے اپنے تجربات ان کارکنوں کے سامنے پیش کئے۔

۲۰ ستمبر کی صبح کے مباحثے میں شری شالگ رام نیھک (کیمپ ڈائرکٹر) کے علاوہ شری ایس۔ سی۔ دتہ جنرل سکریٹری انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن اور شری برکت علی فراقؔ ایڈیٹر تعلیم و ترقی نے بھی کارکنوں سے خطاب کیا۔

# جمہوریت کی تعلیم

کسی جمہوری ریاست کی سماجی قدر و قیمت اور استحکام کا صحیح معیار اس کے عام شہریوں کی صلاحیت ہوا کرتی ہے۔ ملک کے مفاد کے لئے کام کرنے والوں کی اگوائی ایک خاص حد تک اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ مگر یہ کامیابی محدود اور ناپائیدار قسم کی ہوگی۔ اس سے جمہوریت طلوع نہیں ہوگا۔

ہندوستان کی موجودہ اگوائی ان شرائط میں سے بہت سی شرطوں پر پوری اترتی ہے جو ملکی روایات اور اصول کی طرف سے ایک جمہوری اگوائی پر عائد ہوتی ہیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے پاس کام کرنے کے لئے جو ذرائع ہیں، وہ بہت ہیچ اور کم قیمت قسم کے ہیں۔ مقصد اور عمل کو باہم مربوط کرنے کا کام روز افزوں مشکل ہوتا جا رہا ہے اور اگر ابتدائی رکاوٹوں کو دور نہ کر لیا گیا، تو اس کے بعد دوسرا مرحلہ طے کرنا اس سے بھی مشکل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ جن چیزوں کو شروع کیا گیا ہے، انھیں پورا کرنے کے لئے جس قسم کی صلاحیت کی ضرورت ہے، وہ پیدا نہیں ہو رہی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے ہمارا مستقبل اس بات پر منحصر نظر آتا ہے کہ ہم کتنی تیزی کے ساتھ عوام کی تعلیم و تربیت کرتے ہیں تاکہ وہ ان ذمّے داریوں کو اُٹھانے کے قابل ہو جائیں جو ان کے اوپر عائد ہوتی ہیں۔ ہمیں صرف بچوں ہی کو تعلیم نہیں دینی ہے بلکہ ان بالغوں کی بھی تربیت کرنی ہے جن کے درمیان بچوں کی پرورش ہوتی ہے۔ بچوں کو ذمّے داری اُٹھانے کی عمر تک پہنچنے میں عرصہ لگے گا اور اگر وہ مجہول، مغلوب الذہن اور افسردہ قسم کے بالغوں کے ماحول میں سن بلوغت تک پہنچتے ہیں، تو ان سے اس جوش و ولولے کی امید نہیں کی جا سکتی جو تعمیر جمہوریت کے لئے بمنزلہ شرط کے ہے۔

ہم اس پہاڑ جیسے کام کو بہت بڑے پیمانے پر شروع کرنے کا حوصلہ کر کے اُسے آسان نہیں بنا ئیں گے۔ بڑے پیمانے پر کوئی نتیجہ خیز کام شروع کرنے کے لئے جس قسم کی معلومات اور طریقۂ کار کی ضرورت ہے، وہ ہمیں میسر نہیں ہے۔ اس لئے ہمیں تجربی بنیاد پر کام کرنا ہوگا۔ مگر اس پیمانے پر نہیں کہ تجربات بہت زیادہ قیمتی پڑیں یا ہمارے دل توڑ دیں۔ پھر داجب اور نام کی کامیابی سے ہمیں مطمئن نہیں ہو جانا چاہیئے۔ اگر کسی بالغ نے دستخط کرنا سیکھ لیا تو یہ کچھ بہت زیادہ نہیں ہے۔ اس کا کام تو اس کے بغیر بھی چل سکتا ہے۔ ہمیں ایسے بالغوں کی ضرورت ہے جو خواندہ ہوں مگر کیسے خواندہ؟ ایسے جو پڑھ لکھ سکیں، جن میں علم کی لگن پیدا ہو گئی ہو، جن میں ایک بھرپور زندگی کی تمنا بیدار ہو گئی ہو، جنھیں دیکھ کر کچھ ایسا محسوس ہو کہ وہ اب جو آگے بڑھے ہیں تو ایک حقیقی اور مستحکم جمہوریت کی تعمیر سے کم تر کسی منزل پر دم نہیں لیں گے۔

# خواندگی اور سوشل ایجوکیشن

نیچے کا مضمون ایک لیکچر کا پہلا تمہیدی حصّہ ہے جو پچھلے دنوں دہلی ایڈمنسٹریشن کے سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کے اعادی ٹریننگ کیمپ میں دیا گیا تھا۔ اس حصّے میں مقالہ نگار نے سوشل ایجوکیشن کے تصوّر میں خواندگی سے بحث کی ہے۔

لیکچر کا دوسرا حصّہ خواندگی کی تعلیم کے مختلف طریقوں سے متعلق ہے۔ اگر آئندہ موقع ہوا تو ہم اس حصّے کو بھی شائع کرنے کی کوشش کریں گے۔

—— ایڈیٹر

## اڈلٹ ایجوکیشن: ایک غلط فہمی

ہندوستان میں اڈلٹ ایجوکیشن کے باب میں لوگ ایک عرصے سے ایک غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اُسے خواندگی کی تعلیم کا دوسرا نام کہا جاتا ہے، اور ذمّے دار سے ذمّے دار شخص اُسے ایک حقیر سی چیز سمجھ کر ٹال دیا کرتا ہے۔ جب کبھی کوئی شخص جسے دوسرے ملکوں کی اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریکوں کا علم ہوتا ہے، اڈلٹ ایجوکیشن کا نام لیتا ہے تو اُسے جواب ملتا ہے "اڈلٹ ایجوکیشن! یعنی خواندگی! جنابِ والا، ہندوستان جیسے ملکوں کو جنھیں تیز تیز قدم بڑھا کر ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں پہنچنا ہے، محض ایڈلٹ ایجوکیشن —— صرف خواندگی کی ضرورت نہیں ہے۔" کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی وزارت کے ایک کتابچے میں جس کا عنوان "سوشل ایجوکیشن" ہے، لکھا ہے "سوشل ایجوکیشن کا ایک ایسا تصوّر جو بالخصوص خواندگی کی اشاعت تک محدود ہو بہت زیادہ تنگ تصوّر ہے۔" اس بیان کا اشارہ سوشل ایجوکیشن کے اُسی تصوّر کی طرف ہے جسے اڈلٹ ایجوکیشن کہا جاتا ہے اور جس کا

اس کتاب میں آگے چل کر کسی قدر تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

اب جو لوگ سوشل ایجوکیشن کے تصور سے پہلے اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک میں کام کر رہے تھے یا جن لوگوں نے سوشل ایجوکیشن کے تصور کی بنیاد ڈالی اُن کے بارے میں یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ لوگ اڈلٹ ایجوکیشن کے صحیح تصور سے ناواقف تھے۔ وہ سب کے سب لوگ پڑھے لکھے تھے اور پڑھے ہی لکھے نہیں، بلکہ ان ملکوں میں رہ کر تعلیم پا چکے تھے جہاں اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کی بڑی لمبی چوڑی تاریخ ہے اور جہاں اس ترقی یافتہ زمانے میں بھی اڈلٹ ایجوکیشن قومی نظامِ تعلیم کا ایک لازمی جزو بنی ہوئی ہے۔ واقعہ دراصل یہ ہے کہ جن مفکروں نے ہندوستان میں اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کی بنیاد ڈالی انھوں نے دیکھا کہ یہاں جب اسّی نوّے فی صدی بالغ ان پڑھ ہیں، تو اڈلٹ ایجوکیشن کا پہلا منصب یہی ہے کہ پہلے انھیں خواندہ بنایا جائے! اور جب وہ خواندہ ہو جائیں، اس کے بعد اڈلٹ ایجوکیشن کے وسیع مفہوم کے مطابق پروگرام چلائے جائیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اڈلٹ ایجوکیشن کا وسیع مفہوم کیا ہے، تو یہ بڑی لمبی بحث ہے جس کا یہاں موقع نہیں ہے۔ اگر آپ کو اس بحث سے دلچسپی ہے تو "دا ایس اڈلٹ ایجوکیشن کو" کے زیرِ عنوان میرے مضامین کا وہ سلسلہ پڑھ لیجئے جو میں نے ماہنامہ تعلیم وترقی کی سنہ ۱۹۶۱ء کی جلد میں لکھے تھے۔

یہ غلط فہمی بہرحال ایک سوال قائم کر کے دور ہو سکتی ہے۔ وہ سوال یہ ہے کہ اگر اڈلٹ ایجوکیشن خواندگی کا دوسرا نام ہے یا اگر اس کا تصور صرف خواندگی کی اشاعت تک محدود ہے تو پھر دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں میں — جیسے برطانیہ، فرانس، جرمنی، ڈنمارک، سوئیڈن، ہالینڈ، بلجیم، اور اُدھر امریکہ میں، جہاں ناخواندگی نام کو بھی کہیں نہیں پائی جاتی — وہاں اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریکیں کیوں زوروں پر ہیں؟ اور اُسے قومی نظامِ تعلیم کے ایک لازمی جزو کے طور پر کیوں تسلیم کیا جاتا ہے؟

## ایک تلخ حقیقت

واقعہ یہ ہے کہ سوشل ایجوکیشن کے پروگرام میں جو کام سب سے زیادہ مشکل اور کارکن کو آزمائش میں ڈالنے والا ہے، وہ یہی خواندگی کی تعلیم ہے۔ آزادی سے پہلے تو چونکہ اڈلٹ ایجوکیشن کا کام ثواب اور خدمتِ خلق سمجھ کر کیا جاتا تھا اور اس میں بیشتر وہی لوگ ہاتھ ڈالتے تھے جن کے سامنے خدا کے محروم بندوں کی خدمت کر کے اس کے نزدیک سرخرو ہونا بہت بڑا مقصد ہوتا تھا، اس لئے کام کی کٹھنائی کے باوجود وہ لوگ اس میں دل وجان سے لگے رہتے تھے۔ اس محنت اور جانفشانی کا صلہ اُن کے نزدیک خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ مگر آزادی کے بعد کے دور میں جب سے یہ کام براہِ راست حکومت اور سرکاری امداد قبول کرنے والے اداروں نے اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کے لئے تنخواہ دار کارکن اور ملازم

مقرر کئے گئے۔ اس وقت سے خواندگی کی تحریک آہستہ آہستہ کمزور پڑنے لگی اور وہ وقت آگیا جب عوام کی تعلیم کے لئے خواندگی کو علی الاعلان غیر ضروری قرار دے دیا گیا۔ تقریباً یہی وہ زمانہ ہے جب اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کی جگہ سرکاری طور پر سوشل ایجوکیشن کی اسکیم پیش کی گئی اور تحریک کا جھنڈا خود حکومت نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس اسکیم کے جو پانچ بنیادی مقاصد مقرر کئے گئے، ان میں بھی خواندگی کا نام ہے بلکہ اس کے بجائے "تہذیب و تمدن کی ترقی" کے الفاظ ہیں خواندگی کے بارے میں یہ تعبیر کی گئی ہے کہ وہ تہذیب و تمدن کی ترقی کے پروگرام کا ایک منطقی نتیجہ ہے اور سوشل ایجوکیشن کے کارکن کی سمجھ میں اتنی بات آنی چاہیئے کہ تہذیب و تمدن کی ترقی کے لئے خواندگی پہلی شرط ہے۔ مگر واحد اور آخری شرط نہیں اس لئے کہ تہذیب و تمدن کی تعریف میں اور بھی بہت سی چیزیں شامل ہیں۔

سوشل ایجوکیشن کا تصور قائم کرنے والوں کی نیت یقیناً نیک تھی؛ انھوں نے اڈلٹ ایجوکیشن کا نام ترک کر کے سوشل ایجوکیشن کا نام عوام کی تعلیم کی تحریک کو اس لئے دیا تھا کہ سبب خواہ کچھ ہی رہا ہو یہ بہرحال واقعہ تھا کہ اڈلٹ ایجوکیشن کے نام سے ذہنوں میں خواندگی کی تعلیم ہی کا تصور آتا تھا اور چاہے وہ اڈلٹ ایجوکیشن کی کتنی ہی مفصل تعبیر کیوں نہ کرتے یہ تحریک صرف خواندگی کی تعلیم ہی تک رہ جاتی۔ اُن کے پیش نظر عوام کی تعلیم کا ایک وسیع تر مفہوم تھا جسے ان کے نزدیک اسی (سوشل ایجوکیشن) کے نام سے ظاہر کیا جا سکتا تھا۔ اس نیک نیتی کا ثبوت اس واقعے سے ملتا ہے کہ اس نئے تصور (سوشل ایجوکیشن) کے نفاذ کے دو تین سال تک سرکاری اور غیر سرکاری دونوں طرح کے اداروں کی طرف سے جو کچھ کام ہوا اس میں خواندگی کی تعلیم بھی بہرحال شریک پروگرام رہی۔ اسی زمانے میں انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام جبل پور میں پہلا نیشنل سیمنار منعقد ہوا اور اس نے سوشل ایجوکیشن کی اسکیم میں خواندگی کا ذکر نہ ہونے کے باوجود خواندگی کی تعلیم ہی کو اپنا موضوعِ بحث بنایا اور سفارش کی کہ خواندگی کی ٹکسال کوششوں سے چونکہ اب تک کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں برآمد ہوا ہے اس لئے اب یہ کرنا چاہیئے کہ چھوٹے چھوٹے احاطہ بند علاقوں کو لے کر خاتمۂ ناخواندگی کی مہمیں منظم کی جائیں۔ اس طرح جب ایک علاقے سے ناخواندگی نیست و نابود ہو جائے گی اور اس واقعے کو شہرت ملے گی تو اس سے اثر لے کر آس پاس کے علاقوں میں نفسیاتی طور پر خواندگی کا شوق پیدا ہوگا اور وہاں خاتمۂ ناخواندگی کی مہم منظم کرنے میں آسانی ہوگی۔ سوشل ایجوکیشن کے ابتدائی پروگراموں میں جبل پور نیشنل سیمنار کی اس سفارش پر بھی کہیں کہیں عمل ہوا لیکن ان مہموں میں وہی خواندگی کی تعلیم کی کٹھنائی اور افسروں اور کارکنوں کی سہل پسندی رکاوٹ بن کے سامنے آئی اور غالباً کسی جگہ بھی یہ مہم کامیاب نہ ہو سکی۔ آخر ہوتے ہوتے یہ ہوا کہ سوشل ایجوکیشن کی اسکیم کے الفاظ کی آڑ لے کر قریب قریب ہر جگہ چاہے وہ سرکاری ادارہ تھا یا غیر سرکاری، خواندگی کو سوشل ایجوکیشن کے پروگرام

سے غیر ضروری قرار دے کر خارج کر دیا گیا۔

دوستو! خواندگی کا کام کٹھن ہے اور بہت کٹھن، اور میرا خیال ہے کہ سوشل ایجوکیشن کے پروگرام سے اس کام کو خارج جو کیا گیا ہے اس کے پیچھے سب سے بڑا محرک اس کی یہی کٹھنائی تھی۔ سب سے پہلی چیز جو کارکن کی کمر توڑ دیتی ہے یہ ہے کہ وہ ابتدا میں بیس پچیس آدمیوں کی کلاس جماتا ہے مگر ایک ہفتہ بھی نہیں گذرنے پاتا کہ کلاس کی حاضری نصف سے بھی کم رہ جاتی ہے، دس پانچ دن اور گذرے تو معلوم ہوا کہ پچیس کے اب سات ہی رہ گئے۔ اب کارکن غریب کیا کرے؟ اُسے تو اپنے افسروں کو رپورٹ دینی ہوتی ہے، اب اگر وہ سچی صورتِ حال پیش کرتا ہے تو نالائق قرار پاتا ہے، گڑھی ہوئی رپورٹ سے ایک آدھ بار کام چلے گا، ہمیشہ تو نہیں چلے گا۔ افسر صاحبان بھی اس صورتِ حال کو بھانپ جاتے ہیں، اور اپنی مغلوبیت کے احساس سے بچنے کے لئے آئندہ کے پروگرام سے اس عذاب ہی کو کاٹ دیتے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ کہنے کا منشا یہ ہرگز نہیں ہے کہ میں آپ کی حوصلہ شکنی کر رہا ہوں، جی ہرگز نہیں۔ مجھے معلوم نہیں آپ کا ڈپارٹمنٹ یا دوسرے سرکاری محکمے اس کی کہاں تک اجازت دیں گے، مگر میرا بہر حال کہنا ہے کہ اگر آپنے ایک کوشش میں پانچ ان پڑھوں کو بھی کام کے لائق خواندہ بنا لیا تو آپ کی کارکردگی اور فرض شناسی پر بالکل حرف نہیں آتا، بشرطیکہ آپ نے اپنی کوشش اور محنت میں کمی نہ کی ہو اور آپ کے کام سے آپ کا ضمیر مطمئن ہو۔

## امید کی جھلک

ساتھیو! سوشل ایجوکیشن کی تحریک مبارک باد کی مستحق ہے کہ ایک عرصے تک آوارہ گردی کرتے رہنے کے بعد اب پھر اپنے صحیح مقام کی طرف لوٹ پڑی ہے اور خواندگی کے پروگرام کو جس کے ساتھ ایک عرصے تک سرد مہری کا سلوک کیا جاتا رہا ہے، اب ضروری تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اگرچہ ملک کی ترقی اور تعمیر کی منصوبہ بندی کرنے والوں نے اس پروگرام پر ابھی جی کھول کر پیسہ صرف کرنے کی آمادگی تو ظاہر نہیں کی ہے، لیکن بسم اللہ بہر حال ہو گئی ہے اور یہ بڑا حوصلہ افزا شگون ہے اور اس سے امید ہوتی ہے کہ اب اس سے آگے عوام کی تعلیم کی تحریک خواہ پہلے سوشل ایجوکیشن ہی کے نام سے، مگر چلے گی اسی راستے پر جو اڈلٹ ایجوکیشن کے علما اور مفکرین نے صدیوں کے تجربے کے بعد قائم کر دیا ہے، اور جسے سو فی صدی تعلیم یافتہ ملکوں نے اب تک اپنے سینے سے لگا رکھا ہے۔

آپ سب عوام کے ساتھ رہتے سہتے ہیں اور آپ سے امید کی گئی ہے کہ آپ انھیں اپنی زندگیاں سنوارنے کے لئے آمادہ کریں گے۔ اس مقصد کے لئے آپکے ہاتھ میں سوشل ایجوکیشن کا اوزار دیا گیا ہے۔ یقین رکھئے خواندگی کی حیثیت اس اوزار کے دستے کی ہے: اگر آپ نے یہ راز سمجھ لیا تو مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے اس پاک مشن میں کامیاب رہیں گے۔

# پنچایتوں کے ذریعہ فیملی پلاننگ

آج دنیا کے ترقی یافتہ اور غیر ترقی یافتہ ملکوں کے لئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ وہ بڑھتی ہوئی آبادی کے خطرات سے مستقبل کے آرام و اطمینان کی زندگی کو محفوظ رکھنے کی تدبیریں کریں۔ دراصل اس عالمگیر مسئلے کے حل میں چھوٹے بڑے سبھی ملکوں کے تمام باشندوں کا تعاون ضروری ہے۔ اسی نقطۂ نظر سے جب ہم کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور پنچایتی راج کی ترقی کی بات کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میدان میں خاطر خواہ کامیابی اس عالمگیر مسئلے کی طرف سے نظر چرا کر نہیں حاصل کی جا سکتی ہے۔ پنچایتی راج کے توسط سے جہاں گاؤں کی بھلائی کے بہت سے کام کئے جا رہے ہیں، وہاں ضبط تولید اور فیملی پلاننگ کے لئے بھی کچھ کام اس میں ضرور شامل ہونے چاہئیں۔

## گاؤں والوں کا طرز فکر: اولاد خدا کا سب سے بڑا انعام ہے

پنچایتی راج کے توسط سے ہی گاؤں میں فیملی پلاننگ کو مقبول بنایا جا سکتا ہے۔ ہمارے گاؤں واسیوں کا سوچنے کا جو طریقہ ہے اس میں فیملی پلاننگ کی اصولی اور عملی بنیادوں کو سمجھنا ان کے لئے بہت ہی مشکل ہے۔ ہندوستان کے لوگ سدا سے تقدیر پرست رہے ہیں۔ وہ اپنی مذہبی اور سماجی روایات سے جکڑے ہوئے ہیں، وہ اولاد کو خدا کا سب سے بڑا انعام مانتے ہیں۔ بھلا اسے ٹھکرانا اور اولاد کی پیدائش کے خلاف ایک لفظ سننا بھی وہ کیسے گوارہ کر سکتے ہیں۔ ان کی نظر تو مادی زندگی کے پار کسی روحانی قوت پر جمی ہوئی ہے۔ ان کی نظر کو وہاں سے ہٹا کر مادی زندگی پر لانا بہت مشکل اور صبر طلب کام ہے۔

## پنچایتوں سے روائتی وابستگی

گاؤں میں پنچوں کی آواز پرمیشور کی آواز مانی جاتی ہے۔ ایک ادارے کی حیثیت سے پنچایتیں گاؤں میں سب سے زیادہ مقبول ہیں ان کی مدد سے بڑے سے بڑے کام آسانی سے کئے جا سکتے ہیں۔ یہ ہمارے لئے بہت فخر کی بات ہے کہ ہماری

پنچائتیں عوامی اعتقادات کی دھروہر کو سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں۔ اسی لئے گاؤں کی زندگی میں ان کا اثر ہے۔ اگر پنچائتیں اپنی اس ہر دل عزیزی اور گاؤں کی اندرون خانہ زندگی میں اپنی پہنچ اور گرفت کو اسی طرح بنائے رکھ کر گاؤں کی زندگی میں کچھ نئی اور ترقی پذیر باتوں کو داخل کردیں تو یہ ایک بہت بڑا کام ہوگا۔ اس سے لوگوں کے سوچنے کے طریقے میں ایک وسعت اور عوامی اعتقادات میں کچھ نئی روایات کی داغ بیل بھی پڑے گی۔

## پنچایتوں کے سہارے فیملی پلاننگ

آج ایک بڑا مسئلہ گاؤں میں فیملی پلاننگ کو مقبول بنانے کا ہے۔ پنچائتیں اگر یہ کام اپنے ہاتھ میں لیں اور اس میں پوری دلچسپی دکھائیں تو اس دشوار مسئلے کے حل ہونے کی راہ ضرور نکل آئے۔ پنچایتوں کی بیٹھکوں میں، جہاں عوام کے نمایندے ایک جگہ بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں وہاں یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ بال بچوں کی جھنجھٹوں اور زیادہ بال بچے ہونے کی دشواریوں کا ذکر اپنے آپ آئے۔ اگر یہ باتیں ان کے دل میں بیٹھ جائیں تو وہ بال بچوں کی کثرت سے گھروں میں پیدا ہونے والی دشواریوں پر صحیح ڈھنگ پر غور کرسکیں گے۔ اور اس دشواری کو دور کرنے کے لئے گاؤں میں سازگار فضا پیدا کرنے میں بھی مدد دے سکیں گے اس سے جہاں ایک طرف فیملی پلاننگ کو گاؤں کی زندگی میں داخل ہونے کا موقع ملے گا وہاں دوسری طرف کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے پروگراموں کی کامیابی کو بھی کافی سہارا ملے گا، جو ان پنچایتوں کی خاص ذمہ داری ہے۔ گاؤں کے گھروں میں خوشحالی بڑھنے کی اور گاؤں کے لوگ اپنی محدود آمدنی میں بچوں کی اچھی پرورش کرکے اور انہیں اچھی طرح پڑھا لکھا کر سماج کے لئے زیادہ مفید اور کارآمد بنا سکیں گے جس سے گاؤں میں آیندہ بھی خوشحالی بڑھے گی۔ کم بچوں سے گھر کا خرچ بھی کم ہوگا اور آمدنی میں سے کچھ بچت بھی ہو سکے گی۔ اس بچت کو کسی کام میں لگا کر یا اپنے کاموں میں اچھے اوزار اور اچھے سامان کا استعمال کرکے آمدنی بڑھائی جا سکتی ہے۔ گاؤں کی زندگی کو خوشحال بنانا ہی کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے، جس میں فیملی پلاننگ بہت مددگار ہوسکتی ہے۔ اس لئے فیملی پلاننگ کا کام پنچایتوں کے لئے دونوں حیثیتوں سے ضروری ہے۔

## فیملی پلاننگ گاؤں والوں پر تھوپی نہیں جاسکتی

پنچایتی راج میں فیملی پلاننگ کے کام کو کس طرح داخل کیا جائے یہ بھی ایک غور طلب مسئلہ ہے۔ اس بارے میں دو رائے نہیں ہوسکتی کہ گاؤں والوں پر فیملی پلاننگ کا کام بالکل سیدھے تھوپا نہیں جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں بہت ہی

ہوشیاری سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ دھیرے دھیرے اور جوڑ توڑ سے لوگوں کا دھیان اس طرف متوجہ کیا جائے۔ وہیں اس کا ذکر کیا جائے جہاں بال بچوں کی زیادتی سے لوگ پریشانی کا اظہار کرتے ہوں۔ اُن کی مثالیں بھی دوسری جگہ رکھی جاسکتی ہیں۔ ضرورت پڑنے پر دس پانچ اور اس طرح کی مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں جس سے لوگوں کے دلوں میں بال بچوں کی زیادتی سے پیدا ہونے والے مسائل کا احساس پیدا ہو اور وہ اس جھنجھٹ سے نجات کا راستہ خود تلاش کرنے لگ جائیں۔ مثالیں دیتے وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ وہ مثالیں سچی ہوں اور لوگوں کو ان پر بغیر کسی طرح کا شک کئے یقین آجائے۔

گاؤں میں فیملی پلاننگ کے کام کو بڑے پیمانے پر مقبول بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس سلسلے میں ضروری معلومات لوگوں کو بہم پہنچائی جائیں۔ تعلیم و تربیت کے روایاتی اور قدرتی ذرائعوں کے توسط سے لوگوں کو اس بارے میں معلومات بہم پہنچانے کے مواقع بہت ہی کم رہے ہیں۔ اگر چوپال چرچاؤں میں، گپ بازی کی بے تکلف صحبتوں اور حقہ پینے والوں کے حلقوں میں اس بارے میں بھی چرچا چلائی جائے تو لوگوں کو اس کے متعلق معلومات بھی ملیں گی اور اسی کے ساتھ اس مسئلے کے حل کے لئے میدان بھی تیار ہو جائے گا۔

اس سلسلے میں سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ فیملی پلاننگ کے بارے میں کم لوگوں کو معلومات ہیں۔ دوسرے اس سلسلے میں لوگوں کو ٹھیک ٹھیک معلومات بہم پہنچانے والی کتابوں کی کمی ہے آج نئے ہندوستان میں جب کہ تعلیم کو فروغ دیا جارہا ہے اس طرح کی کتابوں کی تیاری کی بہت ضرورت ہے جس سے کہ لوگوں میں ذہنی بیداری آسکے۔ ہم فیملی پلاننگ کے بارے میں گاؤں کے لوگوں کو جتنا بتائیں گے اور سمجھا سکیں گے اتنا ہی ہمارا کام آسان ہوتا جائے گا۔

فیملی پلاننگ میں کامیابی کسی اجتماعی فیصلہ پر اس قدر منحصر نہیں ہوتی جتنی ایک ایک فرد کی اپنی اپنی سمجھ اور فیصلے پر منحصر ہوتی ہے۔ اس میں جو بھی طریقہ کار اختیار کیا جائے اس میں ایک ایک فرد کو اس کی شخصی حیثیت سے ہی سامنے رکھنا ہوگا۔ ہر شخص اپنی ضرورتوں اور اپنی کمیوں کو بہتر سمجھتا ہے، ضرورت اسے صرف احساس دلانے کی ہوتی ہے۔ فیملی پلاننگ کے لئے لوگوں کو آمادہ کرنے کا کام نازک بھی ہے اور مشکل بھی۔ لوگوں کے اندر خود اس کا احساس پیدا ہو جانے پر ہی اس میں کامیابی ممکن ہے۔ پنچایت کے پنچ اور سرپنچ اس میں پہل کر کے اور اپنے بے تکلف دوستوں میں اس کی چرچا کر کے ایک مثال قائم کر سکتے ہیں۔ اس سے لوک لاج کی مضبوط گرفت، جو اس کے راستے میں حائل ہوتی ہے، کچھ ڈھیلی پڑے گی ایک ایک کر کے لوگ ان باتوں کو جوں جوں سمجھنے لگ جائیں گے یہ فیملی پلاننگ گاؤں میں مقبول ہوتی جائے گی۔ اس میں جہاں ضرورت پیش آئے پنچایت یا حکومت کی طرف سے مقرر کئے ہوئے ماہرین اور کارکن لوگوں کی مدد اور رہنمائی کریں اس سے

گاؤں میں فیملی پلاننگ کا کام بڑے پیمانے پر پھیل سکے گا۔

پنچائتوں کو اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہئیے کہ گاؤں میں اچھا اور صاف ستھرا ماحول ہو۔ لوگ گندی باتوں اور بری صحبتوں سے بچیں۔ جفاکشی اور مصروفیت کی زندگی گذاریں۔ گاؤں میں تفریح اور دل بہلاؤ کے سامان مہیا ہوں۔ ہمارے گاؤوں کے بارے میں ایک عام شکایت یہ کی جاتی ہے کہ وہاں تفریح کے مواقع بہت کم ہیں لوگ اپنی بے کیف زندگی سے تنگ آکر ہی کثیرالعیال کا شکار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ پنچائتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ گاؤں میں تفریحی پروگراموں کو رواج دے۔ گاؤں والوں کی اپنی راگ راگنیاں ہیں، ہر موسم اور فصل کے الگ الگ لوک گیت ہیں۔ آج اس بات کی ضرورت ہے کہ پنچائتیں ان لوک گیتوں، ناٹکوں اور لوک ناچوں وغیرہ کی حوصلہ افزائی کریں جس سے گاؤں کی زندگی میں چہل پہل اور رہما ہمی پیدا ہو۔

فیملی پلاننگ کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ بچپن کی شادی ہے۔ لڑکوں میں ابھی بُرے بھلے کا شعور بھی پیدا نہیں ہوتا کہ ان کی شادیاں کردی جاتی ہیں، اس عمر میں نہ تو سماجی ذمہ داریوں کا احساس ہی پیدا ہوپاتا ہے اور نہ خود اپنی بہتری اور بہبود کے لئے آنکھیں کھول کر کام کرنے کا شعور ہی ان میں پیدا ہوپاتا ہے۔ پنچایتوں کو چاہئیے کہ وہ اس رواج کو ختم کرانے کی کوشش کریں۔

پنچایتوں کی طرح پنچایت راج کے دوسرے اداروں اور حکومت کو اس پروگرام کو مقبول بنانے میں کس طرح حصہ لینا چاہئیے اس کا ایک خاکہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

پنچایتیں اور پنچائت کے ممبر اور گاؤں کے بزرگ کس طرح اس پروگرام میں مدد دے سکتے ہیں، یہ بات اوپر کی بات چیت سے ظاہر ہوگئی ہے۔ بلاک کی سطح پر پنچایت سمتیاں بھی اسی طرح کے کام ذرا بڑے پیمانے پر کر سکتی ہیں، پنچایتوں کی طرح ان کا کام بھی فیملی پلاننگ کے لئے اپنے علاقے میں سازگار ماحول تیار کرنا ہی ہوگا۔ اس سلسلے میں حکومت کی طرف سے فراہم کی جانے والی خدمات کی تنظیم بھی اسی سطح پر ممکن ہوگی۔

ضلع کی سطح پر ضلع پریشدوں کو اپنے اپنے ضلعوں کے لئے پروگرام بنانا چاہئیے۔ ضلع پریشد کے ممبروں کو چاہئیے کہ وہ اپنے اثر سے لوگوں میں فیملی پلاننگ کو مقبول بنانے میں مدد دیں حکومت کی طرف سے مہیا کی جانے والی طبی اور فنی خدمات کی یونٹ ضلع پریشد ہونی چاہئیں۔

ریاستی سطح پر ضلعوں کی ضروریات کے مطابق پروگرام بنایا جائے اور ہر ضلع کو ان کی ضرورت کے مطابق امداد فراہم کی جائے۔ ہر ضلع کے لئے تمام سطح کے ماہرین اور کارکنوں کی ٹولیوں کا تقرر اسی سطح پر ہونا چاہئیے۔

قومی سطح پہ اس پروگرام کی وسیع پیمانے پر منصوبہ بندی کی جائے اور جو وسائل موجود ہوں اور مل سکتے ہوں ان کی بنیاد پر حکومت کی طرف سے زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کرنے کا ایک وسیع خاکہ تیار کیا جائے اور اس بات پر نظر رکھی جائے کہ یہ پروگرام اس وسیع خاکہ کے مطابق ہی چل رہا ہے۔

فیملی پلاننگ ایک عالمگیر مسئلہ ہے۔ اس میں سبھی ملکوں کی ملی جلی کوشش کی ضرورت ہے۔ فیملی پلاننگ کی بین الاقوامی کمیٹی نئی نئی ایجادات کی حوصلہ افزائی کرنے اور تمام ملکوں کو ان ایجادات سے روشناس کرنے کا کام کرنے۔ نئے نئے تجربات و تحقیق کی جائیں اور ان سے ظاہر ہونے والے نتائج سے تمام ملکوں کو باخبر کیا جائے۔

فیملی پلاننگ کے پروگرام کی تنظیم کے مندرجہ بالا خاکے میں سب سے اہم کام پنچایتوں کو ہی کرنا ہے یعنی گاؤں کے اَن پڑھ توہم پرست اور حال اور مستقبل کی زندگی سے بے خبر لوگوں میں فیملی پلاننگ کی ضرورت کا احساس پیدا کرنا۔ اس میں سب سے زیادہ دشواری عورتوں کے درمیان کام کرنے میں پیش آئے گی۔ جو توہم پرستی میں مردوں سے چار قدم آگے ہوتی ہیں۔

فیملی پلاننگ میں کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ اس میں عورتوں کا پورا پورا تعاون حاصل ہو۔ اس کے بغیر تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی پنچایتوں کی کامیابی کی اصل کسوٹی اسی سلسلے میں اس پروگرام کی مقبولیت ہے۔ پنچایتوں میں عورتوں کو زیادہ سے زیادہ نمائندگی دے کر اور انھیں سماجی معاملات میں حصہ لینے کا موقع دے کر یہ کام کسی قدر آسان بنایا جا سکتا ہے۔

اندر کماری اوجھا لکھنؤ

# امریکہ میں سماجی بہبود کے کاموں کی ایک جھلک

امریکہ کا شمار اگرچہ دنیا کے سب سے ترقی یافتہ ملکوں میں ہے اور وہاں کے لوگوں کا معیار زندگی بھی بہت اونچا ہے مگر وہاں کے رہنے والوں کے سامنے ایسے مسائل اب بھی موجود ہیں جو حل ہونا ابھی باقی ہیں۔ وہاں کے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ہر شخص اپنی اور اپنے خاندان کی پوری طرح دیکھ بھال اور فلاح و بہبود کے لئے خود ذمہ دار ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود دنیا کے دوسرے ملکوں کی طرح وہاں کے لوگ بھی زندگی کے دشوار مسائل سے الجھے ہوئے ہیں۔ وہاں بھی رہنے کے لئے مکان کا مسئلہ ہے، نوکری کا انتظام، صحت اور تعلیم کے مسائل اور بچوں اور بوڑھوں کے مسائل ہیں۔ ان سب مسائل کو حل کرنے کے لئے لوگوں کے انفرادی اور اجتماعی تعاون اور کوششوں کی ضرورت ہے۔ اسی لئے متحدہ امریکہ میں سماجی بہبود کے کام جاری ہیں۔ اس کے لئے رضاکار اور سرکاری دونوں طرح کے ادارے کام کر رہے ہیں۔

جیسا کہ ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کا خیال رکھتے ہیں اور ایک شہری دوسرے شہری کی مدد کرتے ہیں اور اس طرح پورے سماج کی زندگی کا معیار اونچا اٹھانے میں ہاتھ بٹاتے ہیں بالکل انھیں اصولوں پر امریکہ میں سماجی بہبود کے بہت سے رضاکار ادارے قائم ہیں۔ یہ ادارے عوامی بہبود کے عام پروگرام چلانے کے علاوہ بچوں کے لئے شفاخانے چلانے، بے سہاروں اور معذوروں کو امداد دینے اور آگ یا باڑھ کی وجہ سے آئی ہوئی تباہی کے موقعوں پر مدد کے دوسرے کام کرتی ہیں۔ جہاں تک بڑے بڑے سدھار اور امداد کے کاموں کا تعلق ہے، جیسے پبلک اسکول چلانا، عوام کی صحت کی دیکھ بھال کے لئے بڑے بڑے اسپتال چلانا، محنت کشوں اور مزدوروں کے لئے اقتصادی تحفظ کے انتظامات کرنا، غریب اور ضرورت مند لوگوں کی مدد کرنا، ضعیفوں اور بے سہارا لوگوں کو امداد دینا اور اسی طرح کے دوسرے بڑے اور زیادہ خرچ کے امدادی کاموں کے لئے حکومت کی طرف سے سوشل ویلفیر کا محکمہ قائم کیا گیا ہے۔ اسی طرح متحدہ امریکہ میں بھی عوام کی فلاح وبہبود اور سماج کو زیادہ صحت مند اور خوشحال بنانے کا مقصد سے لوگ رضاکار اور سرکاری اداروں کو زیادہ سے زیادہ امداد دینے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

## زندگی کے معیار میں بلندی

امریکہ میں کام کرنے والا ہر شخص ملک کی آمدنی کو بڑھانے میں جی جان سے لگا ہوا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ جتنا زیادہ پیدا کرے گا اتنا ہی زیادہ اسے زندگی میں آرام و اطمینان نصیب ہوگا اور اس کے ساتھ ہی سارے ملک کا معیار اونچا اٹھے گا۔ صحت، تعلیم اور عوامی بہبود کے کام لوگوں کو اس قابل بناتے ہیں کہ وہ قومی دولت کو بڑھانے اور زندگی کے معیار کو اونچا اٹھانے میں مدد پہنچاتے رہیں۔ انہیں باتوں کا نتیجہ ہے کہ امریکہ میں کام کرنے والا ہر شخص ۹۰ سال پہلے جتنا پیدا کرتا تھا آج اس سے ۵ گنا زیادہ پیدا کرتا ہے۔ پہلے کے مقابلے میں آج لوگوں کی آبادی دوگنی سے بھی زیادہ ہوگئی ہے لیکن آج ہر ملازم کو پہلے سے زیادہ تنخواہ ملتی ہے اور ہر شخص پہلے سے کئی گنا زیادہ چیزیں بازار سے خریدتا ہے۔ ضروریاتِ زندگی جیسے کھانے، کپڑے اور رہائش گاہ کے معاملے میں لوگوں کا معیار اونچا اٹھا ہے۔ اب وہ پہلے کی بہ نسبت زیادہ صحت مند اور تعلیم یافتہ زندگی گذارتے ہیں۔

اتنا سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ امریکہ میں بھی زندگی کی بہت سی دشواریاں موجود ہیں۔ ملک کے کچھ حصوں میں زمین اچھی نہ ہونے اور پچھڑی ہوئی صنعتوں کی وجہ سے لوگوں کا معیار زندگی گرا ہوا ہے۔ بہت گنجان آباد شہروں میں گندگی اور صحت کا مسئلہ کافی دشوار ہے۔ ان جگہوں پر تعلیمی اداروں کے موجود ہوتے ہوئے بھی ہر بچے کو خاطر خواہ تعلیم حاصل کرنے کی سہولتیں میسر نہیں ہیں۔ اس طرح ملک کے مختلف علاقوں میں تعلیم، صحت و صفائی اور رہائش گاہوں کی سہولتوں کے اعتبار سے بہت فرق ہے۔ امریکہ کے لوگ اور وہاں کی حکومت اس بات کا خیال رکھتی ہے کہ وہاں کے ہر فرد کو اپنی صلاحیتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر ترقی کرنے کا موقع حاصل ہو اور سب کو یکساں سہولتیں میسر ہوں۔ اسی آدرش کو سامنے رکھتے ہوئے امریکہ میں سماجی بہبود کے مندرجہ ذیل پروگرام چل رہے ہیں۔

## اقتصادی تحفظ کے کام

امریکہ میں ہر خاندان کی عموماً ایک مستقل اور یقینی آمدنی ہوتی ہے مگر دکھ مصیبت کے وقت وہاں سماجی بہبود کے ادارے ان کے اقتصادی تحفظ کا خیال رکھتے ہیں۔ اگر کسی خاندان کا کمانے والا آدمی کام سے الگ ہو جاتا ہے یا مرجاتا ہے تو اس کے پسماندگان کو سماجی بہبود کے محکمے کی طرف سے اقتصادی امداد دی جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی بیماری کی وجہ سے کچھ مدت کے لئے معذور ہو جاتا ہے تو اسے کام کے قابل ہو جانے کی مدت تک مالی امداد دی جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص بالکل ہی معذور ہو جاتا ہے

تو اُسے اقتصادی تحفظ کے پروگرام کے ماتحت ماہ بماہ مالی امداد دی جاتی ہے اس کے ماتحت مرد ۶۵ سال کی عمر کے بعد اور عورتیں ۶۲ سال کی عمر کے بعد امداد کی مستحق ہوتی ہیں۔ کئی خاندان ایسے وقت کے لئے بیمہ بھی کرا لیتے ہیں اور اس طرح آڑے وقت میں امداد حاصل کرنے کی ضمانت کر لیتے ہیں۔ اگر کوئی عورت چھوٹے چھوٹے بچوں کے رہتے ہوئے بیوہ ہو جائے، کوئی مرد جسمانی طور پر معذور ہو جائے یا اس پر لقوہ گر جائے یا اندھا یا بہرہ ہو جائے تو سماجی بہبود کے محکمے کے مختلف ادارے ان کے علاج یا امداد کا انتظام کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی خاص طرح کام کرنے کے لائق ہوتا ہے تو اُسے وہ کام سکھایا جاتا ہے اور اس طرح اُسے روزی کمانے کے لائق بنایا جاتا ہے۔

## خدماتی کام

اقتصادی تحفظ کے علاوہ کچھ خاندانوں کے اپنے خانگی مسائل ہوتے ہیں۔ انھیں بھی سماجی بہبود کے محکمے کی طرف سے معقول صلاح و مشورہ اور امداد ملتی ہے۔ یہ خدماتی کام زندگی کے مختلف شعبوں ہی کی طرح وسیع اور مختلف النوع ہوتے ہیں۔ مثال کے لئے اگر کسی خاندان میں سوتیلی ماں کی وجہ سے پہلی ماں کے بچے تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں تو سماجی بہبود کے محکمے کے کارکن ان بچوں کی خاص طرح سے مدد کرتے ہیں۔ گھر کے لوگوں سے مل جل کر ان کے مسائل کو سمجھنے اور انھیں مناسب مشورے دینے اور ہر ممکن طریقے پر ان کی مدد کرنے کا کام کرتے ہیں۔ بیماروں کی تیمارداری اور بے سہاروں کی دست گیری کرنا بھی ان کی ذمہ داری ہے۔

اس پروگرام کے ماتحت ماؤں کو بچوں کی اچھی تربیت کے متعلق صلاح و مشورہ دیا جاتا ہے اور قدم قدم پر ان کی رہنمائی کی جاتی ہے۔ کچھ بچوں کی گھر کے اندر اچھی طرح خبرگیری اور دیکھ بھال نہیں ہو پاتی ہے، اس سے ان کی ذہنی یا جسمانی نشوونما میں خلل واقع ہو جاتا ہے یا ماں باپ کی لاپروائی کی وجہ سے کچھ بچے بے راہ روی بھی اختیار کر جاتے ہیں۔ ایسے بچوں کی اصلاح کرنا بھی سماجی بہبود کے محکمے کی ذمہ داری ہے ان کی صحیح تعلیم و تربیت کر کے انھیں زندگی کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ جن گھروں میں مائیں دن میں کام پر جاتی ہیں یا کسی لمبی بیماری میں مبتلا ہو جاتی ہیں جس سے بچوں کی گھر میں دیکھ بھال کے لئے کوئی نہیں رہ جاتا ہے تو سماجی بہبود کا محکمہ ان کی دیکھ بھال کا کام اپنے ذمے لے لیتا ہے۔ وہاں بچوں اور بیماروں کے لئے "ہوم" بنے ہوئے ہیں جہاں ضرورت پڑنے پر بچوں اور بیماروں کو رکھا جاتا ہے اور ان کی ہر طرح سے خبرگیری کی جاتی ہے۔

سماجی بہبود کا محکمہ صرف ضرورت یا مشکل کے وقت ہی لوگوں کی مدد نہیں کرتا ہے بلکہ معمول کے دنوں میں بھی لوگوں کی تفریح اور آرام و آسائش کی مختلف سرگرمیاں منظم کرتا ہے، جس سے لوگ زیادہ آسائش کے ساتھ زندگی گذار سکیں۔ اس

پروگرام میں باغ باغیچوں کا لگانا اور انھیں آراستہ پیراستہ رکھنا کتب خانے اور دارالمطالعے چلانا، کھیل کود کے کلب قائم کرنا، کلبوں کے لئے میدان اور دوسری سہولتیں مہیا کرنا، رقص و موسیقی کی محفلیں وغیرہ دوسری تفریحی سرگرمیاں منظم کرنا شامل ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو کسی دست کاری سے دلچسپی ہوتی ہے ان کے لئے ان دست کاریوں کے سکھانے اور چلانے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کی دلچسپی کا کوئی خاص مشغلہ ہوتا ہے، سماجی بہبود کا محکمہ اس میں ان کی ہمت افزائی کرتا ہے۔

آفتِ ناگہانی جیسے سیلاب، آتش زدگی، زلزلہ، وبائی بیماریاں، قحط کا سامنا کرنے کے لئے سماجی بہبود کا محکمہ ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ ایسے وقت میں رضاکار اور سرکاری دونوں طرح کے ادارے لوگوں کی حتی الامکان مدد کرتے ہیں اور انھیں مشکلات سے نجات دلاتے ہیں۔ ہوائی جہازوں کے ذریعہ کھانے کے سامان اور پہننے کے کپڑے گرائے جاتے ہیں اور ڈاکٹروں اور نرسوں کو بھیج کر لوگوں کو طبی امداد بہم پہنچائی جاتی ہے، یہ سب کام بہت پھرتی سے کئے جاتے ہیں اور اس وقت تک انھیں جاری رکھا جاتا ہے جب تک لوگوں کو اس آفتِ ناگہانی سے پوری طرح چھٹکارا نہ مل جائے اور وہ اپنے معمول کے کاموں کو دوبارہ جاری رکھنے کے قابل نہ بن جائیں۔

## صحتی خدمات

دنیا کے دوسرے ملکوں کے مقابلے میں امریکہ کے لوگوں کی صحت زیادہ اچھی ہے اور وہاں لوگوں کی اوسط عمر، سال سے بھی زیادہ ہے۔ اس کی خاص وجہ وہاں پر لوگوں کا صحت کی طرف سے احتیاط برتنا ہے۔ وہاں بچے کی صحت کی فکر اسی وقت سے ہونے لگتی ہے جب وہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ پیدا ہونے پر اُسے ہر طرح کی بیماری سے بچانے کے لئے سبھی طرح کی احتیاط برتی جاتی ہے۔ اسکول میں داخل ہونے پر اس کے صحت کا پہلے خیال رکھا جاتا ہے۔ اس طرح وہاں کا ہر شہری معمولاً صحت مند زندگی گذارتا ہے۔ سماجی بہبود کا محکمہ لوگوں کی صحت کے لئے ہر طرح کی سہولتوں کا انتظام کرتا ہے۔

صحت کو بہتر بنانے کے لئے سماجی بہبود کے محکمے کی طرف سے صفائی، صاف پانی اور فضا میں جراثیم کے پھیلنے سے روک تھام کے انتظامات کئے جاتے ہیں۔ لوگوں کی صحت سے متعلق معلومات اسکولوں، کلبوں، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخباروں کے ذریعہ کرائی جاتی ہے۔ ان کے ذریعہ لوگوں کو مناسب خوراک کے متعلق معلومات بھی بہم پہنچائی جاتی ہے اور یہ باتیں بھی بتائی جاتی ہیں کہ کسی چھوت کی بیماری سے بچنے کے لئے کیا احتیاط ضروری ہے۔ سماجی بہبود کے محکمے کے ذریعہ گاؤوں کے دور دراز کے فارموں پر بھی نرسوں اور ڈاکٹروں کو بھیج کر وہاں کی عورتوں اور بچوں کی صحت کا معائنہ کرایا جاتا ہے۔ اسی طرح لوگوں کے ایکسرے وغیرہ کے لئے بھی چلتے پھرتے اسپتال ہوتے ہیں، یہ اسپتال جگہ جگہ جا کر مفت میں لوگوں کی صحت کی جانچ کرتے ہیں۔

کبھی کبھی سماجی بہبود کے محکمہ کے کارکن جگہ جگہ جا کر لوگوں کو جمع کرتے ہیں اور انھیں صحت کے متعلق باتیں بتانے کے علاوہ ان کی صحت کی خرابی کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرتے ہیں اور پھر اس کے متعلق انھیں طبّی مشورہ دیتے ہیں۔ اس طرح ممالک متحدہ امریکہ میں سماجی بہبود کا محکمہ لوگوں کی بہتر صحت کی ضمانت کرتا ہے۔

## تعلیمی خدمات

امریکہ میں تعلیم بہت ترقی پر ہے اور وہاں کے تقریباً سبھی لوگ پڑھنا لکھنا جانتے ہیں۔ وہاں بچوں اور بچیوں کے لئے ہائی اسکول تک کی تعلیم کا مفت انتظام ہے۔ ہر بچے کو تعلیم حاصل کرنے کا یکساں موقع حاصل ہو مگر پھر بھی کئی اسکولوں میں ذہنی اعتبار سے پچھڑے ہوئے اور بگڑے دل اور غیر معمولی قسم کے بچے بھی ہیں جن کے لئے ڈاکٹروں، نفسیات کے ماہرین، سماجی کاموں کے ماہروں کی خدمات کی ضرورت پڑتی ہے۔ سماجی بہبود کا محکمہ اس طرح کی خدمات ایسے ہر بچے کے لئے فراہم کرتا ہے۔ بچوں کی اصلاح اور رہنمائی کے لئے یہ محکمہ کئی طرح کے ادارے قائم کرتا ہے۔ ننھے بچوں کے لئے نرسری اسکولوں اور صنعتی کاموں میں دلچسپی رکھنے والے بچوں کے لئے صنعتی اسکولوں کا انتظام بھی یہی محکمہ کرتا ہے۔ یہ اسکول بچوں کو صنعتی زندگی میں حصّہ لینے کے لئے تیار کرتے ہیں۔

## دوسرے خدماتی کام

اس پروگرام کے ماتحت سماجی بہبود کا محکمہ ہر طرح کے امدادی اور اصلاحی کاموں کے لئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ جیسے گاؤں والے میں کسانوں کی کھیتی کے مسائل کو حل کرنے میں اس محکمے کی طرف سے امداد دی جاتی ہے۔ لوگوں کے خانگی، سماجی، اقتصادی سبھی طرح کے معاملات اس محکمے کی مدد سے حل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح شہروں کے پسماندہ علاقوں میں رہنے والوں کے مکان، صفائی، صحت، تعلیم اور صنعتوں کے مسائل اس محکمے کی امداد سے حل کئے جاتے ہیں۔

مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ امریکہ میں سماجی بہبود کے کاموں میں مفید خدماتی کام شامل ہیں۔ ان کی وجہ سے وہاں کا رہنے والا کوئی بھی شخص ضرورت یا مصیبت کے وقت اپنے آپ کو بے سہارا محسوس نہیں کرتا ہے، وہ جب چاہے اپنے لئے امداد حاصل کر سکتا ہے۔ سب سے زیادہ قابلِ تعریف بات تو یہ ہے کہ وہاں سرکاری اداروں کے مقابلے میں رضاکار ادارے زیادہ ہیں۔ یہ ادارے خدمتِ خلق اور سماجی بہبود کی بہت روشن مثال پیش کرتے ہیں۔

شمس الدین۔ دواسئے پور

# اترپردیش کے نوجوان کلب

اترپردیش میں یوک منگل دل (نوجوان کلبوں) کے کام کی شروعات ۱۹۵۴ء میں ہوئی تھی۔ اس وقت یہ کام بلیا اور اٹاوہ کے گاؤں میں تجرباتی حیثیت سے شروع کیا گیا تھا۔ لیکن یہ کام رفتہ رفتہ بہت مقبول ہوتا گیا اور نوجوان کلبوں کے ممبروں نے اپنے کاموں سے گاؤں میں بہت سے اچھے کام کئے۔ اس سے جگہ جگہ پر ان کو چلانے کی مانگ کی جانے لگی۔ اس کامیابی سے کمیونٹی ڈیولپمنٹ بلاکوں میں کلبوں کی تنظیم کا کام تیزی سے شروع کیا گیا۔

اس وقت ریاست میں یوک منگل دلوں کی تعداد ۱۸ ہزار سے کچھ اوپر ہے، تقریباً دو لاکھ نوجوان ان کلبوں کے ممبر ہیں دلوں میں ۱۲ سے ۲۵ سال کے نوجوانوں کو ہی شامل کیا جاتا ہے؛ بچے بال منگل دل (بچوں کے کلب) میں شامل ہوتے ہیں جن میں ۶ سے ۱۲ سال کی عمر کے لڑکوں کو شامل کیا جاتا ہے۔ کلب کا ممبر بننا نہ بننا نوجوانوں کے اختیار کی بات ہوتی ہے۔ اس میں کسی طرح کا دباؤ نہیں ڈالا جاتا ہے، رضاکارانہ تنظیم ہی ان کلبوں کی خصوصیت ہے۔

کلب کا خاص مقصد "کام کے ساتھ سیکھنا اور سیکھتے ہوئے کمانا" ہے۔ اس لئے کلب کے ممبر اقتصادی، سماجی اور تہذیبی پروگراموں کی تنظیم کے ذریعہ گاؤں کے نوجوانوں کے ذہنوں میں وسعت پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اور گاؤں کے لوگوں کی بھلائی کا کام بھی کرتے ہیں۔ اقتصادی کاموں میں اس وقت مختلف کام یہ کلب کر رہے ہیں، جیسے مرغی پالنا، ریشم کے کیڑے اور شہد کی مکھی پالنا، بٹن اور صابن بنانا، ساگ سبزی پیدا کرنا، پھل لگانا، بڑھئی گیری اور درزی کے کام، دری بننا، سائیکل کی مرمت، کھلونہ سازی، وغیرہ کے کام ہیں جو یہ کلب مختلف جگہوں پر کر رہے ہیں۔ کلب کے ممبر اپنی ضرورت کے مطابق ان کاموں میں سے دو تین کام اپنے لئے چن لیتے ہیں۔ ان کاموں سے کچھ کلبوں نے اچھی خاصی رقم بھی جمع کی ہے اور اس جمع شدہ رقم سے غریب طالب علموں کی امداد بھی کی ہے۔

گورکھپور ضلع میں اس طرح کا کام کچھ کلبوں نے لے رکھا ہے۔ اتنا ہی نہیں نوجوان کلب کے ممبر ربیع اور خریف کی فصلوں میں بھی کافی مستعدی سے کام کرتے ہیں۔ انھوں نے کھیتی کے نئے طریقوں کو اپنانے کے سلسلے میں لوگوں کی

واقفیت میں اضافہ کیا ہے۔ کئی جگہوں پر تو نوجوانوں نے ان نئے اور ترقی یافتہ طریقوں کو گاؤں والوں میں مقبول بنانے کے لئے اچھی خاصی تحریکیں بھی چلائی ہیں، جس سے ان کے سرپرستوں کو یہ نئے طریقے اختیار کرنے پڑے۔ نوجوان کلب کے ممبروں میں بیشتر اسکول جانے والے لڑکے ہی شامل ہوتے ہیں۔ وہ اپنے فاضل وقت میں ایسے ہی کام اپنانا چاہتے ہیں جن سے ان کی واقفیت میں اضافے کے ساتھ ہی ساتھ مالی فائدہ بھی ہو اور جن کے لئے وہ وقت نکال کر دے بھی سکیں۔ کھیتی باڑی میں تو دن بھر کام رہتا ہے اس لئے کھیتی کے کام میں وہ صرف اپنے گھر والوں کی مدد کر سکتے ہیں۔ وہ ساگ سبزی بوتے ہیں اور بعد میں کوآپریٹیو سوسائٹی یا اسکول میں ان سبزیوں کو بیچ کر آمدنی کر لیتے ہیں۔ کہیں کہیں نوجوان کلبوں نے دو ایک کھیت مشترکہ طور پر لے کر بھی اس سلسلے میں کچھ کام کیا ہے۔

نوجوان کلبوں کے ممبروں کو سماجی کام بھی کرنے ہوتے ہیں۔ ایسے کام انفرادی اور سماجی دونوں حیثیتوں سے ہو سکتے ہیں۔ انفرادی طور پر وہ کسی غریب دکھیئے کی مدد کر سکتے ہیں، چندہ دے سکتے ہیں، کسی غریب طالب علم کو اپنی استعمال شدہ پرانی کتابیں دے کر اس کی پڑھائی میں مدد دے سکتے ہیں۔ اجتماعی کاموں میں میلوں ٹھیلوں میں گم شدہ بچوں کو ان کے گھر پہنچانا، سیلاب کے وقت لوگوں کی مدد کرنا۔ وبائی بیماریوں سے بچاؤ اور صحت وصفائی کی تدبیریں کرنا، پنچایت گھر، اسکول، گاندھی چبوترے، کمیونٹی سنٹر اور گاؤں کی سڑکوں اور گلیوں کی صفائی اور مرمت کے کام آتے ہیں۔ اس سال کئی ضلعوں میں ٹڈی دلوں کا حملہ ہوا تھا۔ ان ٹڈیوں سے فصلوں کو بچانے کے کام میں نوجوان کلبوں نے کافی ہمت کا ثبوت دیا۔ یہ فوج کی فوج ٹڈیوں کو برباد کرنے پر ڈٹ گئی۔ میں نے بلند شہر میں دان پور ڈیولپمنٹ بلاک میں دیکھا کہ وہاں کے ایک کلب نے برتن وغیرہ قسم کے کچھ سامان خرید رکھے ہیں، وہ یہ سامان بیاہ شادی یا اور دوسری تقریبوں پر لوگوں کو کام چلانے کے لئے دے دیتے ہیں۔

نوجوان منڈلوں کی مقبولیت کا راز ان کا سماجی خدمت کے کاموں کے لئے ہر وقت تیار رہنے میں مضمر ہے۔ لیکن میرے نزدیک ان کی قدر وقیمت ایک دوسری بات میں ہے۔ ان کلبوں میں نوجوانوں کو ایک ساتھ مل کر کام کرنے کا موقع ملتا ہے جس سے ان کے اندر بھائی چارہ اور محبت بڑھتی ہے۔ نوجوان کلب تہذیبی پروگرام بھی منعقد کرتے ہیں جس سے گاؤں میں تفریح اور دل بہلاؤ کے مسئلے کو سلجھایا جا سکتا ہے۔ آپ جانتے ہیں۔ دن بھر کے تھکے ہارے مزدور یا کسان کے لئے تفریح کتنی ضروری ہوتی ہے۔ یہ کام نوجوان منڈلوں کے ماتحت بہت کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ اس سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر کوئی بچہ ۶ سال کی عمر سے بچوں کے کلب کا ممبر ہو جاتا ہے تو ۱۲ سال کی عمر کے بعد نوجوان کلب میں شامل ہو کر ۲۵ سال کی عمر تک بہت سی باتوں کو سیکھنے کا موقع اسے مل جاتا ہے۔ اپنے ہم عمر لوگوں کے ساتھ مل جل کر

کام کرنے اور ایک ساتھ مل کر سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کر کے کام کرنے کی تعلیمی نقطۂ نظر سے بہت اہمیت ہے۔ نوجوان کلبوں میں نوجوانوں کو اس طرح کام کرنے کا کافی موقع ملتا ہے۔

بچوّں کے کلب اور اس کے بعد نوجوانوں کے کلبوں میں شامل ہونے والوں کو اس ۸ سال کے عرصے میں ایک اچھا شہری، ایک اچھا کسان اور گاؤں سبھا کا ایک اچھا رکن بننے کا بہت اچھا موقع مل سکتا ہے۔ اگر ہمارے ملک کے تمام بچے اس طرح کے کلبوں میں شامل ہو جائیں اور اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ مل جل کر فیصلہ کرنا اور فیصلے کے مطابق کام کرنا سیکھ جائیں تو ہمارے گاؤں کا نقشہ ایک دم ہی بدل جائے۔ (پریم ناتھ کھنہ اسسٹنٹ ڈیولپمنٹ کمشنر۔ اترپردیش)

---

## سوئیڈن میں تعلیم بالغان کی عالمی کانفرنس

تعلیم پیشہ انجمنوں کے بین الاقوامی وفاق نے سوئیڈن میں ۲۶ تا ۲۸ جولائی ۱۹۶۲ء تعلیم بالغان کی ایک عالمی کانفرنس منعقد کی تھی۔ گذشتہ سال یہ عالمی کانفرنس انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے تعاون سے نئی دہلی میں ہوئی تھی۔

اس کانفرنس میں شرکت کے لئے ہندوستان سے شری کے۔ ایس۔ منی سوامی ممبر میسور اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن کونسل اور شریمتی ہیلن کیمپنفر تشریف لے گئی تھیں۔

تعلیم بالغان کی اس عالمی کانفرنس نے یہ محسوس کیا کہ تعلیم بالغان کے کارکنوں کو عوام سے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے پر بہت زیادہ اصرار نہیں کرنا چاہئے بلکہ انھیں حقیقی صورت حال ان کے سامنے پیش کر دینی چاہئے جس سے اپنی موجودہ اور آیندہ کی زندگی کے بارے میں وہ خود کسی نتیجے پر پہنچ سکیں۔

سائنسی اور فنی ترقی سے نئے نئے مسائل ہی نہیں سامنے آتے ہیں بلکہ کام کے نئے مواقع بھی پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے زندگی کو زیادہ پرمسرت بنانے کی راہیں بھی کھلتی ہیں۔

اڈلٹ ایجوکیشن کے نام سے آج مختلف ملکوں میں جو تعلیم رائج ہے وہ تعلیم بالغان کی صحیح تعریف میں آتی ہی نہیں ہے وہ یا تو ایک طرح کی اصلاحی تعلیم ہے یعنی ابتدائی، ثانوی اور یونیورسٹی کی تعلیم میں کوئی کسر رہ گئی ہے اور تعلیم بالغان کے پروگرام کے ماتحت اسے پورا کر دیا جائے۔ اڈلٹ ایجوکیشن کا اصل کام تو لوگوں کو زندگی کی تیز رفتار ترقی سے قدم ملا کر چلنے کے قابل بنانا اور اس طرح کے کاموں کا تربیتی پروگرام چلانا ہوتا ہے۔ جسے سیکھنے اور جاننے کا اس سے پہلے انھیں موقع نہ ملا ہو۔

# آگرہ اور راجستھان کی یونیورسٹیوں میں

## اڈلٹ ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ

آگرہ یونیورسٹی نے اپنے ایک حال کے جلسے میں اس سال سے اپنے یہاں اڈلٹ ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

دوسری بہت سی یونیورسٹیاں بھی اپنے اپنے یہاں اڈلٹ ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ قائم کرنے کی تجویز پر غور کر رہی ہیں۔

راجستھان یونیورسٹی ہندوستان میں پہلی یونیورسٹی ہے جس نے اڈلٹ ایجوکیشن کا ڈپارٹمنٹ قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ امید ہے کہ ڈپارٹمنٹ اس سال سے کام کرنا بھی شروع کر دے گا۔

(انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن)

## ڈاکٹر موہن سنگھ مہتا یونیسکو نیشنل کمیشن میں

حکومتِ ہند نے یونیسکو سے تعاون کرنے والے انڈین نیشنل کمیشن کی نئی تشکیل کی ہے۔ حکومت ہند کے وزیرِ تعلیم ڈاکٹر کے۔ ایل۔ شریمالی اس کمیشن کے صدر اور شری پی۔ این۔ کرپال سکریٹری وزارتِ تعلیم اس کے سکریٹری ہیں۔ انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے پریسیڈنٹ اور راجستھان یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر موہن سنگھ مہتا کمیشن کے ایجوکیشن سب کمیشن کے ممبر نامزد کئے گئے ہیں۔ کمیشن کے دوسرے ممبران میں خواجہ غلام السیدین، شریمتی کملا دیوی چٹوپادھیا، پروفیسر اے۔ آر۔ واڈیا اور ڈاکٹر جی۔ سی۔ چیٹرجی شامل ہیں۔

## سوشل ایجوکیشن کے کچھ اور کارکن ڈنمارک کو

ڈنمارک کے فوک ہائی اسکولوں کا مطالعہ کرنے کی غرض سے سوشل ایجوکیشن کے دو اور کارکن، آسام کے سوشل ایجوکیشن آفیسر شری ڈی .شرما اور جنوبی کنارا کی ڈسٹرکٹ سوشل ایجوکیشن آفیسر کماری اے ۔ وِیشالاکشی ڈنمارک کو روانہ ہوگئے ہیں۔

چار کارکنوں کی ایک ٹیم ان سے کم وبیش ایک سال پہلے ڈنمارک گئی تھی جس میں نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر دہلی کے فیلڈ ورک انچارج شری نذیر احمد انصاری، لٹریسی ہاؤس لکھنؤ کے شری شیو پوری، میسور اڈلٹ ایجوکیشن کاؤنسل کی کماری پدما نادک اور انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے شری دھرم ویر شامل تھے۔ یہ لوگ اب عنقریب واپس آنے والے ہیں۔

## نوجوانوں کی تعلیم کے مسائل

### ادارہ تعلیم و ترقی میں ایک مباحثہ

نوجوانوں کی تعلیم کے مسئلے پر بات چیت کرنے کے لئے ادارہ تعلیم و ترقی میں ۱۱ ستمبر ۱۹۶۲ء کو ایک نشست منعقد ہوئی۔ اس نشست میں جامعہ کے احباب کے علاوہ پلاننگ کمیشن کے ڈاکٹر بھجانند سنگھ؛ نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کے استاد شری جے۔ این تریدی، انڈین اڈلٹ ایجوکیشن کے نمائندے شری شالگ رام پاٹھک، گرام سیوا سنگھ (ادارڈ) کے جنرل سکریٹری شری دھرم پال، دہلی ایڈمنسٹریشن کے سوشل ایجوکیشن آفیسر شری چترویدی اور فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کے ڈائرکٹر شری ایچ. پی. سکسینہ نے شرکت کی۔

اس بات چیت کے لئے پہلے سے بحث کی بنیادوں کا ایک خاکہ تیار کرلیا گیا تھا۔ اس بات چیت میں جن خاص خاص نتائج پر لوگ پہنچے، وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

بچپن کی عمر گذر جانے اور زندگی میں عملی طور پر شرکت کے درمیان کا زمانہ نوجوانی کا زمانہ ہے۔ نوجوانوں کی تعلیم و تربیت اگرچہ تعلیم بالغان کی ذمہ داری ہے، مگر موجودہ حالت میں ضروری ہے کہ اس طبقے کی تعلیم کی طرف زیادہ توجہ دی جائے۔

ہندوستان کے موجودہ تعلیمی انتظام کے پیش نظر نوجوانوں کی تعلیم (خاص طور سے ناخواندہ نوجوانوں کی تعلیم) کے مسئلے کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ یہ وہ طبقہ ہے جو لازمی ابتدائی تعلیم کی مقررہ حد کو پار کرچکا ہے اور اب زندگی میں عملی طور پر داخل ہونے کی تیاری کر رہا ہے، اس وقت ان کی معقول رہنمائی اور تعلیم و تربیت کا کوئی انتظام نہیں کیا جاتا ہے تو زندگی کی مصروفیتوں میں گھر جانے کے بعد اس کا موقع شاید انھیں زندگی بھر نہ مل سکے۔ (اس کی تفصیل خاص نمبر میں شائع ہوگی۔ خاص نمبر دسمبر ۱۹۶۲ء میں شائع ہوگا)

October 1962.

ادارۂ تعلیم و ترقّی جامعہ ملّیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

# تعلیم و ترقّی

اکتوبر ۱۹۶۲ء
جلد ۱۳ —— شمارہ ۱۰

بانی :- شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر

پروفیسر محمّد مجیب
برکت علی فراق
رفیق محمد شاستری

دفتر :-
ماہنامہ تعلیم و ترقی - جامعہ نگر - نئی دہلی

قیمت :-
سالانہ چار روپے  فی پرچہ ۳۷ نئے پیسے
ٹیلیفون :- ۴۴۶۴۴

## ترتیب



پرنٹر پبلشر برکت علی فراق نے کوہ نور پریس لال کنواں دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی - جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

## اشارات

# اس کو بھولنا نہ چاہئے نہ کہنا

اطلاع ملی ہے کہ حکومت ہند کی وزارت تعلیم سوشل ایجوکیشن کی تحریک میں خواندگی کی اہمیت پر بہت زور دے رہی ہے۔ گذشتہ سال دسمبر میں وزارت کی طرف سے ریاست کے تعلیمی محکموں کو ایک خط بھیجا گیا تھا جس میں ان سے فرمائش کی گئی تھی کہ وہ تیسرے پنج سالہ پلان کے لئے خواندگی کے پروگرام کی مفصل اسکیمیں مرتب کرکے وزارت کو بھیجیں تاکہ ان کی بنیاد پر پورے ملک کے لئے ایک ہمہ گیر اسکیم تیار کی جا سکے۔

پچھلے دنوں ریاستی وزرائے تعلیم کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں بالغوں کی خواندگی کی ضرورت و اہمیت پر مفصل بحث ہوئی چنانچہ وزارت تعلیم کی طرف سے پھر ایک خط لکھا گیا ہے کہ دسمبر ۱۹۶۱ء میں جو فرمائش کی گئی تھی، اس پر جلد از جلد عمل کیا جائے۔ اس دوسرے خط میں ضمیمے کے طور پر ایک مفصل خاکہ بھی شامل کردیا گیا ہے اور یہ فرمائش کی گئی ہے کہ ریاست کی طرف سے جو اسکیم مرتب کی جائے وہ ایسی تبدیلیوں کے ساتھ جن کے مقامی حالات مقتضی ہوں، اسی خاکے کے مطابق ہو۔

وزارت تعلیم ہی کی طرف سے پلاننگ کمیشن کو بھی ایک یادداشت بھیجی گئی ہے جس میں کچھ اس طرح کی فرمائش کی گئی ہو کہ ملک میں سوشل ایجوکیشن، رورل انسٹی ٹیوٹ اور عام تعلیم کے جتنے ٹریننگ سنٹر ہیں، ان کے ساتھ مستقل طور پر ایک ایک مرکز خواندگی کی تعلیم کے قائم کئے جائیں تاکہ وہاں آیندہ ہونے والے استادوں کو خواندگی کی تعلیم کے اصول و طریقے سیکھنے کا بھی موقع ملے اور ناخواندہ اشخاص کی ایک تعداد خواندگی کی تعلیم بھی پا سکے۔

اُدھر تیسرے پنج سالہ پلان میں بھی پنج سالہ پلانوں کی تاریخ میں پہلی مرتبہ خواندگی کی ضرورت کو عملاً تسلیم کیا گیا ہے اور ڈیولپمنٹ بلاکوں میں اُسے بڑھاوا دینے کے پروگرام بھی مرتب کئے گئے ہیں۔ ابھی چند دن پہلے وزیر تعلیم ڈاکٹر کے۔ ایل۔ شری مالی نے اخبارات میں ایک بیان شائع کرایا تھا جس میں موصوف نے خواندگی کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہمارے ترقیاتی پروگرام صحیح معنی میں کامیاب نہیں ہوں گے جب تک ان کے شانہ بہ شانہ بالغوں کی خواندگی کا

انتظام نہیں کیا جائے گا۔

یہ وہ واقعات ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب ملک خواندگی کی طرف جو سوشل ایجوکیشن کی تحریک کا اہم ترین پہلو ہے، مستعدی یکسانیت متوجہ ہو رہا ہے اور اس کے بڑے خوشگوار نتائج سامنے آئیں گے۔ سوشل ایجوکیشن کی تحریک ایک عرصے تک عوام کی تعلیم کے ایک ترپٹ (Trial and Error) راستے کی تلاش میں بھٹکنے کے بعد دیگرے مختلف اور متعدد راہوں پر بھٹکتی رہی ہے اور یہ عریب قریب طے سا کر لیا گیا تھا کہ خواندگی بڑا ٹیڑھا، دشوار گذار اور طویل راستہ ہے جسے اختیار کرنا منزل کو اپنے سے دور کر لینے کے مترادف ہوگا۔ عوام کی تعلیم کے باب میں یہ نظریہ ملک کی ترقی کے حق میں مُضر تو یقیناً ثابت ہوا اس لئے کہ جو بات اب دس گیارہ سال کے بعد سمجھ میں آئی ہے، اگر اس کے مطابق ترقیاتی پروگراموں کے ساتھ ہی ساتھ عمل ہوا ہوتا تو ہم بھروسے کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ پنج سالہ پلانوں خصوصاً کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی اسکیم میں عوام کی عدم شرکت کا مسئلہ کم سے کم اتنا شدید اور پیچیدہ نہ ہوتا جتنا وہ اب ہے اور جس کا حل مختلف قسم کی اور مہنگی تدبیریں اختیار کرنے کے باوجود اب تک آخری طور پر سامنے نہیں آیا۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود اس بات کا اتنی دیر میں سمجھ میں آنا مفید بھی ہے اس لئے کہ اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر سمجھ میں آنے والی بات میں یقین و ایمان کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے جو جذبۂ عمل کے لئے پہلی شرط کا حکم رکھتا ہے، ورنہ خواندگی کے باب میں ہمارے سامنے ایسے ملکوں کے نمونے موجود تھے جو ہمارے ہی جیسے حالات میں بیرونی یا اندرونی استبداد کے پنجے سے آزاد ہوئے تھے اور جن کی ترقی کی داستانیں ہماری راستے سے بھٹکی ہوئی تحریک کو چیخ چیخ کر آوازیں دے رہی تھیں کہ جس راستے پر تمہارے قدم بڑھ رہے ہیں، وہ راستہ منزل کی طرف نہیں جاتا۔

عوام کی تعلیم میں خواندگی کو اب تک پس پشت ڈالے رکھنے کا ایک بڑا سبب یہ نظریہ بھی تھا کہ جب تک پیٹ میں روٹی نہ ہو، کسی کو لکھنا پڑھنا سیکھنے سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ یہ بڑا بحث طلب نظریہ ہے لیکن ہم اس بحث میں نہ پڑ کر صرف یہ کہیں گے کہ چلئے اب اس نظریے کی ضد بھی پوری ہو گئی کیمونٹی ڈیولپمنٹ کے دس سال کے کام سے اگر لوگوں کے پیٹ میں روٹی نہیں بھی پڑی ہے تو کم سے کم اس اسکیم کی بدولت اس کی آس تو بندھ گئی ہے، اور یہ کہنے کا موقع تو پیدا ہو گیا ہے کہ "بھر پیٹ روٹی حاصل کرنے کا وسیلہ وہ سامنے موجود ہے، اب اس وسیلے تک پہنچنے کی راہ نکالنے کی کسر ہے، اور وہ راہ تعلیم ہے!" اور یہ وہ بات ہے جو مذکورہ بالا نظریے کی بنیاد پر اب سے دس بارہ سال پہلے یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی تھی۔

## ایک چیتاونی

اب جب کہ سوشل ایجوکیشن کی تحریک بھٹکتے بھٹکاتے صحیح راستے پر آگئی ہے، ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اُسے خواندگی کے

باب میں ایک غلطی کی طرف سے جس کے ارتکاب کا اب بھی بہت اندیشہ ہے، متنبہ کر دیں۔

ہندوستان میں خواندگی کے لئے اب تک جتنی کوششیں ہوئی ہیں اُن کا تجربہ بتاتا ہے کہ خواندگی کی پُشکل مہموں کا کوئی اچھا اور اطمینان بخش نتیجہ نہیں نکلا ہے۔ اور یہ بات ایسی نہیں ہے جو آج اور انہی سطور میں کہی جا رہی ہو؛ عوام کی تعلیم کے ماہرین اس نتیجے پر آج سے بارہ سال پہلے ۱۹۵۰ء میں پہنچ چکے تھے اور جبل پور کے نیشنل سیمنار میں صاف صاف لفظوں میں اس کا اعلان کر دیا تھا؛ اس کے نعم البدل کے طور پر اسی سیمنار میں یہ سفارش کی گئی تھی کہ اب خواندگی کی مہمیں کلاسوں کی شکل میں پُشکل طور پر منظم کرنے کے بجائے چھوٹے چھوٹے احاطہ بند رقبوں میں جنگی پیمانے پر منظم کی جانی چاہئیں تاکہ جس طرح جنگی کارروائی سے زیر مہم علاقے سے دشمن کا صفایا کیا جاتا ہے اُسی طرح خاتمۂ ناخواندگی کی جنگی مہم سے مقررہ علاقے سے ناخواندگی کی لعنت کا صفایا ہو جائے۔ جب آس پاس کے علاقے اپنے پڑوسی کو اس بیماری سے شفایاب ہوتے دیکھیں گے تو ان میں بھی حوصلہ پیدا ہوگا اور وہ اپنے لئے بھی وہی نسخہ استعمال کریں گے جو اُن کے پڑوسی کو استعمال کرایا گیا تھا۔ اس طرح دیکھا دیکھی باپ، دیکھا دیکھی پُوت کے خالصتہً ہندوستانی طرزِ فکر کی بدولت ایک نقطہ وہ آجائے گا ——— اور امید ہے بہت جلد آئے گا ——— جب اَن پڑھ آبادی کے ہر گوشے سے آواز آئے گی کہ "اب وہاں عورت ہو یا مرد، بچّہ ہو یا جوان، ایک شخص بھی اَن پڑھ نہیں رہا"

جبل پور سیمنار کی سفارش کے مطابق خاتمۂ ناخواندگی کی مہم کی ایک اہم شرط زیرِ مہم علاقے کا احاطہ بند ہونا تھا، اور اُس وقت اس مہم کی تنظیم کرنے والوں کے سامنے احاطہ بند علاقے کا تعیّن اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ ایک دوسری شرط یہ بھی رکھی گئی تھی کہ جب علاقے میں یہ مہم چلائی جائے، وہاں بچّوں کی ابتدائی تعلیم کو لازمی قرار دینے کا انتظام بھی کر لیا جائے تاکہ بچّوں کے بالغ ہونے پر ناخواندگی کا مسئلہ ازسرِنو پیدا نہ ہونے پائے۔ اس شرط کا پورا ہونا بھی غالباً ۱۹۵۰ء میں ممکن نہیں تھا لیکن ۱۹۵۰ء کے بعد بارہ سال کی اس مدّت میں ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ اب مہم کی یہ دونوں بنیادی شرطیں بھی پوری ہو سکتی ہیں۔ رقبے کی احاطہ بندی کا تعین ڈیولپمنٹ بلاک اور پنچایت سمیتی کے قیام سے ممکن ہو گیا ہے اور ابتدائی تعلیم ہر جگہ اگر ابھی تک نہیں تو اب بہت جلد لازمی ہونے والی ہے۔ ان حالات کے پیشِ نظر ہماری رائے میں اب وہ وقت آگیا ہے کہ ریاستیں خواندگی کے لئے اپنی اپنی اسکیمیں جبل پور سیمنار کی سفارشات کی بنیاد پر مرتب کریں، ورنہ خواندگی کی بے آبروئی کے اندیشے علیٰ حالہٖ قائم رہیں گے اور ایک عرصے کے بعد پھر وہی بات دہرائی جانے لگے گی کہ "ہم نے منظم طور پر بھی تجربہ کر کے دیکھ لیا، بالغوں کی خواندگی کامیاب ہونے والی شے نہیں ہے"

اس سلسلے میں ایک اور اندیشہ بھی ہے جس کی طرف اشارہ نہ کرنا کوتاہی ہوگی۔

اگرچہ یہ بات عام تو نہیں ہے لیکن مثالیں اس کی بھی بڑی تعداد میں ملتی ہیں کہ ابتدائی منزل کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد جوانی کی عمر تک پہنچتے پہنچتے تعلیم یافتہ بچہ ناخواندہ بالغ کی شکل میں رونما ہوتا ہے۔ اس کی وجہ تلاش کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ جو بچے ابتدائی منزل کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تعلیم کا سلسلہ منقطع کر دیتے ہیں، انھیں رسمی یا غیر رسمی کسی شکل میں اسے جاری رکھنے کا موقع نہیں ملتا۔ پھر یہ بات بھی مسلم ہے کہ ابتدائی منزل کی تعلیم کا معیار اتنا پست ہوتا ہے کہ وہ زندگی میں کارآمد ثابت نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے بھی لوگ اس کی طرف سے مطلق بے خبر ہو جاتے ہیں۔

اس صورت حال کا تقاضا یہ ہے کہ جو بچے ابتدائی منزل کے بعد باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ منقطع کر دیں، ان کی تعلیم کے تسلسل کا وہ غیر رسمی شکل میں ہی سہی، کوئی نہ کوئی اُپائے ضرور کرنا چاہئے۔ اس مقصد کے لئے اگر نامناسب نہ ہو تو انگلینڈ کے نمونے کو سامنے رکھا جائے جہاں ابتدائی منزل کے بعد تعلیم کے سلسلے کو منقطع کر دینے والے نوخیز لڑکوں لڑکیوں کے لئے اٹھارہ سال کی عمر تک تسلسلی کورسوں (Continuation Courses) میں شرکت کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔

نوسکھ بالغوں کے لئے، ظاہر ہے، تسلسلی کورسوں کا سلسلہ لازمی نہیں کیا جا سکتا، لیکن ان کے بجائے ان کے مناسب حال کتب و رسائل پر مشتمل ریڈنگ روم اور کتب خانے عام کئے جا سکتے ہیں۔ خاتمۂ ناخواندگی کی مہم میں خواندگی حاصل کرنے والے ایسے بالغ بھی یقیناً ہوں گے جو ابھی اٹھارہ سے بیس بیس ہی سال کے ہوں۔ انھیں اس بات کے لئے آمادہ کیا جا سکتا ہے ــــ بشرطیکہ اس کے لئے وسائل پہلے سے فراہم ہوں ــــ کہ وہ آگے محنت کر کے اتنی قابلیت حاصل کر لیں کہ مڈل، میٹرک، اور اس کے بعد اپنے اپنے حوصلے کے مطابق بی۔اے اور ایم۔اے کے امتحانات میں شریک ہو سکیں۔

یہ ہیں ہمارے خیال میں وہ چند بنیادی باتیں جنھیں اپنے سامنے رکھ کر ریاستوں کے تعلیمی محکموں، ڈیولپمنٹ بلاکوں اور سوشل ایجوکیشن سے تعلق رکھنے والے دوسرے اداروں کو خواندگی کی اسکیمیں مرتب کرنا چاہئے، اس لئے کہ ہمارے نزدیک اسی شکل میں خواندگی کے نتائج حوصلہ افزا اور اطمینان بخش ہوں گے۔

## افکار و مسائل

# خواندگی کے مختلف طریقے

پچھلے پرچے میں "خواندگی اور سوشل ایجوکیشن" کے زیر عنوان جو مضمون شریک اشاعت کیا گیا تھا وہ اُس لیکچر کا جو "خواندگی کے مختلف طریقے" کے عنوان سے دہلی کے محکمۂ سوشل ایجوکیشن کے ایک ٹریننگ کیمپ میں دیا گیا تھا، تمہیدی حصہ تھا۔ اب زیر نظر اشاعت سے ہم اصل مقالے کا سلسلہ شروع کر رہے ہیں۔

اس قسط میں ڈاکٹر فرینک سی لاباخ کے طریقے کا تعارف دیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد شری اے۔ بی۔ مانڈے کے گیت میتھڈ، شری شالگ رام تپھک کے بنیادی لفظ میتھڈ، شری حیات اللہ انصاری کے پکچر ورڈ میتھڈ اور چند اور طریقوں کے تعارف دیئے جائیں گے اور آخر میں خواندگی سے متعلق چند مسائل کا ذکر کر کے یہ سلسلۂ مضامین ختم کر دیا جائے گا۔

—— ایڈیٹر

## چند ابتدائی باتیں

### ۱۔ خواندگی کی مختصر تاریخ

بالغوں کی تعلیم کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہندوستان کے لئے یہ کوئی نئی چیز ہے؛ ہندوستان ہی کیا کسی ملک کے باب میں جس کی اپنی تہذیبی تاریخ ہے، یہ بات نہیں کہی جا سکتی۔ اگر تعلیم کی تعریف میں یہ اصول تسلیم کر لیا جائے کہ سیکھنے کا عمل حرف شناسی اور لکھی ہوئی عبارت پڑھنے کی صلاحیت سے مشروط نہیں ہے اور انسان غیر خواندگی کے زمانے سے لے کر

آخر عمر تک نئی نئی باتیں سیکھتا رہتا ہے تو یہ بات خود ثابت ہو جاتی ہے کہ مدارج کے فرق کے ساتھ ترقی یافتہ یا غیر ترقی یافتہ ہر سماج میں اور ہر زمانے میں تعلیم کا عمل جاری رہتا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اس تعلیمی عمل کی شکلیں زمانے کے تغیر کے ساتھ ساتھ بدلتی رہی ہیں اور جب تک انسانی تہذیب بقید حیات ہے بدلتی رہے گی۔ اُس کی مثال چھوٹے بچوں کی تعلیم کے نئے طریقے میں ملتی ہے۔ ایک زمانہ تھا جب بچوں کو خواندگی سکھانے کے پرائمروں میں صرف حروف، الفاظ اور آگے چل کر چھوٹے چھوٹے جملے اور کہانیاں ہوتی تھیں تصویروں کا نام نہیں ہوتا تھا۔ اساتذہ بچوں کو طوطوں کی طرح حروف رٹایا کرتے تھے۔ اور اگر اس رٹائی میں بچے کا نام رہتے تھے تو ان کی نزاکت اور معصومیت کا خیال کئے بغیر ان کے اوپر مار پڑتی تھی۔ لیکن اب یہ طریقہ گئے گذرے اسکول میں بھی نہیں ملے گا۔ اب بچوں کے پرائمر تصویروں سے بھرے رہتے تھے اور انہیں انھی تصویروں کی مدد سے حروف سمجھوائے جاتے ہیں۔ مار پیٹ قریب قریب ہر اسکول میں ممنوع ہے۔ اس کے بدلے انہیں پیار محبت کے ذریعے طرح طرح کے کھیل کھلا کر، انعام کا لالچ دے کر اور اسی طرح کے اور ترغیب دلانے والے ذرائع اختیار کر کے پڑھنے لکھنے کی طرف مائل کیا جاتا ہے۔ یہی کیفیت بالغوں کی تعلیم کی بھی ہے۔ یہ تعلیم پہلے زمانوں میں بھی تھی، اور بعض ماہرین کی رائے میں موجودہ زمانے کی تعلیم سے زیادہ موثر اور کارگر تھی۔ اب جس چیز کو ہم بالغوں کی تعلیم کے نام سے جانتے ہیں، وہ صرف اس کی بدلی ہوئی شکل ہے۔

انگریزوں کے تسلط سے پہلے؛ بلکہ یوں کہئے کہ پہلی جنگ عظیم سے پہلے بالغوں کی تعلیم خواندگی اور پڑھنے لکھنے کے فن کی واقفیت سے مشروط نہیں تھی۔ اس کے وسیلے خواندگی اور کتاب سے مختلف بھجن، کتھا کیرتن، میلاد شریف، تیوہاروں کے موقعوں پر انفرادی اور اجتماعی طور پر منعقد ہونے والی مجلسیں، تقریبیں اور جشن وغیرہ ہوتے تھے۔ ان تقریبوں کی نوعیت زیادہ تر مذہبی ہوتی تھی اس لئے اُن کی شرکت ہر چھوٹے بڑے اور عورت مرد کے لئے لازمی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ مذہب اور اس کے واسطے سے زندگی کی قدروں، اطوار و آداب اور قوانین و ضوابط کی کم سے کم ابتدائی معلومات ہر شخص کو ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ شادی بیاہ، میت، جھانی اور مہمان نوازی وغیرہ کے موقعے تھے جن کے ذریعے لوگ ایک دوسرے کے خیالات و افکار سے مستفید ہوتے اور سیکھتے تھے۔

اس غیر رسمی تعلیم بالغان کے ادارے موجودہ زمانے کی طرح کے اسکول اور تعلیمی مرکز نہیں ہوتے تھے، بلکہ مندر، مٹھ، گرودوارے، مسجدیں، خانقاہیں، آشرم اور کٹیاں ہوتی تھیں جہاں ہمہ وقت علم کا چشمہ جاری رہتا تھا، اور بلا کسی قید و امتیاز کے ہر شخص اکتساب فیض کے لئے ہر وقت جا سکتا تھا، نہ وقت کی کوئی قید، نہ حاضری کی پابندی، نہ سند، نہ امتحان، تعلیم زبان سے نہ بھی ہوئی تو معلم کی دعا اور آشیرواد اور تبرک اور پرساد ہی کافی ہوتا تھا اور ایک عرصہ

تک طالب علم کے دل و دماغ کو متاثر کیے رہتا تھا۔

موجودہ تعلیم بالغان جو تعلیم بالغان کی صرف جدید شکل ہے، اس کا آغاز بڑے پیمانے پر ہندوستان میں پہلی جنگ عظیم کے اختتام کے وقت سے ہوتا ہے۔ اس سے پہلے بچوں کی تعلیم تو عام تھی ہی نہیں، بالغوں کی تعلیم تو بہت دور کی بات تھی۔ البتہ جنگ سے پہلے کے اس زمانے میں یورپ کے عیسائی مشن جو ملک میں جابجا پھیلے ہوئے تھے، ان پڑھ بالغوں کو حرف شناس بنانے کی حد تک تعلیم بالغان کا تھوڑا بہت کام کرتے تھے۔ اُن کا مقصد بھی بالغوں کو تعلیم کی دولت سے آشنا کرنے کے بجائے زیادہ تر ان پڑھوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا اور اس ذریعے سے اُن میں عیسائیت کی تبلیغ کرنا ہوتا تھا۔ ہاں جو بالغ عیسائیت قبول کر لیتے تھے، انھیں وہ دل لگا کر تعلیم دیتے تھے اور ان کی صحیح معنوں میں اڈلٹ ایجوکیشن ہو جاتی تھی۔

جنگ کے اختتام پر جب ہندوستانی فوجی سپاہی اور افسر لوٹ کر ہندوستان واپس آئے تو وہ یورپ کے تعلیم یافتہ ماحول سے بے حد متاثر تھے اور ان کے اس تاثر کے نتائج جہاں سیاسی، تعلیمی اور سماجی میدانوں میں ظاہر ہوئے، وہاں بالغوں کی تعلیم کو بھی اس نے نئی راہ پر لگایا۔ چنانچہ سنہ ۱۹۱۸ء سے لے کر سنہ ۱۹۵۳ء تک کا زمانہ بالغوں کی تعلیم کے مختلف تجربات سے بھرا نظر آتا ہے۔ یہ تاثر اتنا گہرا تھا کہ بعض یونیورسٹیوں نے بھی اپنے یہاں تعلیم بالغان کا کام شروع کر دیا تھا۔ اگرچہ تھوڑے ہی عرصے میں اسے ترک بھی کر دیا۔ مگر عیسائی مشن اور بہت سے دوسرے نجی ادارے مستقل اس کام میں لگے رہے اور کمیونٹی سنٹر، کمیونٹی ہال جیسے ترقی یافتہ وسائل تعلیم کے تجربے کرتے رہے۔

لیکن بالغوں کی تعلیم کے اس ملک گیر جوش کو ایک زبردست رکاوٹ سے دوچار ہونا پڑا اور وہ تھی بالغوں کی عالمگیر ناخواندگی۔ تعلیم بالغان میں یورپ اور انگلستان کی تقلید کا تقاضا، قدرتی بات ہے، یہ تھا کہ بالغ کم سے کم ابتدائی تعلیم کی منزل پار کر چکے ہوں، اور انھیں اُس منزل سے آگے لے چلا جائے؛ مگر انھوں نے دیکھا، یہ بنیادی شرط ہی یہاں پوری نہیں ہو رہی ہے، تو اس کے نتیجے کا کیا امکان! لازمی بات تھی کہ وہ پہلے بالغوں کو ابتدائی منزل کی تعلیم یعنی خواندگی سے بہرہ ور کرنے کا انتظام کریں۔ اڈلٹ ایجوکیشن میں بالغوں کی خواندگی کو شامل کرنے کا نقطۂ آغاز غالباً یہی مجبوری ہے، ورنہ سچ پوچھیے تو یورپ اور انگلستان میں جس چیز کو اڈلٹ ایجوکیشن کہتے ہیں، اس میں بالغوں کی خواندگی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

## ۲۔ خواندگی کی پست معیاری اور اس کا نتیجہ

ہندوستان کے پندرہ بیس کروڑ بالغوں کو خواندہ بنانا کوئی آسان کام نہیں تھا بالخصوص ایسی حالت میں جب یہ

سارا کام حکومت کی امداد کے بغیر محض رضاکارانہ کوشش کے بل پر انجام دیناتھا۔ اس مجبوری کا نتیجہ یہ تھا کہ زیر تعلیم بالغوں کو معمولی لکھنا پڑھنا اور موٹا موٹا حساب کتاب سکھا دینا خواندگی کا معیار قرار پایا۔ بالغ مبتدی کاغذات پر انگوٹھے کا نشان لگانے کے بجائے اگر اپنا نام لکھ لے، کاغذ پر لکھی ہوئی صاف صاف تحریر کو پڑھ لے، اپنا خط، آڑا سیدھا ہی سہی اپنے آپ لکھ لے، اور اپنے پاس آیا ہوا خط، اٹک اٹک کر ہی سہی، پڑھ لے اور اپنی مزدوری اور غلے کی فروخت کا حساب لگا لے تو یہ اس کے لئے کافی ہے زیادہ سمجھا جاتا تھا، اور ظاہر ہے، ان حالات میں اس سے زیادہ کچھ اور ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ اسی کے ساتھ ایک مسئلہ یہ بھی سامنے آیا کہ ایک بار کے پڑھے ہوئے نوسکھ بالغ کچھ عرصے کے بعد پھر جوں کے توں ان پڑھ ہو جاتے تھے۔ یہ صورتِ حال نتیجہ تھی ان نوسکھ بالغوں کے لئے الگ سے لکھی ہوئی انھی کے معیار اور مطلب کی کتابوں کے قحط کا، اس لئے کہ نوسکھ بالغ اونچی اونچی اور مشکل زبان میں لکھی ہوئی مروجہ کتابیں تو نہیں پڑھ سکتے تھے۔

ابتدائی زمانے کی خواندگی کی یہی پست معیاری آزاد ہندوستان میں جب سوشل ایجوکیشن کے نام سے عوام کی تعلیم کا چرچا ہوا، اڈلٹ ایجوکیشن کی بے آبروئی کا بھی سبب بنی۔ چنانچہ آج، جیسا کہ میں اس مقالے کے تمہیدی حصے میں بتا چکا ہوں، عوام کی تعلیم کے علما کے سامنے اڈلٹ ایجوکیشن کا نام لیجئے تو وہ حقارت سے یہ کہتے ہوئے منھ پھیر لیتے ہیں کہ "اڈلٹ ایجوکیشن! اونہہ! ترقی کے اس دور میں خالی خولی خواندگی سے کیا کام بنے گا!! ہمیں ضرورت ہے، ہمہ گیر تعلیم کی، جس کے لئے بالغ کا خواندہ ہونا کوئی ضروری شرط نہیں ہے: اب تعلیم کے اتنے ذرائع ایجاد ہو چکے ہیں کہ ان کی بدولت خواندگی کے بغیر بھی لوگوں کو تعلیم یافتہ بنایا جا سکتا ہے۔"

## ۲۔ خواندگی کا موجودہ معیار: فنکشنل لٹریسی

لیکن بہ ایں ہمہ تحقیر و تنقیص خواندگی کو عوام کی تعلیم کا ایک ضروری جزو تسلیم کئے بھی چارۂ کار نہیں ہے، چنانچہ سوشل ایجوکیشن کے نام سے عوام کی ہمہ گیر تعلیم کا نعرہ بلند ہونے کے باوجود ریاستی، قومی اور بین الاقوامی پیمانے پر خواندگی کی اہمیت سے متعلق اکثر و بیشتر سیمینار، ورکشاپ اور کانفرنسیں منعقد ہوتی رہی ہیں۔ آزادی سے کچھ عرصہ پہلے اور اس کے بعد سے اب تک نوسکھ بالغوں کے حسب حال ادب کی تیاری پر ایک مستقل فن کی حیثیت سے کام ہو رہا ہے چنانچہ اب نوسکھ بالغوں کے پھر سے ناخواندگی کی نوبت کو پہنچ جانے کا امکان کم ہو گیا ہے۔ ان سب کوششوں اور غور و فکر کے نتیجے کے طور پر کم سے کم نظریے کی حد تک سہی، موجودہ دور میں خواندگی کا معیار بہت بلند ہو گیا ہے اور اس نئے معیار خواندگی کو "فنکشنل لٹریسی" (کارآمد خواندگی) کی اصطلاح سے موسوم کیا جانے لگا ہے۔

## فنکشنل لٹریسی

فنکشنل لٹریسی کی تعریف اس کے نام میں مضمر ہے یعنی لٹریسی یا خواندگی کا وہ معیار جس کا "فنکشن" (منصب، عمل) وہی ہو جو مڈل تک کی تعلیم پائے ہوئے ایک اوسط تعلیم یافتہ شخص کی زندگی میں اس کی تعلیم کا ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ فنکشنل لٹریسی کی مد تک تعلیم پایا ہوا نوسکھ بالغ (۱) پوری روانی، صحیح تلفظ اور اچھی طرح سمجھ کر آٹھویں جماعت کے معیار کی سب کتابیں پڑھ لے۔ (۲) اسی روانی صحیح املا اور صحیح صرف و نحو کے مطابق تحریر کے ذریعے اپنے خیالات کا اظہار کر سکے۔ (۳) آٹھویں جماعت کے معیار کے حساب، جامیٹری اور مساحت سے واقف ہو جائے۔ (۴) اپنے گاؤں، اپنے پرگنے، تحصیل اور ضلعے کے جغرافیے سے پورے طور سے؛ اور اپنی ریاست اور ملک کے جغرافیائی حالات سے کافی اور دنیا کے جغرافیے سے معمولی طور پر واقف ہو؛ اپنے ملک کی تاریخ، سیاسی اداروں مثلاً پارلیمنٹ، اسٹیٹ اسمبلی، ضلع پریشد، پنچایت اور ملک کے دستور کی اُسے معلومات ہو۔ اور (۵) اپنے مخصوص پیشے مثلاً زراعت، صنعت، تجارت وغیرہ سے متعلق آسان زبان میں لکھی ہوئی کتابیں اچھی طرح پڑھ اور سمجھ کر اُن سے کام لینے کی اُس میں صلاحیت پیدا ہو جائے۔

یہ ہیں مختصراً وہ ابتدائی اور بنیادی باتیں جن کی روشنی میں خواندگی کے اُستاد کو اپنے کام کا آغاز کرنا چاہئے۔ اب آیئے خواندگی کی تعلیم کے چند نہایت معروف و مقبول طریقوں کا جائزہ لیں۔

## خواندگی کے چند مشہور طریقے

## الف۔ لاباخ میتھڈ

### ۱۔ ڈاکٹر فرینک سی لاباخ

ایشیائی ملکوں اور ان کے بعد عرب اور افریقی ممالک میں بڑے پیمانے پر اور سائنٹفک ڈھنگ سے بالغوں کی خواندگی کے تجربے کرنے میں ڈاکٹر فرینک سی لاباخ غالباً پہلے بزرگ ہیں۔ انھوں نے اس کام کی ابتدا ۱۹۲۹ء میں جزائر فلپائن کی مورو قوم میں کی تھی اور اس کے بعد سے اب تک وہ ۹۶ ملکوں اور ۲۷۴ زبانوں میں بالغوں کی خواندگی کی مہمیں منظم کر چکے ہیں اس کے علاوہ وہ اس میدان میں اساتذہ اور منتظمین کی رہنمائی کرنے کی غرض سے جتنا لٹریچر انھوں نے تیار کر دیا ہے، اتنا غالباً کسی اور معلم نے اب تک نہیں کیا ہے؛ ڈاکٹر لاباخ کی کوششوں کا یہ پہلو ایسا ہے کہ اڈلٹ ایجوکیشن اور خواندگی کی تاریخ میں ان کا

نام ہمیشہ عزت و احترام کے ساتھ زندہ رہے گا۔

## لاباخ کے تجربے کی داستان

ڈاکٹر لاباخ امریکہ کے باشندے ہیں۔ امریکہ کی مشہور یونیورسٹی کولمبیا یونیورسٹی سے سماجیات میں ڈاکٹر کی ڈگری لینے کے بعد وہ جزائر فلپائن میں ایک عرصے تک پادری کی حیثیت سے کام کرتے تھے ۱۹۲۹ء میں ان کی ملاقات ایک اور امریکی پادری ڈونا ئیٹو گیبر یاسے ہوئی اور دونوں نے مل کر طے کیا کہ فلپائن کے لانا جزیرے میں بسنے والی قوم مورو کو خواندہ بنانے کی مہم چلائی جائے۔

جزیرہ لاناؤ کی مورو قوم جو مذہباً مسلمان ہے تعلیم و تہذیب کے اعتبار سے بے حد پسماندہ قوم تھی۔ اس قوم کے لوگ ایک زبان "مرانو" بولتے تھے لیکن اس کا نہ کوئی رسم الخط تھا، نہ کوئی ادب۔ لے دے کے ڈیڑھ دو سو کے لگ بھگ الفاظ تھے جن سے یہ لوگ اپنا کام چلا لیتے تھے۔ قدرتی بات ہے کہ ڈاکٹر لاباخ کے سامنے مہم کے سلسلے میں پہلی ضرورت یہ تھی کہ اس زبان کے لئے ایک رسم الخط اختیار کیا جائے۔ انھوں نے یہ ضرورت رومن رسم الخط سے پوری کی؛ زبان ایسی تھی کہ وہ چار حروف علت یعنی I، A، U، O اور V، T، S، R، N، M، L، K، G، D، B جیسے سولہ حروف ہجا سے پوری ہو جاتی تھی۔ زبان ایسی تھی کہ جو حرف جہاں ہے، وہاں وہ پوری آواز دیتا ہے، اس کی نہ کوئی دوسری آواز ہے نہ شکل۔

رومن رسم الخط ایجاد کرنے کے بعد خود ڈاکٹر لاباخ کا بیان ہے کہ "پہلے میں نے حروف سکھانے کے لئے وہی طریقہ اختیار کیا جو کولمبیا یونیورسٹی میں ٹیچرز کالج میں سیکھا تھا یعنی کہانی سنا کر الفاظ کا تعارف اور پھر الفاظ کو توڑ کر حروف کا تعارف لیکن میں نے دیکھا کہ ترقی اچھی نہیں ہے۔ پھر میں نے آواز کے طریقے (فونیٹک میتھڈ) پر حروف کی پہچان شروع کرائی یعنی حروف کا نام نہیں بلکہ ان کی آواز بتائی۔ میں نے دیکھا کہ اس طریقے سے طالب علموں کے جیسے پر لگ گئے۔

میں نے "مرانو" زبان سے تین الفاظ ایسے منتخب کئے جن میں یہ بیسوں حروف ایک ساتھ آگئے تھے۔ انہی تین الفاظ کی مدد سے میں نے آواز کے طریقے پر بتدریج حروف کی پہچان کرائی۔ اس طرح تین اسباق پڑھانے کے بعد میں نے دیکھا کہ مورو لوگ اپنی زبان کے ہر لفظ کا تلفظ کر لیتے تھے اور ایسے الفاظ بھی پڑھ لیتے تھے جنھیں انھوں نے کبھی سنا بھی نہیں تھا۔ میں نے یہ تجربہ کیا کہ اگر طالب علم ایک لفظ کو پانچ مرتبہ غور سے دیکھ لے تو اس کی شکل اسے یاد ہو جاتی ہے۔ اس تجربے سے فائدہ اٹھا کر میں نے پڑھائے جانے والے الفاظ کو اتنی بار ان کے سامنے رکھا کہ جس وقت کوئی لفظ ان کے سامنے

آتا، وہ اُسے پہچان لیتے۔ الفاظ کو مبتدیوں کے سامنے بار بار لانے کے لئے یہ ترکیب بھی کی گئی کہ ان کی زبان میں جو گیت اور اقوال سب سے زیادہ مقبول تھے اور جن سے ہر خواندہ اور ناخواندہ عام طور سے واقف تھا، انھیں موٹے حروف میں چھپوا کر اُن کے سامنے گایا اور گوایا گیا۔ ان ترکیبوں کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ تین دن کی پڑھائی کے بعد مبتدی اس قابل ہو جاتا تھا کہ بغیر استاد کی مدد کے اپنی زبان کا ہر لفظ آسانی سے پڑھ لیتا تھا۔ اس طریقۂ تعلیم کو ہم (Key word) میتھڈ (بنیادی لفظ کا طریقہ) کہتے تھے۔"

## ہندی پڑھانے کا لاباخ میتھڈ

لاناؤ ڈلیپائن میں خواندگی کے مذکورہ بالا طریقے پر تجربہ کرنے کے ساتھ ڈاکٹر لاباخ بقول خود "جو چیز میں نے لاناؤ میں شروع کی تھی، وہ ایک آزمائش تھی، جس کے واسطے سے میں اپنے تجربوں سے مسلسل سبق حاصل کرتا رہا، جو چیز ایک مرتبہ آزماتا، اُسے دوسرے دن یا دوسرے ہفتے پھر آزماتا اور اس میں میری کوشش یہ رہی کہ جلد بازی اور فرصت و آرام کو بالائے طاق رکھ کر اچھی چیز، پھر اُس سے اچھی اور پھر سب سے اچھی ہاتھ آجائے۔

اپنی کتاب Toward World Literacy کے دوسرے باب میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:-

> "ہم اپنے طریقے میں اب بھی تبدیلیاں اور اضافے کر رہے ہیں۔ لیکن یہ تبدیلیاں اور اضافے بنیادی طریقہ کو یکسر بدل دینے والی تبدیلیاں اور اضافے نہیں ہیں۔ گذشتہ دس سال کے پیہم تجربوں نے ہمیں سکھایا ہے کہ جو حرف سکھانا مقصود ہو اُس کی شکل کسی ایسی چیز سے مشابہ ہونی چاہیئے جس کا نام اُسی حرف سے شروع ہوتا ہو..... چیز اور حرف کی شکلوں کا یہ ربط سب سے پہلے میں نے بمبئی پریسیڈنسی میں دیکھا جہاں پونا کے میٹر ہندی کا پڑھانے میں اس اصول کا استعمال کرتے تھے۔ ان کے پاس ایک سینما مشین تھی جس کے ذریعے وہ طالب علموں کے سامنے ایسی چیزوں کی تصویریں پیش کرتے تھے جو عام طور پر لوگ جانتے پہچانتے تھے اور جن کی شکلیں پڑھائے جانے والے حروف سے مشابہ تھیں۔"

ڈاکٹر لاباخ کے اس طریقے کی مثال کے لئے مضمون کے اخیر میں لگے ہوئے چارٹ کو دیکھئے۔ اس چارٹ میں افقی حالت میں چار خانے ہیں۔ پہلے خانے میں چیزوں کی تصویریں بنی ہیں۔ دوسرے خانے میں اسی تصویر کی شکل سے ملا کر حرف کی شکل بنائی گئی ہے۔ تیسرے خانے میں اُوپر اُس چیز کا نام لکھا گیا ہے اور نیچے وہ حرف لکھا ہے جس سے اُس چیز کا نام شروع ہوتا ہے۔ چوتھے خانے میں اُس حرف کو دو دو دفعہ مزید لکھا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ چیز کی تصویر کے ذریعے طالب علم کے

| | |
|---|---|
| आम<br>आ ा | आ आ<br>अ अ |
| बनिया<br>ब | बा बा<br>ब ब |
| ताला<br>ता | ता ता<br>त त |
| जामुन<br>जा | जा जा<br>ज ज |
| कान<br>का | का का<br>क क |
| मकान<br>म | मा मा<br>म म |

JAMIA TELE-CLUB

ذہن میں پہلے پورا لفظ اتارا جائے اور پھر لفظ کے پہلے حرف کا جس کا تعلق چیز کے نام سے پہلے ذہن میں بیٹھ چکا ہے، تعارف کرایا جائے۔

پرائمر میں اس تصویر والے سبق کے سامنے والے صفحے پر چار چار کی تعداد میں چہار لفظی بامعنی فقرے دئے ہوئے ہیں جن میں شروع کے کم سے کم دو لفظ وہی ہیں جو بانصویر سبق میں طالب علم سمجھ چکے ہیں مثلاً

سبق کا پہلا ٹکڑا یہ ہے　　آم ہے　　بنیا ہے　　تالا ہے　　جامُن ہے　　کان ہے　　مکان ہے

دوسرا ٹکڑا یہ ہے　　بنیا جامُن لاتا ہے　　بابا جامُن لاتا ہے　　کاکا جامُن لاتا ہے　　ماما جامُن لاتا ہے　وعلیٰ ہذا۔

اس طریقۂ خواندگی اور اس کے مطابق پڑھانے کے متعلق خود ڈاکٹر لاباخ کا بیان ملاحظہ فرمائیے:-

"آیئے اس بات کا فیصلہ کریں کہ ہم نے اس سبق کو اس انداز پر کیوں ترتیب دیا۔ پہلی بات یہ ہے کہ یہ طریقہ پچیس سال کے مسلسل تجربے کا نتیجہ ہے۔ تصویروں اور لفظوں کو ایک صفحے پر اور اس کے بالکل سامنے کے صفحے پر چہار لفظی فقروں سے بنی ہوئی کہانی دینے میں مصلحت یہ ہے کہ طالب علم کو جس لفظ کی ضرورت ہے، وہ اُسے بغیر کسی خارجی امداد کے یا زیادہ سے زیادہ معمولی سے اشارے پر دہن کے دہن مل جاتا ہے۔

چہار لفظی فقروں کی کہانی میں چار مختلف آدمی ایک ہی طرح کا کام کرتے بیان کئے گئے ہیں۔ استاد کو چاہئے کہ وہ پہلی مرتبہ طالب علم کو بتائے "بنیا تالا لاتا ہے"۔ اس کے بعد طالب علم باقی تین فقرے خود پڑھ سکتا ہے۔ اس طرح ہر صفحے پر جتنی پڑھائی ہے اُس کے صرف ایک چوتھائی پر استاد کو محنت کرنی پڑے گی۔ باقی تین چوتھائی طالب علم بغیر اُستاد کی مدد کے خود پڑھ سکتا ہے۔ پورے صفحے کو پڑھنے کے دوران میں صفحے کا ہر لفظ کم سے کم پانچ مرتبہ طالب علم کی نظروں کے سامنے سے گذر چکا ہوگا۔ اور یہی کافی ہے ان لفظوں کو اُن کے ذہن میں بٹھانے کے لئے اب مزید کسی مشق یا ڈرل کی ضرورت نہیں ہوگی۔"

چیز کی تصویر اور اس کے نام کے پہلے حرف کی شکلوں پر مبنی مذکورہ بالا چارٹ محض نمونے کے طور پر دیا گیا ہے۔ اسی اصول پر لاباخ میتھڈ میں ہندی کے تمام حروف ہجا اور حروف علّت کو تصویروں سے مشابہ کرکے دکھایا گیا ہے اور اسی اصول پر سامنے والے صفحے پر فقروں سے کہانیاں ترتیب دی گئی ہیں۔

(مسلسل)

# دہلی میں ٹیلی ویژن کے ذریعہ شہریت کی تعلیم کا تجربہ

تعلیم کا مقصد صرف اسکول یا کالج میں پڑھنا نہیں ہے۔ مختلف حالات میں اپنے تجربوں سے ہم روزانہ نئی نئی باتیں سیکھتے رہتے ہیں یہ تعلیم ہم غیر شعوری طور پر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ یہ بھی تعلیم ہی ہے۔

دہلی کی زندگی میں بہت تیزی کے ساتھ تبدیلیاں آرہی ہیں۔ یہ اپنے چاروں طرف بہت تیزی کے ساتھ پھیل جانا چاہتی ہے۔ سینکڑوں مسائل ابھر رہے ہیں۔ ٹریفک کا مسئلہ، صحت اور صفائی کا مسئلہ، بڑھتی ہوئی گندی بستیوں کا مسئلہ، ملاوٹ کا مسئلہ، وغیرہ وغیرہ۔ اگر ہمیں دہلی میں رہنا ہے تو ان مسائل کا سامنا کرنا اور اس کے تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا ضروری ہے۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ٹریفک کے کیا قاعدے ہیں صحت اور صفائی سے متعلق اس بڑے شہر میں ان کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔ جھگیوں جھونپڑیوں کو اچھے مکانوں میں بدلنے کے لئے کون سا محکمہ کام کر رہا ہے۔ ملاوٹ کو روکنے کے لئے وہ ایک شہری کی حیثیت سے کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ دہلی میں وہ کون سا محکمہ ہے جو اس کی روک تھام کے لئے ہے۔ یہ اور کچھ دوسرے چھوٹے موٹے مسائل ہیں جن کا ہمیں آئے دن سامنا کرنا ہوتا ہے۔ اپنی لاعلمی کے کارن ہم بہت سی باتوں کے بارے میں دھوکے میں رہتے ہیں اور ان کے لئے کوئی مناسب تدبیر نہیں کر پاتے ہیں۔ ایسے وقت میں ہمیں شہریت کی تعلیم کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تمام ہی لوگوں کے لئے، خواہ وہ پڑھے لکھے ہوں یا ان پڑھ، کچھ اس طرح کی تعلیم کا انتظام کیا جائے کہ وہ تیزی سے بدلتی ہوئی زندگی کے ساتھ قدم ملا کر چل سکیں۔ یہ تعلیم ضروری نہیں کہ محض اسکول یا کالج کی تعلیم میں مل جائے۔ یہ تو وہ باتیں ہیں جنھیں ہم زندگی کے تجربوں سے سیکھتے ہیں۔ یہ ایک کبھی ختم نہ ہونے والا عمل ہے۔ اس طرح کی تعلیم کے لئے آج دہلی میں مختلف ادارے کام کر رہے ہیں اور اس کے لئے مختلف ذرائع استعمال کئے جا رہے ہیں۔ کہیں فلموں کی مدد لی جارہی ہے تو کہیں پوسٹروں اور پمفلٹوں کی۔ کہیں کلب اور اس طرح کی دوسری انجمنیں بنائی جاتی ہیں تو کہیں شہری تعلیم کے دوسرے پروگرام چلائے جاتے ہیں اور یہ سب اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ عوام زندگی کی تیز رفتار ترقی کا ساتھ دے سکیں اور سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی کے ساتھ قدم ملا کر چل سکیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو سماج کا توازن قائم نہ رہے جو سماج کے استحکام کے لئے شرط

کی حیثیت رکھتا ہے۔

شہریت کی تعلیم کے وسائل میں ٹیلی ویژن کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ پچھلی نصف صدی میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن اور اسی طرح کی دوسری ایجادات نے زندگی کو بہت متاثر کیا ہے۔ اب سائنس اور ٹکنالوجی نے کافی ترقی کر لی ہے۔ انسان کل دھرتی کی بات کرتا تھا، اب آکاش میں اڑان لگانے لگا ہے۔ اس طرح انسان کی زندگی میں ہر لمحہ ایک نئی تبدیلی رونما ہو رہی ہے اور زمانہ اسی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔ ان حالات میں ٹیلی ویژن کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ باہر کے ملکوں، خصوصاً یورپ اور امریکہ میں ٹیلی ویژن اسٹیشنوں کا جال سا بچھا ہوا ہے۔ وہاں اس ایجاد سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔ یہ تفریح کا سامان بھی مہیا کرتا ہے اور تعلیم کے مواقع بھی۔ ہمارے ملک میں دہلی کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں کے عوام اس عجیب و غریب ایجاد سے نہ صرف یہ کہ آشنا ہو گئے ہیں بلکہ زندگی میں اس سے کافی فائدہ بھی اٹھا رہے ہیں۔ ٹیلی ویژن کے پروگراموں کے ذریعہ لوگوں کی تعلیم و تربیت کا پروگرام جاری ہے۔ یہ پروگرام آل انڈیا ریڈیو کی تجرباتی یونٹ کی طرف سے چلایا جا رہا ہے۔ آل انڈیا ریڈیو کا یہ تجرباتی پروگرام ٹیلی ویژن کو عوامی تعلیم کا ایک ذریعہ مان کر ہی چلایا جا رہا ہے۔ اپنی تین سال کی زندگی میں اس یونٹ نے بہت قابل قدر کام کئے ہیں۔ ان پروگراموں کے ذریعہ دہلی کے لوگوں کو نئی نئی باتوں کا علم حاصل ہو رہا ہے۔ ان کے ذریعہ نئے نئے سماجی مسائل پر روشنی ڈالی جا رہی ہے، ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔ یہ اس ملک کے لئے بالکل نیا پروگرام ہے اس لئے اس میں کچھ خامیوں کا رہ جانا بہت زیادہ کھٹکتا نہیں ہے۔ دہلی میں ٹیلی ویژن کا افتتاح ہونے کے دن سے ہی میں ٹیلی ویژن کے پروگرام بہت پابندی اور دلچسپی سے دیکھتا رہا ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ یہ پروگرام ہر لحاظ سے ترقی کر رہا ہے۔ اس کے پروگرام تفریح کے سامان کے ساتھ ہی ساتھ غور و فکر کا سامان بھی مہیا کرتے ہیں۔ زندگی کے چھوٹے موٹے مسائل کا راز اور ان کے اسباب تو ٹیلی ویژن پروگراموں کے دیکھنے سے ہی سمجھ میں آ جاتے ہیں۔ ٹیلی ویژن عوامی تعلیم کے ایک وسیلے کی حیثیت سے دہلی میں بہت کامیاب ہے۔ یہ اس بڑے شہر کی ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا کر رہا ہے۔ اس کا پروگرام جو اس وقت ہفتے میں بس ایک دن صرف ایک گھنٹے کے لئے ہوتا ہے، بہت کم ہے اور اس حیثیت سے یہ لوگوں کی تسکین کا بہت کم سامان مہیا کرتا ہے

## ٹیلی کلب : ایک تجربہ

مگر اس کے باوجود اس پروگرام کے ساتھ ٹیلی کلبوں کی تنظیم نے اس کے مختصر پروگراموں کی اہمیت کو کافی بڑھا دیا ہے۔

...ٹیلی ویژن ہو یا ریڈیو، سینما ہو یا نمائش ان کا مقصد محض تفریح بھی ہو سکتا ہے۔ ٹیلی ویژن لوگوں کی تفریح کا اچھا وسیلہ ہے مگر ہماری ضرورت صرف تفریح نہیں ہے اور نہ ہمارے پاس وسائل کی اتنی افراط ہے کہ دہلی جیسے چھوٹے سے علاقے کے لوگوں کی تفریح کے لئے لاکھوں روپیہ خرچ کر سکیں۔ اسی لئے دہلی میں ٹیلی ویژن کو صرف تفریح کا ذریعہ ہی نہیں تعلیم کا ایک وسیلہ بھی مانا گیا ہے اور اسی مفروضے پر اس کے سارے پروگرام چلائے جا رہے ہیں۔ اس لئے ٹیلی ویژن کے پروگراموں کو دیکھنے والوں کا بس اتنا ہی کام نہیں ہے کہ وہ اس پروگرام کو دیکھ کر خوش ہو لیں، بلکہ اُن کی ذمّہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اس میں بتائی گئی باتوں پر توجہ دیں، انہیں سمجھیں، اور سوچیں کہ یہ باتیں کس طرح اُن کی زندگی میں مفید اور کار آمد ہو سکتی ہیں۔ اِن باتوں کو زندگی میں برت کر ان سے فائدہ اٹھانے پر ہی اس پروگرام کی کامیابی منحصر ہے۔ ان پروگراموں کے ذریعہ ہم غیر شعوری طور پر جو باتیں سیکھتے رہتے ہیں اور یہ باتیں ہمارے دل و دماغ پر جو اثر مرتّب کرتی ہیں، اُن سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ مگر دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ بہت سی باتوں کا ہم محض وقتی اثر قبول کرتے ہیں اور جلد ہی انھیں بھلا بیٹھتے ہیں۔ ان باتوں کو اگر اچھی طرح سمجھنے اور ان پر اچھی طرح غور کرنے کا موقع ملے تو ہم ان کے مختلف پہلوؤں پر سوچ بچار کر کے ان کا زیادہ دیر پا اثر قبول کریں۔ مگر اس بات کی نہ تو ہم ضرورت محسوس کرتے ہیں اور نہ اس کی ہمیں فرصت ہی ہے۔ ٹیلی ویژن کے پروگراموں میں شہری زندگی کے جن مسائل پر روشنی ڈالی جاتی ہے اگر تھوڑا سا وقت نکال کر ہم ان پر سنجیدگی سے غور کریں تو اس میں بہت سی باتوں کو ہم اپنی زندگی کے لئے ضروری مفید پائیں گے اور ان کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر ضرور پہنچیں گے کہ ان میں سے یہ باتیں ہمارے لئے مفید ہو سکتی ہیں۔ اگر ان باتوں کو ہم زندگی میں برتیں تو وہ ہمارے لئے شخصی طور پر بھی اور کسی حد تک سارے سماج کے لئے بھی مفید ثابت ہوں گی۔ یہ بات عام زندگی میں بھی دیکھنے کو ملتی ہے کہ جب ہم کسی بات پر اچھی طرح غور و خوض کر کے اس کے بارے میں ایک رائے قائم کر لیتے ہیں تو کبھی نہ کبھی اس کے مطابق کچھ کر بھی گذرتے ہیں۔ انھیں باتوں کے پیشِ نظر دہلی میں ٹیلی ویژن پروگرام کے ساتھ ساتھ ٹیلی کلبوں کی تنظیم بھی کی گئی ہے۔ اس وقت ساری دہلی میں ڈیڑھ سو ٹیلی کلب چل رہے ہیں۔ کلب کے لوگ باقاعدہ ٹی۔ وی پروگرام دیکھتے ہیں۔ پروگرام کو دیکھنے کے بعد اس پر آپس میں بحث مباحثہ کرتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ یہ باتیں کس طرح اور کس حد تک زندگی میں برتی جا سکتی ہیں

ٹیلی کلب کا تعارف ہم اس طرح بھی دے سکتے ہیں کہ یہ ایسے بیس آدمیوں کی ایک تنظیم ہے جو ٹیلی ویژن کے پروگراموں کو پابندی اور باقاعدگی سے دیکھتے ہیں، وہ ان پروگراموں کی بنیاد پر آپس میں تبادلۂ خیال کے ذریعہ کچھ سیکھنا چاہتے ہیں اور اسی کے ساتھ اس میں بتائی گئی اچھی باتوں کو زندگی میں برتنا بھی چاہتے ہیں۔ ٹیلی کلب تفریح کی خاطر جمع ہونے والے لوگوں کی تنظیم نہیں ہے اور نہ ہی یہ کوئی سرکاری تنظیم ہے۔ یہ آپس کے لوگوں کی ایک جماعت ہے جسے ان لوگوں کا اپنا سماجی تعلیم کا

ملتہ کہا جاسکتا ہے۔ اس کلب کے ممبر ٹیلی ویژن میں دکھائے گئے پروگراموں کی بنیاد پر آپس میں تبادلہ خیال کرتے ہیں اس طرح ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اپنے تجربات سے دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ اس بات چیت میں ایک فرد کا خیال اس جماعت کی تائید حاصل ہو جانے پر ایک جماعت کا فیصلہ بن جاتا ہے۔ اس سے آپس میں مل جل کر کام کرنے کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی ہے اور حصول علم کا شوق بھی پیدا ہوتا ہے۔

## جامعہ ٹیلی کلب

یہاں جامعہ ملیہ کے ادارہ تعلیم و ترقی میں بھی ایک ٹیلی کلب ہے، ٹیلی ویژن سے پاس پڑوس کی بستی اور گاؤں کے سینکڑوں آدمی فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ سب کے سب ٹیلی کلب کے ممبر نہیں ہیں۔ کلب کے ممبروں کی تعداد صرف ۲۰ ہے، جو پابندی سے ٹی۔ وی۔ پروگرام دیکھتے ہیں اور پروگرام کو دیکھنے کے بعد آپس میں تبادلۂ خیال کرتے ہیں اور پھر اپنی زندگی میں اُن سے فائدہ اٹھاتے ہیں ٹیلی ویژن کے پروگراموں کو دیکھنے کے بعد ممبروں نے سماجی خدمت کے بہت سے منصوبے بھی بنائے ہیں اور ان پر عمل بھی کیا ہے۔ جیسے کلب کے ممبروں نے پاس کے گاؤں اور اسکول کے لڑکوں میں سڑک پر چلنے کے قاعدے کا پرچار کیا۔ اسی طرح صحت و صفائی کے پروگراموں کے ماتحت گلیوں اور نالیوں کی صفائی کی مہیں بھی چلائی گئیں۔ اس پروگرام میں کلب کو بہت کامیابی ملی۔ اس کے علاوہ کلب کے کچھ ممبروں کی ذاتی زندگی میں بھی اس کے اثرات نمایاں ہوئے ہیں، کچھ لوگوں نے ایسی بہت سی عادتوں کو ترک کرنے کی کوشش کی ہے جو ان کی لاعلمی کی وجہ سے ساری بستی کی صحت کے لئے بہت مضر تھیں۔

ابھی کچھ دنوں پہلے یونیسکو کی طرف سے ٹیلی کلب کے تجربے کا ایک جائزہ بھی لیا گیا تھا۔ جائزہ لینے والوں نے سماجی تعلیم کے ایک نئے تجربے کی حیثیت سے ٹیلی کلبوں کی بہت تعریف کی۔

ان ٹیلی کلبوں کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ انھوں نے ٹیلی ویژن کو محض ایک تماشا نہیں سمجھا ہے بلکہ اسے تفریح کے ساتھ حصول علم کا ایک وسیلہ بھی مانا ہے۔ ٹیلی ویژن پروگرام واقعی تماشا ہی بن کر رہ جائے اگر اس کے ساتھ ٹیلی کلبوں کی تنظیم نہ ہو۔

# گاؤں کا اپنا کتب خانہ

## لٹریسی ہاؤس کا ایک تجربہ

### خواندگی کی تحریک میں کتب خانوں کی اہمیت

آج ملک میں خواندگی اور تعلیم کی توسیع و اشاعت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ پچھلے دس سال میں ملک میں خواندگی کے اوسط میں ۱۰ فی صدی کا اضافہ ہوا ہے۔ نتیجۃً کلاسوں سے فارغ التحصیل طلباء اور گاؤں کے بوڑھے اور نوجوان لوگ جو پہلے تعلیم حاصل کر چکے ہیں کتابیں پڑھنا چاہتے ہیں مگر گاؤں میں اس بات کی سہولت نہیں ہے کہ انھیں پڑھنے کے لئے کتابیں میسر آسکیں۔ اگر ہمارا مقصد خواندگی اور تعلیم کو پھیلانا ہے تو اس کے لئے صرف یہی ضروری نہیں ہے کہ ناخواندہ لوگوں کو پڑھنا لکھنا سکھایا جائے بلکہ اس سے زیادہ ضرورت اِس بات کی ہے کہ نئے نئے اور کم پڑھے لکھے لوگوں کو پڑھنے کے لئے اچھی کتابیں، رسالے اخبار اور دوسرے سامان برابر مہیا کئے جائیں تاکہ ایک بار پڑھنا لکھنا سیکھنے کے بعد وہ ناخواندگی کی طرف دوبارہ نہ لوٹ سکیں بلکہ اس ملک کے باخبر شہری بن جائیں۔ صرف نوخواندہ لوگ ہی نہیں اچھے خاصے پڑھے لوگ بھی کتابیں پڑھنا، اور چارٹ دیکھنا اور آج کے اہم مسائل پر بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس طرح حاصل کی ہوئی معلومات میں دوسروں کو شریک کرنا یعنی دوسروں کی معلومات سے فائدہ اٹھانا اور اپنی معلومات سے دوسروں کو فائدہ پہنچانا بھی چاہتے ہیں۔ اگر حکومت چاہتی ہے کہ اس کے شہری اپنے ملک سے باخبر رہیں اپنے وطن اور دوسرے ملکوں کے بارے میں معلومات رکھیں اور اس طرح وہ زیادہ باخبر شہری اور تہذیب یافتہ انسان بنیں اور ان کا دل و دماغ نئی نئی قدروں کو قبول کرنے کے لئے آمادہ رہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ انھیں اپنے طور پر اپنی تعلیم جاری رکھنے کا موقع ملے جو کتب خانوں، نمائشوں اور بحث مباحثے کے حلقوں کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ اس سلسلے میں کتب خانے سب سے زیادہ مددگار و معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ کتب خانے

ایک ایک فرد، ایک ایک خاندان اور پوری بستی کو علم کی برکت سے فیضیاب کر سکتے ہیں۔

## لٹریسی ہاؤس کا تجربہ

لٹریسی ہاؤس نے تعلیم اور خواندگی کے کام میں کتب خانوں کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اسے اپنے پروگرام کا لازمی جزو مانا ہے۔ اس سلسلے میں لٹریسی ہاؤس نے کتب خانے کے نام سے ایک صندوقچی میں تھوڑی سی کتابیں رکھ دینے کے بجائے ایک باقاعدہ کتب خانے کا تصور اختیار کیا ہے۔ ایسے کتب خانے کا تصور جہاں سینکڑوں کی تعداد میں کتابیں موجود ہوں اور وہ گاؤں والوں کی اپنی ملکیت ہوں۔ آس پاس کے گاؤں میں ایسے ۱۲ کتب خانے اس وقت چل رہے ہیں، جس میں سے ۶ نوخواندہ لوگوں کے لئے ہیں اور ۶ زیادہ پڑھے لکھے لوگوں کے لئے۔

لٹریسی ہاؤس نے گاؤں میں کتب خانے اسی وقت قائم کئے ہیں جب کسی گاؤں میں خواندگی کی کلاسیں شروع کی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ گاؤں میں لائبریری صرف اس وقت تک قائم رہ سکتی ہیں جب تک کہ لٹریسی ہاؤس کا کوئی آدمی وہاں خواندگی کی کلاسیں چلاتا ہے۔ دو سال سے لٹریسی ہاؤس نے کتب خانوں کی ایک مہم شروع کی ہے۔ اس مہم کا مقصد گاؤں میں گاؤں والوں کی مدد سے اس طرح کتب خانے قائم کرنا ہے جس سے کہ لٹریسی ہاؤس کا کارکن جب اس گاؤں کو چھوڑ کر دوسری جگہ خواندگی کی کلاسیں شروع کرے تو اس کا قائم کیا ہوا کتب خانہ اسی طرح چلتا رہے۔ گاؤں والے اس کتب خانے کو خود چلائیں اور اسے ترقی دیں۔ غرضیکہ یہ کتب خانے گاؤں کی زندگی کا حصّہ بن جائیں۔

یہ منصوبہ صالح نگر گاؤں میں بہت کامیاب ہوا۔ آج صالح نگر میں آدرش پستکالیہ قائم ہے۔ اس کتب خانے میں ۳۰۰ کتابیں ہیں۔ یہ کتب خانہ روزانہ ۳ بجے سے ۸ بجے شام تک کھلتا ہے۔ لوگ اس وقت میں پڑھنے کے لئے کتابیں لے جاتے ہیں اور پڑھی ہوئی کتابیں واپس کر جاتے ہیں۔ کتب خانے میں چند چھوٹے موٹے فرشی کھیلوں کا بھی انتظام ہے۔ کتب خانے کی رکنیت برابر بڑھ رہی ہے۔ گاؤں میں پہنچنے والے باہر کے مہمانوں کو کتب خانہ کمیٹی کے لوگ جس طرح کتب خانے کے کام کا تعارف کراتے ہیں اس سے لوگوں کی کتب بینی میں بڑھتی ہوئی دلچسپی کا پتہ چلتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اپنی لائبریری پر کس قدر ناز ہے۔

صالح نگر کے تجربے میں جو کامیابی ملی اس سے ہمارا حوصلہ بڑھا اور چلاّون؛ کندن کھیرا؛ بجنور؛ بھدرک؛ اور ماٹی کھیا پانچ گاؤں میں کتب خانے قائم کئے گئے۔ ماٹی کا کتب خانہ ان میں سب سے بہتر ہے۔ گاؤں کے لوگوں نے

اس کتب خانے کو رابندرناتھ ٹیگور کی ذات گرامی سے منسوب کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس میں ۵۰۰ کتابیں ہیں۔ اس کتب خانے کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ سات عورتیں اس کی باقاعدہ ممبر ہیں۔ اس علاقے کے ودھان سبھا کے ایک ممبر راجہ وجے کمار مہاراج سنگھ سنڈی نے یکم مارچ ۱۹۶۲ء کو ماٹی کے رابندر لائبریری کا باقاعدہ افتتاح کیا تھا۔

بھدرک کے لوگوں کے پاس ایک صندوقی لائبریری ہے جو ڈیڑھ سال ہوئے لٹریسی ہاؤس نے عاریتاً دے رکھی ہے۔ لیکن ان لوگوں نے اب اپنی ایک باقاعدہ لائبریری قائم کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ لٹریسی ہاؤس کے کارکن نے یہ صندوقی لائبریری وہاں اس امید میں رکھ چھوڑی ہے کہ ایک نہ ایک دن گاؤں کے نوخواندہ اور پڑھے لکھے لوگوں کو باقاعدہ کتب خانے کے قیام کے لئے تیار کر دینے میں اسے ضرور کامیابی ملے گی۔ اس سال اسے اس میں کامیابی نصیب ہوئی۔ اور اس نے آپس میں چندہ کر کے روپئے جمع کرنے کے لئے لوگوں کو تیار کر لیا ۵۰ روپئے اسی وقت جمع بھی ہو گئے۔ امید کی جاتی ہے کہ گاؤں میں جلد ہی لائبریری قائم ہو جائے گی۔

## مشکلات

گاؤں میں کتب خانے قائم کرنے کے راستے میں سب سے بڑی دشواری کتابوں کی خریداری کے لئے روپئے کی فراہمی ہے جس سے کہ لوگوں کی بڑھتی ہوئی دلچسپی کے ساتھ ساتھ نئی نئی کتابیں منگائی جا سکیں۔ اسی طرح کتب خانے کی عمارت اور دوسرے ساز و سامان کے لئے وسائل کی فراہمی کا مسئلہ ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ گاؤں والے اپنی قلیل آمدنی میں سے بھی اس کام کے لئے کچھ رقم دینے کی خواہش رکھتے ہیں مگر جیسا کہ ماٹی، صالح نگر، جلاآواں، بجنور اور بھدرک میں کتب خانے کے قیام کے سلسلے میں تجربے سے ثابت ہوا ہے ان کی طرف سے پیش کی جانے والی امداد کافی قلیل ہوتی ہے اس سے زیادہ کی ان سے امید بھی نہیں کی جانی چاہئے۔

صرف بستی کی نام نہاد امداد پر گاؤں میں لائبریریاں نہیں قائم کی جا سکتی ہیں۔

موجودہ انتظام میں بلاک کے بجٹ سے گاؤں کے کتب خانے کو پچاس روپئے کی امداد صرف اس صورت میں دی جا سکتی ہے جب کہ گاؤں کے لوگ بھی اپنی طرف سے اتنی ہی رقم چندہ کر کے دیں۔ لیکن کتب خانے کی ضروریات کے اعتبار سے یہ رقم بہت ہی ناکافی ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ایک بار یہ امداد مل جانے پر گاؤں والے اگر کتب خانے کی ترقی کے لئے مزید چندہ اکٹھا کریں تو دوبارہ انھیں اس طرح کی امداد نہیں مل سکتی ہے۔ اس سے کتب خانے کی ترقی کی تمام کوششیں بے کار ثابت ہوتی ہیں۔

ایک دوسری بات جس پر ڈیولپ منٹ ڈپارٹمنٹ کی طرف سے عمل ہو رہا ہے یہ ہے کہ وہ گاؤں کی کتب خانہ کمیٹی کو کتابوں کے انتخاب اور خریداری کے اہل نہیں سمجھتے ہیں۔ بلاک افسر ایک تیار شدہ فہرست کتب میں سے کتابیں خرید کر گاؤں کے کتب خانوں کو سپلائی کرتا ہے۔ ان حالات میں سماجی کارکن کو کچھ باتیں سوچنے پر مجبور ہو جانا پڑتا ہے اور اس کے ذہن میں کچھ اس طرح کے سوالات گھومنے لگتے ہیں :۔

(۱) کیا ڈیولپ منٹ ڈپارٹمنٹ گاؤں والوں کے پچاس روپیوں کے چندے کے ساتھ پچاس روپئے کی امداد کی رقم کتب خانے کے قیام کے لئے کافی سمجھتا ہے۔؟

(۲) کیا ڈیولپ منٹ ڈپارٹمنٹ سمجھتا ہے کہ گاؤں والوں کے پاس کتب خانے کے قیام کے بعد اُسے چلانے اور ترقی دینے کے لئے کافی وسائل موجود ہیں ؟

(۳) کیا ڈیولپ منٹ ڈپارٹمنٹ یہ محسوس کرتا ہے یا نہیں کہ گاؤں کی زندگی میں نئی نئی قدروں اور اونچے آدرشوں کو سمونے میں کتب خانوں کو بہت اہم کردار ادا کرنا ہے ؟

(۴) کیا ڈیولپ منٹ ڈپارٹمنٹ صحیح معنوں میں چاہتا ہے کہ ہر گاؤں میں ایک کتب خانہ ہو یا صرف بلاک کے کچھ چنے ہوئے گاؤں میں ہی اس کے قیام کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔؟

ان سوالوں کے جواب میں جو باتیں کہی جائیں گی وہ کچھ اس طرح کی ہوں گی کہ ہمیں احساس ہے کہ پچاس روپیہ اس کام کے لئے کافی تو نہیں ہے۔ مگر روپیہ ہے کہاں! کچھ نہ ہونے سے تو یہ پچاس روپیہ ہی اچھا ہے۔ ہندوستان کے گاؤں میں مالی وسائل ایسے تو نہیں ہیں کہ وہ کتب خانے کے قیام اور اس کے بعد اسے چلانے کے لئے کافی ہوں مگر کیا کیا جائے کہ ڈیولپ منٹ ڈپارٹمنٹ گاؤں کی ترقی میں کتب خانوں کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے بھی اس کے لئے فی الحال اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا ہے۔ ڈیولپ منٹ ڈپارٹمنٹ کی پالیسی پہلے اقتصادی ترقی کے کام اور پھر تعلیمی اور تہذیبی ترقی کے پروگراموں کی طرف ہے اس لئے یہ محکمہ اس سے زیادہ کچھ کر بھی نہیں سکتا ہے۔ یہ دلیلیں منطقی تو ہیں مگر ہمیں قائل کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں۔

اس سلسلے میں کوئی حکم لگانا بہت مشکل ہے کہ ہماری اقتصادی بدحالی کا سبب دھن دولت کی کمی ہے یا ہماری دقیانوسیت جو ترقی کے راستے میں ہر قدم پر ایک رکاوٹ ثابت ہو رہی ہے۔ کسی ملک کی ترقی کا راز دولت کی ترقی کے ساتھ ساتھ فکر و نظر کی وسعت میں مضمر ہوتا ہے۔ فکر و نظر کو نئی نئی راہیں کہاں ملتی ہیں ؟ یہ ملتی ہیں اچھی باتوں کو سننے سے، مباحثوں میں حصّہ لینے سے یا کتابوں کو پڑھنے سے۔

اس لحاظ سے کتابوں اور کتب خانوں کی اہمیت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پلاننگ کا محکمہ تعلیم

اور خواندگی کی توسیع و اشاعت کے راستے ہیں بہت مفید کام انجام دے سکتا ہے اگر وہ چنی ہوئی جگہوں پر دیہی کتب خانوں کا ایک جال سا بچھادے۔ اس درمیان میں رضاکار ادارے دیہی علاقوں میں کتابیں پڑھنے والوں کی دلچسپی اور ضرورت کی کتابیں تیار کرنے اور انہیں گاؤں گاؤں میں پہنچانے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لیں۔

لٹریسی ہاؤس جو خواندگی کی توسیع و اشاعت کے میدان میں ایک رضاکار ادارے کی حیثیت سے کام کر رہا ہے، کتب خانوں کی اہمیت کی طرف سے پوری طرح باخبر ہے اور کتب خانوں کی ترقی کا کام بھی اس کے پروگراموں میں شامل ہے۔

ابھی حال ہی میں اس ادارے نے گاؤں گاؤں میں عوامی کتب خانوں کے قیام کی ایک اسکیم ریاستی حکومت کے ڈیولپمنٹ ڈپارٹمنٹ کے سامنے غور کے لئے رکھی ہے۔ اس اسکیم کا مقصد کچھ چنے ہوئے گاؤں میں عوامی کتب خانے اس طرح قائم کرنا ہے کہ ایک ایک کتب خانہ پانچ پانچ گاؤں کی ضرورت کو پورا کر سکے۔

—— شری ای۔ سی۔ شا
ہیڈ ٹریننگ اینڈ فیلڈ ورک سیکشن
لٹریسی ہاؤس۔ لکھنؤ

# دیہاتوں کے نوجوان کلبوں کے طریق کار و مقاصد

نوجوانوں میں گروپ میں شامل ہو کر کام کرنے کا جذبہ موجود ہوتا ہے، یہ گروپ یا تو وہ خود اپنے طور پر یا ان کے ساتھ مل کر کام کرنے والے بالغ افراد مختلف سماجی، مذہبی، تعلیمی یا تفریحی مقاصد کے لئے قائم کرتے ہیں۔

ان حلقوں یا کلبوں میں انفرادی عادات و اطوار کی تربیت کے مقابلے میں اجتماعی سرگرمیوں پر زیادہ توجہ ہوتی ہے۔ ان میں سے بہت سی سرگرمیاں جو بظاہر محض تفریحی سرگرمیاں معلوم ہوتی ہیں، لوگوں میں پڑھنا لکھنا سیکھنے کا شوق بھی پیدا کرتی ہیں۔ ناٹک منڈل اور دوسرے کلب اس مقصد کے لئے سب سے زیادہ مددگار ثابت ہوئے ہیں۔

ترقی یافتہ ملکوں میں نوجوانوں کی بیشتر انجمنیں، جو حکومت یا رضاکارانہ کوششوں سے قائم ہوئی تھیں اپنی ابتدائی شکل میں، ان کا مقصد شہریت اور صنعتیت کی تیز ترقی کی وجہ سے پیدا ہونے والی برائیوں سے نوجوانوں کو محفوظ رکھنا تھا اسی لئے گاؤوں کے مقابلے میں یہ انجمنیں شہروں میں پہلے قائم ہوئیں۔

دیہات کے نوجوانوں کی انجمن بنانے کا خیال نسبتاً نیا تصور ہے، جہاں تک اس سلسلے میں معلومات ہو سکی ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیہات کے نوجوانوں کی سب سے پہلی انجمن اس صدی کی ابتدا میں امریکہ میں قائم ہوئی تھی۔ شروع شروع میں یہ کلب مشاہدہ فطرت کی انجمن اور اناج کلب (کارن کلب) کی قسم کے تھے۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں اس پروگرام میں اور وسعت پیدا ہوئی اور اس میں لڑکوں کے گیہوں اُگانے والوں کے کلب، آلو کی کاشت کے کلب اور باغبانی کے کلب اور لڑکیوں کے سلائی اور غذائی کلب بھی شامل ہو گئے۔ فور ایچ کلب اور اس کا چار پتیوں والا تمغہ زراعت کی توسیع کا کام کرنے والے لیڈروں کی ایک کانفرنس میں تسلیم کیا گیا تھا۔ یہ کانفرنس اپریل سنہ ۱۹۱۱ء میں واشنگٹن میں ہوئی تھی۔ سرکاری طور پر اس کا چلن سنہ ۱۹۱۴ء میں لیور ایکٹ پاس ہو جانے کے بعد ہوا۔

دیہات کے نوجوان کلبوں کی تنظیم کا کام یورپ کے بیشتر ملکوں کے علاوہ اور جگہوں پر بھی سنہ ۱۹۳۰ء کے آس پاس پھیل چکا تھا۔ آج فور ایچ کلب یا دیہات کے نوجوان کلبوں کی تنظیم کا کام دنیا کے چالیس ملکوں میں پھیلا ہوا ہے۔

نوجوان کلبوں کے ایک جائزے سے پتہ چلا ہے کہ دنیا کی تمام کمیونٹی کے نوجوانوں نے اپنی فرصت کے وقت کے استعمال کے لئے ایک نہ ایک مصروفیت ضرور ڈھونڈ نکالی ہے۔ انسان میں اُپچ اور بے پناہ تعمیری صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں اگر انھیں اپنی اس صلاحیت سے فائدہ اُٹھانے کا موقع ملے تو کام کاج سے فرصت کے اوقات کا وہ عجیب سے دلچسپ استعمال کرسکتے ہیں۔ دنیا کے تمام ملکوں میں جو نوجوان کلب قائم ہیں ان کی چند خصوصیات کی نشان دہی بہر حال کی جاسکتی ہے۔

## بنیادی خصوصیات

نوجوان کلبوں کی پہلی خصوصیت زندگی میں مسرت اور خوشی کے مواقع تلاش کرنا ہے یعنی اس لذت کے محسوس کرلے کے موقع کی تلاش۔ جسے آسانی سے زندگی کا حاصل کہا جاسکتا ہے یعنی وہ لذت جس کی تلاش میں دنیا کے تمام کاروبار جاری ہیں۔ لوگ اپنی فرصت کے اوقات کو ہنسی خوشی میں گذارنا چاہتے ہیں۔ موجودہ سماجی نظام میں اس بات کی اہمیت بہت بڑھتی جارہی ہے کہ لوگوں میں دل بہلاؤ کے ایسے طریقے اختیار کرنے کی صلاحیت پیدا کی جائے جو طریقے کہ دل بہلاؤ کا سامان مہیا کرنے کے ساتھ ہی ان کی اپنی ترقی کا ذریعہ بھی بن سکیں اور تمام کمیونٹی کے لئے مفید بھی ثابت ہوں۔

نوجوان کلبوں کی دوسری خصوصیت ان کے سماجی اور شہری مقاصد میں مضمر ہے ایک جمہوری سماج میں اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ شہریوں کو اجتماعی طریقے پر رائے دینے اور مل جل کر سوچ بچار کرنے کا موقع ملے۔

نوجوان کلبوں کی تیسری خصوصیت نوجوانوں میں سیکھنے کی خواہش پیدا کرنا یعنی تعلیم کے تسلسل کو قائم رکھنے کی ضرورت کی خواہش پیدا کرنا ہے۔ یہ اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت ہے کہ لوگوں میں اپنی صلاحیت کو بڑھانے اور نظر میں وسعت اور علم و ہنر میں مہارت حاصل کرنے کی کتنی زبردست خواہش ہوتی ہے کہ کس طرح لوگ مناسب وسائل اور مواقع فراہم ہونے پر اس کے لئے اپنی مرضی سے کام کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ لوگوں میں اس خواہش کا پیدا ہونا اپنی جگہ خود ایک بہت بڑا مقصد ہے۔

۹ سے ۱۶ سال کے لڑکے نوجوانوں کی مختلف سرگرمیوں اور پروگراموں میں زیادہ دلچسپی دکھاتے ہیں۔ سیرت کی تربیت اور اپنے لئے انجمنوں کے قیام اور تنظیمی معاملات میں اس سے بڑی عمر کے یعنی ۱۸ سے ۲۵ سال کے نوجوانوں کو زیادہ دلچسپی ہوتی ہے۔ تنظیمی معاملات میں ان کی دلچسپی اکثر ان کی مذہبی، قومی اور تہذیبی قدروں یا سماجی اور

اقتصادی نقطۂ نظر کے ساتھ وابستہ دکھائی دیتی ہے۔

بچپن اور بلوغت کے درمیان کی خلا کو پُر کرنے کے لئے ہمارے پاس جو وسائل ہیں ان میں نوجوان کلب بہت اہم رول ادا کر سکتے ہیں اور اس حیثیت سے ان کا زیادہ سے زیادہ استعمال ہو سکتا ہے۔

## نوجوان کلبوں کے مقاصد

اوپر کی بحث سے یہ بات ظاہر ہے کہ نوجوانوں کی انجمنوں کا سب سے پہلا مقصد نوجوانوں کو اس ملک کا اچھا شہری بنانا ہے۔ اس مقصد کے پیچھے یہ یقین کارفرما ہے کہ لوگوں کے سوچنے کے طریقے میں تبدیلی لانا اسی وقت ممکن ہے جبکہ مقامی طور پا شعور اور ذمہ دار لیڈرشپ ابھرے، مقامی انجمنوں کی بہتر تنظیم ہو اور نوجوانوں میں ایک جمہوری سماج کی ذمہ داریاں اٹھانے کا حوصلہ موجود ہو۔

## طریق کار

ان باتوں کے پیش نظر مختلف انجمنوں نے مختلف طریق کار اختیار کر رکھے ہیں۔ علاقے کے لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے طریقوں میں یہ انجمنیں ان کی دلچسپیوں اور فطری رجحانات کا خیال رکھتی ہیں۔ اس اعتبار سے ان کے طریق کار میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوتا ہے۔ ہر نوجوان میں خواہش ہوتی ہے کہ اپنے ہم عمر لوگوں میں انھیں اپنی صحت و توانائی، مردانگی، ہر دلعزیزی، شخصیت کی ہمہ گیری، ایمانداری اور ہمت و حوصلے کے مظاہرے کا موقع ملے۔ یہ انجمنیں ان کی اس خواہش کی تشکیل کے مواقع فراہم کر دیتی ہیں ان انجمنوں میں انھیں اپنی سیرت کی تعمیر کے ساتھ ہی سماجی معاملات کو سمجھنے اور سماجی تعلقات کو خوشگوار بنانے کا ایک ساتھ موقع مل جاتا ہے اور اپنی اُپج سے کام لینے کی مسرت بھی حاصل ہوتی ہے۔

کلب کی تنظیم کرنے میں کارکن عموماً ان کے شوق کے کچھ مخصوص مشغلوں کا سہارا لیتے ہیں جیسے سلائی کشیدہ کاری کھیل کود، کتب بینی، پینٹنگ، رقص و موسیقی، باغبانی وغیرہ۔ ان میں سے بیشتر مشغلوں کی نوعیت عارضی ہوتی ہے مگر ان کی وجہ سے جو حوصلہ اور ہماہمی پیدا ہوتی ہے اُس سے کلب کی مستقل تنظیم کے لئے دوسری مختلف سرگرمیوں کو جاری رکھنے کی ایک فضا تیار ہو جاتی ہے۔ اس طرح کے گروپ یا کلب قائم کرنے کی ایک دوسری بنیاد بھی ہے جنھیں اکثر و بیشتر تعلیمی ادارے استعمال کرتے ہیں وہ ہے سماجی ذمہ داری کے احساس کو اپیل کرنے کا طریقہ۔

کچھ انجمنیں کھیل کود اور تفریحی پروگراموں کے مختلف ساز و سامان سے آراستہ عمارت اور دوسری چیزوں کی فراہمی کے ذریعہ نوجوانوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ بہت سی انجمنیں جن میں عموماً کسی خاص عمر کے نوجوان ہی شامل ہوتے ہیں۔ پوشاکوں، تمغوں اور اعزازات و عہدوں کے ذریعہ بھی نوجوانوں میں ان میں شامل ہونے کا شوق پیدا کرتی ہیں۔ انجمن کی طرف سے کسی اخبار یا رسالے کی اشاعت اور اس طرح کے دوسرے طریقے اختیار کرنے سے کلب کے کاموں میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔

اس طرح سے نوجوانوں میں جو شوق پیدا ہوتا ہے اس سے اُن میں کچھ خاص طرح کی عادات و اطوار کی تربیت میں مدد لی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں مختلف انجمنوں کے سامنے مختلف معیار ہوتے ہیں۔ کچھ انجمنوں کے سامنے اپنے کام کا خاص مقصد ہوتا ہے نوجوانوں میں کسی خاص فرقے، طبقے یا ملک سے اُنس و محبت اور ہمدردی کے جذبے کی پرورش کرنا۔ کچھ انجمنوں کے سامنے مقصد نوجوانوں میں عظمت و شہرت اور نسلی امتیاز کا احساس پیدا کرنا ہوتا ہے۔ کچھ انجمنیں نوجوانوں میں جمالیاتی ذوق پیدا کرنے اور اُن کے ذہنی معیار کو بلند کرنے کا مقصد اپنے سامنے رکھتی ہیں۔ وہ اپنے ممبروں میں آرٹ اور فطری مشاہدات سے دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

اوپر ابھی جو مقاصد بیان کئے گئے ہیں انھیں عام اصطلاحی زبان میں "سیرت کی تربیت" "شخصیت کی تعمیر" اچھی شہریت کی تعلیم" "قدرت پر فتح" وغیرہ مختلف ناموں سے بھی پکارا جاتا ہے۔ یہ نام کافی مقبول بھی ہیں۔ نوجوان کلبوں کے اغراض و مقاصد دراصل ان حالات پر منحصر ہوتے ہیں جو حالات اس کے ممبروں کی دلچسپیوں اور ضرورتوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ خاندانی زندگی، پاس پڑوس کا ماحول اور مذہبی اعتقادات بھی ان پر بہت اثر انداز ہوتے ہیں۔ کچھ انجمنوں کے سامنے یہ بھی مقصد ہوتا ہے کہ وہ لڑکوں اور لڑکیوں کے کلب کا سہارا لے کر بالغوں کی زندگی پر اثر انداز ہونا چاہتے ہیں۔

ادھر چند سال کے اندر سرکاری محکموں کی طرف سے گاؤوں میں مختلف طرح کے نوجوان کلبوں کی تنظیم کی گئی ہے یہ کلب کم و بیش فور ایچ کلب ( Four.H.Club ) کے نمونے پر قائم کئے گئے ہیں یعنی ان میں امریکہ کے نوجوان کلبوں کی طرح ہے پیشہ ورانہ تنظیم کی جھلک ملتی ہے۔ دنیا کے ان تمام ملکوں میں جہاں کی حکومتیں زراعت اور دیہی زندگی کی ترقی کے مختلف پروگرام چلا رہی ہیں اس طرح کے مختلف کلب قائم کئے گئے ہیں ان میں سے بیشتر انجمنوں نے زرعی ترقی کے میدان میں بہت قابل قدر کام انجام دیئے ہیں۔ انگلینڈ کے ینگ فارمرز کلب، ڈنمارک کے فوک اسکول اور امریکہ اور جاپان کے فیوچرز فارمرز (Future Farmers) اور ہوم میکرس

"Home-Making" کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان انجمنوں نے دیہی زندگی میں بیداری پیدا کرنے کے لئے توسیعی تعلیم کی ایک مفید اور کارآمد ایجنسی کا رول ادا کیا ہے۔

## دیہی نوجوان کلبوں کی خصوصیات

تمام دیہی کلبوں میں دو باتیں مشترک ملتی ہیں :

(۱) ان کے ممبر عام طور پر نوجوان کسان ہوتے ہیں۔

(۲) زراعت اور دوسرے دھندوں کے کام ان کلبوں کی سرگرمیوں میں سب سے نمایاں کردار ادا کرتے ہیں ان میں سے کچھ انجمنیں اپنے آپ کو ان کاموں تک ہی محدود کر لیتی ہیں یعنی ان کے کام کا دائرہ زراعت اور دوسرے کاموں کو بہتر طریقے سے انجام دینے تک محدود ہوتا ہے۔ دوسری انجمنیں بہرحال نوجوانوں کی زندگی کے دوسرے معاملات میں بھی دلچسپی لیتی ہیں۔ وہ نوجوانوں کے شوق کے مختلف شغلوں، کھیل کود، سیر و تفریح کے پروگراموں کے علاوہ اقتصادی، سماجی اور شہری زندگی کی دوسری سرگرمیوں میں بھی دلچسپی لیتی ہیں۔ ان کے سامنے شہریت کی تربیت کا ہمہ گیر مقصد ہوتا ہے۔

آج حقیقی صورت حال یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے فارموں پر کام کرنے والے نوجوان کسان ہی زراعت کے جدید ترین ترقی یافتہ طریقوں سے فائدہ اُٹھانے میں سب سے پیچھے رہتے ہیں۔ یہ وہ نوجوان کسان ہیں جنھیں اپنے چھوٹے چھوٹے فارم پر اس قدر وقت صرف کرنا ہوتا ہے کہ انھیں فارم کے کاموں سے اس بات کی فرصت ہی نہیں ملتی ہے کہ وہ زراعت کے اسکول یا کالج میں جاکر ان ترقی یافتہ طریقوں کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرسکیں۔

## دیہاتوں میں نوجوان کلبوں کی ضرورت

مغربی ملکوں میں نوجوان کلبوں کے کاموں کا تجربہ رکھنے والے لوگوں کا خیال ہے کہ یہ کلب صرف اسی صورت میں کامیابی کے ساتھ چل سکتے ہیں جب کہ یہ چھوٹے کسانوں کے مسائل پر پوری توجہ صرف کریں۔ زراعت اور اس سے متعلق دوسرے علوم میں خواہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ ہوجائے کسانوں کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ان سارے ترقی یافتہ اصول اور طریق کار کی واقفیت بھی حاصل کریں۔ گزشتہ پانچ دس سال کے اندر

زراعت اور دوسری چیزوں کے ماہروں کی ایک ٹیم گاؤوں میں پہونچ چکی ہے۔ اس ٹیم میں ماہر زراعت ماہر اراضیات، فن خانہ داری کی ماہر، یہاں تک کہ نوجوان کلبوں کی تنظیم کے ماہر بھی شامل ہیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ یہ لوگ گاؤوں میں رہیں لیکن اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ اس میں ایک بہت بڑا خطرہ بھی ہے، جس پر نگاہ رکھنا ضروری ہے وہ یہ کہ ان ماہروں کے سہارے ہی اگر سارے کام چلائے جائیں اور کسانوں کی اپنی کوئی تنظیم نہ ہو تو کسانوں کی دنیا کا سارا کاروبار ماہروں کے ہاتھ میں آجائے گا۔ یہ ماہرین جنھوں نے اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ یونیورسٹیوں میں گذارا ہے۔ نظریاتی اور علمی باتوں کا اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں کو اچھا خاصہ علم ہے اور انھیں اتنی فرصت بھی ہے کہ وہ اس علم کو برتنے کے طریقے بھی سوچ سکیں۔

سوال یہ ہے کہ اس خطرے سے آخر کیسے بچا جا سکتا ہے اور اس کی صرف ایک صورت ہے کہ گاؤں کے نوجوانوں کو پیداوار اور مویشیوں کی افزائش نسل سے متعلق تجربے اور تحقیق کے کاموں میں شریک کیا جائے اور گاؤں کی اقتصادی اور سماجی زندگی کے تنظیمی معاملات میں کسان خود دلچسپی لیں۔

نوجوان کلبوں کی تحریک میں اس بات کا بہت خیال رکھنا ہوگا کہ کلب کے ممبروں کی توجہ ان باتوں کی طرف دلائی جائے اس پر اُن سے بات کی جائے اور ایسے طریقے تلاش کرنے کے لئے ان سے سوچ بچار کی فرمائش کی جائے جس سے کہ اپنے ملک کے ذمہ دار کسان کی حیثیت سے وہ اپنا کردار بخوبی انجام دے سکیں۔

شری جے۔ ایس۔ پردیشی
لیکچرار نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر
نئی دہلی

ہماری قوم خوش قسمت ہے کہ ہمیں ایسے رہنما ملے جنھوں نے حصولِ آزادی کے بعد اُسے برقرار رکھنے کی غرض سے اس غیر فوجی مگر اصل محاذ کو مضبوط و مستحکم بنانے کی طرف ابتداءً اوّل ہی سے توجہ دی ہے، اور اگر ہمارا تجزیہ غلط نہیں ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اہلِ چین کو جنھوں نے دوست اور بھائی بن کر ہماری بے خبری میں ہمارے اوپر جارحانہ حملہ کر دیا ہے، ہمارا یہی اقدام کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ وہ یہ نہیں دیکھ سکتے تھے کہ ان کا پڑوسی اس تیزی کے ساتھ صنعتی اور ترقیاتی میدان میں آگے بڑھتا رہے۔ اپنی گوناگوں مجبوریوں کی بنا پر یہ تو غالباً ان کے بس میں نہیں تھا کہ وہ بھی ہمارے نقشِ قدم پر چلتے، اس لئے آسان راستہ ان کو یہی نظر آیا کہ ہمیں خواہ مخواہ کی جنگ میں اُلجھا کر ہمارے ترقیاتی منصوبوں میں رخنے ڈال دیں، اور اس طرح اپنی جلن کی آگ کو ٹھنڈا کریں۔

ان حالات میں جب کہ چینیوں کی غداری کی بدولت ہمارے سامنے زندگی اور موت کا سوال آن پڑا ہے، ہم تعلیمی کارکنوں کا فرض جنگ کے اسی اندرونی محاذ کو مضبوط و مستحکم بنائے رکھنا ہے، اس لئے اگر یہ محاذ اپنی جگہ پر قائم رہا اور اس میں سے کہیں رخنے نہ پڑے تو چینی تو کیا، ایٹم کھانے والے لوگ ہیں، طاقت ور سے طاقت ور اور ترقی یافتہ سے ترقی یافتہ قوم بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

جب ہم انگریزی سامراج کے پنجے سے آزاد ہوئے تھے اور اپنے ریاستی نظام کی بنیاد جمہوریت پر رکھی تھی تو ہمارے رہنماؤں نے ہمیں پیغام دیا تھا کہ "جمہوریت، جہالت، بیماری اور افلاس کی آب و ہوا میں نہیں پنپ سکتی"۔ چنانچہ اسی پیغام کو سینے سے لگا کر ہم اپنے پنج سالہ منصوبوں کے سہارے ترقی کی راہ پر گامزن ہوئے تھے۔ یہ پیغام اور ترقی کی راہ پر ہمارا یہ سفر زمانۂ امن کی باتیں تھیں، اس لئے غلط یا صحیح، ہماری رفتار سست تھی، اور ہم اپنے آپ کو یہ کہہ کر سمجھا لیتے تھے کہ جلدی کیا ہے، سالہا سال میں تو جا کر قوموں کی شکلیں اُبھرتی ہیں، ہم نے تو پھر بھی پندرہ سال کی قلیل مدت میں بہت کچھ کر لیا ہے لیکن اب اپنے آپ کو اس طرح دلاسے دینے کا وقت نہیں ہے۔ اب اُسی آہستہ روی کی پالیسی پر قائم رہنا اپنی قومی موت کو دعوت دینا ہے۔

سوشل ایجوکیشن کی تحریک کے اوپر اس آزمائش کے دور میں بڑی ذمے داری ہے، اس لئے کہ سوشل اور اڈلٹ ایجوکیشن تعلیم کا نزدیک راستہ ہے۔ زمانۂ جنگ میں جب کہ ہفتوں کی منزل دنوں میں طے کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، ہم تعلیم کی فطری سست روی کا انتظار نہیں کر سکتے۔ ہمیں پڑھے لکھے سپاہیوں کی ضرورت ہے اور اسی وقت ضرورت ہے، تو کیا ہم اُس وقت کا انتظار کریں گے جب تعلیم کی ابتدائی اور ثانوی منزلوں کے لڑکے تعلیم پا کر اپنے اسکولوں سے نکلیں گے؟ ہرگز نہیں ان بچوں کی تعلیم ان کی جگہ ہوتی رہے گی، ہمارا کام یہ ہے کہ ہم گھر گھر پہنچ کر بالغ عورتوں اور مردوں کو پڑھنا لکھنا اور قومی

زندگی کی کارآمد باتیں سکھائیں۔ بدقسمتی سے ہماری قوم کے مختلف فرقوں اور خاندانوں میں ابھی ایک حد تک پھوٹ کے جراثیم باقی ہیں۔ ہمارا منصب یہ ہے کہ انھیں ایک دوسرے سے ملا کر ایک کر دیں۔ یہ کام ہمارے جنتا کالج بڑی خوبی سے انجام دے سکتے ہیں۔ کچھ جنتا کالج پہلے سے قائم ہیں۔ ضرورت ہے کہ در و دیوار سے بے نیاز پیڑوں کے سائے میں، گاؤوں کی چوپالوں میں، شام کے وقت اسکولوں کی عمارتوں میں گاؤں گاؤں بلکہ محلے محلے جنتا کالج قائم کئے جائیں۔ موجودہ حالات کے پیش نظر اگر یہ ممکن نہ ہو کہ لوگ ایک مقررہ عرصے تک شب و روز ایک ساتھ زندگی گذاریں جو جنتا کالجوں کی ایک ضروری شرط ہے، تو یہ شرط کوئی حرفِ قرآن نہیں ہے کہ اس میں تبدیلی ناممکن ہے۔ ایک دن، دو دن، تین دن کی مدت بھی ان حالات میں کافی ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ ان جنتا کالجوں میں جو معلم ہو وہ ایسا ہو کہ اس کی باتوں میں جادو کا اثر ہو۔ اگر یہ اسکیم ہمہ گیر پیمانے پر چل جائے، جس کا اس آزمائشی دور نے بڑا موقع پیدا کر دیا ہے، تو اس کی بدولت ہمیں اپنی سب سے بڑی نحوست یعنی پھوٹ اور قومی انتشار سے نجات مل جائے گی اور یہ اتحاد و یک جہتی کا وہ نسخہ ہے جو بڑی سے بڑی قومی بیماری کے لئے اکسیر ثابت ہوتا ہے اور زمانۂ جنگ میں تو دشمن کے مقابلے میں آہنی دیوار بن جاتا ہے۔

ہم نے اپنے سوشل ایجوکیشن کے پروگرام سے شام کی روزانہ بیٹھکوں کا سلسلہ اگر جاری رکھا ہے تو بہت اچھا ہے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے یہ سلسلہ ختم ہو گیا ہے تو اُسے پھر سے شروع کرنا چاہئے۔ جنگ کے زمانے میں دشمن کی طرف سے یہ بھی کوشش کی جاتی ہے کہ لوگ بدحواسی میں مبتلا ہو جائیں اور اس طرح اپنا حوصلہ کھو بیٹھیں۔ اس مقصد کے لئے افواہیں پھیلائی جاتی ہیں اور حقیقت کو دبایا جاتا ہے۔ اس قسم کی بدحواسی پیدا کرنے والی افواہیں پھیلائی بھی جاتی ہیں جن کے پیچھے سوچے بچارے ہوئے ڈیزائن ہوتے ہیں، اور خود بھی پھیلتی ہیں جو زیادہ تر نا واقفیت، نا سمجھی اور جہالت کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ نتیجے کے اعتبار سے یہ دونوں طرح کی افواہیں یکساں ہیں۔ اگر ہماری روزانہ کی بیٹھکوں کا سلسلہ قائم رہے تو اس قسم کی افواہوں کے اثر کو زائل کیا جا سکتا ہے۔ البتہ یہ اہتمام ضرور ہونا چاہئے —— جو اس بحرانی زمانے میں بہت زیادہ ضروری ہے —— کہ ان بیٹھکوں میں سوشل ایجوکیشن کے کارکن اور اس کے دو چار پڑھے لکھے اور سنجیدہ فکر احباب بھی ہمہ وقت موجود رہیں اور ان کی باتوں کی تصدیق کرنے کے لئے سرکار کی طرف سے شائع ہونے والے بیانات، ریڈیو کی اطلاعات اور اسی طرح کی دوسری سندیں موجود ہوں۔ غرض زمانۂ جنگ میں بدحواسی کی کیفیت سب سے زیادہ مہلک ہوتی ہے اور اگر اس کا توڑ بروقت نہ کیا جائے تو وہ جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہے اور قابو سے باہر ہو جاتی ہے۔ اُس کا توڑ کرنے کی سب سے کارگر تدبیر بھی سنجیدہ اور صحت مند صحبتیں ہوتی ہیں جنھیں ہم تعلیمی کارکنوں

کو از سر نو زندہ کرنا چاہیے۔
غرض ہمیں اس غلط فہمی میں نہ رہنا چاہیے کہ ہم تو تعلیمی لوگ ہیں، زمانہ لڑائی کا ہے اس لئے ملک کو معلم سے زیادہ سپاہی کی ضرورت ہے۔ یہ غلط فہمی ملک کے لئے بڑی مہلک ثابت ہو سکتی ہے۔ ہمیں اپنے محبوب رہنما پنڈت نہرو کی یہ بات ہر وقت اپنے سامنے رکھنی چاہیے کہ "جو شخص جہاں بھی ہے — کھیت میں، کارخانے میں، اسکول میں، تعلیمی مرکز میں اس وقت پورا پورا سپاہی ہے"۔

— ایڈیٹر

# ایک معذرت: ایک درخواست

نومبر ۱۹۶۲ء کا "تعلیم و ترقی" آپ کی خدمت میں صرف آٹھ صفحے کی ضخامت کے ساتھ اس روپ میں حاضر کیا جا رہا ہے جو عموماً اسپیشل نمبر کی اشاعت سے پہلے پیش کیا جاتا ہے۔ اور اگر حالات نہ بدل گئے ہوتے تو واقعہ بھی یہی تھا یعنی یہ کہ دسمبر میں آپ کے سامنے کم سے کم سو صفحے کا اسپیشل نمبر ہوتا۔ ہم نے کسی سابقہ اشاعت میں لکھا تھا کہ دسمبر میں گوہاٹی نیشنل سیمنار کے موقعے پر حسب معمول رسالے کا اسپیشل نمبر شائع ہوگا جس کا عنوان ہوگا "سوشل ایجوکیشن اور نوجوان"۔

اسی مقصد سے ہم نے اپنے ہمدردوں اور بزرگوں کو دعوت دی تھی کہ وہ مذکورہ بالا عنوان پر اپنے بیش بہا مضامین ہمیں عنایت فرمائیں۔ ہمیں فخر اور مسرت ہے کہ ہماری دعوت ہمارے بہت سے احباب اور بزرگوں نے قبول فرمائی تھی، لیکن عین اسی وقت یہ خبریں آنے لگیں — اور جو بڑی حد تک صحیح ہیں کہ اس سال کا نیشنل سیمنار نہ گوہاٹی میں منعقد ہوگا نہ مقررہ موضوع پر ہوگا اور اس تبدیلی کی وجہ سے غالباً تاریخوں میں بھی تبدیلی واقع ہو۔ ان حالات میں ہمیں اپنے کام کے نقشے میں تبدیلی کرنی پڑی اور دسمبر میں اسپیشل نمبر کی اشاعت کو سر دست ملتوی کرنا پڑا لیکن چونکہ آٹھ صفحے کا یہ شمارہ پہلے سے طے تھا اس لئے دسمبر میں اسپیشل نمبر شائع نہ کرنے کے باوجود ہم نومبر میں یہ مختصر شمارہ مجبوراً شائع کر رہے ہیں۔

اب ہمیں اپنے ہمدرد احباب اور بزرگوں سے یہ گذارش کرنی ہے کہ وہ "سوشل ایجوکیشن اور نوجوان" کے بجائے "موجودہ قومی سنکٹ میں سوشل ایجوکیشن کا منصب" کے زیر عنوان اپنے مضامین سے ہمیں سرفراز فرمائیں، جو ہمیں امید ہے، ہم دسمبر کے بعد کسی شمارے میں جو اسپیشل نمبر ہوگا، شائع کریں گے۔

— ایڈیٹر

شری شالگ رام پتھک

2

# جنگ کے ماحول میں سماجی تعلیم کا رخ

ہر ملک اور ہر قوم کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اکثر مصیبتیں بھی نعمت بن کر افراد اور قوموں کی ترقی کا باعث بنتی ہیں۔ منتھرا، کیکئی اور راون نہیں ہوئے ہوتے تو دشرتھ کے فرزند عزیز "رام" کو "مریادا پرشوتم" بننے کا موقع ہی نہیں ملتا۔

آج کی اس آفتِ ناگہانی کے خلاف منصوبہ بنانے میں ایک نظریہ یہ بھی قائم کیا جا سکتا ہے۔ ضرورتیں ایجاد کو جنم دیتی ہیں۔ موجودہ ہنگامی حالات نے ایک بہت بڑی بنیادی کمی کو، جو اس قوم میں موجود تھی، دور کر دیا ہے۔ ہمارے اندر اپنی مدد آپ کرنے، مشقت اٹھانے اور اپنی مرضی اور لگن سے مل جل کر کاموں کو پورا کرنے کے لئے تیار رہنے کا جذبہ دب سا گیا تھا جس کی ملک کی تعمیر و ترقی میں بنیادی شرط کی حیثیت ہے۔ ہماری اس کوتاہی کی وجہ سے ہمارے سبھی منصوبوں کی تکمیل کا کام کافی سست رفتار سے ہو رہا تھا۔ ہماری سرخروئی اب اسی میں ہے کہ ہم اس ہنگامی جوش و خروش، حوصلے اور امنگ کو اپنے قومی کردار میں سمو لیں اور اسے تعمیری کاموں میں لگائیں۔

آج جو یہ سنکٹ ہمارے سامنے آیا ہے اس کا مقابلہ کرنے کا سب سے کارگر ہتھیار خود ہماری سماجی تنظیم ہے اگر گاؤں میں بیداری پیدا ہوتی ہے اور ان میں ایک باعزت زندگی بسر کرنے کا شعور اور حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے تو یہ اس جنگ کو جیت لینے کے لئے کافی ہے جس میں آج ہمیں زبردستی الجھنا پڑا ہے۔ اس جنگ کو جیتنے کے لئے خواہ پیداوار کو بڑھانے کا سوال ہو یا خون دینے کا، نوجوانوں کو فوج میں بھیجنے کا سوال ہو یا شہری انتظام کو سنبھالنے کا سوال ہر مرحلے پر پوری طرح منظم گاؤں کی اکائیاں ہی اس میں سب سے زیادہ مددگار ثابت ہوں گی۔

لوہے کو ہتھیاروں کی شکل میں ڈھالنے کے لئے اس کا گرم ہونا ضروری ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں سب سے بڑی کمی قوم میں اس گرمی کی تھی۔ سوراج پانے کے بعد ایک لمبی خماری ہمارے اوپر چھائی ہوئی تھی۔ موجودہ خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک جوش اس قوم میں پیدا ہوا ہے۔ بیداری کی اس لہر سے فائدہ اٹھا کر اگر ہم گاؤں سماج کی مضبوط بنیادوں پر تنظیم کر لیں تو اس سے جنگ کے میدان میں بھی فتح مند ہوں گے اور قوم میں مستعدی اور ایکتا پیدا ہوگی جو ملک کو کسی بھی خطرے سے بچانے کی ضمانت ہے۔

جنگ کے زمانے میں ہر چوبیس گھنٹے میں کچھ نہ کچھ ایسی خبریں ضرور آتی ہیں جن کے جاننے کی خواہش لوگوں میں موجود ہوتی ہے یا ان میں خبر کو جاننے کی خواہش آسانی سے پیدا کی جا سکتی ہے۔ یہی وہ بنیادی چیز ہے جس پر ان نئے حالات میں سماجی تعلیم کا ڈھانچہ کھڑا کیا جا سکتا ہے۔

ماہرین تعلیم کا کہنا ہے کہ جان داروں میں سب سے بڑا محرک اپنا تحفظ ہوتا ہے۔ ہر گاؤں سبھا روزانہ شام کے وقت پابندی سے جمع ہو کر صورت حال کی پوری پوری اور صحیح واقفیت حاصل کیا کرے اور سوچیں کہ ان حالات میں ان پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور وہ انھیں کس طرح نبھا سکتے ہیں۔ سوشل ایجوکیشن کے کارکن کو گاؤں میں کچھ اس طرح کا رواج ڈالنے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔

نادان دوست سے دانا دشمن اچھا ہوتا ہے۔ افواہیں پھیلانے کی کوشش بھی لڑائی کے دنوں میں ہوا کرتی ہے۔ اس سے گھبراہٹ پیدا کر کے لوگوں میں پست ہمتی پیدا کی جاتی ہے اس لئے ہمارے حفاظتی اقدامات میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ پابندی سے ہر آدمی کو صحیح صحیح معلومات پہنچے۔ سوشل ایجوکیشن کو اسی مورچے کو سنبھالنا ہے۔ جہاں لوگوں کو معلومات پہنچائی جائے وہاں یہ بھی انتظام ہو کہ ان کا حوصلہ اور جوش بنا رہے اور وہ کسی بھی حالت میں پست ہمتی کا شکار نہ بننے پائیں، وہ اپنی فتح میں یقین رکھیں اور نعرے لگا کر اپنے اس یقین کا اظہار کریں۔

ہر شام ہر آدمی کے لئے ہر حال میں فوج کی سی پابندی کی طرح سبھا میں آنا، پوری خبر سننا، سمجھنا، ہمت اور حوصلے کا مظاہرہ کرنا، نعرہ لگانا، جان کی بازی لگا کر ملک کی آن کی حفاظت کا بیڑہ اٹھانا، ہماری جنگ کا پہلا مورچہ ہے گاؤں میں اخبار منگانے کے لئے فوراً چندہ کرنا، دوڑ کر قصبے سے اخبار لانا۔ اس ہمت اور شوق کے ساتھ جیسے کہ ویر ہنومان جنگل سے پہاڑ اٹھا کر لائے تھے۔ پھر اس اخبار سے چن چن کر خبریں چھانٹنا، ان کا خلاصہ تیار کرنا اور ان کی بنیاد پر بلیٹن تیار کرنا، یہ وہ کام ہیں جن کی داغ بیل گاؤں میں اب ضرور پڑ جانی چاہئے۔

عورتوں کو چاہئے کہ وہ ان سبھاؤں کے لئے مشعلیں تیار کریں اور روزانہ شام کو وہ یہ مشعلیں تیار رکھیں اس سے سبھا کی رونق بھی بڑھے گی اور گاؤں میں ایک خاص طرح کی بیداری کی لہر بھی پیدا ہوگی۔

گاؤں گاؤں میں لاؤڈ اسپیکر کا انتظام ہونا چاہئے (لاؤڈ اسپیکر کی تیاری اور تقسیم کا کام مرکز کو کرنا چاہئے) ان لاؤڈ اسپیکروں پر خون کو گرما دینے والے سورماؤں کی بہادری کے راجستھانی گیت سنائے جائیں۔ جنتا جھوم جھوم اٹھے گی اس سے ایک طرف لوگوں میں روزانہ اس طرح کی محفل جمانے کا چسکا بھی پیدا ہوگا تو دوسری طرف ان کے دل میں ملک و قوم کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگانے کا جذبہ بھی پرورش پائے گا۔

لوگوں کے ایک جگہ جمع ہونے پر اور بھی کئی فیصلے متفقہ طور پر کئے جا سکتے ہیں جن کی آج ملک کو ضرورت ہے۔

انھیں سبھاؤں میں کٹھ پتلی کے ذریعہ طنزیہ تمثیلیں پیش کی جائیں اور ان کے اس جذبے کو صحیح رخ دینے کے لئے تعمیری کاموں کے لئے متفقہ فیصلے بھی کرائے جائیں۔ سوشل ایجوکیشن کے کارکن کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ آج کی جنگ اتنی پیچیدہ ہو گئی ہے کہ وہ پورے ملک کی پوری تیاری کے بغیر نہیں لڑی جا سکتی ہے۔ اس تیاری میں جہاں پیداوار کا بڑھانا، مشینوں اور ہتھیاروں کی تیاری شامل ہے وہیں ایک بیدار قوم کی تربیت بھی ضروری ہے۔ اخبار لوگوں کو پڑھ کر سنایا جا سکتا ہے مگر اصلی بات یہ ہے کہ لوگ خود اخبار پڑھ سکیں۔ انھیں ہر قدم پر دوسروں کی بتائی ہوئی باتوں کا سہارا ہی نہ لینا پڑے۔ اس بہانے سے ان سبھاؤں میں پڑھنا لکھنا سیکھنے کا متفقہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے مناسب موقع کی تلاش میں سوشل ایجوکیشن کے کارکن کو ہر وقت نظر رکھنی چاہئے۔

جنگ کے ان ہنگامی حالات میں ایک اور پروگرام بھی چلایا جا سکتا ہے۔

روز صبح سارے گاؤں سماج کی طرف سے جھنڈے کی سلامی کے لئے لوگوں کو جمع کیا جائے۔ ہمارے ملک میں سوریہ دیوتا کو پرنام کرنے کی ایک پرانی ریت چلی آ رہی ہے۔ سب مل کر سوریہ کے سامنے جمع ہوں۔ اس کا صحت پر بھی اچھا اثر پڑے گا اور سب کے ایک ساتھ ملنے سے نظم و ضبط بھی پیدا ہوگا ان موقعوں پر لوگ ملک اور قوم کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگانے کی قسم لیں۔ گاؤں کا یوک منڈل یہ کام اپنے ذمہ لے سکتا ہے۔ فوجی نظم و ضبط کی مشق اور جسمانی تربیت اس پروگرام کا خاص مقصد ہوگا۔

مگر ان سب سے بھی اہم بات ملک کی پیداوار کو بڑھانا ہے سوشل ایجوکیشن کے کارکن کو گاؤں کی ان سبھاؤں میں اور دوسرے موقعوں پر لوگوں کے سامنے یہ بات پوری طرح واضح کرنی چاہئے کہ ملک کے تمام کسان اور مزدور سپاہی ہیں۔ اس جنگ میں ان کی اہمیت مورچے پر لڑنے والے سپاہیوں سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ وہ ہماری فوج کے لئے اناج پیدا کر رہے ہیں کپاس اور اون پیدا کر کے فوج کے جوانوں کے لئے کپڑے اور دوسرے سامان تیار کر رہے ہیں۔ اسی طرح کارخانے کے مزدور بھی مورچے پر لڑنے والے کو مدد پہنچا رہے ہیں۔ اس صورت میں جنگی محاذ پر مدد پہنچانے کا سب سے اچھا ذریعہ یہ ہے کہ ہم زیادہ محنت سے کام کریں اور پیداوار کو بڑھانے میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں۔

اس جنگ کے زمانے میں بجلی اور برقی طاقت کا ایک بہت بڑا حصہ جنگی سامان کی تیاری میں لگایا جائے گا۔ سیندری کی طرح کے کھاد اور فرٹیلائزر بنانے والے کارخانوں کو اب کھاد کی جگہ فولادی گولیاں ڈھالنی پڑیں گی۔ اس صورت میں صنعتی اور زراعتی ترقی کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں درپیش آنا یقینی بات ہے۔ مگر اس مورچے پر پیچھے رہ جانے کا

REGISTERED No D-[illegible]

# اترپردیش کے بلاکوں میں کمیونٹی سنٹروں کے قیام کا منصوبہ

کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام میں تعلیم کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر ڈیولپمنٹ بلاک کے گاؤں میں کمیونٹی سنٹر کھولنے کی ایک اسکیم بنائی گئی ہے۔ شروع شروع میں ہر بلاک میں ایسے دس سنٹر قائم کئے جائیں گے یعنی ہر گرام سیوک اپنے علاقے کے دس گاؤں کے مرکز میں ایک سنٹر قائم کرنے کا ذمہ دار ہوگا جس گاؤں میں یہ سنٹر قائم ہوگا اس گاؤں کا پردھان اس کمیونٹی سنٹر کا صدر ہوگا۔ یہ سنٹر گاؤں کے پنچایت گھر، اسکول یا کسی دوسری پبلک عمارت میں کھولا جائے گا۔ اس گاؤں میں ایسی کوئی جگہ نہ ہونے کی صورت میں کسی اور مکان میں سنٹر کھولا جاسکتا ہے۔

## کمیونٹی سنٹروں کے کام کا خاکہ

ہر سنٹر میں ایک کتب خانہ اور دارالمطالعہ ہوگا جس میں حکومت کی طرف سے شائع ہونے والے خبرنامے اور کتابیں رکھی جائیں گی۔ وہاں گاؤں کا نقشہ اور چارٹ بھی لگا ہوگا۔ تیسری پنج سالہ یوجنا میں متعلقہ گاؤں کی اکائی کے ترقیاتی منصوبے کی وضاحت کے لئے نقشے اور چارٹ، ترقی پسند کسانوں کی فہرست، تعلیم بالغان کی کلاسوں میں انعام پانے والے لوگوں کے نام [illegible] منڈل اور مہیلا منڈل کے ممبروں کی فہرستیں آویزاں ہوں گی۔

مہینے میں دو بار کمیونٹی سنٹر کی بیٹھکیں ہوا کریں گی جس میں مختلف موضوع پر بات چیت کے بعد کلچرل پروگرام بھی پیش کئے جایا کریں گے۔ جن بلاکوں میں سینما دکھانے کی مشینیں موجود ہیں وہاں ہر مہینے فلم دکھائی جایا کریں گی۔ دوسرے علاقوں میں فلم دکھانے کے انتظامات ضلعے کا محکمۂ اطلاعات کرے گا۔ ہر سنٹر میں ایک ریڈیو لگانے کا بھی پروگرام ہے کلچرل پروگراموں کے لئے ضروری سامان بلاک کے بجٹ کی سوشل ایجوکیشن کی مد سے خریدنے کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔

(بقیہ صفحہ [illegible])

[illegible] کو کمزور بناتا ہے۔ آج کے حالات میں مجھے نباتاتی گیس (گوبر اور گھاس پھوس کی گیس) کے سہارے پیداوار کی رفتار [illegible] بڑھانے کے امکانات زیادہ روشن نظر آتے ہیں ــــ ہر بلاک میں آج جو مویشی موجود ہیں ان سے ہر سال [illegible] [illegible] ایک من گوبر سے تقریباً۔ ایک [illegible] گیس ملتی ہے یعنی [illegible] گیلن کے برابر ڈیزل یعنی تقریباً [illegible] گیلن ڈیزل ہر بلاک میں [illegible] گیس نکلے گی ہی ساتھ ہی عمدہ کھاد بھی ملے گی گیس سے چھوٹے چھوٹے کارخانے چلائے جائیں اور [illegible] بڑھانے میں لگائی جائے

December 1962.

ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

# تعلیم و ترقی

دسمبر ۱۹۶۲ء

جلد ۱۳ — شمارہ ۱۲

بانی:- شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر:-

پروفیسر محمد مجیب

برکت علی فراق

رفیق محمد شاستری

دفتر:-

ماہنامہ تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

قیمت:-

سالانہ چار روپئے — فی پرچہ ۳۷ نئے پیسے

فون:- ۷۴۴۶۴

## ترتیب



پرنٹر پبلشر برکت علی فراق نے محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

## اشارات

# کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام اور قومی تحفظ

پی۔ٹی۔آئی کی ایک اطلاع ہے کہ کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی وزارت نے موجودہ قومی سنکٹ کو دور کرنے میں اپنا حصہ پورا کرنے کی غرض سے ایک اسکیم مرتب کی ہے جس پر ڈیولپمنٹ بلاکوں میں ۲۶ جنوری ۱۹۶۳ء سے عمل شروع ہو جائے گا۔

اس اسکیم کے خاص خاص پہلو یہ ہیں: پیداوار میں اضافہ کرنے کی غرض سے پورے ملک میں دیہی والنٹیروں کا ایک دستہ تیار کرنا، اور ایک ڈیفنس لیبر بینک قائم کرنا جس میں ہر شخص پنچایتوں کے توسط سے ہر مہینے اپنی ایک دن کی محنت کا معاوضہ داخل کرے گا۔

اس اسکیم پر عمل ہونے سے ملک میں بیس لاکھ جوان اور تندرست اشخاص کی ایک بڑی جماعت تیار ہو جائے گی جو قومی بچاؤ کے لئے مہینے میں ایک دن یعنی سال میں ۱۲ دن مفت کام کرے گی۔ ان لوگوں کی محنت کی جو رقم بنے گی وہ گاؤں کی پنچایتیں اُن کے نام سے ڈیفنس لیبر بینکوں میں جو پورے ملک میں جگہ جگہ قائم کئے جائیں گے، جمع کرا دیں گی۔ ان رقموں سے جو سرمایہ جمع ہوگا، وہ دیہی ترقی کی مختلف اسکیموں میں لگایا جائے گا۔

اسی اسکیم کے ماتحت پنچایتوں کا ایک کام اب یہ بھی ہوگا کہ ان کے گاؤں سے جو جوان مورچے پر گئے ہیں، ان کے بال بچوں کی خبر گیری کریں اور ہر طرح ان کی دل جوئی اور امداد کریں۔ گاؤں یا علاقے میں جو پنشن یافتہ فوجی ہوں گے، ان کی خدمات سے بھی فائدہ اٹھایا جائے گا اور انھیں والنٹیروں کے دستوں کی ٹریننگ کا کام سپرد کیا جائے گا۔

اس اسکیم کا ایک حصہ یہ ہے کہ ملک کے اندر پھیلے ہوئے پانچ ہزار دو سو کمیونٹی ڈیولپمنٹ بلاکوں میں جتنی جیپ گاڑیاں اچھی حالت میں ہوں گی، انھیں قومی بچاؤ کی وزارت کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اسی کے ساتھ بلاکوں کے تعمیراتی پروگراموں میں کمی کی جائے گی اور بچت کی دوسری تدبیریں بھی عمل میں لائی جائیں گی۔ بچت کی ان تدبیروں سے ہر بلاک کو زرعی پیداوار بڑھانے کی اسکیموں پر عمل کرنے کے لئے ایک لاکھ روپیہ مزید مل جائے گا۔

اس اسکیم کا خیال ہمارے محبوب رہنما پنڈت نہرو کے ذہن میں آیا تھا جس کی طرف انھوں نے کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور پنچایتی راج کی سنٹرل کمیٹی کی بیٹھک میں اشارہ کیا تھا، اور کہا تھا کہ اس کا بنیادی مقصد عوام میں عملی طور پر ایک ایسا جذبہ پیدا کرنا ہے جس سے ہر شخص یہ محسوس کرے کہ وہ اس قومی سنکٹ کو دور کرنے میں عملاً حصہ لے رہا ہے اور اپنے بس بھر اس میں مدد دے رہا ہے۔

چین کے حملے سے ملک کے اوپر جو سنکٹ آیا ہے، اس نے خدا کا شکر ہے، ملک کے گوشے گوشے میں بیداری، اتحاد و یک جہتی اور عمل کی ایک زندگی بخش لہر پیدا کر دی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہمارے کمیونٹی ڈیولپمنٹ بلاکوں کا ایک مشکل اور بہت شکن مسئلہ "عدم شرکت" اپنے آپ حل ہو گیا ہے۔ آج چھوٹے سے بڑا ہر شخص یہ سمجھ رہا ہے کہ آزادی نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے! اور یہ آزادی اُسی وقت قائم و برقرار رہ سکتی ہے جب اس کے لئے ہر شخص اپنی اپنی جگہ اپنی ذمّے داری کو محسوس کرے اور کاہلی اور سست روی کو ہمیشہ کے لئے طلاق دے کر کام پر لگ جائے۔ ایسی عام بیداری اور اتنا ہمہ گیر احساسِ عمل روز روز نہیں پیدا ہوتا۔ ضرورت تھی کہ قوم کے مستقبل کے معمار اس کراماتی لہر سے بر وقت کام لینے کے لئے آگے بڑھتے اور عوام کے جوشِ عمل کے لئے راہیں نکالتے۔ کیمونٹی ڈیولپمنٹ کی وزارت کی مذکورہ بالا اسکیم، خوشی کی بات ہے، انھی راہوں میں سے ایک راہ ہے، جو ہمیں یقین ہے، سو فی صدی کامیاب ہوگی۔

کمیونٹی ڈیولپمنٹ بلاکوں کی اسکیموں کو کامیاب بنانے میں ہمارے عوام نے، جتنا چاہیے تھا اتنا جوش ابھی تک نہیں دکھایا تھا۔ اس کا ایک سبب غالباً یہ تھا کہ انھیں کام کر کے جو خوشی ہوتی ہے اس کا اندازہ نہیں تھا! اس اسکیم کی بدولت ہر شخص کو جو کام کرنے کی سکت رکھتا ہے، ملک کی بھلائی کے نام پر تھوڑا بہت کام کرنے کا موقع ملے گا اور اسے یوں محسوس ہوگا کہ ملک کے بچاؤ کے کام میں وہ کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ کام ہی کام کو سکھاتا ہے، اور پھر وہ کام جو خوشی اور احساسِ فخر کے ماتحت کیا جائے، اس کی بڑی قیمت ہوتی ہے، اس وقت ملک کی بھلائی کے نام سے جو کام ہوگا، وہ آیندہ کام پر اُبھارنے والا ایک محرک ثابت ہوگا اور پھر جب چینی غداروں سے ملک پاک ہو جائے گا اور حالات معمول پر آجائیں گے اس وقت کیمونٹی ڈیولپمنٹ بلاکوں کو عوام کی عدم شرکت کا رونا نہیں رونا پڑے گا۔

# خواندگی کے مختلف طریقے

(مسلسل)

اکتوبر ۱۹۶۲ء کے شمارے میں ہم نے خواندگی سے متعلق چند ابتدائی باتیں بتانے کے بعد ڈاکٹر فرینک سی لاباخ کے تجربے کی داستان اور ہندی پڑھانے کے لاباخ میتھڈ کا تعارف دیا تھا۔

زیر نظر شمارے میں لاباخ کے بنیادی نظریئے "اِیچ ون، ٹیچ ون" سے مختصراً بحث کی جائے گی اور اس کے بعد پروفیسر اے۔ بی۔ مانڈے کے گیت میتھڈ کا تعارف دیا جائے گا۔

— ایڈیٹر

## لاباخ کا نظریہ: "اِیچ ون، ٹیچ ون"

ڈاکٹر لاباخ نے اپنے لاناو (فلپائن) کے تجربات کی بنیاد پر یہ نظریہ قائم کیا تھا کہ پڑھے لکھے لوگوں سے قطع نظر اپنا خواندگی کا کورس پورا کرنے کے بعد خود نوسکھ بالغ اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ایک یا کئی ساتھیوں کو خواندہ بنا دے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر اس طرح ہر شخص اپنے ایک ساتھی کو خواندہ بنا دے اور اسی طرح اس نوسکھ کا بنایا ہوا نوسکھ اپنے ایک ساتھی کو پڑھنا لکھنا سکھا دے تو اقلیدی، حساب کا عمل (جیومیٹریکل پروگریشن) شروع ہو جائے گا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پانچ سال کے اندر اندر ہندوستان کے تمام ناخواندہ بالغ خواندہ ہو جائیں گے۔ ان کے حساب کا طریقہ انھی کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:

"اگر ایک سال تک ہر شخص اپنے ایک ایک ساتھی کو پڑھاتا رہے تو اس وقت ہندوستان میں خواندگی کا اوسط جو ۸ فی صد ہے، دوسرے سال ۱۶ فی صد ہو جائے گا، تیسرے سال ۳۲ فی صد، چوتھے سال

۴۴ فی صدی' اور پانچویں سال ۱۲۸ فی صدی"

اپنی کتاب "ٹوورڈ ورلڈ لٹریسی" کی ابتدا ڈاکٹر لاباخ نے اسی سوال سے کی ہے کہ "آیا ایچ ون، ٹیچ ون" کا نظریہ کامیاب ہوسکتا ہے؟" اور پھر خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں:

"اگر پورے ملک کو خواندہ بنانے کے لئے ضروری قرار دیا جائے کہ لٹریسی کے اساتذہ پورے طور پہ ٹرینڈ ہوں، اور بالغ طالب علموں کے لئے خاص طور پر بنے ہوئے اسکول ہوں' اور یہ تحقیق کر لی جائے کہ بالغ طالب علم اپنے کام اور آرام کے درمیان کون سا اور کتنا وقت پڑھائی کے لئے نکال سکتے ہیں تو اس تمام اہتمام پر جو خرچ آئے گا اس کی کبھی ہمت نہیں ہوسکتی' اور نہ بالغ طالب علموں کے وقتِ فرصت کی تحقیق کامیاب ہوسکتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر بالغ والنیٹروں کو اس بات کے لئے آمادہ کیا جا سکے کہ وہ اپنے ناخواندہ ساتھیوں کو دن کے کسی حصے میں اپنے گھر بلا کر یا خود اس کے گھر جا کر پڑھا دیا کریں اور پھر وہ نیا نیا پڑھا ہوا بالغ اسی طرح اپنے ایک ساتھی کو پڑھائے تو اس ترکیب سے خرچ کا بار بہت ہلکا ہو جائے گا۔

"کیا "ایچ ون ٹیچ ون" کا نظریہ ممکن ہے؟ پوری دنیا میں گھوم گھوم کر جو تجربے کئے گئے ہیں ان کا جواب ہے "جی ہاں ممکن ہے"!

مگر باب کے آخر میں ڈاکٹر صاحب نے اس نظریئے کی کامیابی کے لیے ایک شرط لگادی ہے جس سے لازم ہو جاتا ہے کہ لٹریسی کی مہم یونہی بے سوچے سمجھے چلانے کے بجائے پوری محنت اور تیاری کے ساتھ منظم طور پر چلائی جائے فرماتے ہیں:

"ایچ ون، ٹیچ ون کے نظریئے کی کامیابی اُسی وقت اور صرف اُسی وقت ممکن ہے جب بالغ طالب علموں کے لئے تیار کئے ہوئے سبق آسان، تیزی سے سمجھ میں آنے والے' اور سیکھتے وقت طبیعت میں خوشی پیدا کرنے والے ہوں اور ان کے پڑھانے میں اتنی آسانی پیدا کی گئی ہو کہ انھیں غیر تربیت یافتہ (اَن ٹرینڈ) شخص بھی آسانی سے پڑھا سکے"!

## ب۔ شری مانڈے کا گیت میتھڈ

### شری مانڈے

شری اننت باپوجی مانڈے فرگسن کالج پونا سے بی۔ اے۔ پاس کر کے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے امریکہ تشریف

لے گئے اور وہاں کولمبیا یونیورسٹی کے ٹیچرز کالج میں داخلہ لیا۔ کولمبیا یونیورسٹی میں انھوں نے اپنی محنت اور ذہانت کی بدولت بڑا نام پیدا کیا اور یونیورسٹی کا ایک ریسرچ اسکالرشپ حاصل کیا۔ آخر میں وہاں سے تعلیم میں ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی اور ہندوستان واپس آکر بالخصوص بالغوں کی تعلیم کے میدان میں شہرت پائی۔

ہندوستان میں بالغوں کی تعلیم کے نام سے خواندگی کی کوششیں تو بہت ہوئیں لیکن جس منظم اور سائنٹفک ڈھنگ سے شری مانڈے نے یہ کام کیا، اس کے لحاظ سے ہندوستان کی اڈلٹ ایجوکیشن کی تاریخ میں ان کی کوششوں کو اوّلیت کا درجہ حاصل ہے۔

## مانڈے کے تجربات کی مختصر داستان

شری اے۔ بی۔ مانڈے کو امریکہ کے مشہور ماہرینِ تعلیم مثلاً ڈاکٹر جان ڈیوی، ولیم۔ ایچ۔ کلپٹرک، پال منرو، باگلے تھارن ڈائک اور رسل وغیرہ کی شاگردی اور ان کے ساتھ کام کرنے کا شرف حاصل تھا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ان کی طبیعت میں ہندوستان کے کروڑوں اَن پڑھ بالغوں کی تعلیمی خدمت کا اتنا جوش تھا کہ انھوں نے امریکہ کے دوران قیام ہی میں اپنے چند امریکی ہم جماعتوں کے ساتھ ہندوستان کی تعلیمی خدمت کا عہد کیا تھا۔

شری مانڈے نے اَن پڑھ بالغوں کو خواندہ بنانے کا پہلا تجربہ ۱۹۲۵ء میں ناگپور کے سنٹرل جیل کے قیدیوں کے ساتھ کیا اور ان تجربات کی بنیاد پر" اسکیم آف ماس ایجوکیشن" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ انھی دنوں صوبہ یوپی کا کوآپریٹیو ڈپارٹمنٹ بڑے پیمانے پر عوام کی تعلیم کی کوششیں کر رہا تھا چنانچہ اس ڈپارٹمنٹ نے شری مانڈے کو ۱۹۲۸ء میں اپنے بالغوں کے اسکولوں کا انسپکٹر بنایا۔ اُس وقت سے دس بارہ سال تک مانڈے جی اَن پڑھ بالغوں کی تعلیم کے تجربے کرتے رہے اور اس اثنا میں وہ عہدہ کے لحاظ سے بھی انسپکٹری سے اونچے ہو کر" اڈلٹ ایجوکیشن آفیسر" کوآپریٹیو ڈپارٹمنٹ یو۔ پی" ہو گئے تھے۔

یو۔ پی کے تجربات کی بنیاد پر مانڈے جی نے ایک دوسری کتاب" اسکیم آف اڈلٹ ایجوکیشن" لکھی جو اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ مانڈے جی کے نظریات کو کس حد تک مقبولیت حاصل ہوئی تھی، اس کا اندازہ ان کی مذکورہ بالا کتاب کے دیباچے کے ایک حصّے سے ہوگا جو انھوں نے اس کتاب کے ہندی ترجمے سے متعلق لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

" اس کتاب کا ہندی ترجمہ بھی ایک دوست سے کرا کر شائع کیا۔ اس ترجمے میں بہت سی خامیاں رہ گئی تھیں ان خامیوں کی اصلاح کر کے اس کا دوسرا اڈیشن چھپوانے کی ضرورت دو تین سال تک محسوس نہیں ہوئی

لیکن اب جب کہ یو-پی کے ۴۰ شہروں میں اور دوسرے صوبوں اور دیسی ریاستوں میں ہماری اسکیم رائج کی جا چکی ہے "اڈلٹ ایجوکیشن کے اُستادوں کی مدد کی غرض سے اس کی شدید ضرورت ہے کہ طریقۂ تعلیم کی غرض و غایت، نصاب تعلیم اور مدرسے کے انتظام سے متعلق انھیں مفصل معلومات بہم پہنچائی جائے۔ یہ موجودہ ایڈیشن اسی ضرورت کی تکمیل کی غرض سے شائع کیا جا رہا ہے۔"

ان کتابوں کے علاوہ ہندی اور اردو دونوں زبانوں میں پرائمر سے لے کر آگے کی منتقی کتابوں تک ایک درجن سے ادپر کتابیں مانڈے جی کی تصنیفات میں شامل ہیں جن میں سے بیشتر میں انھوں نے ان پڑھ بالغوں کی خواندگی سے متعلق مختصراً اپنے نظریات اور طریقے بھی لکھ دئے ہیں۔

## مانڈے کا گیت میتھڈ

شری مانڈے کا طریقۂ تعلیم دراصل امریکہ کے اسٹوری میتھڈ پر مبنی ہے۔ اس میتھڈ کا بنیادی اصول یہ ہے کہ طالب علم کو حروف اور الفاظ کی انجانی دنیا میں نہیں لے جانا چاہئے ورنہ وہ وہاں جا کر کھو جائے گا۔ اس کے بجائے اُسے اس کی دلچسپی کی کہانیاں سُنانی چاہئیں جو صاف صاف اور موٹے حروف میں لکھی ہوئی موجود بھی ہوں۔ اور یہ کہانیاں بار بار اُسے سُنانی اور اُس سے پڑھوانی چاہئیں جنھیں ظاہر ہے "وہ انہی یادداشت کی بنیاد پر پڑھے گا"۔ اس طرح ایک ہی چیز یا چند چیزیں جن سے طالب علم کو دلچسپی ہے، جب اس کی نظر کے سامنے سے مسلسل اور بار بار گذریں گی تو اُس کی نظریں اور نظروں کے ساتھ ساتھ اس کا دماغ اِن کہانیوں کی شکلوں سے آشنا ہو جائے گا اور ایک وقت وہ آئے گا جب وہ خود حروف اور الفاظ سے واقف ہو جائے گا۔

مانڈے جی نے ہندوستانی گاؤں کے مزاج کے مطابق اس امریکی طریقۂ تعلیم میں یہ تبدیلی کی ہے کہ کہانیوں کے بجائے معروف و مقبول گیتوں کو تعلیم کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس میں فائدہ یہ ہے کہ کہانیاں تو ہو سکتا ہے عام اور مقبول ہوتے ہوئے بھی زبانی یاد نہ رہ سکیں، چھوٹے چھوٹے گیت اور خصوصاً وہ ہے مختصر ہونے کی وجہ سے زبانی بھی یاد رہتے ہیں اور پہلے پہل یاد نہ بھی ہوں تب بھی آسانی سے یاد ہو سکتے ہیں۔ اس آسانی کی وجہ سے اسٹوری میتھڈ کے ذریعے پڑھانے کا کام زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔

اس طریقۂ تعلیم میں ہوتا یہ ہے کہ کلاس پہلے تین چار دن تک پہلے سے مقرر کئے اور لکھے ہوئے گیت اور دوہے گکسے جاتے ہیں؛ اور اس دھوم دھام سے گکسے جاتے ہیں کہ بھجن منڈلی کا سماں بندھ جاتا ہے۔ ان دنوں میں مرنگ تانبا

ہوتا ہے، گیت پڑھوائے نہیں جاتے ۔ البتہ گائے جانے والے گیتوں اور دوہوں کا چارٹ کلاس میں آویزاں کر دیا جاتا ہے پہلی کتاب میں کل پچیس دوہے ہیں جو ایک مہینے کی مدت میں ختم کئے جاتے ہیں ۔ یہ دوہے اور گیت اُردو اور ہندی دونوں زبانوں میں ایسے ہیں جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں عام طور پر لوگوں کی زبان پر رہتے ہیں یا کم سے کم اُن سے ان کے کان آشنا ہوتے ہیں ۔ مثال کے طور پر ان میں سے چند گانے یہ ہیں :

رام لچھمن جانکی        جے بولو ہنمان کی

رگھو پت راگھو        راجا رام
پتیت پاون        سیتا رام

رام نام لڈو        گوپال نام گھی
کشن نام مصری        گھول گھول پی

رام نام کی لوٹ ہے        لوٹ سکے تو لوٹ

ان گیتوں اور دوہوں کے ذریعے پڑھانے اور حروف اور الفاظ کی پہچان کرانے کا طریقہ خود مانڈسے جی کی زبان میں حسب ذیل ہے :

پہلے چار دن : چارٹ کے چھ سات بھجن (دوہے)

اس مدت میں استاد پہلے بھجن گائیں اور طالب علموں سے گوائیں ۔ اس کے بعد چارٹ میں لکھے ہوئے الفاظ کے نیچے آہستہ آہستہ انگلی گھماتے اور نہایت صفائی اور وضاحت کے ساتھ تلفظ کرتے ہوئے طالب علموں سے الفاظ کا تعارف کرانے جائیں ۔ لیکن الفاظ کی حروف میں تقسیم کرنے کی کوشش نہ کریں ۔

پانچویں دن سے سولھویں دن تک : چارٹ کے ۱۶ بھجن ختم کرنا

اِس مدت میں چارٹ کے ۱۶ بھجن ختم ہو جاتے ہیں ۔

اب ان الفاظ کے الگ الگ حروف بھی دکھائے جا سکتے ہیں ۔ اُستاد کو چاہئیے کہ پہلے کے پڑھے ہوئے

چارٹوں کو دہرائے۔ بھجنوں کا ہر چارٹ کتنی مرتبہ دہرایا جانا چاہیئے، اس کا انحصار حروف سے طالب علموں کے تعارف کے معیار پر منحصر ہے۔ یعنی جن حروف کا تعارف بخوبی ہو گیا ہو، انہیں کم مرتبہ دہرانا چاہیئے۔

سولہویں دن سے مہینے کے آخر تک: آلہایا کوئی دوسرا گیت پڑھانا

۱۔ اُستاد کو اس مدّت میں آلہا پڑھانے کی ابتدا کرنی چاہیئے۔ پہلے اُستاد پہلی کتاب میں دئے ہوئے آلہا کو ترنّم سے پڑھ کر سُنا دے۔ پھر ایک ایک سطر کے الفاظ سے انہیں تین چار مرتبہ دہرا کر پہلے ان کا کچھ تعارف کرادیا جائے۔ اس کے بعد الفاظ کو پڑھتے ہوئے گانے کے طرز پر پڑھنا سکھا دیا جائے۔ آٹھ دس دن تک نئی سطریں پڑھانا اور پڑھی ہوئی سطروں کا دُہرانا جاری رہے۔

۲ ــ اب استاد ہمیشہ حروف کی حاضری لینا شروع کریں۔ یعنی چارٹ اور کتاب حروف کو دکھا کر ان کا تعارف کرایا جائے۔

## لکھائی کی ابتدا

اس پروگرام کے چوتھے دن سے لکھنے کی ابتدا ہوتی ہے جس کے لئے مانڈے جی نے "لکھائی کی کتابیں" تیار کی تھیں۔ لکھائی کی ان کتابوں کے استعمال کے باب میں مانڈے جی کی ہدایات حسب ذیل ہیں:

"بھجنوں کا چارٹ دو چار دن دہرانے کے بعد تیسرے یا چوتھے دن طالب علموں کے ہاتھ میں لکھائی کی کتابیں دے دینی چاہئیں۔ لکھائی کی کتاب میں پہلے وہی بھجن دئے گئے ہیں جو سب سے پہلے ان کے پڑھنے میں آئے تھے۔ لکھائی کی کتاب میں اوپر نمونے کے طور پر بھجن کے ٹکڑے لکھ دئے گئے ہیں اور نمونے کی نقل کرنے کے لئے نیچے تین سطریں دی گئی ہیں۔ لکھنے کے لئے انہیں پہلے پنسل دینی چاہیئے اور ان سے نمونے کی نقل کرنے کے لئے کہنا چاہیئے۔ ان سے فرمائش کرنی چاہیئے کہ وہ آہستہ آہستہ بنا بنا کر نقل کریں..... طالب علموں کی نقلوں میں جو غلطیاں ہوں اُستاد اُن کی اصلاح کی کوشش نہ کریں۔ اس لئے کہ اس منزل میں اُن کا نقل کرنا نہ تحریر ہے نہ خوشخطی کی مشق..... اس منزل میں حقیقتاً طالب علم لکھتے نہیں ہیں بلکہ الفاظ کی تصویریں بناتے ہیں۔ اور اس عمل کا مقصد صرف یہ ہے کہ

۱ــ طالب علموں کو پنسل گھمانے کی مشق ہو جائے۔　　　　(باقی صفحہ ۱۶ پر)

# نوجوانوں کی تعلیم کا مسئلہ

رسالہ تعلیم و ترقی کے زیر اہتمام سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کی بے تکلف اور غیر رسمی بات چیت کے سلسلے کی چھٹی نشست گذشتہ ستمبر میں منعقد ہوئی تھی۔ اُس وقت انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن نے اپنے تیرھویں نیشنل سیمینار کا موضوع بحث بھی اسی عنوان سے ملتا جلتا مقرر کیا تھا۔ اس لئے دلّی اور جامعہ ملّیہ میں کام کرنے والے سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں نے اس نشست میں بڑی دلچسپی لی تھی۔

جن احباب نے اس بات چیت میں حصہ لیا تھا، اُن کے نام یہ ہیں: ڈاکٹر بیجا نمو سنگھ، پلاننگ کمیشن؛ شری شالگ رام تیتھک: انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن؛ شری دھرم پال: گرام سیوا سنگم؛ شری ایچ۔ پی۔ سکسینہ، شری جے۔ ایس۔ پردیشی: نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر دہلی اور شری بی۔ این چترویدی: سوشل ایجوکیشن ڈائرکٹریٹ دہلی۔ ان کے علاوہ جامعہ ملّیہ کے کارکنوں میں ڈاکٹر سلامت اللہ صاحب، ڈاکٹر ہاشم امیر علی صاحب، برکت علی فراقؔ صاحب، عبداللہ ولی بخش قادری صاحب، محمد خلیق صاحب، عبدالرشید صاحب، مصطفےٰ علی صاحب، بلدیو بھسین صاحب، مس درمانی صاحبہ، جنید انصاری صاحب اور حسین حسّان صاحب نے شرکت کی تھی۔

—— ایڈیٹر

حسب دستور بات چیت کے لئے عنوانات کا ایک مختصر سا خاکہ تیار کر دیا گیا تھا جو حسب ذیل ہے:

۱۔ یوتھ یا نوجوان کسے کہتے ہیں؟ کیا تعریف کو مکمل کرنے کے لئے کوئی عمر متعین کی جا سکتی ہے؟

۲۔ (الف) یوتھ ایجوکیشن کیا ہے؟ کیا اس سے وہ تعلیم مراد ہے جو نوجوانوں کو سکنڈری اسکولوں اور یونیورسٹی میں دی جاتی ہے؟

(ب) اگر یوتھ ایجوکیشن کی صحیح تعریف یہ نہیں ہے تو پھر فرق کیا اور کہاں ہے؟

(ج) یوتھ ایجوکیشن سے متعلق دوسرے لوازم و مسائل کو نظر میں رکھتے ہوئے اس کی ایک تعریف متعین کر دی جائے تو اچھا ہوگا۔

(د) کیا دیہاتی یوتھ اور شہراتی یوتھ کے درمیان فرق کیا جا سکتا ہے؟ دونوں کی امتیازی خصوصیات کیا ہو سکتی ہیں؟

۳۔ وہ کون سے ادارے اور سنستھائیں ہیں یا ہو سکتی ہیں جنھیں یوتھ ایجوکیشن کی موزوں و مناسب سنستھائیں کہا جا سکتا ہے؟

(الف) اگر ممکن اور مناسب ہو تو ان اداروں اور سنستھاؤں کی ایک فہرست بنائی جائے جس میں ہر ایک کا مختصراً تعارف بھی ہو۔

(ب) اس فہرست بندی میں شاید یہ ضرورت پڑے کہ اس کے دو حصے ہوں، ایک ایسے اداروں کی فہرست جو دیہاتی یوتھ کے لئے موزوں ہوں اور ایک ان اداروں کی فہرست جو خالصتاً شہراتی یوتھ کے مناسب حال ہوں۔

۴۔ ہندوستان میں یوتھ ایجوکیشن کا ایک مشکل مسئلہ یوتھ اور خاص کر دیہاتی یوتھ کی ناخواندگی کا ہے۔ کیا یوتھ ایجوکیشن کے پروگرام میں یوتھ سے ناخواندگی کی لعنت کو ختم کرنا بھی شامل کیا جانا چاہیئے؟

۵۔ یوتھ ایجوکیشن کے ذرائع کیا ہونے چاہئیں۔ اس معاملے میں بھی غالباً ہمیں دو فہرستیں ترتیب دینی ہوں گی۔ ایک وہ ذرائع جو دیہاتی یوتھ کی تعلیم کے لئے موزوں ہوں گے اور دوسرے وہ ذرائع جو شہراتی یوتھ کی تعلیم کے لئے مناسب ہوں گے۔

نوٹ: یہ بات فرض کر لی گئی ہے کہ ہم ہی میں نہیں بلکہ ملک میں ایک شخص بھی ایسا نہ ہوگا جو یوتھ کی تعلیم کی ضرورت کا منکر ہو۔ اس لئے یوتھ ایجوکیشن کی ضرورت کی بحث اُسے مسلّم سمجھ کر خارج کر دی گئی ہے۔

# بات چیت

ماہنامہ تعلیم و ترقی کے ایڈیٹر شری برکت علی فراقؔ نے شرکاء نشست کا خیر مقدم کرتے ہوئے سوشل ایجوکیشن کے مقامی کارکنوں کی بے تکلف اور غیر رسمی بات چیت کے اس سلسلے کا مختصر الفاظ میں تعارف پیش کیا اور کہا کہ "ماہنامہ تعلیم و ترقی کے ناظرین میں بات چیت کا یہ سلسلہ بہت مقبول ہوا ہے۔ اس لئے کہ یہ علمی تحریروں، مضامین اور مقالات کے تکلفات سے پاک ہوتی ہے، اور اس کے ذریعے زیرِ بحث موضوع کے اکثر پہلوؤں پر بڑی روشنی پڑتی ہے اور وہ بڑی آسانی سے ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔

"اگرچہ یہ مجلس بے تکلف اور خالصتہً غیر رسمی ہوتی ہے اور بات چیت پر کوئی پابندی نہیں ہوتی تاہم گفتگو میں آسانی پیدا کرنے کی غرض سے بحث کے عنوانات کا ایک خاکہ آپ حضرات میں گشت کرا دیا گیا ہے مجھے امید ہے کہ گذشتہ نشستوں کی طرح یہ نشست بھی دلچسپ اور معلومات افزا ثابت ہوگی۔"

اس تعارفی گفتگو کے بعد اس موضوع پر بحث کا آغاز کرتے ہوئے شری پردیشی نے ساجیات اور نفسیات کے متعدد عالموں اور لغات کا حوالہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ "نوجوانی کا زمانہ دراصل انتظار کا زمانہ ہے۔ اس زمانے میں نوجوانوں کو اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو پوری طرح استعمال کرنے کا موقع نہیں ملتا ہے۔ چنانچہ طبعی اور نفسیاتی نقطۂ نظر سے اس زمانے میں وہ عجیب کشمکش میں مبتلا ہوتے ہیں۔"

**رشید صاحب:** ۔ میرا خیال ہے کہ ۱۲ سے ۲۵ سال کی درمیانی عمر کے لوگ نوجوان کی تعریف میں آسکتے ہیں۔ مگر میرے ذہن میں رہ رہ کر یہ سوال پیدا ہو رہا ہے کہ اس موضوع پر نیشنل سیمنار بلانے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ اگر اس پر غور کرنے کا موقع ہو تو شاید ہم لوگ اس باب میں زیادہ آسانی سے کسی نتیجے پر پہنچ سکیں گے۔ یہ بات میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ نوجوانوں کی تعلیم کا کام تو بالغوں کی تعلیم میں شامل ہی ہے اور وہ سوشل ایجوکیشن کی ذمہ داری ہے۔ پھر اس کے اوپر علٰحدہ سے غور کرنے کی ضرورت آخر کیوں پیش آئی۔ نوجوانوں اور بالغوں کے درمیان حد فاصل آپ کیسے قائم کر سکتے ہیں؟

**پردیشی صاحب:** ۔ نوجوانی کا زمانہ دراصل ایک طرح سے بے مالک کا علاقہ (No mans' land) ہے۔ بچے وہ ہیں نہیں کہ ان کی تعلیم بچوں کی تعلیم کے ماتحت آسکے۔ بالغ انہیں نوعمر سمجھتے ہیں اور یہ نوجوان وہاں بھی اپنی جگہ نہیں پاتے۔ اگر غور کیجئے تو مسئلہ کی اصل نزاکت یہی ہے!!

**حسین حسان صاحب:** ۔ اسے No Mans land کے بجائے Buffer state کیوں نہ کہا جائے۔

**رشید صاحب:** ۔ سن بلوغت جسمانیاتی اعتبار سے تو یہی ہے کہ آدمی پختہ (Mature) ہو جائے مگر اس سے زیادہ اہم بات اس سلسلے میں زندگی کی ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہو جانا ہے، جسے کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

دیہات کی زندگی پر نظر ڈالئے۔ بچہ ابھی نوجوانی میں قدم بھی نہیں رکھنے پاتا کہ زندگی کے کام کاج میں حصہ لینے لگتا ہے۔ پتہ ہی نہیں چلتا کہ اس کا بچپن کب ختم ہوا اور نوجوانی کے مرحلوں کو پار کرتا ہوا کب سن بلوغت کو پہنچ گیا۔

کب زندگی میں داخل ہوا اور کب باہر رہا اس کی نشان دہی کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بلوغت کی عمر پر آب و ہوا کا اثر بھی پڑتا ہے۔ گرم ملکوں میں بچے جلد بالغ ہو جاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے یہاں کے حالات کے پیش نظر نوجوانوں کی تعریف میں ۱۴ سے ۲۵ یا ۱۶ سے ۲۵ سال کی عمر کے لوگوں کو شامل کیا جا سکتا ہے۔

پردیشی صاحب: کمیونٹی ڈیویلپمنٹ والوں نے جو تعریف کی ہے اس میں وہ ۱۲ سے ۲۵ سال کے لوگوں کو لیتے ہیں۔

برکت صاحب: ۔ اڈلٹ ایجوکیشن میں عام طور پر ۱۴ سے ۴۵ سال تک کے لوگوں کا شمار کیا جاتا ہے۔

پردیشی صاحب: ۔ دہلی اسٹیٹ کا سوشل ایجوکیشن کا ڈپارٹمنٹ تو ۱۸ سال سے ۴۵ سال ہی کے لوگوں کو شمار کرتا ہے۔

چترویدی جی: ۔ ہاں ٹھیک ہے۔ مگر ہمارے پروگراموں میں نوجوانوں اور بالغوں کے درمیان علحدہ سے کوئی تقسیم نہیں ہے۔ یوں سمجھئے کہ بالغوں کی تعلیم کے پروگرام میں ان نوجوانوں کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے جو زندگی میں ابھی داخل نہیں ہوئے ہوتے ہیں۔

ہاشم امیر علی صاحب: ۔ بھئی فلسفہ، منطق اور تعلیمات کی بات ایک طرف رہی، آیئے دیکھیں زندگی کا نباض یعنی شاعر کیا کہتا ہے۔ کیا خوب تعریف کی ہے اس نے ؎

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن
جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

کتنی امنگیں انگڑائیاں لیتی ہیں اس زمانے میں۔ ہم لوگ تو اس زمانے کو خیر بھول چکے ہیں۔ اپنے بچوں، بھتیجوں اور بھانجوں کو دیکھئے ان کی زندگی کا کیا عالم ہوتا ہے۔ اس زمانے میں جتنے ولولے ہوتے ہیں اتنا ہی یہ زمانہ نازک بھی ہوتا ہے۔ ان کی قوت اندر سے جوش مارتی ہے۔ عملی زندگی میں ابھی چونکہ وہ داخل نہیں ہوئے ہوتے ہیں اس لئے ان کے پورے پورے استعمال کا موقع نہیں ہوتا اس لئے وہ بہت زیادہ حساس ہو جاتے ہیں۔

ڈاکٹر سلامت اللہ صاحب: ۔ ٹھیک ہے، پندرہ یا سولہ سال کی عمر کو نوجوانی کے آغاز کا زمانہ مانا جا سکتا ہے۔ مگر دوسری حد کیا ہو؟

ہاشم امیر علی صاحب: ۔ میں نے یہاں "برس پندرہ یا کہ سولہ" کی جو بات کہی ہے اس سے مراد وہ حساسیت ہے

جو عموماً اس عمر کے لڑکوں لڑکیوں میں ہوتی ہے۔ اس عمر کو نوجوانی کے آغاز کا زمانہ کہا جا سکتا ہے۔ جسمانیاتی لحاظ سے یہ بات ممکن ہے ہر معاملے میں بالکل ٹھیک نہ اترے۔ میں تو اسے یوں کہہ سکتا ہوں کہ حساسیت کا یہ جذبہ جب پیدا ہو جائے اور جب تک موجود رہے وہی زمانہ نوجوانی کا ہے۔

**پیرو ولیشی صاحب:**۔ یہاں میں ڈاکٹر صاحب (ہاشم امیر علی صاحب) کی بات سے متفق ہوں۔ نوجوانی کا زمانہ آب و ہوا اور سماجی حالات کے مطابق کم یا زیادہ ہو سکتا ہے۔

**ڈاکٹر سلامت اللہ صاحب:**۔ یہ تصور جسمانیاتی تو ہے ہی مگر اسی کے ساتھ سماجیاتی بھی ہے اور جس پس منظر میں ہم یہاں اس موضوع پر غور کر رہے ہیں اس میں اس کی نوعیت سماجیاتی زیادہ ہے۔ عنفوانِ شباب کے زمانے کے بارے میں مختلف نظریئے اور مختلف رائیں ہیں۔ نفسیات کے ماہرین کی رائے ہے کہ اس کا تعلق صرف جسمانیات ہی سے نہیں ہوتا بلکہ جذباتی اور نفسیاتی محرکات سے بھی ہوتا ہے۔ سماجیاتی نقطۂ نظر سے یہ عمر اس وقت تک مانی جا سکتی ہے جب تک سماج میں فرد ایک ذمہ دار شہری کی حیثیت سے اپنا کردار ادا نہیں کرتا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے گاؤں کی بات درمیان میں آگئی تھی کہ وہاں بچوں کے اوپر بہت جلد ذمہ داریاں آجاتی ہیں۔ ایسی حالت میں یہ تو مانا ہی جا سکتا ہے کہ فرد کم عمری ہی میں سماجی طور پر بیدار ہو جاتا ہے۔ یہ کیفیت مختلف ملکوں میں مختلف شکل میں ملے گی۔ ہمارے یہاں کے گاؤں میں ۱۶ اور ۱۷ ہی سال کے لڑکوں پر سن بلوغت کی ذمہ داریاں آجاتی ہیں۔ اس کے برخلاف امریکہ میں ۲۵ اور ۲۶ سال کی عمر تک عنفوان شباب ہی کا زمانہ مانا جاتا ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں میں یہ زمانہ زیادہ سے زیادہ آگے کی طرف کھنچ رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا تعلق عمر سے زیادہ نفسیاتی اور سماجی حالات سے ہے۔ چنانچہ یہ فرق خود ہمارے ملک میں بھی ملے گا۔ شہروں کے متمول گھرانوں کو دیکھئے اور جنگلی قبائل یا آدی واسیوں کی زندگی کا مطالعہ کیجئے یہ فرق بہت نمایاں ملے گا۔

**قادری صاحب:**۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں اس مسئلے پر (کہ نوجوانوں میں کن لوگوں کا شمار کیا جائے) اس پس منظر میں غور کرنا چاہئے کہ نوجوانوں کی تعلیم سے ہماری مراد کیا ہے۔ اگر یہ بات سمجھ لی جائے تو یہ مسئلہ زیادہ آسانی سے حل ہو سکتا ہے۔ تعلیمی پس منظر میں دیکھئے تو نوجوانوں کی تعلیم سے مراد اس خلا کو پُر کرنا ہے جو تعلیم سے یکسر محرومی یا اس کے ادھورے رہ جانے کی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔

**سلامت اللہ صاحب:**۔ یعنی ان نوجوانوں کی تعلیم جنھیں بچپن میں پڑھنے کا موقع نہیں مل سکا ہے!

**قادری صاحب:**۔ جی صرف انھی لوگوں کی نہیں بلکہ ان لوگوں کی تعلیم بھی جنھیں بس نام کو تعلیم ملی ہے۔ ایسی حالت میں جو

نوجوان زندگی میں داخل ہو چکے ہیں یا داخل ہونے والے ہیں ان کی ازسرنو تعلیم Re-Education بھی اس میں شامل ہے۔

**سلامت صاحب:** جی ہاں مجھے آپ سے اتفاق ہے۔ اس میں بس ایک اضافہ اور چاہتا ہوں۔ ہمارے ملک میں ان پڑھ اور کم پڑھے لکھے نوجوانوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ پڑھے لکھے نوجوانوں کی تعلیم کا مسئلہ بھی کافی اہم ہے شہروں وغیرہ میں آئے دن جو ہنگامے ہوتے رہتے ہیں ان میں پڑھے لکھے نوجوانوں کا کردار سب سے زیادہ نمایاں اور سب سے خطرناک ہوتا ہے۔

**پھٹک جی:** ۔ نیشنل سیمنار کے لئے اس سال جب "سوشل ایجوکیشن اینڈ یوتھ"* کا موضوع تجویز کیا گیا اس وقت دو باتیں ذہن میں تھیں: ایک لازمی ابتدائی تعلیم کے منصوبے پر عمل ہونے کے بعد ان نوجوانوں کی تعلیم کا مسئلہ جو اس منصوبے کے ماتحت نہیں آئنے بہت اہم ہو گیا ہے اور ضرورت ہے کہ اس پر تفصیل سے غور کیا جائے اور سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں اور اداروں کو اس کی طرف فوری طور پر متوجہ کیا جائے۔ دوسری بات یہ تھی کہ نوجوانوں میں سوشل ایجوکیشن کے پروگرام سے دلچسپی پیدا کی جائے اور گاؤں اور ٹولے محلوں میں سوشل ایجوکیشن کے پروگراموں کو چلانے میں ان کی مدد حاصل کی جائے۔

**شری دھرم پال:** ۔ آج کل ہمارے ادارے (گرام سیوا سنگم) میں کناڈا سے نوجوانوں کی ایک ٹیم آئی ہے یہ نوجوان یہاں کے گاؤں کی زندگی کا مطالعہ اس طرح کرنا چاہتے ہیں کہ جو وقت وہ یہاں کے گاؤں میں گذاریں اس میں اُن گاؤں کی خدمت کا بھی کچھ کام ہو جائے۔

**پھٹک جی:** ۔ جی ہاں نیشنل سیمنار کا موضوع تجویز کرتے وقت بھی کچھ اسی طرح کا خیال تھا یعنی نوجوانوں کی ایسی تعلیم جس کے ذریعہ انھیں سماج کے لئے کچھ مفید کام انجام دینے پر اُبھارا جا سکے۔ اس اعتبار سے صرف ان پڑھ یا کم پڑھے لکھے نوجوان ہی نہیں، اسکولوں اور کالجوں کے طلبا بھی یہ تو نوجوانوں کی تعریف میں آجاتے ہیں۔

**ہاشم امیر علی صاحب:** ۔ ذرا ایک بات پر اور غور کیجئے۔ نوجوانوں کی عمر کے بارے میں جو وضاحت ابھی کی گئی ہے اس میں اسکولوں اور کالجوں کے طلبا بھی آجاتے ہیں تو کیا یہ سمجھا جائے کہ نوجوانوں کی تعلیم میں یہ طلبا بھی شامل ہوں گے۔ اگر ایسا ہے تو یہ صرف سوشل ایجوکیشن یا تعلیم کی کسی ایک شاخ کا مسئلہ نہیں رہ جاتا ہے۔ بلکہ پورے تعلیمی نظام کا مسئلہ بن جاتا ہے۔

* موجودہ قومی سنکٹ کی وجہ سے اب یہ سیمنار، جو دسمبر میں گوہاٹی میں ہونے والا تھا، ملتوی کر دیا گیا ہے۔

شری بلدیو بھسین :۔ جی ہاں ورکنگ پیپر میں بھی یہ سوال اٹھایا گیا ہے۔
پردیشی صاحب :۔ نوجوانوں کی تعلیم کو میں out of school Education سمجھتا ہوں ،
خواہ وہ پڑھے لکھے نوجوان ہوں یا اسکولوں اور کالجوں میں زیر تعلیم طلبا ریا بالکل ان پڑھ نوجوان ۔

(اس بات چیت کا باقی حصہ اگلے شمارے میں دیا جائے گا)

(بقیہ صہ ۹ کا)

۲۔ ان کی ابتدائی تحریر کا رکارڈ رہے گا اور جب دوسری مرتبہ وہی بھجن سینٹھے کے قلم سے لکھیں گے تو موجودہ تحریر سے اپنی پہلی تحریر کا موازنہ کریں گے اور جو ترقی دیکھیں گے ان سے خوش ہوں گے۔

۳۔ بھجنوں کی نقل کرتے وقت اُن کے ذہن میں ایک اور عمل کارفرما رہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ نقل کرتے وقت حروف اور الفاظ سے متعلق اُن کا گیلک اور غیرواضح تصور واضح ہونے لگتا ہے اور اس طرح ان کی پہچان میں بہت زیادہ مدد ملتی ہے"

اس طرح پڑھنا اور اس کے ساتھ ساتھ لکھنا سکھاتے سکھاتے ایک مہینے میں بالغ طالب علم اپنی زبان (ہندی اور اردو) کے حروف، الفاظ اور ان کے جوڑوں سے واقف ہو جاتا ہے۔ ایک مہینے کے بعد دوسرے مہینے سے طالب علم کو دوسری کتاب شروع کرائی جاتی ہے جو نثر پڑھانے سے متعلق ہے اور جس میں مختلف خطوط کے نمونے اور خط پر پتہ لکھنے کے طریقے دیئے ہوئے ہیں۔ مگر اس شرط کے ساتھ گیتوں کی پڑھائی بھی جاری رہتی ہے۔ اس دوسرے مہینے سے کلاس کی تقسیم حسب ذیل طریقے پر ہوتی ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| آدھا گھنٹہ | نثر کی تعلیم | آدھا گھنٹہ | لکھائی کی تعلیم |
| آدھا گھنٹہ | گیت کی تعلیم | آدھا گھنٹہ | حساب کی تعلیم |

یعنی روزانہ دو گھنٹے۔ اسی طرح مقررہ نصاب کے مطابق چھ مہینے تک خواندگی کی یہ تعلیم جاری رہتی ہے۔

مانڈے جی کا گیت میتھڈ اگرچہ وقت زیادہ لیتا ہے لیکن اس طریقۂ تعلیم کے ساتھ جو نصاب مقرر ہے وہ پورا پورا ختم ہو جاتا ہے اور نو سکھ بالغ کارآمد حد تک خواندہ ہو جاتا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو خواندگی سے متعلق یہ طریقہ تعلیم بھی ہمارے موجودہ طریقے سے قریب قریب ہم آہنگ ہے جس میں ایک مہینہ حروف شناسی کے لئے دیا جاتا ہے اور اس کے بعد کم سے کم چار مہینے مشقی تعلیم کے لئے ۔

منافع خوری پر قائم ہے۔ ہمارے شہروں اور شہری رہنماؤں کی نظر میں کبھی یہ بڑھتی ہوئی اقتصادی خلیج بھی آئی ہے یا نہیں جس کی وجہ سے ہماری سیاسی، سماجی اور تہذیبی زندگی میں بڑی بڑی دراڑیں پڑ گئی ہیں؟ اس سلسلے میں ایک ہی مثال ہماری آنکھ سے پردہ ہٹانے کے لئے کافی ہوگی۔ آزادی کے بعد ہمارے ملک کی سبھی ریاستوں نے اصلاح آراضی کے لیے جوڑے انتظامات کئے اور اس کے لئے قانون بھی وضع کئے ان تمام باتوں کا مقصد یہ تھا کہ کسانوں کی بڑی اکثریت کو فائدہ مند طریقے پر کھیتی کرنے کا موقع ملے۔ مگر آج حالت کیا ہے؟ اس کو سمجھنے کے لئے ایک پڑتال کے نتائج کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا جو ابھی تھوڑے دنوں پہلے کی گئی تھی۔ اس پڑتال سے پتہ چلا ہے کہ ملک کے سارے کسانوں کے تین چوتھائی خاندانوں کے پاس اوسطاً پانچ ایکڑ سے کم جوت ہے۔ اس طرح اس طبقے کے کسانوں کے پاس کل جوت کا چھٹواں حصہ ہے۔ دوسری طرف ملک کے ساڑھے تین فی صدی کسانوں کے پاس اوسطاً پچیس ایکڑ سے زیادہ کی جوت ہے۔ ان کے پاس کل جوت کا ۳۶ فی صدی حصہ ہے۔ باقی ۵ سے ۲۴ ایکڑ کی جوت ۲۱ فی صدی کسانوں کے پاس ہے۔ ہر سال بے زمین کسانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ ظاہر ہے اصلاح آراضی کا قانون پاس ہو جانے کے باوجود ہمارے ملک کی زراعت کا پرانا ڈھانچہ جیوں کا توں قائم ہے۔ کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے پروگراموں سے ملنے والی امداد زیادہ تر بڑے اور متوسط طبقے کے کسانوں کو ہی پہنچ رہی ہیں۔ ان میں سے کچھ تو چھوٹے کسانوں میں اپنی ساہوکاری بھی چلا رہے ہیں۔ اس ڈھانچے کا سیدھا تعلق گاؤں کی زندگی کے باہری اور اندرونی خلفشار سے ہے۔ گاؤں کے اندر سماجی کشاکش، ذات پات کے جھگڑے، سماجی اور سیاسی اقتدار کے لئے زور آزمائی، مقدمے بازی اور قتل و غارت گری کے بڑھتے ہوئے حادثات کی تہہ میں اقتصادی زندگی کی یہی ناہمواری موجود ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ گاؤں کے نوجوانوں کی تعلیم کے سوال پر اسی پس منظر میں غور کیا جائے۔

عام تعلیم کا ایک اہم جز نوجوانوں کی تعلیم ہے اس حیثیت سے اس کے مندرجہ ذیل پہلوؤں پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے:۔

| | |
|---|---|
| (۱) نظریہ حیات | (۲) نصاب تعلیم کی بنیاد |
| (۳) استاد اور طریقہ تعلیم | (۴) توسیعی تعلیم کے وسائل |
| (۵) جائزہ اور جانچ | (۶) امدادی کام |

گاؤں کے نوجوانوں کے تعلیمی نظریئے کی بنیاد ہے نوجوانوں کے عقل و شعور اور اعتقادات کی حدود میں اس طرح وسعت لانا جس سے کہ وہ حقائق کو سمجھیں اور پہچانیں، اور اس بات کو بھی سمجھ سکیں کہ مختلف حالات میں حقائق کا رنگ روپ کس طرح بدلتا رہتا ہے۔ وہ ان حقائق میں اس طرح ترتیب دے سکیں کہ وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق انھیں اپنی

سیاسی

اقتصادی

سماجی اور

تہذیبی زندگی کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں مدد ملے اور

گاؤں اور شہر اور انفرادی بہبود اور سماجی بہبود میں تال میل پیدا ہو سکے۔

آج ہماری تعلیم کے میدان میں چار طرح کے نظریئے خاص طور سے اثر انداز ہو رہے ہیں :۔

(۱) قبائلی سماج سے وابستگی پیدا کرنے والا نظریہ

(۲) روایاتی زندگی کی طرف سے وابستگی پیدا کرنے والا نظریہ

(۳) آہستہ آہستہ تبدیلی کی طرف لے جانے والا نظریہ

(۴) تخلیقی نظریہ

تعلیم کے میدان میں منصوبہ بندی کرنے والوں پر ان نظریوں کے اثرات اس شکل میں دکھائی دیتے ہیں :۔

(۱) گھر اور گاؤں کو پھر سے خود کفیل بنانے کے نظریئے کے حامی اپنے منصوبوں میں بچوں اور نوجوانوں کو جو تعلیم دینا چاہتے ہیں اس سے اُن کی ساری قوت زندگی بھر بنیادی ضرورتوں کو مشکل سے پورا کر پانے میں ہی صرف ہوتی رہے گی۔

(۲) وہ لوگ جن کی نظر محض دست کاری اور چھوٹی چھوٹی صنعتوں کے انتظامات تک ہوتی ہے اپنے تعلیمی منصوبوں میں نوجوانوں کے لئے ایسی تعلیم کا انتظام کر دینے پر مطمئن ہو جاتے ہیں جو انھیں کوئی کام دھندا سکھا دے۔ یہ تعلیم انھیں کوئی کام دھندا تو سکھا سکتی ہے مگر بدلے ہوئے حالات کے مطابق اس میں ردّ و بدل کر لینے کی صلاحیت نہیں پیدا کر سکتی۔

(۳) بھاپ اور برقی قوت سے چلنے والی مشینوں اور کارخانوں کے زمانے کی مانگ پر توجہ دینے والے لوگ اپنے تعلیمی منصوبے میں اس طرح کی تعلیم پر زور دے رہے ہیں جس سے کہ نئے نئے اوزار اور مشینوں اور محنت کی تقسیم کی بنیاد پر کام کرنے کا عام اور عملی تجربہ لوگوں کو مل سکے اور ایک صنعت سے دوسری صنعت میں جانے کی صلاحیت بڑھ سکے۔

(۴) تعلیمی منصوبہ بندی کے میدان میں ایک حلقہ ان لوگوں کا ہے جو نوجوانوں میں ہر طرح کے مسائل کا سامنا کرنے اور انھیں حل کرنے کے لئے حالات پر قابو پانے کی سماجی بصیرت اور صلاحیت بڑھانا چاہتے ہیں۔ یعنی ان کی نظر علم و فن اور اوزار و مشین اور انسانی زندگی کو ایک دوسرے کا معاون و مددگار بنانے پر ہوتی ہے۔

اگر ہم دوسرے ترقی یافتہ ملکوں کے تعلیمی تجربات سے کچھ سبق حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں دیہات کے نوجوانوں کی

تعلیم کے باب میں اسی تخلیقی نظریئے کو اختیار کرنا ہوگا جس میں علم و ہنر اور فنی مہارت میں ایک امتزاج قائم ہوتا ہے۔

اس طرح کے تعلیمی منصوبے میں تجربے، تحقیق اور عملی زندگی سے قریبی تعلق ہوگا۔ اس کا مقصد فوری اور دور رس دونوں ہوگا۔ اس کے تحت طالب علموں کی پسند، شوق اور صلاحیت اور ترقی کی بنیاد پر کل وقتی اور جز وقتی دونوں طرح کے نصاب چلائے جائیں۔

یہ منصوبہ موجودہ وسائل کو بڑے حلقے میں نہ بکھیر کر تجربے اور آزمائشی منصوبوں کی شکل میں چلایا جا سکتا ہے۔ ان درسگاہوں کی تنظیم کے بارے میں جو باتیں خاص طور سے غور طلب ہو سکتی ہیں وہ یہ ہیں:-

(۱) گاؤں کے جو نوجوان ان کورسوں میں داخلہ لیں گے وہ کن کاموں اور ذمہ داریوں کو اٹھانے کے لئے تیار کئے جا سکیں گے۔

(۲) ان میں کن صلاحیتوں اور فنی معلومات کا ہونا ضروری ہے۔

(۳) اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے کتنی مدت درکار ہوگی؟۔

## طریق تعلیم

تعلیم کا پرانا یا روایاتی طریقہ تعلیم گاؤں کے نوجوانوں کو نئی زندگی اور اس کے تقاضوں سے روشناس کرانے میں بہت کامیاب نہیں ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں بہت سوجھ بوجھ سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

نئے طریق تعلیم کے سلسلے میں امریکہ کا وہ تجربہ خاص طور سے قابلِ ذکر ہے جو دوسری جنگ عظیم کے دوران ناخواندہ یا نیم خواندہ فوجی طالب علموں پر کیا گیا تھا۔ یہ طریقہ بہت سائنٹیفک تھا جس میں طالب علموں کے شوق کو ابھارنے والے پروگراموں اور آوازوں اور تصویروں پر مبنی تعلیمی، سامانوں کے سہارے اور عملی تجربے کے تال میل سے طالب علموں کو کم سے کم وقت میں ایسی تعلیم دی گئی تھی جو انھیں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے پوری طرح تیار کرنے کے لئے کافی تھی۔ اس سلسلے میں ہمیں یہ صاف صاف سمجھ لینا چاہیئے کہ طریق تعلیم کے سلسلے میں اندھی تقلید بہت نقصان پہنچا سکتی ہے، ہماری توجہ ہمیشہ اس بات پر ہونی چاہیئے کہ طریق تعلیم اور تعلیمی سامانوں کی تیاری اور استعمال کے سلسلے میں حالات کے مطابق برابر تجربہ کیا جاتا رہے۔

## اُستادوں کی تربیت

ملک میں رُورل انسٹی ٹیوٹوں کے تجربوں سے یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ نئی سنستھاؤں کو موثر اور کارگر کاموں کے لئے

تیار کرنے کے لئے صرف نیک ارادہ، حوصلہ اور وسائل کی فراہمی ہی کافی نہیں ہے۔ لہذا گاؤں کے نوجوانوں کے سائنس اور حرفے کے ملے جلے اسکولوں کے تجربے کی کامیابی بہت بڑی حد تک معلموں کی راہبرانہ جستجو اور شوق اور ناکامیوں سے ہمت نہ ہار کر سبق سیکھنے کے حوصلے اور صلاحیت پر منحصر ہے جس ادارے میں اُستاد کے لئے اپنی ذہنی اور عملی ترقی کی خواہش، حوصلہ اور موقع نہیں ہے وہاں کے اُستاد اپنے ادارے کو اوپری سطح پر چاہیں تو ترقی دے لیں مگر اس ادارے کو افراد اور بستی کی زندگی اور اُس کی تیز رفتار ترقی کا وسیلہ نہیں بنا سکتے۔

## جائزہ

تعلیم، ایکس ٹنشن اور ترقیاتی کاموں کی جانچ پڑتال کے طریقوں کے بارے میں کوئی بات بہت صاف نہیں ہے۔ اس میدان میں نیچے سے اوپر تک ایک غیر یقینی صورت حال بنی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ سے پروگرام اور اس کے طریق کار میں ضرورت کے مطابق ردّ و بدل کرنے میں بہت مدد نہیں ملتی ہے۔ نوجوانوں کی تعلیم کے میدان میں اوپر بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق جو تجرباتی ادارے قائم ہوں انھیں اپنے کاموں کی عملی جانچ Action Research کے طریقے اور معیار کے بارے میں بھی تلاش و جستجو کرنی ہوگی۔

## امدادی کام

گاؤں کے نوجوانوں کی تعلیم کے مندرجہ بالا اسکولوں کی نوعیت چونکہ پیشہ ورانہ، تکنیکی اور صنعتی تینوں طرح کی بنیادی تعلیم کا انتظام کرنے کی ہوگی اس لئے ضروری ہوگا کہ اس کے عملی کاموں کا دائرہ اسکول کی ورکشاپ تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ قرب و جوار کے صنعتی اداروں سے ان کا گہرا تعلق ہو۔

ایکس ٹنشن کے کاموں کی موجودہ صورت حال کو دیکھتے ہوئے یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسکول اپنے علاقے کے دوسرے سرکاری، غیر سرکاری اور کوآپریٹیو اداروں کے تعاون سے ایسے پروگرام چلائیں جن سے علاقے کے لوگوں کی قوت کو ترقیاتی کاموں پر صرف کیا جا سکے۔

جرمنی اور انگلینڈ کے کچھ ٹکنکل اسکول، امریکہ کے سنٹرل ہائی اسکول، بیریا کالج (جس میں تعلیم جاری رکھنے کے ساتھ طالب علموں کو کچھ کمانے کا موقع بھی ہوتا ہے) ہوائی دیپ کے ٹکنکل اسکول جو ایشیائی ملکوں کی ضرورتوں سے مطابقت رکھتے ہیں، جاپان کے ٹکنکل انسٹی ٹیوٹ جنھوں نے جاپان میں زمین کی کمی اور بڑھتی ہوئی آبادی کے باوجود نوجوانوں کی تعلیم کے پروگرام کو کامیاب بنانے میں بہت کام کیا ہے۔ ان سبھی تجربوں میں ہمارے لئے بہت بڑا سبق موجود ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان اداروں کو وہاں کے عاقبت اندیش اور حوصلہ مند مل مالکوں سے امداد ملتی ہے۔

## ایک صفحہ

# چینی حملہ اور ہماری قومی زندگی

ڈاکٹر اقبال مرحوم کا ایک شعر ہے:

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے

کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

دنیا کی تاریخ کے بہت سے واقعات اس بات کی شہادت میں پیش کئے جا سکتے ہیں کہ غفلت کی نیند میں ماتی قومیں عموماً اس وقت بیدار ہوتی ہیں جب حوادث زمانہ کا کوئی سخت جھونکا انھیں سختی سے جھنجھوڑ کر اٹھا دیتا ہے مذکورہ بالا شعر میں اسی حقیقت کے پیش نظر شاعر نے قوم کے لئے دعا کی ہے کہ "خدا کرے تجھے کسی طوفان سے دوچار ہونا پڑے کہ وہ تیرے حق میں اچھا ہوگا اس لئے تیری مثال اس پانی کی ہے جو ساکت ہے اس میں نہ ہیجان اور بے چینی ہے نہ تیز بہاؤ ہے۔ اگر اس میں کوئی طوفان نہ آیا تو اس میں رکاؤ آجائے گا اور اس کا نتیجہ سڑاند کی شکل میں نکلے گا۔

ہندوستانی قوم کو اس وقت جس سنکٹ سے دوچار ہونا پڑا ہے ہے، اس حقیقت کی روشنی میں دیکھئے تو وہ اس کے حق میں خیر و برکت کا حامل ہے۔ اس رائے کا اظہار خود صدر جمہوریہ نے جرمنی کے صدر کی دعوتِ استقبال کے موقعے پر کیا ہے اور اس سنکٹ کو ہندوستان کے نئے جنم سے تعبیر کیا ہے۔ آزادی کے بعد ہندوستان پر ایک سنکٹ ملک کی تقسیم کے وقت بھی آیا تھا۔ مگر بدقسمتی سے وہ اپنے ساتھ پھوٹ اور نفرت کے جراثیم لایا تھا جن کے اثر سے ہماری آزاد قومی زندگی ایک طویل بیماری میں مبتلا ہو گئی تھی، اور اس کے اثرات شفایابی کے بعد بھی باقی تھے۔ اس کے مقابلے میں موجودہ سنکٹ اتحاد و یک جہتی اور اسی کے ساتھ قوت و توانائی کا نسخہ اپنے ساتھ لایا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس نادر موقعے سے جی بھر کے فائدہ اٹھایا جائے اور اپنی قومی زندگی سے ان پہلوؤں کو نکال باہر کیا جائے جن کے اثرات کو بھانپ کر دشمنوں کو ہماری ملکی سالمیت پہ حریصانہ نظریں اٹھانے کی جرأت ہو سکتی ہے۔

خدا شرّے برانگیزد کہ خیرِ ما دراں باشد

# ڈنمارک کے فوک ہائی اسکولوں کی تحریک اور قومی سنکٹ

چینی حملے کے پیشِ نظر سوشل ایجوکیشن کی تحریک کا کیا کردار ہونا چاہئے اور اس باب میں دوسرے ممالک کی تاریخوں سے کیا سبق لیا جاسکتا ہے اس کے جواب میں ہم ڈنمارک کے فوک ہائی اسکولوں کی تاریخ کا ایک پہلو پیش کریں گے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ڈنمارک کے اوپر جرمنی کے ۱۸۶۴ء کے حملے سے جو سنکٹ آیا تھا، اس نے ان اسکولوں کی تحریک پر کیا اثر ڈالا اور اس نے ملک کی نئی تعمیر میں کیا کردار ادا کیا۔ یہ مضمون ڈنمارک کی ایک کتاب "دی فوک ہائی اسکول آف ڈنمارک" کے ایک باب سے لیا گیا ہے۔

—— ایڈیٹر

۱۸۶۴ء میں ڈنمارک اور جرمنی کے درمیان پھر جنگ چھڑی۔ اس مرتبہ پرشا نے بسمارک کی قیادت میں مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ ہولسٹن اور سلیس وگ کی تعلقہ داریاں ہتھیا لے۔ ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ مغربی ممالک کھڑے صرف تماشا دیکھتے رہے اور یہ نہ محسوس کیا کہ اس جنگ سے جرمنی کا مقصد یورپ میں اپنے بحری اقتدار کی جڑ جمانا تھا۔ جنگ کا نتیجہ بہرحال ڈنمارک کی شکست فاش کی صورت میں نکلا جو پرشا، آسٹریا، اور جرمن وفاق کے جنگی اتحاد کے مقابلے میں تن تنہا لڑ رہا تھا۔ ڈنمارک کو نہ صرف ہولسٹن اور جنوبی سلیس وگ کے علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑا بلکہ ڈینش زبان بولنے والے شمالی سلیس وگ سے بھی کالنجیان کے مقام تک منتقل ہوجانا پڑا۔ یہ بڑا زبردست نقصان تھا چنانچہ لوگوں کو اندیشہ پیدا ہوگیا کہ اب یہ لنگڑی لولی بچی کیا آزاد رہ سکے گی۔ لیکن یہ کاری ضرب لوگوں کی کاہلی و سستی کی نیند کے لئے اکسیر بھی ثابت ہوئی۔ ان کے سوچنے کے طریقے میں خفیفت کا رنگ پہلے کے بہ نسبت زیادہ گہرا ہوگیا۔ انھوں نے اب ایک ساتھ زور لگانے

عزم کیا اور اپنے لئے یہ نعرہ منتخب کیا کہ "ہم نے خارج میں جو کچھ کھویا ہے" اُسے اپنی اندرونی ا
کے ذریعے حاصل کریں گے"۔

اِس قومی احساس کے زیرِ اثر ــــ جو کسی شعوری تنظیم و تحریک کا نتیجہ نہیں تھا ــــ اس تاریخی سا
ایسے جواں سال لیڈر اٹھ کھڑے ہوئے جنھوں نے عوام کو نئے نئے کاموں پر اُبھارا اور لگایا۔ ڈگلاس نے جٹ ا
گیاہستان کو سرسبز و شاداب باغ میں تبدیل کرنے کا بیڑا اُٹھایا۔ ایک اور شخص نائٹ جین نے برآمدی تجارت
کمر باندھی۔ ایک شخص جورڈ تھا۔ اس نے ایک تجرباتی زرعی فارم قائم کیا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے ...
کو فروغ دینے میں بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔ ایک ادیب جیورگ برانڈے تھا، اس نے ڈنمارک کو فرانسیسی ادب اور فنِ
تنقید سے روشناس کرایا جس سے یہ ہوا کہ کوپن ہیگن کے جابیانی حلقوں کے حبس میں تازہ ہوائیں آنے لگیں۔ ہفڈنگ ایک فلسفی
تھا۔ اُس نے طالب علموں کی دنیا کو انگلستانی فلسفے کا پیغام سُنایا۔ ولہیلم بیک مذہبیات کا آدمی تھا۔ اُس نے "ہوم مشن"
کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس نے عیسائیت کی نئی اور صحت مند تعبیر میں بڑا نمایاں کام کیا۔

اسی طرح فوک ہائی اسکولوں کی تحریک میں بھی نئے رہنما داخل ہوئے۔ یہ بات طے سی ہو گئی تھی کہ جنگ کے نقصانات
کی تلافی اسی حالت میں ہو سکتی ہے جب نئی نسل کو ارادے کی مضبوطی اور کاریہ داری کے جذبے کی تعلیم دی جائے
کرشٹن کولڈ کی طرح فوک ہائی اسکولوں کے اُستاد اپنے شاگردوں میں چاہتے تو تھے "بیداری" ہی پیدا کرنا مگر
ساتھ اب وہ کولڈ کے مقابلے میں تعلیم کی متعین نوعیت پر زیادہ زور دینے لگے تھے۔ ں میں

یہ سب اساتذہ جنھوں نے تحریک کو اس نئی سمت میں موڑا، گرونڈوگ کے شاگردانِ رشید کے طقے سے تعلق رکھتے
انھوں نے ان اسکولوں کے کام میں اپنے مرشد کے خیالات کو زیادہ سے زیادہ رائج کیا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب لوگوں میں بھی تعلیم
زیادہ شدید ہو گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے متعدد حصّوں میں فوک ہائی اسکول قائم ہو گئے۔ بوڑھا گرونڈوِگ جب اپنے
پیغام کو اِس تیز رفتاری سے مقبول ہوتے دیکھتا تھا تو خوشی سے پھولا نہیں سماتا تھا اور کہتا تھا "اب اگر کوئی ملک میں فوک ہائی
اسکولوں کی تعداد کو شمار کرنا چاہے تو اُسے اپنے دونوں ہاتھ استعمال کرنے ہوں گے"۔

۱۸۶۴ء کے بعد کے زمانے میں فوک ہائی اسکولوں کی تحریک میں جن اشخاص نے عملاً حصّہ لیا، ان میں سب سے زیادہ معروف و
مقبول لیڈر تھے، اسکوڈ ڈر اور نوزبارن جنھوں نے آسکوف فوک ہائی اسکول کی بنیاد ڈالی؛ باگے اور نیر کارڈ جنھوں
نے ٹسٹ روپ کا اسکول قائم کیا؛ اور ارنسٹ ٹرائر جس نے ویکلڈے کا فوک ہائی اسکول بنایا۔ یہ سب اساتذہ یونیورسٹیوں
کے تعلیم یافتہ تھے۔ انھوں نے اپنے اسکول ۱۸۶۵-۶۶ء کے درمیانی سال میں قائم کر لئے تھے۔ دوسرے سال اور بھی بہت سے

سکول قائم ہوئے۔ ان اسکولوں کے وہ اساتذہ جنھوں نے یونیورسٹی میں تعلیم نہیں پائی تھی، انھیں اپنے طریقۂ فکر کی بدولت یہ فائدہ حاصل تھا کہ جن لوگوں کی وہ خدمت کرنا چاہتے تھے، ان کی زندگی سے بہت زیادہ قریب تھے تعلیم پائے ہوئے اور اس تعلیم سے ناآشنا اساتذہ کی اگرچہ اپنی الگ الگ خصوصیتیں تھیں، تاہم ایک عنصر تمام اسکولوں میں مشترک تھا اور وہ تھا وہ جذبۂ عمل جس کے زیرِ اثر ان میں کام ہوتا تھا چنانچہ ان اسکولوں نے ڈنمارک کی دیہی آبادی کی بیداری، کارکردگی، اور تعلیم کو فروغ دینے میں بے اندازہ خدمات انجام دی ہیں۔

# تحریک کے اس دور کا ایک ٹیچر

## لڈوگ اسکروڈر

دی سنکٹ کے زمانے میں فوک ہائی اسکولوں کی تحریک نے جو شخصیتیں پیدا کیں، ان میں سب سے نمایاں لڈوگ اسکروڈر اسکوف کے مقام پر آسکوف فوک ہائی اسکول کی بنیاد ڈالی تھی۔ یا سکوف کے فوک ہائی اسکول نے اسکروڈر صاحب کی قابلیت اور خلوصِ مقصد کی بدولت تھوڑے ہی عرصے میں ڈنمارک کے سب سے بڑے اور نمایاں ترین ہائی اسکول کی حیثیت اختیار کر لی۔ جس کتاب سے یہ مضمون لیا گیا ہے اس کے مصنف ہولگر بگٹروپ کا بیان ہے کہ)

"آسکوف ہائی اسکول میں جو تعلیم دی جاتی تھی، وہ کولڈ کے اسکول کے مقابلے میں زیادہ مکمل تھی۔ اسکول کے بہت سے طلبا جو زیادہ لائق ہوتے تھے، موسمِ سرما کے ابتدائی کورس کی تکمیل کے بعد پھر یہیں واپس آجاتے تھے تاکہ اور مزید تعلیم حاصل کریں چنانچہ اسکروڈر اسکول کے نصاب میں توسیع کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس کرتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آسکوف اسکول نے معمولی ہائی اسکول کی حیثیت بدل کر توسیعی فوک ہائی اسکول کی شکل اختیار کر لی۔ اس کی بدلی ہوئی شکل کا مقصد یہ تھا کہ جو طلبا اعلیٰ تر تعلیم کے لئے واپس آتے ہیں، ان کی ضرورتوں کی کفالت ہو سکے۔ آگے چل کر دوسرے معمولی اسکول کے پڑھے ہوئے طلبا بھی کھنچ کھنچ کر آسکوف کے اسکول میں آنے لگے اور پھر جو لوگ خود فوک ہائی اسکولوں میں ٹیچر کی حیثیت سے کام کرنے کے خواہش مند تھے، وہ بھی معلمی کی ٹریننگ لینے کی غرض سے یہاں آنے لگے۔

کچھ عرصے کے بعد اسکروڈر نے آسکوف اسکول سے چند زرعی تجربی فارم کچھ اور ٹیکنیکل اسکول بھی ملحق کر لئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آسکوف کا گاؤں جو پہلے بس دو چار فارموں کا ایک مجموعہ تھا، اس نے ایک

"پہلی یونیورسٹی ٹاؤن" کی حیثیت اختیار کرلی جس کی روشنی سے دور و نزدیک کے علاقے جگمگا اٹھے"۔

لڈوگ اسکروڈر کرسٹن کی طرح اپچ اور اختراعی قابلیت کا حامل تو نہ تھا لیکن گرنڈوگ کی تعلیمات کو اس سے زیادہ بہتر طریقے پر سمجھنے والا فوک ہائی اسکولوں کے لیڈروں میں شاید کوئی بھی نہ تھا۔ اُسے لوگ "گرنڈوگیات کا پروفیسر" کہتے تھے چنانچہ اس تحریک کا وہ اتنا کامیاب رہنما تھا کہ اس کا قائم کیا ہوا فوک ہائی اسکول اُس کے اپنے زمانے میں بھی اور آج بھی اسکینڈنیویا کا اعلیٰ ترین ہائی اسکول تسلیم کیا جاتا ہے۔

اسکروڈر ۱۸۳۶ء میں جنگلات کے ایک افسر کے گھر میں پیدا ہوا۔ اُس کا باپ لولینڈ کے ایک نیک دل تعلقہ دار کاؤنٹ ریوینٹ لو کی ریاست میں کام کرتا تھا۔ یہ تعلقہ دار اپنی قوم پروری اور غریب نوازی کے لئے مشہور تھا چنانچہ ڈنمارک کی دیہی اصلاحات کی اسکیم کا وہی مصنف تھا جس کے اثر سے اٹھارہویں صدی کے آخر میں کسان زرعی غلامی سے آزاد ہوئے اور اس کے بعد ان کی تعلیمی ضروریات کی کفالت کے لئے بھی کوششیں کی گئیں۔ اسکروڈر کا بچپن اسی انسانیت دوست رئیس کی صحبت میں گذرا تھا چنانچہ اس کی آیندہ کی زندگی پر اس کا بڑا اثر پڑا۔

جس زمانے میں اسکروڈر کوپن ہیگن کی یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا (۱۸۵۴ء تا ۱۸۶۰ء) اُسی اثنا میں اس نے گرنڈوگ کی تقریریں سُنیں اور اُس کا مرید ہوگیا۔ یونیورسٹی کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ۱۸۶۲ء میں اُس نے اور اس کے دوست نوزہارن رانڈنگ کے مقام پر ایک فوک ہائی اسکول قائم کیا مگر ۱۸۶۴ء میں جب اس علاقے پر ڈنمارک کی شکست کے بعد پرشا کی حکومت قائم ہوگئی تو اس حکومت نے انھیں اپنا اسکول چلانے کی ممانعت کردی۔ یہاں سے مایوس ہوکر ایک سال کے بعد اسکروڈر نے اور نوزہارن نے نئی سرحد کے قریب ہی ذرا سا شمال کی طرف ہٹ کر آسکوف کے مقام پر ایک اسکول قائم کیا جسے چلانے کے لئے ابتدا میں کوئی حوصلہ افزا وسائل موجود نہیں تھے۔

اسکروڈر نوجوانوں سے باتیں کرنے کا بڑا متمنی رہتا تھا تاکہ اپنی گفتگو کے جادو سے ان کے اندر اپنی زندگیوں کو کامیاب بنانے کی ایسی بھوک پیدا کردے کہ اس سے وہ بے چین ہوجائیں۔ اس کا عقیدہ تھا کہ باتیں صرف وہی کام کی ہوتی ہیں جن سے کارنامے انجام دینے کا عزم ٹپکتا ہو۔ وہ خود بھی ان تھک کام کرنے والا آدمی تھا اور غالباً اس کی شخصیت کے اسی پہلو کا اثر تھا جس کے فیض سے بے شمار نوجوان اپنے ملک کی خدمت انجام دینے کے لئے ان تھک کام کرنے والے شہری بن گئے۔

اسکروڈر ایسے کام بہت پسند کرتا تھا جو مشترک مفاد کے لئے انجام دئے جاتے تھے۔ جو لوگ دوسروں کی صحبت سے پرہیز کرتے تھے اور صرف اپنے ہی مفاد پر نظر رکھتے تھے یا اپنا وقت خیالی پلاؤ پکانے میں ضائع کرتے تھے، انھیں اسکروڈر حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اس کے اسکول میں آنے کے بعد جب نوجوان طلباء اپنی زندگی کا مقصد متعین کرلیتے تھے تو اسکروڈر

اُن سے مطالبہ کرتا تھا کہ اب وہ اس کا عملی ثبوت بھی بہم پہنچائیں۔

اسکر وڈ ر اپنے لیکچروں میں "انسانی عمل کی شعریت" کا اکثر و بیشتر ذکر کرتا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ جو لوگ تجارت، صنعت اور زراعت میں نئے نئے کاموں کے منصوبے بناتے اور انھیں پورا کرتے ہیں، وہ ان شاعروں سے بڑے شاعر ہیں جو محض شاعرانہ جذبات کو شعر کے روپ میں ڈھالتے ہیں۔ جسمانی محنت کے وقار اور مرتبے کا اسکر وڈر سے بڑھ کر غالباً دوسرا اور کوئی حامی نہیں تھا۔ اس زمانے میں ڈنمارک کا کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو اسکر وڈر کی صحبت میں بیٹھا ہو اور ایک مستعد اور باعمل زندگی گذارنے کا عزم کئے بغیر اٹھا ہو۔ اُسے فخر تھا کہ ڈنمارک کی عملی زندگی میں حصہ لینے والے بہت سے ممتاز اشخاص آسکوف فوک ہائی اسکول کے طالب علم رہ چکے ہیں۔

فوک ہائی اسکولوں کی زندگی اور ماحول کے باب میں اسکر وڈر کا عقیدہ تھا کہ

"فوک ہائی اسکول گھر کے مانند ہونے چاہئیں اسی حالت میں وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ ان اداروں کا منصب یہ ہونا چاہئے کہ نوجوانوں کو اپنے ملک اور اہلِ ملک کی زندگی میں آمادگی اور شوق کے ساتھ شریک ہونے پر آمادہ کریں لیکن اسی کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ انھیں اُس احساسِ یگانگت سے محروم نہ کیا جائے جو انھیں ان کے گھروں میں حاصل ہوتا ہے اور جس کے ماحول میں وہ بچپن سے رہتے آئے ہیں۔ ان اسکولوں کی تعلیم یہ ہونی چاہئے کہ زندگی کو اتنا کم ظرف نہیں ہونا چاہئے کہ انسان محض اپنی ہی بقا کے لئے جد و جہد کرتا رہے بلکہ اُسے وسیع ہو کر جماعت کی زندگی کا روپ اختیار کر لینا چاہئے تاکہ اس کا ملک جس میں وہ پیدا ہوا ہے اور اس سے آگے بڑھ کر پوری دنیا اُس کا گھر بن جائے، ملا جُلا اور مشترک گھر جس میں ہر شخص ایک دوسرے کے ساتھ اشتراک کرتا ہے۔"

(بقیہ خبریں صفحہ ۲۸)

نے کے بارے میں عملی مشورہ بہم پہنچائے۔ اس کمیٹی نے منجملہ دوسرے مسائل کے خواندگی کا ایک معیار بھی متفقہ طور پر متعین کیا حسب ذیل ہے۔

کسی ناخواندہ شخص کو خواندہ اُس وقت کہا جائے گا جب وہ اتنا علم اور مہارت حاصل کر لے جو اسے اپنے گروہ یا جماعت کے سب کاموں کو نتیجہ بخش طور پر انجام دینے کے لائق بنا دے جن میں خواندگی کی ضرورت پڑتی ہے؛ اور جس نے پڑھنے لکھنے اور حساب کے فن میں اتنی مہارت اور مشق بہم پہنچائی ہو کہ ان فنون سے اپنی اور اپنی جماعت کی ترقی و فلاح کے لئے برابر کام